اللہ

محرم کیلئے بارہ ۱۲ وعظوں کا مستند مجموعہ

خطباتِ محرّم

تصنیف

فقیہ ملّت مفتی جلال الدّین احمد امجدی

بانی

مرکز تربیت افتاء

دار العلوم امجدیہ اہلسنّت ارشد العلوم

اوجھا گنج ضلع بستی

ملنے کا پتہ

کتب خانہ امجدیہ مہراج گنج ضلع بستی (یوپی)

پن ۔ ۲۷۲۰۰۱

نام کتاب .... خطبات محرم
مصنف .... فقیہ ملت مفتی جلال الدین احمد امجدی علیہ الرحمہ
کتابت .... فخر الحسن بستوی، مولانا غلام نبی بستوی، مولانا محمد عمر صدیقی
پروف ریڈنگ .... مولوی قیام الدین احمد خاں بستوی
ناشرین .... ابرار احمد، ازہار احمد، امجدی منزل، اوجھا گنج بستی
باراول .... ۱۴۰۸ھ مطابق ۱۹۸۸ء
صفحات ۵۴۴
قیمت .... Rs. 120=00
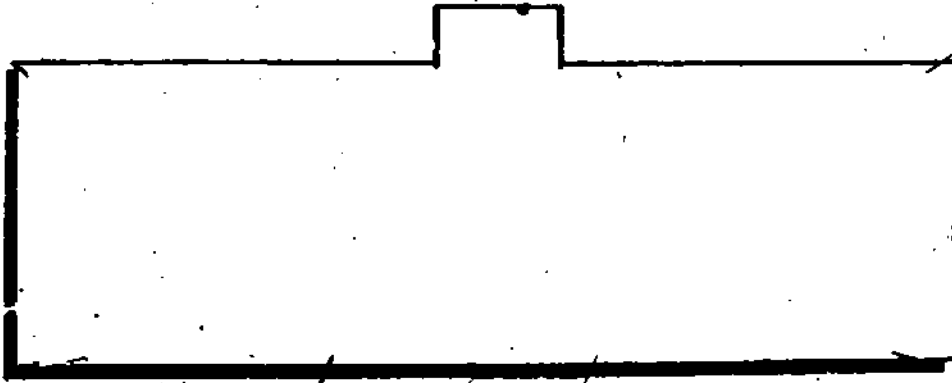
☆ نیو سلور بک ایجنسی، محمد علی روڈ، بھنڈی بازار، بمبئی-۳
☆ ناز بکڈپو، محمد علی روڈ، بھنڈی بازار، بمبئی-۳
☆ اقراء بکڈپو، محمد علی روڈ، بھنڈی بازار، بمبئی-۳
☆ قادری کتاب گھر، اسلامیہ مارکیٹ، نو محلہ مسجد، بریلی شریف (یوپی)

شرف انتساب

فرزند رسول جگر گوشۂ بتول سید الشہداء حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان تمام مسلمانوں کے نام جنھوں نے دین کی حفاظت کیلئے خلوص کے ساتھ اپنا خون یا پسینہ بہایا۔

اور

برادر گرامی جناب نظام الدین احمد مرحوم کے نام جو میری دستار بندی سے آٹھ سال قبل مجھے عالم دین بنانے کی تمنا لے کر دنیا سے رخصت ہو گئے۔

خداوند قدوس ان کی قبر کو انوار و تجلیات سے معمور فرمائے۔ آمین

جلال الدین احمد امجدی

خطبات محرم مندرجہ ذیل کتابوں سے تیار کی گئی ہے

قرآن مجید	شرح عقائد نسفی	اسد الغابہ	کامل ابن اثیر
تفسیر کبیر	درمختار	اصابہ فی تمییز الصحابہ	بدایہ نہایہ
تفسیر روح البیان	ردالمحتار	خصائص کبریٰ	تاریخ طبری
تفسیر خازن	شرح وقایہ	حجۃ اللہ علی العالمین	وفاء الوفاء
تفسیر معالم التنزیل	عمدۃ الرعایہ	الشرف المؤبد	تاریخ الخلفاء
تفسیرات احمدیہ	مراقی الفلاح	برکات آل رسول	صواعق محرقہ
تفسیر خزائن العرفان	فتاویٰ عالمگیری	عشرۂ مبشرہ	نور الابصار
بخاری شریف	فتاویٰ عزیزیہ	کرامات صحابہ	نزہۃ المجالس
مسلم شریف	فتاویٰ رضویہ	سیر الصحابیات	روضۃ الشہداء
ترمذی شریف	بہار شریعت	تحفۂ اثنا عشریہ	سوانح کربلا
ابوداؤد شریف	تنزیہ المکانۃ الحیدریہ	الدولۃ المکیہ	شام کربلا
مشکوٰۃ شریف	حک العیب	الناہیہ	نقش وفا
مؤطا امام محمد	اعجب الامداد	امیر معاویہ پر ایک نظر	شرح الصدور
انوار الحدیث	الانتباہ	غنیۃ الطالبین	فضائل مدینہ
عینی شرح بخاری	حجۃ واہرہ	کشف المحجوب	الملفوظ
مرقاۃ شرح مشکوٰۃ	نسیم الریاض	مکتوبات امام ربانی	عشق کی سرفرازی
اشعۃ اللمعات	مدارج النبوۃ	محبوب یزدانی	استقامت
شرح فقہ اکبر	شواہد النبوۃ	مثنوی مولانا روم	

فہرست مضامین

مضمون	صفحہ

دار العلوم
فیض الرسول
براؤں شریف
ضلع بستی
یوپی
الہند
پائندہ باد

نگاہِ اولیں

محرم شریف کی مجالس کا سلسلہ سال بسال بڑھتا ہی جا رہا ہے کہ اب شہروں کے علاوہ دیہاتوں میں بھی اس طرح کے پروگرام عام ہوتے جا رہے ہیں جن میں بارہ روز مسلسل ایک ہی اسٹیج پر بیان کرنے کے لئے نئے مقررین کو سخت دشواریاں پیش آ رہی ہیں۔

اس لئے عرصہ سے ایک ایسی کتاب کی شدید ضرورت محسوس کی جا رہی تھی جو مستند روایات پر مشتمل ہونے کے ساتھ بارہ وعظوں کا مجموعہ ہو تاکہ مقررین غیر معتبر روایات بیان کرنے سے بچیں اور بارہ روز مسلسل وعظ کہنے پر آسانی کے ساتھ قادر ہو سکیں۔

اور ساتھ ہی سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، خلفائے اربعہ، حضرت امیر معاویہ، حضرت امام حسن اور سید الشہداء حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین پر بد مذہبوں کی طرف سے کئے گئے اعتراضات کے مدلل جوابات بھی ہوں تاکہ عوام اور بعض خواص بھی جو ان حضرات کی جانب سے غلط فہمی میں مبتلا کر دئے گئے ہیں وہ گمراہ ہونے سے بچیں اور اپنی عاقبت کو برباد ہونے سے بچائیں۔

ان ضرورتوں کے پیش نظر ہم نے قلم اٹھایا درس و تدریس اور دیگر ضروری کاموں سے وقت نکال کر تھوڑا تھوڑا لکھا یہاں تک کہ الحمد للہ کتاب مکمل ہو گئی اور کتابت وغیرہ کی بڑی بڑی پریشانیوں سے گذرنے کے بعد زیور طبع سے آراستہ ہو کر آپ کے ہاتھوں میں پہنچی۔

اگرچہ میں اس طرح کی کتاب لکھنے کا اہل نہیں تھا اس لئے کہ تقریری کتاب لکھنے کیلئے مصنف کو ادیب ہونا چاہئے اور مفتی عموماً ادیب نہیں ہوتے۔ فتویٰ نویسی میں ادبی الفاظ سے احتراز کرتے ہیں اس طرح ما فی الضمیر کو مختصر اور جامع الفاظ میں ادا کرنے کے عادی ہو جاتے ہیں۔

لیکن جو ہوش کہ اس کے اہل ہیں جب انھوں نے اس طرف توجہ نہیں کی تو ہمیں مجبوراً اس کے لئے قلم اٹھانا پڑا۔ اور کسی طرح کتاب مکمل کر کے ہم نے قوم کے سامنے پیش کر دیا۔ لہٰذا جو لوگ ادبی الفاظ یا بازاری باتوں کے شائق ہیں ان کی تشنگی اس کتاب سے دور نہ ہوگی۔ صرف ٹھوس مضامین اور مستند روایات و واقعات تلاش کرنے والوں کیلئے بے انتہا مفید ثابت ہوگی اور حتی الامکان مشکل الفاظ لکھنے سے بھی بچنے کی کوشش کی گئی ہے تاکہ عورتیں اور کم لکھے پڑھے لوگ بھی زیادہ سے زیادہ اس کتاب سے فائدہ اٹھا سکیں۔

کتاب کے آخر میں ہم اپنے حالات بھی درج کر دئے ہیں جو بہت سی مفید مذہبی اور دینی معلومات پر مشتمل ہیں۔ ان کا بھی ضرور مطالعہ کریں۔

نبی کے علاوہ دنیا میں کوئی بڑا سے بڑا علم والا ایسا نہیں ہوا ہے کہ جس سے بولنے یا لکھنے میں کہیں لغزش نہ ہوئی ہو تو بہت ممکن ہے کہ اس کتاب کی ترتیب میں کہیں ہمارا قلم بھی بہک گیا ہو۔ اس لئے اہل علم سے گزارش ہے کہ اگر اس میں کوئی غلط بات نظر آئے تو لوگوں میں اس کتاب کی اہمیت نہ گھٹائیں بلکہ بذریعۂ تحریر ہم کو مطلع کریں تاکہ نئے اڈیشن میں اس کی تصحیح کر دی جائے۔

عزیز گرامی حضرت مولانا غلام عبد القادر صاحب علوی صاحبزادہ شعیب الاولیاء حضرت شاہ محمد یار علی صاحب قبلہ علیہ الرحمۃ والرضوان نے اس کتاب کا اکثر حصہ پڑھا اور مفید مشورہ دیا اور جناب مولانا قاضی عطاء الحق صاحب عثمانی گونڈوی کی یاد دہانی سے کتاب میں بعض اہم مضامین کا اضافہ ہوا۔

اور مولوی محمد شمیم بڑھیاوی فاضل فیض الرسول نے بعض کتابیں فراہم کیں جو اس مجموعہ کی تصنیف میں بہت معاون ثابت ہوئیں۔

خدائے عزوجل ان سب کے علم و عمل میں روز افزوں ترقی عطا فرمائے اور خلوص کیساتھ دین متین کی بیش از بیش خدمت کی توفیق رفیق بخشے۔

اور دعا ہے کہ اللہ رب العزت اس کتاب سے اہلسنت وجماعت کو تقویت بخشے، آخری دم تک خلوص کے ساتھ دین کی خدمتیں لیتا رہے، ہماری اولاد کو بھی اسلام وسنیت کی نشر و اشاعت کا صحیح جذبہ عطا فرمائے، ایمان پر ہمارا خاتمہ ہو قیامت کی ہولناکیوں سے محفوظ رکھے اور حضور پر نور شافع یوم النشور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شفاعت نصیب فرمائے۔ آمین

بحرمۃ النبی الکریم الامین علیہ وعلیٰ آلہ افضل الصلوات و اکمل التسلیم۔

جلال الدین احمد امجدی

۲۵ر جمادی الاخریٰ ۱۴۰۸ھ

۱۴ر فروری ۱۹۸۸ء

مرتبہ شہادت

الحمد للہ الذی اکرام الشہداء بالحیاۃ ۔ بقولہ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتٌ ۔ والصلوٰۃ والسلام علیٰ صاحب الشفاعات ۔ وعلیٰ الہ واصحابہ الذین فازوا بالشہادات ۔ اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم ۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتًا ۔ بَلْ اَحْیَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ یُرْزَقُوْنَ (پ۴ ع ۸)

صدق اللہ العلی العظیم ۔ وصدق رسولہ النبی الکریم ۔ ونحن علیٰ ذٰلک لمن الشاھدین والشاکرین ۔ والحمد للہ رب العٰلمین ۔

ایک مرتبہ ہم اور آپ سب لوگ مل کر مکہ کے سرکار مدینہ کے تاجدار دونوں عالم کے مالک ومختار جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دربار دُر بار میں بلند آواز سے درود وسلام کا نذرانہ اور ہدیہ پیش کریں ۔ صلی اللہ علی النبی الامی والہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ۔ صلاۃً وسلاماً علیک یا رسول اللہ ۔

شہادت آخری منزل ہے انسانی سعادت کی ۔۔۔ وہ خوش قسمت ہیں مل جائے جنہیں دولت شہادت کی
شہادت پا کے ہستی زندۂ جاوید ہوتی ہے ۔۔۔ یہ رنگیں شام صبح عید کی تمہید ہوتی ہے

برادران اسلام! دنیا کے لحاظ سے انسان کے مختلف درجے ہیں ۔ کوئی چوکیدار ہے تو کوئی کانسٹبل، کوئی سب انسپکٹر ہے تو کوئی ایس ۔ پی یہاں تک کہ کوئی وزیر اعظم ہے تو کوئی صدر جمہوریہ ۔ اور بعض انتہائی ذلت وپستی میں ہیں جیسے کوڑھی وغیرہ کہ ان کے گھر والے بھی ان سے نفرت اور گھن کرتے ہیں ۔

اسی طرح اسلامی اعتبار سے بھی انسان کی دو قسمیں ہیں۔ ایک مسلم۔ دوسرے کافر۔ کافروں میں بھی مختلف درجے ہیں ان میں مرتد سب سے بدتر کافر ہے کہ اسے جینے کا بھی حق نہیں ہے۔
اور مسلمانوں میں سب سے اونچا درجہ سید الرسل نبی الانبیا جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ہے۔ پھر رسل عظام کا پھر دیگر انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کا۔ پھر صدیقین پھر شہداء اور پھر صالحین یعنی اولیائے کرام کا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

پھر اولیائے کرام میں بھی غوث، قطب اور ابدال و اوتاد وغیرہ مختلف درجات ہیں۔ اور پھر علمائے اسلام ہیں وہ بھی مختلف درجے والے ہیں۔ پھر مومن متقی ہیں پھر فاسق۔ اور مسلمانوں میں سب سے کم درجہ گمراہ و بدمذہب کا ہے جس کی بدمذہبی حد کفر کو نہیں پہنچی ہے۔

نبی اس محترم ہستی کو کہتے ہیں جس پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے وحی نازل کی گئی ہو۔ عبادت و ریاضت سے کوئی نبی نہیں ہوسکتا بلکہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے جسے چاہتا ہے نبوت سے سرفراز فرماتا ہے۔ مگر ہمارے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد اب کوئی نبی نہیں ہوسکتا کہ وہ خاتم الانبیا ہیں۔ اور صدیق یا ولی بننا بھی بڑا مشکل کام ہے۔ اور شہید بننا آسان بھی ہے اور مشکل بھی۔
مشکل تو اس لحاظ سے ہے کہ انسان کو اپنی جان بہت زیادہ پیاری ہوتی ہے اور آسان اس اعتبار سے ہے کہ تھوڑی ہی دیر میں درجۂ شہادت حاصل ہوجاتا ہے یعنی شہید ایک ہی جست میں زمین کی پستی سے آسمان کی بلندی پر پہنچ جاتا ہے۔

عبد القیوم کا واقعہ

سنہ ۱۹۳۴ء کا واقعہ عبد القیوم کا مشہور ہے جو وکٹوریا گاڑی چلاتا تھا۔ جو کوچوانی کرکے اپنی اور اپنے گھر والوں کی روزی حاصل کرتا تھا۔ اس کی رات جھونپڑے میں بسر ہوتی تھی اور دن وکٹوریا چلانے میں۔ گھوڑے کی لگام پکڑتے پکڑتے اس کی ہتھیلیوں کا چمڑا موٹا اور کھردرا ہوگیا تھا۔ پورے شہر کراچی میں جہاں وہ رہتا تھا کوئی اس کا ہمدرد و غم گسار نہیں تھا۔ اگر کوئی اس کا دوست اور شناسا تھا تو اس کا پیارا گھوڑا موتی تھا۔

عبدالقیوم کو معلوم ہوا کہ ایک شخص نے اپنی کتاب میں سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی و بے ادبی کی ہے جس پر مقدمہ چل رہا ہے اور آج اس کی تاریخ ہے وہ فوراً وکٹوریا لے کر کچہری کی طرف چل پڑا۔ ایک کنارے اپنی گاڑی کھڑی کی اور فاتحانہ شان کی طرح چل کر جج کے کمرہ میں پہنچ گیا جو آدمیوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ دو انگریز جج ابھی قانونی دفعات کا چہرہ دیکھنے میں لگے ہوئے تھے کہ اس نے مجرم کو اس طرح چاقو مارا جو اس کی گردن میں اترتا چلا گیا۔ لاش تڑپ کر ٹھنڈی ہو گئی اور عبدالقیوم نے بغیر کسی مزاحمت کے اپنے آپ کو پولیس کے حوالے کر دیا۔

عبدالقیوم جو اپنے ہی شہر میں اجنبی تھا اور کوئی اسے جانتا پہچانتا نہ تھا تھوڑی ہی دیر میں صرف کراچی نہیں بلکہ پورا ہندوستان اسے جان گیا اور سارے مسلمانوں کی محبتوں کا مرکز بن گیا اسے ضمانت پر چھڑایا گیا اور مقدمہ شروع ہوا۔ وقت کے ماہر قانون دانوں، بڑے بڑے وکیلوں اور بین الاقوامی شہرت رکھنے والے بیرسٹروں نے عبدالقیوم کے مقدمہ کی پیروی کرنی چاہی اور اس سے کہا بس اپنا بیان ذرا بدل دو ہم تمہیں بچا لیں گے۔ کہنے والوں نے بہت کہا، منت سماجت کرنے والوں نے بہت منت سماجت کی مگر عبدالقیوم کے پاس ہر شخص کے لئے صرف ایک جواب تھا کہ میں نے جان بوجھ کر مرتبۂ شہادت خریدا ہے آپ اس نعمت سے مجھ کو محروم کرنے کی کوشش نہ کریں۔ میں اقبالِ بیان بدل کر اپنی عاقبت نہیں خراب کروں گا۔

عبدالقیوم کی رہائی کے لئے مسجدوں میں دعائیں کی گئیں۔ عورتوں نے منتیں مانیں اور بوڑھوں کے لرزتے ہاتھ، نوجوانوں کے دل اور بچوں کی اداسیوں نے مالک حقیقی سے اس کی زندگی کی بھیک مانگی مگر عبدالقیوم ہی کی تمنا پوری ہوئی۔ قانون کے محافظوں نے اسکی موت کا حکم سنا دیا۔ وہ موت کہ جس پر ہر دل غمزدہ اور ہر گھر ماتم کدہ بنا ہوا تھا جیسے کہ یہ اسی کے گھر کا المیہ ہو۔

پھر جب عبدالقیوم کا جنازہ اٹھا تو اس میں پچیس لاکھ سے زیادہ آدمی شریک ہوئے چھتوں

اور بالاخانوں سے عورتیں آنچلوں سے آنسو پونچھتی جاتی تھیں اور پھول نچھاور کرتی جاتی تھیں کراچی کی تاریخ گواہ ہے کہ اس کے پہلے کسی بھی شخص کے جنازے میں اتنے انسان نہیں شریک ہوئے۔ پھر یہ تو انسانوں کی تعداد تھی جو پچیس لاکھ سے زائد تھی اور فرشتے کتنے کرور تھے پھر محبوب کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کس پیار و محبت سے عبد القیوم کو خوش آمدید کہا ہوگا؟ اسے کون جان سکتا ہے؟ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

برادران ملت! دیکھا آپ نے وہ عبد القیوم کہ جو وکٹوریہ چلاتا تھا، کو جوان تھا، پورے شہر میں کوئی اسے جانتا پہچانتا نہیں تھا، لوگوں کے لیے اجنبی تھا، سماج اور معاشرے کے پست طبقہ کا ایک ناقابل توجہ آدمی تھا مگر ایک ہی جست میں رفعتوں کی ساری منزلوں کو طے کر لیا اور تھوڑی ہی دیر میں اس مقام رفیع کو پالیا کہ جہاں برسہا برس کے مجاہدوں اور زندگی بھر کی ریاضتوں کے بعد بھی ہر انسان نہیں پہنچ پاتا۔

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا
ہر شخص کے نصیب میں دار و رسن کہاں

اور جب عبد القیوم جیسا ایک معمولی انسان راہ حق میں شہید ہو کر لوگوں کے دلوں کی دھڑکن بن گیا تو سید الشہداء حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو محبوب خدا سید الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نواسے ہیں، علی مرتضیٰ کے لخت جگر ہیں اور فاطمہ زہراء کے نور نظر ہیں اور جو تمام عزیز و اقارب یہاں تک کہ جوان بیٹے علی اکبر اور شیر خوار صاحبزادے علی اصغر کی دردناک شہادت کے باوجود ہمت نہیں ہارے اور راہ حق میں قربان ہو گئے وہ شہید ہو کر ہمیشہ کیلئے مسلمانوں کے دلوں کی دھڑکن بن گئے اور ان کی محبتوں کے مرکز ہو گئے۔

یہی وجہ ہے کہ ہر سال جب ان کی تاریخ شہادت قریب آتی ہے اور محرم کا چاند نمودار ہوتا ہے تو پورا ماحول سوگوار ہو جاتا ہے، ان کی یاد لوگوں کے دلوں کو تڑپا دیتی ہے جگہ جگہ ان کے ذکر کی مجلسیں قائم ہوتی ہیں، کھانے کھلائے جاتے ہیں، کھچڑے پکائے جاتے

ہیں سبیلیں قائم کی جاتی ہیں اور طرح طرح سے ان کی بارگاہ میں نذر و نیاز پیش کی جاتی ہیں۔ اور انشاء اللہ یہ سلسلہ قیامت تک ایسے ہی جاری رہے گا یزیدیوں کی ہزار مخالفت کے باوجود کبھی نہیں مٹے گا۔

رہے گا یوں ہی ان کا چرچا رہے گا
پڑے خاک ہو جائیں جل جانے والے

صلی اللہ علی النبی الامی وآلہ صلی اللہ علیہ وسلم صلاۃ وسلاما علیک یارسول اللہ

شہید کی قسمیں

شہید کی تین قسمیں ہیں۔ شہید حقیقی، شہید فقہی اور شہید حکمی جو اللہ کی راہ میں قتل کیا جائے وہ شہید حقیقی ہے۔ اور شہید فقہی اسے کہتے ہیں کہ عاقل بالغ مسلمان جس پر غسل فرض نہ ہو وہ تلوار و بندوق وغیرہ آلۂ جارحہ سے ظلماً قتل کیا جائے اور قتل کے سبب مال نہ واجب ہوا ہو۔ اور نہ زخمی ہونے کے بعد کوئی فائدہ دنیا سے حاصل کیا ہو۔ اور نہ زندوں کے احکام میں سے کوئی حکم اس پر ثابت ہوا ہو یعنی اگر پاگل، نابالغ یا حیض و نفاس والی عورتیں اور جنب شہید کئے جائیں تو وہ شہید فقہی نہیں۔ اور اگر قتل سے مال واجب ہوا ہو جیسے کہ لاٹھی سے مارا گیا یا قتل خطا کہ مار رہا تھا شکار کو اور لگ گیا کسی مسلمان کو۔ یا زخمی ہونے کے بعد کھایا، پیا، علاج کیا، نماز کا پورا وقت ہوش میں گزرا اور وہ نماز پر قادر تھا یا کسی بات کی وصیت کی تو وہ شہید فقہی نہیں۔

مگر شہید فقہی نہ ہونے کا یہ معنی نہیں کہ وہ شہید ہونے کا ثواب بھی نہیں پائے گا بلکہ اس کا مطلب صرف اتنا ہے کہ اسے غسل دیا جائے گا اور شہید فقہی کی نماز جنازہ تو پڑھی جائے گی مگر اسے غسل نہیں دیا جائے گا ویسے ہی خون کے ساتھ دفن کر دیا جائے گا۔ اور جو چیزیں کہ از قسم کفن نہیں ہوں گی انھیں اتار لیا جائے گا جیسے زرہ، ٹوپی اور ہتھیار وغیرہ۔ اور کفن مسنون میں اگر کمی ہوگی تو اسے پورا کیا جائے گا۔ پاجامہ نہیں اتارا جائے اور سارے کپڑے اتار کر

نئے کپڑے نہیں دیئے جائیں گے کہ مکروہ ہے۔
اور شہید حکمی وہ ہے کہ جو ظلماً نہیں قتل کیا گیا مگر قیامت کے دن وہ شہیدوں کے گروہ میں اٹھایا جائے گا۔ حدیث شریف میں ہے سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدائے تعالیٰ کی راہ میں شہید کئے جانے کے علاوہ سات شہادتیں اور ہیں۔ جو طاعون میں مرے شہید ہے۔ جو ڈوب کر مر جائے شہید ہے۔ جو ذات الجنب (نمونیہ) میں مرے شہید ہے۔ جو پیٹ کی بیماری میں مر جائے شہید ہے۔ جو آگ میں جل جائے شہید ہے۔ جو عمارت کے نیچے دب کر مر جائے وہ شہید ہے اور جو عورت بچہ کی پیدائش کے وقت مر جائے وہ بھی شہید ہے

(مشکوٰۃ شریف صفحہ ۱۳۶)

ان کے علاوہ اور بھی بہت سی صورتیں ہیں جن میں شہادت کا ثواب ملتا ہے۔ ان میں سے چند یہ ہیں۔ حالت سفر میں مرا، سل کی بیماری میں مرا، سواری سے گر کر مرا یا مرگی سے مرا، بخار میں مرا، جان ومال یا اہل وعیال یا کسی حق کے بچانے میں قتل کیا گیا، عشق میں مرا بشرطیکہ پاک دامن ہو اور چھپایا ہو، کسی درندے نے پھاڑ کھایا، بادشاہ نے ظلماً قید کیا یا مارا اور مر گیا، کسی موذی جانور کے کاٹنے سے مرا، علم دین کی طلب میں مرا، مؤذن جو کہ طلب ثواب کیلئے اذان کہتا ہو، راست گو تاجر، جسے سمندر کے سفر میں متلی قے آئی اور مر گیا، جو اپنے بال بچوں کیلئے سعی کرے ان میں امر الٰہی قائم کرے اور انہیں حلال کھلائے، جو ہر روز ۲۵ بار یہ دعا پڑھے اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لِيْ فِي الْمَوْتِ وَفِيْمَا بَعْدَ الْمَوْتِ۔ جو چاشت کی نماز پڑھے ہر مہینے میں تین روزہ رکھے اور وتر کو سفر وحضر میں کہیں ترک نہ کرے، فساد امت کے وقت سنت پر عمل کرنے والا اس کے لئے سو شہیدوں کا ثواب ہے۔ جو مرض میں لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ چالیس مرتبہ کہے اور اسی مرض میں انتقال کر جائے اور اچھا ہو گیا تو اس کی مغفرت ہو جائے گی، کفار سے مقابلہ کے لئے سرحد پر گھوڑا باندھنے والا، جو شخص ہر رات میں سورۂ یٰسین شریف پڑھے، جو باوضو سویا اور مر گیا۔ جو

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر سو مرتبہ روزانہ درود شریف پڑھے، جو سچے دل سے یہ دعا کرے کہ اللہ کی راہ میں قتل کیا جاؤں اور جو شخص جمعہ کے روز انتقال کرے (ردالمحتار۔ بہار شریعت)

ان تمام قسموں میں سب سے اعلیٰ شہید وہ ہے جو اللہ کی راہ میں قتل کیا گیا اور شہادت حقیقیہ سے سرفراز ہوا۔ اس کے فضائل میں کئی آیتیں اور بے شمار حدیثیں وارد ہیں۔

شہداء کے فضائل

خدائے عزوجل شہدائے کرام کی فضیلت بیان کرتے ہوئے قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے۔

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْیَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ۔

جو خدا کی راہ میں قتل کئے جائیں انہیں مردہ مت کہنا۔ بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تمہیں خبر نہیں (پ۲ ع ۳)

اور ارشاد فرماتا ہے۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْیَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ یُرْزَقُوْنَ ۔

جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کئے گئے انہیں مردہ ہرگز نہ خیال کرنا۔ بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں۔ روزی دئے جاتے ہیں (پ۴ ع ۸)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس آیت کریمہ کا معنیٰ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ شہیدوں کی روحیں سبز پرندوں کے جسم میں ہیں، ان کے رہنے کیلئے عرش الٰہی کے نیچے قندیلیں لٹکائی گئی ہیں جنت میں جہاں انکا جی چاہتا ہے وہ سیر کرتے ہیں اور اس کے میوے کھاتے ہیں۔ (مسلم، مشکوٰۃ صفحہ ۳۳۳)

اور سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شہدائے اسلام کی عظمت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ شہید کے لئے خدائے تعالیٰ کے نزدیک چھ خوبیاں ہیں۔ (۱) خون کا پہلا قطرہ گرتے ہی اسے بخش دیا جاتا ہے اور روح نکلنے ہی کے وقت اس کو جنت میں اس کا ٹھکانہ دکھا دیا

جاتا ہے (۲) قبر کے عذاب سے محفوظ رہتا ہے (۳) اسے جہنم کے عذاب کا خوف نہیں رہتا۔ (۴) اس کے سر پر عزت و وقار کا ایسا تاج رکھا جائے گا کہ جس کا بیش بہا یاقوت دنیا اور دنیا کی تمام چیزوں سے بہتر ہوگا۔ (۵) اس کے نکاح میں بڑی بڑی آنکھوں والی بہتر[۲] حوریں دی جائیں گی۔ (۶) اور اس کے عزیزوں میں سے ستر آدمیوں کے لئے اس کی شفاعت قبول کی جائے گی۔ (ترمذی۔ مشکوٰۃ صفحہ ۳۳۳)

اور سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ جو لوگ لڑائی میں قتل کئے جاتے ہیں ان کی تین قسمیں ہیں۔ ایک وہ مومن جو اپنی جان اور اپنے مال سے اللہ کی راہ میں لڑے اور دشمن سے خوب مقابلہ کرے یہاں تک کہ قتل کر دیا جائے۔ یہ وہ شہید ہے جو صبر اور مشقت کے امتحان میں کامیاب ہوا۔ یہ شہید خدائے تعالیٰ کے عرش کے نیچے خدا کے خیمہ[۱] میں ہوگا۔ لَا يَفْضُلُهُ النَّبِيُّوْنَ اِلَّا بِدَرَجَةِ النُّبُوَّةِ۔ انبیائے کرام اس سے صرف درجۂ نبوت میں زیادہ ہوں گے یعنی مرتبۂ نبوت اور اس سے جو کمالات متعلق ہیں ان کے علاوہ ہر مرتبہ اور ہر کمال اس شہید کو حاصل ہوگا۔

اور دوسرا وہ مومن جس کے اعمال دونوں طرح کے ہوں یعنی کچھ اچھے اور کچھ برے۔ وہ اپنی جان و مال سے خدا کی راہ میں جہاد کرے۔ جس وقت دشمن سے سامنا ہو اس سے لڑے یہاں تک کہ قتل کر دیا جائے۔ یہ ایسی شہادت ہے جو گناہوں اور برائیوں کو مٹانے والی ہے پھر فرمایا اِنَّ السَّيْفَ مَحَّاءٌ لِّلْخَطَايَا وَاُدْخِلَ مِنْ اَيِّ اَبْوَابِ الْجَنَّةِ شَاءَ۔ یعنی بیشک تلوار گناہوں کو بہت زیادہ مٹانے والی ہے اور یہ شہید جس دروازے سے چاہے گا جنت میں چلا جائے گا۔

اور تیسرا وہ منافق ہے جس نے اپنی جان اور اپنے مال سے جہاد کیا اور جب دشمن سے

---

[۱] یعنی در حضرت وے و محل قرب وے تعالیٰ (اشعۃ اللمعات جلد سوم صفحہ ۲۶)

مقابلہ ہوا تو خوب لڑا یہاں تک کہ مارا گیا۔ یہ شخص دوزخ میں جائے گا۔ حضور نے فرمایا اسلئے کہ اِنَّ السَّیْفَ لَایَمْحُوالنِّفَاقَ۔ نفاق یعنی چھپے ہوئے کفر کو تلوار نہیں مٹاتی ہے۔
(دارمی۔ مشکوۃ ص۳۳۶)

اس حدیث شریف سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ اللہ کی راہ میں شہید ہونے والا مرتبہ نبوت اور اس کے متعلقہ کمالات کے علاوہ سارے درجات سے سرفراز کیا جاتا ہے اور اس کے تمام گناہ معاف کردئے جاتے ہیں ساتھ ہی یہ بھی واضح ہوا کہ اگر دل میں کفر چھپائے ہو اور صرف ظاہر میں مسلمان ہو تو چاہے زندگی بھر جہاد کرے یہاں تک کہ اپنی عزیز ترین جان بھی قربان کردے مگر وہ جہنم ہی میں جائے گا۔

اسی طرح جو لوگ محبوب خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بغض و عداوت کا کفر اپنے دلوں میں چھپائے ہوئے ہیں اور ان کی عظمت کے دشمن ہیں۔ اگر وہ دن رات عبادت کریں اور زندگی بھر ساری دنیا میں اسلام کی نشر و اشاعت کریں اور تبلیغ کرتے پھریں یہاں تک کہ اسی حال میں مرجائیں تو ان کا ٹھکانہ جہنم ہی ہوگا اس لئے کہ اس طرح کی کسی بھی نیکی سے کفر نہیں معاف ہوتا

صلی اللہ علی النبی الامی وآلہ صلی اللہ علیہ وسلم صلاۃ وسلاما علیک یا رسول اللہ۔

شہید اور احساس زخم

میدان جنگ میں شہید ہر طرح سے زخمی ہوتا ہے کبھی ہاتھ کٹتا ہے، کبھی پاؤں گھائل ہوتا ہے، کبھی اس کے سینہ میں نیزہ داخل کیا جاتا ہے، خون کا فوارہ جاری ہوتا ہے، کبھی گردن کٹ کے الگ ہوجاتی ہے اور شہید خون میں نہا کر زمین پہ گرجاتا ہے جس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کو سخت تکلیف و اذیت ہوتی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کو بہت معمولی سی تکلیف ہوتی ہے اور اسے ان زخموں کا پورا احساس نہیں ہوتا مخبر صادق نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

اَلشَّهِيْدُ لَا يَجِدُ اَلَمَ الْقَتْلِ اِلَّا كَمَا يَجِدُ اَحَدُكُمْ اَلَمَ الْقَرْصَةِ۔	شہید قتل کی صرف اتنی ہی تکلیف محسوس کرتا ہے جتنی کہ تم چٹکی بھرنے یا چیونٹی کے کاٹنے کی تکلیف محسوس کرتے ہو (ترمذی، مشکوۃ ص۳۳۲)

ممکن ہے کوئی کہے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ شہید کے ہاتھ پاؤں کاٹ دئے گئے اور اسکی گردن بھی جدا کردی گئی مگر اس کو صرف اتنی تکلیف ہوئی جتنی کہ چیونٹی کاٹنے یا چٹکی بھرنے سے ہوتی ہے۔

تو اس شبہہ کا جواب یہ ہے کہ شہید سے وہ شہید حق مراد ہے جس کے دل میں اللہ اور اس کے رسول کی محبت اس درجہ پیدا ہوگئی ہو کہ اس کا دل چاہتا ہے کہ ایک نہیں بلکہ کروڑوں جانیں ہوں تو میں سب کو اپنے محبوب پر قربان کردوں۔ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں۔

کروں تیرے نام پہ جاں فدا نہ بس ایک جاں دوجہاں فدا
دوجہاں سے بھی نہیں جی بھرا کروں کیا کروروں جہاں نہیں

جیسے ڈاکٹر مریض کو دوا سنگھا دیتا ہے پھر اس کے جسم کو چیرتا اور پھاڑتا ہے، ہڈیاں توڑتا ہے اور ٹانکے لگاتا ہے مگر چونکہ دوا کا اثر اس پر غالب ہوتا ہے اس لئے مریض کو کوئی تکلیف نہیں محسوس ہوتی۔ بالکل اسی طرح وہ شہید حق کہ جس کے دل میں اللہ ورسول کی محبت غالب ہوگئی تو اس کا جسم کٹتا ہے، ہڈیاں ٹوٹتی ہیں، خون بہتا ہے اور گردن جدا ہوتی ہے مگر اسے تکلیف کا احساس نہیں ہوتا۔

مصر کی عورتیں مصر کے شریف گھر کی عورتوں نے جب زلیخا کو حضرت یوسف علیہ السلام کی محبت پر ملامت کی اور طعنہ دیا تو زلیخا نے ان عورتوں کو بلایا۔ ان کے لئے دسترخوان بچھوایا جس پر طرح طرح کے کھانے اور میوے چنے گئے پھر زلیخا نے ہر عورت کو پھل وغیرہ کاٹنے کے لئے ایک ایک چھری دی اور حضرت یوسف علیہ السلام

سے عرض کیا کہ آپ ان عورتوں کے سامنے آجائیں۔ جب آپ تشریف لائے اور عورتوں نے ان کے جمال جہاں آرا کو دیکھا تو ان کے حسن نے عورتوں پر اتنا اثر کیا کہ بجائے لیموں کے انھوں نے اپنے ہاتھوں کو کاٹ لیا اور خون بہنے لگا مگر ان لوگوں کو ہاتھوں کے کٹنے کا احساس نہیں ہوا اسی لئے انھوں نے یہ نہیں کہا کہ ہائے! ہم تو اپنے ہاتھ کاٹ لئے بلکہ یہ کہا کہ یہ انسان نہیں ہیں فرشتہ ہیں۔ وَقَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ وَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا۔ اِنْ هٰذَآ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ (سورۂ یوسف پ ۱۲ ع ۱۴)

اور جب حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن کا عورتوں پر ایسا اثر ہوا کہ ان کو ہاتھ کٹنے کی تکلیف کا احساس نہیں ہوا تو جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جن کا چہرۂ اقدس ایسا روشن و تابناک تھا کہ بقول راویان حدیث آپ کے چہرے میں چاند و سورج تیرتے تھے جب پر ان کے حسن و جمال کا اثر ہوتا ہے اور ان کی محبت کا غلبہ ہوتا ہے اس کا سر بھی کٹ جاتا ہے مگر اسے احساس نہیں ہوتا۔

حسن یوسف پہ کٹیں مصر میں انگشت زناں
سر کٹاتے ہیں ترے نام پہ مردانِ عرب

شہادت کی لذت

دنیا کی بے شمار نعمتوں سے انسان لطف و لذت حاصل کرتا ہے۔ کسی نعمت کو کھاتا ہے، کسی کو پیتا ہے، کسی کو سونگھتا ہے، کسی کو دیکھتا ہے، کسی کو سنتا ہے اور ان کے علاوہ مختلف طریقوں سے تمام نعمتوں کو استعمال کرتا ہے اور ان سے محظوظ ہوتا ہے لیکن مرد مومن کو شہادت کی جو لذت حاصل ہوتی ہے اس کے سامنے دنیا کی ساری لذتیں ہیچ ہیں۔ یہاں تک کہ شہید جنت کی تمام نعمتوں سے فائدہ اٹھائے گا۔ اور ان سے لطف اندوز ہوگا مگر جب اس کو اللہ و رسول کی محبت میں سر کٹانے کا مزہ یاد آئیگا تو جنت کی بھی ساری نعمتوں کا مزہ بھول جائے گا اور تمنا کرے گا کہ اے کاش! میں دنیا میں واپس کیا جاؤں اور بار بار شہید کیا جاؤں۔

حدیث شریف میں ہے سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت میں داخل ہونے کے بعد پھر کوئی جنتی وہاں کی راحتوں اور نعمتوں کو چھوڑ کر دنیا میں آنا پسند نہ کرے گا کہ جو چیزیں ہیں زمین میں حاصل تھیں وہ پھر مل جائیں۔

اِلَّا الشَّہِیْدُ یَتَمَنّٰی اَنْ یَّرْجِعَ اِلَی الدُّنْیَا فَیُقْتَلَ عَشْرَ مَرَّاتٍ۔

مگر شہید آرزو کریگا کہ وہ پھر دنیا کیطرف واپس ہوکر اللہ کی راہ میں دس مرتبہ قتل کیا جائے۔

(بخاری، مسلم، مشکوٰۃ صفحہ ۳۳۰)

صلی اللہ علی النبی الامی وآلہ صلی اللہ علیہ وسلم صلاۃ وسلاما علیک یارسول اللہ۔

بے مثل شہادت

اسلام کی نشر واشاعت اور اس کی بقا کے لئے بیشمار مسلمان اب تک شہید کئے گئے مگر ان تمام لوگوں میں سید الشہداء حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت بے مثل ہے کہ آپ جیسی مصیبتیں کسی دوسرے شہید نے نہیں اٹھائیں۔ آپ تین دن کے بھوکے پیاسے شہید کئے گئے اس حال میں کہ آپ کے تمام رفقا، عزیز واقارب واہل وعیال بھی سب بھوکے پیاسے تھے اور چھوٹے بچے پانی کیلئے تڑپ رہے تھے۔ یہ آپ کے لئے اور زیادہ مصیبت کی بات تھی اس لیے کہ انسان اپنی بھوک وپیاس تو برداشت کرلیتا ہے لیکن اہل وعیال اور خاص کر چھوٹے بچوں کی بھوک وپیاس اسے پاگل بنا دیتی ہے۔

اور جب پانی کا وجود نہیں ہوتا تو پیاس کی تکلیف کم ہوتی ہے لیکن جبکہ پانی کی بہتات ہو جسے عام لوگ ہر طرح سے استعمال کر رہے ہوں یہاں تک کہ جانور بھی اس سے سیراب ہو رہے ہوں مگر کوئی شخص جو تین دن کا بھوکا پیاسا ہو اسے نہ پینے دیا جائے تو یہ اس کے لئے زیادہ تکلیف کی بات ہے۔

اور میدان کربلا میں یہی نقشہ تھا کہ آدمی اور جانور سبھی لوگ دریائے فرات سے سیراب

ہو رہے تھے مگر امام عالی مقام اور ان کے تمام رفقاء پر پانی بند کر دیا گیا تھا یہاں تک کہ آپ اپنے پیاروں اور چھوٹے بچوں کو بھی ایک قطرہ نہیں پلا سکتے تھے۔

اس کی قدرت جانور تک آب سے سیراب ہوں
پیاس کی شدت میں تڑپے بے زبان اہلبیت

اور پھر غیر ایسا کرے تو تکلیف کا احساس کم ہوگا اور یہاں حال یہ ہے کہ کھانا پانی روکنے والے اپنے کو مسلمان ہی کہلاتے ہیں، کلمہ پڑھتے ہیں، نمازیں ادا کرتے ہیں اور ان کے نانا جان کا اسم گرامی اذانوں میں بلند کرتے ہیں مگر نواسے پر ظلم و ستم کا پہاڑ توڑتے ہیں۔

اگرچہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر بھی پانی بند کر دیا گیا تھا مگر وہ اپنے گھر اور اپنے وطن میں تھے اور امام عالی مقام اپنے گھر سے دور بے وطن ہیں اس کے ساتھ تیز دھوپ تپتی ہوئی زمین اور گرم ہواؤں کے تھپیڑے بھی ہیں۔

اور آپ کو یہ اندیشہ بھی دامن گیر تھا کہ میری شہادت کے بعد میرا تمام ساز و سامان لوٹ لیا جائے گا، خیمہ جلا دیا جائے گا، مستورات بے سہارا ہو جائیں گی اور انھیں قید کر لیا جائیگا۔

ان حالات میں اگر رستم بھی ہوتا تو اس کے حوصلے پست ہو جاتے اور وہ اپنی گردن جھکا دیتا لیکن سید الشہداء حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان مصائب و آلام کے ہجوم میں بھی باطل کے مقابلہ کے لئے صبر و رضا کا پہاڑ بن کر قائم رہے اور آپ کے پائے استقلال میں لغزش نہیں پیدا ہوئی یہاں تک کہ بہتّر زخم کھا کر شہید ہو گئے اور پھر آپ کی لاش مبارک گھوڑوں کی ٹاپوں سے روندی بھی گئی۔

آپ کی یہ شہادت بے مثل ہے جس نے یزیدیت کو مردہ کر دیا اسے دنیا میں نہیں پھیلنے دیا اور دین اسلام کو مسخ ہونے سے بچا لیا۔ اسی لئے سلطان الہند حضرت خواجہ غریب نواز اجمیری علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں۔

شاہ است حسین بادشاہ است حسین
دین ست حسین دیں پناہ است حسین

سر داد نداد دست در دست یزید   حقا کہ بنائے لا الہ است حسین
رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ عنا وعن سائر المسلمین

شہیدوں کی زندگی

شہید جو اللہ کی راہ میں قتل کئے جاتے ہیں وہ زندہ ہیں پارۂ دوم رکوع ۳ کی آیت کریمہ وَلَا تَقُوْلُوْا الخ میں خداوند قدوس نے شہیدوں کو مردہ کہنے سے روک دیا اور فرمایا کہ وہ زندہ ہیں لیکن تم شعور نہیں رکھتے ہو اور نہیں سمجھتے ہو کہ وہ کیسے زندہ ہیں۔

مگر انسان جبکہ دیکھتا ہے کہ شہید کے ہاتھ پاؤں کٹ گئے، اس کی گردن جدا ہو گئی، وہ بے حس وحرکت ہو گیا اور سانس کی آمد و رفت بھی بند ہو گئی پھر اس کو زمین کے نیچے دفن کر دیا گیا، وارثوں نے اس کے مال کو آپس میں تقسیم کر لیا اور بیوی نے عدت گذار کر دوسرا نکاح بھی کر لیا تو ہو سکتا تھا کہ ظاہری حال دیکھ کر وہ گمان کرتا کہ شہید مردہ ہیں۔ البتہ جب اللہ تعالیٰ نے منع فرما دیا ہے تو اسے مردہ نہیں کہا جائے گا۔ تو خدائے عزوجل نے پارۂ چہارم رکوع ۸ کی آیت مبارکہ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا الخ میں شہیدوں کو مردہ گمان کرنے سے بھی روک دیا اور تاکید کے ساتھ فرمایا کہ ایسے لوگوں کو مردہ ہرگز گمان مت کرنا بلکہ وہ زندہ ہیں اور بارگاہ الٰہی سے روزی دئے جاتے ہیں۔

قرآن کریم کی ان آیات مبارکہ سے واضح طور پر ثابت ہوا کہ شہدائے کرام زندہ ہیں، ان کو مردہ کہنا قرآن مجید کی مخالفت کرنا ہے بلکہ انھیں مردہ گمان کرنے سے بھی سختی سے روکا گیا ہے یعنی مردہ کہنا تو بڑی بات ہے ان کو مردہ خیال بھی نہیں کر سکتے اس لئے کہ وہ اللہ کی راہ میں قتل ہو کر زندۂ جاوید ہو جاتے ہیں، رزق آخرت سے کھاتے پیتے ہیں اور جہاں خدائے تعالیٰ چاہتا ہے جنت وغیرہ کی سیر کرتے ہیں۔

آواز آ رہی ہے شہیدوں کی خاک سے
مر کر ملی ہے زندگی جاوداں مجھے

صلی اللہ علی النبی الامی والہٖ صلی اللہ علیہ وسلم صلوٰۃ و سلاما علیک یارسول اللہ

تین مجاہد

شہیدوں کی زندگی کے بے شمار واقعات معتبر کتابوں میں درج ہیں۔ ان میں سے ایک واقعہ ہم آپ لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں جس کو علامہ جلال الدین سیوطی نے شرح الصدور میں اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی نے اپنے رسالہ مبارکہ الانتباہ فی حل نداء یارسول اللہ میں تحریر فرمایا ہے۔

تین بھائی ملک شام میں رہتے تھے جو بڑے جری اور بہادر تھے۔ ہمیشہ اللہ کی راہ میں جہاد کیا کرتے تھے۔ رومیوں نے ایک مرتبہ ان کو گرفتار کرلیا اور اپنے عیسائی بادشاہ کے سامنے پیش کیا۔ اس نے کہا تم لوگ مذہب اسلام چھوڑ دو اور عیسائی بن جاؤ۔ ان تینوں نے بیک زبان کہا کہ یہ ہرگز نہیں ہوسکتا۔

بادشاہ نے کہا اِنِّیْ اَجْعَلُ فِیْکُمُ الْمُلْکَ وَاُزَوِّجُکُمْ بَنَاتِیْ۔ یعنی میں تم لوگوں کو سلطنت دوں گا اور اپنی لڑکیوں سے شادی بھی کردوں گا۔ تم لوگ عیسائی ہوجاؤ۔ مگر مجاہدین اس پر بھی عیسائی بننے کے لئے تیار نہ ہوئے۔ بادشاہ نے کہا اگر ہماری بات نہیں مانوگے تو قتل کردئے جاؤگے۔ مجاہدین نے کہا

غلامانِ محمد جان دینے سے نہیں ڈرتے
یہ سر کٹ جائے یا رہ جائے کچھ پروا نہیں کرتے

بادشاہ نے حکم دیا کہ تین دیگوں میں زیتون کا تیل کھولایا جائے۔ جب تیل کھول گیا تو مجاہدین کو ان دیگوں کے پاس لایا گیا اور کہا گیا کہ اگر عیسائی نہیں بنوگے تو اسی کھولتے ہوئے تیل میں ڈال دئے جاؤگے۔ اب بھی موقع ہے خوب سوچ لو۔ ان بہادروں نے کہا کہ ہماری آخری سانس کا جواب یہی ہوگا کہ ہم جان تو دے سکتے ہیں مگر مصطفےٰ کا دیا ہوا ایمان نہیں دے سکتے۔

انھوں نے یا محمداہ پکارا۔ پھر عیسائیوں نے بڑے بھائی کو تیل کے کھولتے ہوئے دیگ میں ڈال دیا۔ اس کے بعد پھر باقی دونوں بھائیوں کو سمجھانے کی کوشش کی گئی مگر انھوں ایسے اپنے بھائی کا یہ انجام دیکھنے کے باوجود ان کے اندر کچھ فرق نہیں پیدا ہوا۔ وہ اب بھی خوشی کے ساتھ اللہ کی راہ میں شہید ہونے کے لئے تیار رہے آخر منجھلے بھائی کو بھی کھولتے ہوئے تیل میں ڈال دیا گیا۔

چھوٹے بھائی کی ابھرتی جوانی دیکھکر وزیر نے بادشاہ سے کہا کہ اسے ہمارے سپرد کردیجئے ہم ایک ترکیب سے نہایت آسانی کے ساتھ اس کو عیسائی بنالیں گے۔ بادشاہ نے ان کو وزیر کے سپرد کردیا۔ وزیر نے انھیں ایک مکان میں بند کردیا اور اپنی حسین لڑکی کو انھیں بہکانے کے لئے مقرر کیا۔ رات کے وقت لڑکی داخل ہوئی۔ وہ مرد مجاہد رات بھر نفل نمازیں پڑھتا رہا اور حسینہ کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ اور کیسے دیکھتا۔ جن نگاہوں میں حسن مصطفےٰ بس چکا ہو وہ نگاہیں بھلا کسی اور کی طرف کیسے اٹھ سکتی ہیں۔

حور پر آنکھ نہ ڈالے کبھی شیدا تیرا
سب سے بیگانہ ہے اے پیارے شناسا تیرا

لڑکی کے لئے یہ منظر بڑا ہی عجیب تھا کہ جس کی ایک جھلک دیکھنے کے لئے دنیا بیتاب ہے یہ جوان اس کو ایک نظر بھی دیکھنے کے لئے تیار نہیں۔ صبح کے وقت وہ ناکامی کے ساتھ واپس آئی اور اپنے باپ کو بتایا کہ آج اس کی عبادت کی کوئی رات تھی مگر اسیطرح چالیس راتیں گذر گئیں اور وہ مرد مجاہد اس کی طرف متوجہ نہیں ہوا۔ آخر میں خود وہ لڑکی متاثر ہوگئی اور کہا اے پاکباز نوجوان تو کس کا شیدائی و فدائی ہے کہ میری طرف نگاہ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا۔ فرمایا

میں مصطفےٰ کے جام محبت کا مست ہوں
یہ وہ نشہ نہیں جسے ترشی اتار دے

لڑکی صدق دل سے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ پڑھ کر مسلمان ہوگئی اور اصطبل سے دو گھوڑے لائی۔ رات ہی میں دونوں وہاں سے فرار ہوگئے اور ابھی زیادہ دور نہیں پہنچے تھے کہ پیچھے سے گھوڑوں کے آنے کی آہٹ معلوم ہوئی اور جلد ہی وہ قریب آ گئے۔ دیکھا تو نوجوان کے وہی دونوں بھائی ہیں جو کھولتے ہوئے تیل میں ڈالے گئے تھے ساتھ میں فرشتوں کا ایک گروہ بھی تھا۔ نوجوان مجاہد نے حال پوچھا تو ان لوگوں نے بتایا کہ مَا کَانَتْ اِلَّا الْغَطْسَۃَ الَّتِیْ رَأَیْتَ حَتّٰی خَرَجْنَا فِی الْفِرْدَوْسِ۔ یعنی بس وہی تیل کا ایک غوطہ تھا جو تم نے دیکھا اس کے بعد ہم جنت الفردوس میں پہنچ گئے۔ پھر دونوں بھائیوں نے فرشتوں کی موجودگی میں اس لڑکی کا نکاح اپنے بھائی سے کردیا اور واپس چلے گئے۔

زندہ ہو جاتے ہیں جو مرتے ہیں حق کے نام پر
اللہ اللہ موت کو کس نے مسیحا کردیا

اس واقعہ سے جہاں یہ ثابت ہوا کہ اللہ کی راہ میں قربان ہونے والے شہید مرتے نہیں ہیں بلکہ زندہ ہو جاتے ہیں ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوا کہ مدد کے لئے یارسول اللہ پکارنا جائز ہے کہ مجاہدین نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پکارا تھا اگر دور سے پکارنا شرک ہوتا تو انھیں جنت الفردوس میں جگہ نہ ملتی اور نہ چھوٹے بھائی کی شادی میں فرشتوں کی شرکت ہوتی

صلی اللہ علی النبی الامی وآلہ صلی اللہ علیہ وسلم صلوٰۃً وسلامًا علیک یارسول اللہ۔

محبت والے شہیدوں کے علاوہ دوسرے لوگ جو اللہ و رسول سے سچی محبت رکھنے والے ہیں مرنے کے بعد وہ بھی زندہ رہتے ہیں۔

سنہ ۱۹۳۲ء کا واقعہ ہے کہ عراق پر حکمرانی کے زمانہ میں شاہ فیصل اول کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابی حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خواب میں زیارت ہوئی۔ اسی حالت میں شاہ فیصل سے فرمایا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا صحابی

حذیفہ ہوں۔ مجھے اور حضرت جابر بن عبداللہؓ کو اپنی اپنی قبروں میں بے انتہا تکلیف پہنچ رہی ہے ہم دونوں کو موجودہ قبروں سے نکال کر دریائے دجلہ سے کچھ فاصلہ پر دفن کیا جائے۔ میری قبر میں پانی آرہا ہے۔ اور جابر کی قبر میں بہت زیادہ نمی آگئی ہے۔

شاہ فیصل بیدار ہوا تو حکومت کے کاموں میں اس طرح مصروف ہو گیا کہ وہ رات کے خواب کی ہدایت بالکل ہی بھول گیا۔ دوسری رات میں حضرت حذیفہ نے پھر اسی طرح ہدایت فرمائی مگر اس زمانہ میں ملکی اور سیاسی معاملات میں اس قدر پیچیدگی پیدا ہو گئی تھی کہ شاہ فیصل جلد مقدس جسموں کو نئی قبروں میں منتقل نہ کر سکے۔ اس کے بعد حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خواب میں عراق کے مفتیٔ اعظم کو اس طرف توجہ دلائی اور بتایا کہ وہ دوبار شاہ فیصل کو بھی اس کے لئے ہدایت کر چکے ہیں مگر ابھی تک اس پر عمل نہیں ہوا۔ اس لئے تم شاہ فیصل کے پاس جا کر کہو اور ان کی رائے سے ہمارے جسموں کو مناسب مقام پر منتقل کئے جانے کا انتظام کرو۔

دوسرے دن صبح بیدار ہوتے ہی مفتیٔ اعظم نوری السعید پہلے وزیر اعظم عراق کے پاس پہنچے اور ان کو اپنے ساتھ لے کر شاہ فیصل کے سامنے بیان کیا۔ شاہ فیصل نے ان کی تائید کی اور کہا بیشک مسلسل دو رات مجھے اس کی ہدایت کی گئی ہے مگر میں اب تک کچھ تو سیاسی الجھنوں اور کچھ مذہبی پابندیوں کے سبب اس کی طرف توجہ نہ کر سکا۔ اس کے بعد مفتیٔ اعظم سے کہا گیا کہ اگر آپ اس کے متعلق فتویٰ صادر کریں تو میں فوراً ان حضرات صحابہ کے مقدس جسموں کو مناسب مقام پر دفن کرا کے مزار تعمیر کرنے کا مکمل انتظام کر دوں گا۔

مفتیٔ اعظم نے اپنی آنکھوں سے ان قبروں کو دیکھا۔ درحقیقت قبروں تک دریائے دجلہ کا پانی پہنچ چکا تھا اور یہ اندیشہ پیدا ہو گیا تھا کہ اگر ان مقدس صحابۂ کرام کے مبارک جسموں کو جلد ہی دوسری جگہ منتقل نہ کیا گیا تو ممکن ہے کچھ دنوں بعد دریائے دجلہ کا سیلاب ان کو بہا لے جائے اس اندیشہ کے پیش نظر مفتیٔ اعظم نے صحابۂ کرام کے جسموں کو دوسرے مقام پر دفن کرنے کا

فتویٰ دیدیا اور اخبارات کے ذریعہ اس کا اعلان بھی ہوگیا کہ خاص عید اضحیٰ کے دن بعد نماز ظہر مذکورہ صحابیوں کی قبریں کھولی جائیں گی اور ان کے بابرکت جسموں کو ایک دوسری جگہ پر دفن کردیا جائے گا۔

اخبارات میں اعلان چھپتے ہی یہ خبر پوری دنیائے عرب میں پھیل گئی۔ حج کا زمانہ تھا دنیا کے چاروں طرف سے توحید و رسالت کے پروانے فریضۂ حج کی ادائگی اور زیارت روضہ انور کی غرض سے مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ میں حاضر تھے لیکن چونکہ خاص عید اضحیٰ کے دن صحابہ کے جسموں کو منتقل کیا جانے والا تھا اس لئے جو لوگ حج کرنے گئے تھے وہ اس موقع سے شرف اندوز نہیں ہوسکتے تھے۔ تو شاہ عراق سے درخواست کی گئی کہ ان دونوں صحابیوں کی قبروں سے انکے جسموں کو اس وقت نکالا جائے جب حج کا زمانہ گذر جائے تاکہ تمام ملکوں کے مسلمان اس سعادت میں حصہ لے سکیں۔

شاہ نے تاریخ کی تبدیلی منظور کرلی اور یہ اعلان کردیا گیا کہ مقدس جسموں کو منتقل کرنے کا کام ۲۰؍ ذی الحجہ کو انجام دیا جائے گا اور ساتھ ہی ایسا انتظام کردیا گیا کہ دریائے دجلہ کا پانی ان قبروں کو کوئی مزید نقصان نہ پہنچا سکے۔ حسب اعلان ۲۰؍ ذی الحجہ کی صبح ہی کو لاکھوں مسلمانوں کا عظیم الشان اجتماع ان صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی قبروں کے گرد ہوگیا۔ ان تمام مسلمانوں کی موجودگی میں جب دونوں صحابیوں کی قبریں کھولی گئیں تو واقعی حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر شریف میں پانی آرہا تھا اور حضرت جابر بن عبداللہ کے مزار مبارک میں بھی غیر معمولی نمی دیکھی گئی۔

جب قبروں سے مقدس جسم نکالے گئے تو لوگوں نے دیکھا کہ تیرہ سو سال کی لمبی مدت گذر جانے کے باوجود بھی جسم بالکل تروتازہ ہیں اور عجیب و غریب خوشبو سے مہک رہے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان بزرگوں کو وصال فرمائے ہوئے شاید مشکل سے چند گھنٹے ہوئے ہوں گے۔ ان کے چہروں پر ایسا نور پھیلا ہوا تھا کہ دیکھنے سے قلب و نظر کو سرور

حاصل ہوتا تھا اور ان پر نظر نہیں ٹھہر سکتی تھی یہاں تک کہ کفن کا کپڑا ابھی بالکل تازہ معلوم ہوتا تھا اور ریش مبارک (داڑھی) کے بال بالکل سلامت تھے۔

اور ایک بات یہ بھی نہایت عجیب ہوئی کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جسم مبارک کو اٹھانے کے لئے اسٹریچر کو سامنے لایا گیا تو کسی کو ہاتھ لگانے کی ضرورت پیش نہیں آئی بلکہ وہ خود بخود اسٹریچر پر آگیا اور حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جسم اقدس بھی ایسے ہی آگیا ہاتھ لگانے کی ضرورت نہیں ہوئی۔ ان دونوں جسموں کو اس کے بعد دو شیشے کے تابوتوں میں رکھ دیا گیا اور پھر بڑی احتیاط کے ساتھ نئے مزارات میں دفن کر دیا گیا۔

اس موقع پر شاہ فیصل اول مفتئ اعظم، وزیر اعظم اور دوسرے ملکوں کے بڑے بڑے امراء وسفراء بھی موجود تھے۔ جب یہ واقعہ اخبارات کے صفحات پر آیا تو ساری دنیا کو یہ حقیقت تسلیم کرنی پڑی کہ اللہ کے محبوب بندے بعد وصال بھی زندہ رہتے ہیں۔

آسی شہید عشق ہوں مردہ نہ جانیو
مر کر ملی ہے زندگی جاوداں مجھے

وصلی اللہ تبارك وتعالیٰ وسلم علی سیدنا محمد وعلی آله واصحابه وشهداء ملته واولیاء امته اجمعین

وصال رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

الحمد للہ رب العالمین۔ والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین۔ وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔ اما بعد فقد قال اللہ تعالیٰ فی القرآن المجید والفرقان الحمید اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ۔ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ۔ اَفَاِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا۔ وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ۔ (پ ۴) صدق اللہ العلی العظیم وصدق رسولہ النبی الکریم ونحن علی ذلک لمن الشاہدین والشاکرین والحمد للہ رب العالمین۔

ایک بار آپ تمام حضرات ساری کائنات کے آقا و مولیٰ جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ بیکس پناہ میں بلند آواز سے درود شریف کا نذرانہ اور ہدیہ پیش کریں۔

صلے اللہ علی النبی الامی وآلہ صلی اللہ علیہ وسلم صلاۃ وسلاما علیک یارسول اللہ

جب کوئی شخص کسی مقصد اور کسی غرض سے اپنا مرکز چھوڑ کر دوسرے مقام پر جاتا ہے۔ تو مقصد پورا ہو جانے اور مطلب حل ہو جانے کے بعد وہ اپنے مرکز اصلی کی طرف واپس ہو جاتا ہے ہمارے اور آپ کے پیارے نبی جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دنیا میں تشریف لانے کا مقصد تھا دین اسلام کے احکام خدا کے بندوں تک پہنچانا اور ان کو توحید پرست بنا کر ان کے نفوس کا مکمل تزکیہ فرمانا۔

جب آپ کا مقصد پورا ہو گیا اور خدائے عزوجل نے آیت کریمہ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ (پ ۶ ع ۵) نازل فرما کر آپ کے دین کے کامل ہونے کی خوشخبری سنائی اور اپنی نعمتیں

آپ پر پوری فرمادیں تو آپ کو اپنے مرکز اصلی مقام قدس کی طرف جانے کا وقت قریب آگیا جس کا علم آپ کو بہت پہلے سے تھا اسی لیے حَجَّۃُ الوَدَاع کے موقع پر آپ نے لوگوں سے فرمایا کہ "شاید اس کے بعد میں تمہارے ساتھ حج نہ کرسکوں۔"

مشکوٰۃ شریف میں ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ جب سورۂ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی لخت جگر نور نظر صاحبزادی حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بلایا اور ان سے فرمایا نُعِیَتْ اِلَیَّ نَفْسِیْ یعنی مجھ کو میرے سفر آخرت کی خبر دی گئی ہے۔ یہ سن کر حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا رونے لگیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا لَا تَبْکِیْ فَاِنَّکِ اَوَّلُ اَھْلِیْ لَاحِقٌ بِیْ یعنی اے فاطمہ روؤ نہیں۔ میرے اہل بیت میں تم ہی سب سے پہلے مجھ سے ملاقات کروگی۔ یہ سن کر حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہنسنے لگیں۔ یہ دیکھکر ازواج مطہرات میں سے بعض بیویوں نے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے دریافت کیا کہ پہلے ہم نے آپ کو روتے دیکھا اور پھر ہنستے دیکھا۔ اس کا مطلب کیا ہے۔؟ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا کہ حضور نے مجھ کو بتایا کہ آپ کو آپ کے سفر آخرت کی خبر دی گئی ہے۔ یہ سن کر میں رونے لگی۔ آپ نے فرمایا روؤ نہیں۔ میرے اہل بیت میں سب سے پہلے تو ہی مجھ سے ملے گی۔ یہ سن کر میں ہنسنے لگی۔

دارمی شریف کی حدیث ہے۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی اس علالت میں کہ جس میں آپ نے وصال فرمایا گھر سے باہر تشریف لائے اس حال میں کہ اپنے سر پر کپڑا باندھے ہوئے تھے۔ ہم لوگ اس وقت مسجد میں تھے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسجد میں داخل ہو کر منبر کی طرف تشریف لے گئے اور اس پر رونق افروز ہوئے۔ پھر آپ نے ایک خطبہ دیا اور فرمایا وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ اِنِّیْ لَاَنْظُرُ اِلَی الْحَوْضِ مِنْ مَّقَامِیْ ھٰذَا۔ یعنی قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہ میں اس منبر پر بیٹھے ہوئے حوض کوثر کو دیکھ رہا ہوں۔ پھر فرمایا خدا کا ایک بندہ ہے جس کے سامنے دنیا اور دنیا کی زینت پیش کی گئی مگر اس نے آخرت کو اختیار کرلیا۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ حضور کے اس ارشاد کو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علاوہ اور کوئی نہیں سمجھ سکا۔ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور وہ رو پڑے اور عرض کیا یا رسول اللہ! ہم اپنے ماں باپ کے ساتھ آپ پر قربان ہو جائیں۔ صحابۂ کرام حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس بات کو سن کر بہت متعجب ہوئے کہ وہ ایسا کیوں فرما رہے ہیں۔ یہاں تک کہ بعض لوگوں نے کہا کہ اس بوڑھے کو دیکھو۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو ایک بندہ کا حال بیان فرما رہے ہیں کہ جس کو خدائے عزوجل نے دنیا کی تروتازگی اور آخرت کے درمیان اختیار دیا ہے۔ اور وہ یہ کہہ رہے ہیں کہ ہم اور ہمارے ماں باپ آپ پر قربان ہو جائیں۔ لیکن رازدار نبوت فوراً سمجھ گیا تھا کہ وہ بندہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

اصدق الصادقین سید المتقین ❊ رازدار نبوت پہ لاکھوں سلام

شہدائے احد کو اپنی زیارت سے مشرف فرمایا

بخاری اور مسلم میں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شہدائے احد پر آٹھ برس کے بعد نماز جنازہ پڑھی (حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مرقاۃ میں تحریر فرماتے ہیں کہ یہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یا شہدائے احد کی خصوصیات میں سے ہے کہ آپ نے آٹھ برس کے بعد ان پر نماز جنازہ پڑھی) گویا آپ زندوں اور مردوں کو رخصت فرما رہے ہیں۔ شہدائے احد کو اپنی زیارت سے مشرف فرمانے کے بعد لوٹے تو منبر پر رونق افروز ہوئے اور فرمایا میں تم سے پہلے جا رہا ہوں۔ میں تم لوگوں کے دعوت اسلام کے قبول کرنے اور اطاعت و فرمانبرداری کے بجا لانے پر گواہ ہوں۔ اور تم سے ہماری ملاقات کا مقام حوض کوثر ہے۔ اور میں اس جگہ سے حوض کوثر کو دیکھ رہا ہوں۔ اور فرمایا اِنِّیْ قَدْ اُعْطِیْتُ مَفَاتِیْحَ خَزَائِنِ الْاَرْضِ یعنی بیشک مجھ کو زمین کے خزانوں کی کنجیاں دی گئی ہیں۔

آخری وصیت

حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی بخاری علیہ الرحمہ والرضوان تحریر فرماتے ہیں کہ سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت بلال

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلا کر فرمایا کہ اے بلال! جا کر اعلان کر دو کہ سب لوگ مسجد میں جمع ہو جائیں۔ میں ان کو وصیت کروں گا۔ اور کہہ دو کہ رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یہ آخری وصیت ہوگی۔ جب حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مدینہ شریف کے بازاروں اور گلیوں میں اعلان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آخری وصیت سننے کے لئے مسجد نبوی میں سب لوگ حاضر ہو جائیں۔ تو اس اعلان کو سن کر لوگ اس قدر گھبرا گئے کہ دوکانوں اور گھروں کو ایسے ہی کھلے ہوئے چھوڑ کر مسجد میں حاضر ہو گئے۔ اور اتنے لوگ جمع ہوئے کہ مسجد نبوی میں گنجائش نہ رہی۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم منبر شریف پر رونق افروز ہوئے اور طویل خطبہ فرمایا جو وقت اور حال کے مناسب نصیحت اور احکام شرع پر مشتمل تھا۔ اور فرمایا کہ اے لوگو! میرا سفر آخرت قریب ہے۔ جان ومال اور سامان وغیرہ کا کوئی بھی حق کسی شخص کا مجھ پر ہو تو اس کا بدلہ آج مجھ سے لیلے۔ (مدارج النبوۃ)

______ نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کا یہ اعلان اس لیے تھا تاکہ حقوق العباد کی اہمیت وضرورت ان کی امت پر اچھی طرح واضح ہو جائے اور وہ ایک دوسرے کے حقوق کی پامالی سے ہمیشہ دور رہے۔

حقوق کی تفصیل

برادران ملت! حقوق کی دو قسمیں ہیں۔ ایک حقوق اللہ دوسرے حقوق العباد۔ پھر حقوق اللہ کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ کہ اگر ان کے بارے میں بندہ سے قصور واقع ہوا تو وہ صرف توبہ سے معاف ہو سکتے ہیں جیسے کہ شہر میں جمعہ اور عیدین کی نماز کے چھوٹ جانے کے گناہ۔ یا شراب پینے اور ناچ وغیرہ دیکھنے کے گناہ ______ اور دوسرے وہ جو صرف توبہ سے نہیں معاف ہو سکتے۔ جیسے نماز نہ پڑھنے، روزہ نہ رکھنے، زکاۃ وفطرہ نہ ادا کرنے اور حج وقربانی وغیرہ نہ کرنے کے گناہ۔ کہ ان کے معاف ہونے کی صورت صرف توبہ نہیں ہے بلکہ چھوٹی ہوئی نمازوں اور روزوں کی قضا کرے، جتنے سالوں کی زکاۃ اور فطرہ نہ دیا ہو اب ادا کرے، صاحب نصاب ہو کر جتنے سال قربانی نہ کی ہو ہر سال کے بدلے ایک بکرا کی قیمت صدقہ کرے، خود حج نہ کر سکتا ہو تو حج بدل کرائے، مال نہ رہ گیا ہو تو حج بدل کرانے کی وصیت کرے اور توبہ کرے تو معاف ہو سکتے ہیں۔ یعنی توبہ کیساتھ

ان کی ادائگی بھی ضروری ہے کہ یہ چیزیں صرف توبہ سے نہیں معاف ہو سکتیں۔

اور رہے حقوق العباد یعنی بندوں کے حقوق تو وہ حقوق اللہ کی دوسری قسم سے بھی اہم ہیں۔ اس لئے کہ خدائے تعالیٰ ارحم الراحمین ہے اگر وہ چاہے تو اپنے ہر قسم کے حقوق معاف کر دے۔ لیکن وہ کسی بندہ کا حق ہرگز نہیں معاف کرے گا جبتک کہ وہ بندہ نہ معاف کر دے کہ جس کی حق تلفی کی گئی ہے۔ اسی لئے سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آخری وصیت میں خاص طور پر اس کی اہمیت کو ظاہر فرمایا۔ اور زمانۂ صحت میں بھی ہمیشہ اس کی تاکید فرماتے رہے مشکوٰۃ شریف کی حدیث ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام سے دریافت فرمایا أَتَدْرُوْنَ مَا الْمُفْلِسُ ؟ یعنی کیا تم لوگ جانتے ہو کہ مفلس اور کنگال کون ہے؟ صحابہ نے عرض کہ یا رسول اللہ! ہم میں مفلس وہ شخص ہے کہ جس کے پاس نہ پیسے ہوں اور نہ سامان۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت میں دراصل مفلس وہ شخص ہے کہ جو قیامت کے دن نماز، روزہ اور زکاۃ وغیرہ لیکر اس حال میں آئے گا کہ اس نے کسی کو گالی دی ہوگی کسی پر تہمت لگائی ہوگی، کسی کا مال کھالیا ہوگا کسی کا خون بہایا ہوگا اور کسی کو مارا ہوگا۔ تو اب ان لوگوں کو راضی کرنے کیلئے اس شخص کی نیکیاں ان مظلوموں کے درمیان تقسیم کی جائے گی۔ اگر اس کی نیکیاں ختم ہو جانے کے بعد بھی لوگوں کے حقوق اس پر باقی رہ جائیں گے تو اب حق داروں کے گناہ لاد دئے جائیں گے یہانتک کہ اسے دوزخ میں پھینک دیا جائے گا۔ العیاذ باللہ تعالیٰ

بیشک میرے سرکار نے صحیح فرمایا حقیقت میں مفلس اور غریب وہی شخص ہے کہ جسکے پاس قیامت کے دن نیکیاں نہیں ہوں گی۔ یا وہ بہت سی نیکیاں لیکر آئے گا مگر حقوق العباد میں گرفتار ہوگا۔ ماں باپ کو ستایا ہوگا۔ پڑوسی کو تکلیف دی ہوگی۔ بھائی کا حق مار لیا ہوگا، ماں باپ کے مرنے پر بہن کا حق نہیں دیا ہوگا یا دادا کے انتقال پر پھوپھی کا حق غصب کر لیا ہوگا۔ تو قیامت کے دن اس کی ساری نیکیاں ان لوگوں کو دیدی جائیں گی جن کی اس نے حق تلفی کی

ہو گی یہانتک کہ اس کے پاس کوئی نیکی نہیں رہ جائے گی۔ تو حقیقت میں غریب وہی شخص ہے
اس لئے کہ دنیا کا غریب۔ اگر اس کے پاس کھانا نہ ہو تو مانگنے سے کہیں کھانا مل جائے گا۔ کپڑا
نہ ہو تو وہ بھی کہیں سے پا جائے گا۔ سردی میں رضائی یا کمبل نہ ہو تو کسی کو رحم آجائے گا وہ بھی
حاصل ہو جائے گا اور رہنے کیلئے گھر نہ ہو تو سر چھپانے کیلئے کہیں کوئی جگہ مل ہی جائے گی۔ لیکن
قیامت کے دن جب نیکیاں نہیں ہوں گی تو وہ کہیں سے نہیں ملیں گی۔ پ ۲۱ ع ۱۲ میں ارشاد
خداوندی ہے۔ یٰاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ وَاخْشَوْا یَوْمًا لَّا یَجْزِیْ وَالِدٌ
عَنْ وَّلَدِهٖ وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَیْــٴًا۔ یعنی اے لوگو! اپنے
رب سے ڈرو۔ اور اس دن کا خوف کرو کہ جس میں کوئی باپ اپنے بچہ کے کام نہ آئے گا اور نہ
کوئی کام والا بچہ اپنے باپ کو کچھ فائدہ پہنچائے گا۔ اور پ ۳۰ سورۂ عبس میں ارشاد
رب ذوالجلال ہے۔ یَوْمَ یَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِیْهِ۔ وَاُمِّهٖ وَاَبِیْهِ۔ وَصَاحِبَتِهٖ وَ
بَنِیْهِ۔ لِكُلِّ امْرِیٍٔ مِّنْهُمْ یَوْمَئِذٍ شَاْنٌ یُّغْنِیْهِ۔ یعنی قیامت کا دن وہ ہولناک
دن ہوگا کہ آدمی اپنے بھائی سے بھاگے گا، اپنے ماں باپ سے بھاگے گا یہانتک کہ اپنی بیوی
اور بیٹوں سے بھی راہ فرار اختیار کرے گا۔ ان میں سے ہر ایک کو اس دن اپنی نجات کی ایک
فکر ہوگی کہ وہی اس کے لئے بس ہوگی۔ مطلب یہ ہے کہ کوئی کسی کی مدد کرنے اور نیکی دینے کو
تیار نہ ہوگا۔ تو حقیقت میں غریب وہی شخص ہے کہ جس کے پاس قیامت کے دن نیکیاں نہ رہیں گی

(درود شریف)

بعض لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ حج کرنے سے چھوٹا بڑا سارا گناہ معاف ہو جاتا ہے
زندگی بھر نماز نہیں پڑھتے، روزہ نہیں رکھتے، زکاۃ نہیں دیتے، دوسرے کی زمینوں، دوکانوں
اور جائدادوں پر ناجائز قبضہ کر لیتے ہیں۔ غلط کاموں میں پوری زندگی گذارتے ہیں اور جب
دیکھتے ہیں کہ مرنے کا وقت آگیا تو حج کر لیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ سارا گناہ معاف ہو گیا اور ہم
ایسے ہوگئے جیسے کہ ابھی اپنے ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے ہیں۔

تو اے مسلمانو! اعلیٰ حضرت پیشوائے اہلسنت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمہ والرضوان اپنے

رسالۂ مبارکہ اعجب الامداد میں اس مسئلہ کی نفیس تحقیق فرمائی ہے۔ جس کا خلاصہ ہم آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں تاکہ حج سے گناہوں کی معافی کا مسئلہ اچھی طرح واضح ہو جائے۔

وہ فرماتے ہیں کہ جس نے پاک مال، پاک کمائی، پاک نیت سے حج کیا اور اس میں لڑائی جھگڑا نیز ہر قسم کے گناہ اور نافرمانی سے بچا پھر حج کے بعد فوراً مر گیا اتنی مہلت نہ ملی کہ جو حقوق اللہ یا حقوق العباد اس کے ذمہ تھے انھیں ادا کرتا یا ادا کرنے کی فکر کرتا۔ توحج قبول ہونے کی صورت میں امید قوی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے تمام حقوق کو معاف فرمائے اور حقوق العباد کو اپنے ذمۂ کرم پر لیکر حق والوں کو قیامت کے دن راضی کرے اور خصومت سے نجات بخشے اور اگر حج کے بعد زندہ رہا اور حتی الامکان حقوق کا تدارک کر لیا یعنی سالہائے گذشتہ کی باقی زکاۃ ادا کر دی، چھوٹی ہوئی نماز اور روزہ کی قضا کی۔ جس کا حق مار لیا تھا اس کو۔ یا مرنے کے بعد اس کے وارثین کو دیدیا۔ جسے تکلیف پہنچائی تھی معاف کرا لیا جو صاحب حق نہ رہا اس کی طرف سے صدقہ کر دیا۔ اگر حقوق اللہ اور حقوق العباد میں سے ادا کرتے کرتے کچھ رہ گیا تو موت کے وقت اپنے مال میں سے ان کی ادائگی کی وصیت کر گیا۔ خلاصہ یہ کہ حقوق اللہ اور حقوق العباد سے چھٹکارے کی ہر ممکن کوشش کی۔ تو اس کے لئے بخشش کی اور زیادہ امید ہے۔ ہاں اگر حج کے بعد قدرت ہونے کے باوجود ان امور سے غفلت برتی انھیں ادا نہ کیا۔ تو یہ سب گناہ از سر نو اس کے ذمہ ہوں گے۔ اس لیے کہ حقوق اللہ اور حقوق العباد تو باقی ہی تھے۔ ان کی ادائگی میں تاخیر کرنا پھر تازہ گناہ ہوا جسکے ازالہ کیلئے وہ حج کافی نہ ہوگا۔ اس لئے کہ حج گذرے ہوئے گناہوں یعنی وقت پر نماز اور روزہ وغیرہ ادا نہ کرنے کی تقصیر کو دھوتا ہے۔ حج سے قضا شدہ نماز اور روزہ ہرگز نہیں معاف ہوتے اور نہ آئندہ کیلئے پروانۂ آزادی ملتا ہے۔ انتہی کلامہ

اور حضرت علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس مسئلہ پر بحث کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں۔ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ قرض کی ادائگی میں دیر لگانا اور نماز و زکاۃ وغیرہ کو ادا کرنے میں تاخیر کرنا چونکہ یہ حقوق اللہ میں سے ہیں۔ اس لئے فقط تاخیر کا گناہ جو ماضی میں ہو چکا

وہ معاف ہو جائے گا۔ لیکن اصل قرض اور نماز و زکاۃ وغیرہ فرائض کی ادائگی میں جو آئندہ تاخیر ہوگی وہ معاف نہیں ہوگی۔ اور علامہ شامی بحر الرائق کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ حج جو گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ قرض کی ادائگی اور صوم و صلاۃ کی قضا اس کے ذمہ سے ساقط ہو جاتی ہے جیسا کہ بہت سے لوگوں کا وہم ہے۔ اس لئے کہ امت میں سے کوئی بھی اس کا قائل نہیں ہے ——— پھر علامہ شامی تحریر فرماتے ہیں کہ تو یقین کیساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ حج ان کبیرہ گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے جو حقوق اللہ ہیں۔ تو پھر بھلا حقوق العباد کا کفارہ کیونکر ہو سکتا ہے۔؟

دعا ہے کہ خدائے عز و جل ہم سب کو پورے طور پر حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا کرنے کی توفیق رفیق بخشے۔ اور دنیا و آخرت میں ہمیں مفلسی کے عذاب سے محفوظ رکھے۔ آمین

(درود شریف)

شیخ محقق لکھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آخری وصیت کے خطبہ میں یہ بھی فرمایا کہ اے لوگو! جس شخص پر کوئی حق ہو اسے چاہیئے کہ وہ ادا کرے اور یہ خیال نہ کرے کہ رسوائی ہوگی اس لئے کہ دنیا کی رسوائی آخرت کی رسوائی سے بہت آسان ہے۔ آپ کے اس اعلان پر ایک صحابی اٹھے اور انھوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہم نے مال غنیمت میں خیانت کی تھی اور اس میں سے تین درم لے لیا تھا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان سے دریافت فرمایا کہ کس چیز نے تم کو خیانت کرنے پر مجبور کیا۔ انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے تین درم کی ضرورت تھی۔ حضور نے حضرت فضل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم فرمایا کہ ان سے تین درم لیلو (مدارج النبوۃ)

کتنے اچھے تھے وہ کہ انھوں نے آخرت کی رسوائی سے بچنے کے لئے بھرے مجمع میں دنیا کی رسوائی اختیار کی، اپنی خیانت کا اعلان کر دیا اور آخرت کی رسوائی سے بچنے کیلئے دنیا کی رسوائی میں کوئی عار نہیں محسوس کیا ——— دعا ہے کہ خدائے ذوالجلال ہم سب کو حضور اور ان کے صحابہ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق مرحمت فرمائے اور آخرت رسوائی سے بچنے کا پورا جذبہ نصیب

فرمائے۔ آمین (درود شریف)

علالت کی ابتدا

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مرض وفات کی ابتدا کب ہوئی۔ اس کے بارے میں لوگوں نے اختلاف کیا ہے۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ جب ماہ صفر کے ختم ہونے میں ایک یا دو روز باقی رہ گئے تھے۔ تب علالت کی ابتدا ہوئی یعنی سر میں درد پیدا ہوا۔ اور حضرت سلیمان تیمی جو کہ ثقہ لوگوں میں سے ہیں انھوں نے اس بات پر جزم کیا ہے کہ ۲۲ صفر کو مزاج مبارک ناساز ہوا۔ (اشعۃ اللمعات)

مزاج اقدس کی ناسازی کے زمانہ میں بھی آپ پانچ دن تک ازراہ عدل باری باری ایک ایک زوجۂ محترمہ کے حجرہ میں تشریف لے جاتے رہے۔ جب مرض میں بہت شدت پیدا ہوگئی تو ازواج مطہرات کی اجازت سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرۂ مبارکہ میں قیام فرمایا اور جب تک طاقت رہی آپ خود مسجد نبوی میں نمازیں پڑھانے کیلئے تشریف لاتے رہے۔

بخاری و مسلم کی حدیث ہے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مرض نے جب غلبہ کیا تو آپ نے فرمایا مُرُوْا اَبَابَکْرٍ فَلْیُصَلِّ بِالنَّاسِ یعنی ابو بکر سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ! وہ نرم دل آدمی ہیں۔ آپ کی جگہ کھڑے ہو کر نماز نہیں پڑھا سکیں گے۔ دوبارہ فرمایا ابو بکر سے کہو کہ وہ نماز پڑھائیں۔ حضرت صدیقہ نے پھر وہی عذر پیش کیا تو حضور نے تیسری بار پھر وہی حکم بتاکید فرمایا تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز پڑھائی۔ حضور کی حیات ظاہری میں انھوں نے کل سترہ نمازیں پڑھائیں —— علمائے کرام فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں بہت واضح دلالت ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مطلقاً تمام صحابہ سے افضل اور خلافت و امامت کے سب سے زیادہ حقدار ہیں۔

حدیث قرطاس

بخاری و مسلم میں ہے کہ وفات سے چار دن پہلے جمعرات کو جب سرکار اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا درد بہت بڑھ گیا تو آپ نے فرمایا کہ میرے پاس شانہ کی ہڈی لاؤ میں تمہارے لئے ایک تحریر لکھ دوں تاکہ اس کے بعد تم نہ بہکو تو صحابہ میں اختلاف ہوگیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ اس وقت حضور کو بیماری کی تکلیف زیادہ ہے۔ تمہارے پاس قرآن ہے۔ وہی اللہ کی کتاب تمہارے لئے کافی ہے۔ بعض لوگ کہتے تھے حضور کے پاس لکھنے کا سامان رکھ دو۔ اور کئی لوگوں نے کہا مَاشَانُهُ اَهَجَرَ اِسْتَفْهِمُوْهُ۔ یعنی حضور کا کیا حال ہے؟ کیا جدائی کا وقت قریب آگیا؟ آپ سے دریافت کرو۔ بعض صحابہ نے لکھنے کے بارے میں آپ سے دریافت کرنا شروع کیا۔ تو جواب میں آپ نے فرمایا کہ مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔ اس لئے کہ میں جس حالت میں ہوں وہ اس سے بہتر ہے کہ جس کی طرف تم مجھے بلا رہے ہو۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خلافت کا معاملہ لکھنا چاہتے تھے مگر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے روک دینے سے یہ اہم معاملہ رہ گیا ——— تو اس شبہہ کا جواب یہ ہے کہ خلافت کا معاملہ لکھنا ہرگز منظور نہ تھا۔ اس لئے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے متعلق حضور نے اسی مرض میں ارادہ فرمایا تھا جیسا کہ مسلم شریف جلد دوم ص۲۷۳ میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا کہ اپنے باپ ابوبکر اور اپنے بھائی کو بلاؤ تاکہ میں ان کے لئے وصیت نامہ لکھدوں۔ اس لئے کہ میں ڈرتا ہوں کہ کوئی آرزو کرنے والا آرزو کرے یا کوئی کہنے والا کہے کہ میں افضل ہوں۔ حالانکہ خدائے تعالیٰ اور مومنین ابوبکر کے علاوہ کسی کو قبول نہ کریں گے ——— مگر ایسا ارادہ فرمانے کے بعد پھر حضرت عمر یا کسی دوسرے کی ممانعت کے بغیر حضور نے خود بخود لکھنا موقوف کردیا۔ اور پھر اگر خلافت کیلئے وصیت ہی کرنی بھی تو اسکے لئے لکھنا ضروری نہ تھا بلکہ جو لوگ حجرۂ مبارکہ میں موجود تھے انکے سامنے زبانی وصیت کردینا ہی کافی تھا۔[1]

---

[1] اس مسئلہ کے بارے میں ہمارا رسالہ "باغ فدک اور حدیث قرطاس" دیکھیں۔ الامجدی

بخاری اور مسلم میں ہے کہ ایک دن ظہر کی نماز کے وقت آپ کو کچھ افاقہ ہوا تو آپ کھڑے ہوئے اور حضرت عباس و حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے سہارے مسجد میں تشریف لائے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز پڑھا رہے تھے۔ جب انھوں نے آپ کی آہٹ محسوس کی تو پیچھے ہٹنے لگے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انھیں اشارہ فرمایا کہ نہ ہٹو۔ آپ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بائیں جانب بیٹھ گئے یعنی ان کو اپنے داہنے کیا اور اس طرح آپ نے بیٹھ کر نماز پڑھائی۔ آپ کو دیکھکر حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھکر دوسرے لوگ نماز کے ارکان ادا کرتے رہے۔ نماز کے بعد آپ نے ایک خطبہ دیا جس میں آپ نے صحابۂ کرام کو بہت سی وصیتیں فرمائیں۔

حدیث شریف میں ہے جبکہ آپ کی علالت بہت سخت ہو چکی تھی۔ آپ کو یاد آیا کہ میری ملکیت میں چھ سات اشرفیاں ہیں۔ آپ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حکم فرمایا کہ اسے خیرات کر دیں مگر وہ مشغولیت کے سبب خیرات نہ کر سکیں۔ تو حضور نے خود ان اشرفیوں کو منگا کر خیرات کر دیا اور فرمایا کہ اللہ کا نبی خدائے تعالیٰ سے اس حال میں ملے کہ اشرفیاں اس کے قبضہ میں ہوں تو یہ مقام نبوت کے منافی ہے۔ (اشعۃ اللمعات)

مرض میں کمی بیشی ہوتی رہتی تھی۔ دوشنبہ کے روز جس دن آپ کی وفات ہوئی صبح کے وقت آپ کی طبیعت بظاہر پرسکون تھی مگر دن جیسے جیسے چڑھتا جاتا تھا آپ پر بار بار غشی طاری ہوتی تھی اور پھر افاقہ ہو جاتا تھا۔

بخاری شریف میں ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ وفات سے کچھ پہلے حضور میرے سینے سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے کہ میرے بھائی عبد الرحمن بن ابو بکر اس حال میں آئے کہ ان کے ہاتھ میں مسواک تھی۔ میں نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عبد الرحمن کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ میں جانتی تھی کہ آپ مسواک کو بہت پسند فرماتے ہیں۔ میں نے عرض کیا۔ کیا میں عبد الرحمن سے آپ کے لئے مسواک لیلوں۔ آپ نے سر کے اشارہ سے فرمایا کہ ہاں لے لو۔ میں نے عبد الرحمن سے مسواک لیکر آپ کو دیدی مگر آپ کو اس مسواک

کا چبانا دشوار معلوم ہوا اس لئے کہ وہ سخت تھی۔ میں نے عرض کیا۔ کیا میں مسواک کو نرم کردوں آپ نے اجازت دیدی تو میں نے مسواک کو نرم کردیا اور آپ نے اس کو اپنے دانتوں پر پھیرا۔ (درود شریف)

آپ کے سفر آخرت کا وقت قریب آرہا تھا۔ سانس کی گھرگھراہٹ سینہ میں محسوس ہوتی تھی ۔اسی درمیان میں لب مبارک ہلے تو لوگوں نے یہ الفاظ سنے اَلصَّلٰوۃُ وَمَامَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ یعنی نماز اور غلام و باندی۔

مشکوٰۃ شریف میں ہے کہ وفات کے دن حضرت جبریل علیہ السلام آئے تو انکے ساتھ ایک فرشتہ اور تھا جو ایک لاکھ ایسے فرشتوں کا افسر تھا جن میں سے ہر ایک فرشتہ ایک ایک لاکھ فرشتوں کا افسر تھا۔ اس فرشتہ نے حاضری کی اجازت طلب کی۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جبریل سے اس کے بارے میں پوچھا۔ حضرت جبریل نے عرض کیا کہ یہ موت کا فرشتہ ہے حاضری کی اجازت چاہتا ہے۔ اور آج سے پہلے نہ تو اس نے کسی سے اجازت طلب کی ہے اور نہ آئندہ اس کے بعد کسی آدمی سے اجازت طلب کرے گا۔ آپ نے فرمایا اس کو بلالو۔ تو حضرت جبریل نے اسے بلایا۔ اس نے حاضر ہوکر سلام کیا اور پھر عرض کیا یا رسول اللہ! خدائے تعالیٰ نے مجھے آپ کی خدمت میں بھیجا ہے۔ اگر آپ حکم دیں گے تو میں آپ کی روح کو قبض کروں گا ورنہ چھوڑ دوں گا۔ سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تو میری مرضی کے مطابق عمل کرے گا۔ موت کے فرشتہ نے عرض کیا ہاں مجھ کو یہی حکم دیا گیا ہے کہ جو کچھ آپ فرمائیں میں اسی کے مطابق عمل کروں۔ راوی کا بیان ہے کہ یہ سن کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت جبریل کی طرف دیکھا۔ جبریل علیہ السلام نے عرض کیا یا رسول اللہ! ۔ اِنَّ اللّٰہَ قَدِ اشْتَاقَ اِلٰی لِقَآئِکَ ۔ یعنی اللہ تعالیٰ آپ کی ملاقات کا مشتاق ہے۔ تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے موت کے فرشتہ سے فرمایا کہ جس بات کا تجھکو حکم دیا گیا ہے اس پر عمل کر۔

بخاری اور مسلم میں ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جب موت کا فرشتہ حاضر ہوا اس وقت حضور کا سر مبارک میری ران پر تھا۔ آپ پر غشی طاری ہوئی پھر ہوش آیا تو آپ

چھت کی طرف دیکھنے لگے۔ اور بخاری شریف کی ایک روایت میں ہے کہ عین وصال کے وقت حضور کا سر مبارک حضرت عائشہ کے سینے اور حلق کے درمیان تھا اور قریب میں پانی کا ایک برتن رکھا ہوا تھا۔ آپ اس پانی میں ہاتھ ڈالتے اور ان کو چہرے پر پھیر لیتے۔ اور فرماتے تھے لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ اور موت کے وقت سختیاں ہیں۔ پھر حضور آسمان کی طرف ہاتھ اٹھائے اور فرمانے لگے فِی الرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی یعنی اے اللہ! مجھے رفیق اعلیٰ میں کر دے۔ یا یہ مطلب تھا کہ میں رفیق اعلیٰ میں آنا چاہتا ہوں۔ اور ایک روایت میں ہے کہ فرمایا اِخْتَرْتُ الرَّفِیْقَ الْاَعْلٰی یعنی میں نے رفیق اعلیٰ کو اختیار کیا۔ (اشعۃ اللمعات) یہی کہتے کہتے ہاتھ لٹک گئے اور روح قدسی عالم قدس میں پہنچ گئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ (درود شریف)

وصال کا اثر

برادرانِ اسلام:- سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات حسرت آیات سے اہلبیت اور صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو جو صدمۂ جانکاہ پہنچا وہ بیان سے باہر ہے۔ لوگ حضور کی محبت میں ہوش و حواس کھو بیٹھے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اب کیا کریں۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ حالت ہوگئی کہ ان پر سکتہ طاری ہوگیا بولنے کی طاقت نہیں رہ گئی حالت بے قراری میں اِدھر سے اُدھر آتے جاتے تھے۔ مگر کسی سے کچھ کہتے نہیں تھے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس قدر غم سے نڈھال ہوگئے کہ ایک جگہ بیٹھ گئے اور ہلنے کی طاقت نہیں رکھتے تھے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ حال ہوا کہ وہ ننگی تلوار لیکر مدینہ شریف کے بازار اور گلیوں میں گھومتے تھے اور فرماتے تھے کہ جو کہے گا کہ حضور کی وفات ہوگئی میں اسی تلوار سے اس کی گردن اڑا دوں گا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ وصال کے وقت اپنے گھر تھے۔ جب یہ خبر سنی تو روتے ہوئے اور وامحمداہ کے نعرے لگاتے ہوئے مسجد شریف میں حاضر ہوئے دیکھا کہ صحابۂ کرام حیران و پریشان ہیں۔ آپ نے کسی سے بات نہیں کی اور نہ کسی کی طرف متوجہ ہوئے۔ سیدھے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرۂ مبارکہ میں پہنچے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مبارک چہرہ سے چادر ہٹائی اور پیشانی انور کو بوسہ دیا روتے ہوئے باہر نکلے۔ خدائے تعالیٰ کا ان پر یہ خاص فضل ہوا کہ حضور سے انتہائی محبت کے

باوجود ان کے ہوش وحواس بجا رہے۔ آپ مسجد میں تشریف لائے۔ اس وقت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد میں موجود تھے۔ آپ نے ان سے فرمایا اے عمر! بیٹھ جاؤ۔ انھوں نے انکار کر دیا اور کہا کہ ہم نہیں بیٹھیں گے۔ تو حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انھیں چھوڑ دیا اور لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر خطبہ دینا شروع کیا۔

فرمایا اے لوگو! کان کھول کر سن لو کہ جو شخص محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عبادت کرتا تھا تو وہ جان لے کہ ان کا وصال ہو گیا۔ اور جو خدائے تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا وہ سن لے کہ خدا زندہ ہے وہ کبھی نہیں مرے گا اس پر کبھی موت نہیں طاری ہو سکتی۔ پھر آپ نے وہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی جس کے پڑھنے کا شرف ہم ابتدائے تقریر میں حاصل کر چکے ہیں وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ۔ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو ایک رسول ہیں۔ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ۔ ان سے پہلے اور رسول ہو چکے اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ۔ تو کیا اگر وہ انتقال فرمائیں یا شہید ہوں تو تم الٹے پاؤں پھر جاؤ گے؟ وَمَنْ یَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَیْهِ فَلَنْ یَّضُرَّ اللّٰهَ شَیْئًا۔ اور جو الٹے پاؤں پھرے گا تو وہ اللہ کا کچھ نقصان نہ کرے گا۔ وَسَیَجْزِی اللّٰهُ الشّٰكِرِیْنَ۔ اور عنقریب اللہ تعالیٰ شکر کرنے والوں کو صلہ عطا فرمائے گا یعنی جو اپنے دین پر ثابت رہیں گے اور نہیں پھریں گے وہ گروہ شاکرین میں سے ہیں۔ خدائے تعالیٰ ان کو اجر عظیم عطا فرمائے گا۔

بخاری شریف میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس آیت کریمہ کی تلاوت فرمانے سے لوگوں کو ایسا معلوم ہوا کہ گویا کوئی اس آیت کریمہ کو جانتا ہی نہ تھا۔ ان سے سنکر اب اسی آیت کریمہ کو ہر شخص پڑھنے لگا۔ اور مدارج النبوۃ میں ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے میں نے یہ آیت کریمہ سنی تو مجھے ایسا محسوس ہوا کہ اس سے پہلے میں نے اس آیت کریمہ کو سنا ہی نہ تھا۔ سننے کے بعد مجھے معلوم ہو گیا کہ واقعی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا۔ اس یقین کے بعد میرے بدن میں لرزہ پیدا ہوا اور میں زمین پر گر پڑا۔ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا بیان ہے کہ گویا ہماری نگاہوں پر پردہ پڑا ہوا تھا جس کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خطبہ نے اٹھا دیا۔ ان سے سن کر

اب اسی آیت کریمہ کو ہر شخص پڑھنے لگا جس سے لوگوں کو کچھ سکون حاصل ہوگیا۔ (درود شریف)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب قرآن مجید کی آیت کریمہ پڑھکر سنائی تو اگرچہ اس سے لوگوں کو کچھ سکون حاصل ہوگیا لیکن اب اتنا وقت نہیں باقی رہ گیا تھا کہ اسی روز تجہیز و تکفین ہو سکے اس لئے دوسرے روز سہ شنبہ منگل کو یہ کام انجام پایا۔

تجہیز و تکفین

مدارج النبوۃ میں ہے کہ وصیت کے مطابق جب عزیز و اقارب نے حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو وفات کے بعد غسل دینا چاہا تو آواز آئی کہ اللہ کے رسول کو غسل نہ دو کہ وہ پاک وصاف ہیں انھیں غسل کی حاجت نہیں۔ آواز کس نے دی اور کدھر سے آئی؟ لوگوں نے بہت چھان بین کی مگر کچھ پتہ نہیں چلا۔ معلوم ہوا کہ غیب سے آواز آئی ہے تو بعض لوگوں نے چاہا کہ غیبی آواز پر عمل کیا جائے اور غسل نہ دیا جائے۔ تو حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ایسی آواز کے سبب کہ جس کی حقیقت سے ہم واقف نہیں ہیں کہ وہ کہاں سے آئی ہے اور کہنے والا کون ہے۔ ہم اسلام کے طریقہ کو ہرگز نہیں چھوڑ سکتے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہم غسل ضرور دیں گے۔ اتنے میں پھر دوسری غیبی آواز آئی کہ اللہ کے رسول کو غسل دیا جائے۔ پہلی آواز ابلیس کی تھی اور میں خضر ہوں۔

حضرت خضر علیہ السلام کی آواز کے بعد جب لوگوں نے غسل کا ارادہ کیا تو پھر ایک دوسرا اختلاف پیدا ہوا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ان کے پیراہن مبارک میں غسل دیا جائے یا دوسرے لوگوں کی طرح برہنہ کر کے نہلایا جائے؟ ابھی کوئی فیصلہ نہیں ہو پایا تھا کہ ایک طرف سے پھر غیبی آواز آئی۔ اللہ کے رسول کو برہنہ مت کرو۔ ان کو انہی کے پیراہن مبارک میں غسل دو۔۔۔۔ اب حضرت علی، حضرت عباس، حضرت فضل بن عباس، حضرت قثم بن عباس اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے مل جل کر آپ کو غسل دیا اور حضرت اوس بن خولی انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ پانی کا گھڑا بھر بھر کر لاتے تھے۔۔۔۔ غسل کے بعد حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ناف مبارک اور پلکوں پر پانی کے جو قطرے اور تری رہ گئی تھی جوش عقیدت میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو اپنی زبان سے چاٹ کر پی لیا۔ آپ فرماتے تھے کہ

اس کی برکت سے میرا علم اور قوت حافظہ بہت بڑھ گئی۔
اشعۃ اللمعات میں ہے کہ غسل کے بعد حضور کو تین سفید سوتی کپڑوں کا کفن دیا گیا جو یمن کے ایک گاؤں "سحول" کے بنے ہوئے تھے۔

قبر شریف سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کہاں دفن کیا جائے اسکے متعلق صحابہ میں اختلاف ہوا۔ ایک جماعت نے کہا کہ اسی حجرۂ مبارکہ میں دفن کیا جائے جہاں آپ کی وفات ہوئی ہے۔ اور ایک گروہ نے مشورہ دیا کہ مسجد نبوی آپکا مدفن ہونا چاہئے۔ بعض صحابہ نے رائے دی کہ جنت البقیع جو مدینہ شریف کا عام قبرستان ہے اسمیں دفن کیا جائے۔ اور کچھ لوگوں نے کہا کہ بیت المقدس میں آپ کی قبر ہونی چاہئے اس لئے کہ وہاں بہت سے انبیائے کرام کی قبریں ہیں۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ ہر نبی وہیں دفن کیا گیا ہے کہ جہاں اس کی وفات ہوئی ہے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ روئے زمین پر خدائے تعالیٰ کے نزدیک اس جگہ سے بڑھکر کوئی جگہ عظمت اور بزرگی والی نہیں ہے کہ جہاں اللہ کے رسول کا وصال ہوا ہے۔ اس گفتگو کے بعد تمام صحابۂ کرام حجرۂ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا میں حضور کو دفن کرنے پر متفق ہو گئے اور وہی جگہ قبر شریف کیلئے متعین ہو گئی۔ (مدارج شریف)

مشکوٰۃ شریف میں ہے۔ حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مدینہ شریف میں دو آدمی قبر کھودا کرتے تھے۔ ایک ان میں حضرت ابو طلحہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے جو مدینہ شریف کے رواج کے مطابق لحد یعنی بغلی قبر کھودا کرتے تھے۔ اور دوسرے حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے جو بغلی نہیں کھودتے تھے بلکہ شق یعنی صندوقی قبر بناتے تھے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال پر صحابہ میں اختلاف ہوا کہ کس طرح کی قبر کھودی جائے۔ تو لوگوں نے آپس میں یہ طے کیا کہ دونوں صاحبوں کے پاس آدمی بھیجا جائے جو ان میں سے پہلے آئے گا وہ اپنا کام کرے گا۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دعا کی یا الٰہ العالمین! قبر کے بارے میں اپنے پیارے رسول کے لئے وہ صورت اختیار فرما جو تجھے محبوب

و پسندیدہ ہو اور قبر کھودنے والوں کے پاس بلانے کیلئے آدمی بھیجے گئے تو پہلے حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے جو لحد کھودا کرتے تھے تو انھوں نے سرکار اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے بغلی قبر تیار کی۔

نماز جنازہ

اعلیٰحضرت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمہ والرضوان فتاویٰ رضویہ جلد چہارم میں تحریر فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جنازۂ اقدس پر نماز کے بارے میں فقہائے کرام کی مختلف رائیں ہیں۔ بہت سے علماء عام لوگوں کی نماز جنازہ کیطرح مانتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دست حق پرست پر جب تک بیعت نہ ہوئی تھی لوگ فوج در فوج حجرۂ مبارکہ میں آتے اور جنازۂ اقدس پر نماز پڑھتے جاتے جب بیعت ہوگئی تو ولی شرع حضرت ابوبکر صدیق ہوئے۔ انھوں نے جنازۂ مبارکہ پر نماز پڑھی پھر ان کے بعد کسی نے نہیں پڑھی کہ ولی کے پڑھنے کے بعد پھر کسی کو نماز جنازہ پڑھنے کا اختیار نہیں ہوتا۔ اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ جس طرح نماز جنازہ عام طور پر ہوتی ہے حضور کی نماز جنازہ اس طرح نہیں ہوئی بلکہ لوگ گروہ در گروہ حاضر ہوتے اور صلاۃ وسلام عرض کرتے جس کی تائید حدیث شریف سے بھی ہوتی ہے۔ بیہقی اور طبرانی وغیرہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب میرے غسل وکفن سے فارغ ہو جاؤ تو مجھے نعش مبارک پر رکھ کر باہر چلے جاؤ۔ سب سے پہلے جبریل مجھ پر صلاۃ کریں گے پھر میکائیل پھر اسرافیل پھر ملک الموت اپنے سارے لشکروں کے ساتھ۔ اور پھر گروہ در گروہ میرے پاس حاضر ہو کر مجھ پر درود وسلام عرض کرتے جاؤ۔ انتہیٰ کلامہ

جس حجرۂ مبارکہ میں وصال ہوا غسل وکفن کے بعد آپ کو وہیں رکھا گیا۔ لوگ ہر چہار طرف سے نماز جنازہ کے لئے ٹوٹ پڑے لیکن چونکہ حجرۂ مبارکہ میں جگہ کم تھی اس لئے تھوڑے تھوڑے کرکے پہلے مرد لوگ حاضر ہوئے پھر عورتیں اور پھر بچے۔ اس سبب سے بھی دفن میں تاخیر ہوئی جس کو بعض ناسمجھ دوسری غلط باتوں پر محمول کرتے ہیں۔

بہر حال سب لوگ جب نماز جنازہ یا درود وسلام پڑھ چکے تو حضرت علی، حضرت عباس

حضرت فضل بن عباس اور حضرت قثم بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے آپ کے جسم اقدس کو قبر انور میں اتار کر قبلہ رو داہنے پہلو پر لٹایا۔ اور بعض حدیث شریف کی روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اسامہ بن زید اور حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی آپ کی قبر مبارک میں اترے تھے۔

رَبِّ اُمَّتِیْ اُمَّتِیْ

مدارج النبوۃ میں ہے کہ آپ کی قبر مبارک سے جو آخر میں نکلے وہ قثم بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چہرۂ انور کی جب آخری زیارت ہم نے کی تو دیکھا کہ آپ کے لبہائے مبارک ہل رہے ہیں۔ ہم نے اپنا کان قریب کر دیا تو سنا کہ حضور رَبِّ اُمَّتِیْ اُمَّتِیْ فرما رہے ہیں۔

بِرَادَرَانِ اسلام:۔ قربان جایئے اپنے مہربان آقا و مولیٰ جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر کہ وہ ہمیشہ ہم گنہگاروں کی فکر میں رہے۔ یہاں تک کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ امت کے گناہوں کے غم سے حضور کبھی پوری ایک رات بستر پر آرام سے نہیں سوئے۔ اور کبھی ایسا ہوتا کہ رات رات بھر ہم لوگوں کے لئے خدائے تعالیٰ سے دعائیں مانگتے اور بخشش کے انتظار میں روتے رہتے۔ اعلیحضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں۔

اشک شب بھر انتظارِ عفوِ امت میں بہیں
میں فدا اور چاند یوں اختر شماری واہ وا

اور ایک شاعر یوں کہتا ہے۔

تمہارے ہی لئے تھا اے گنہگارو سیہ کارو!
وہ شب بھر جاگنا اور رات بھر رونا محمد کا۔ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)

اگر کالی گھٹا چھا جاتی تو ہمارے مہربان آقا پیارے مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بے چین ہو جاتے کبھی حجرۂ مبارکہ میں آتے اور کبھی مسجد میں پہنچ کر امت کی حفاظت کیلئے دعا فرماتے

اگر آندھی آتی تو بارگاہ الٰہی میں سجدہ ریز ہوجاتے ۔ دیر تک سر نہ اٹھاتے ۔ عذاب سے مامون رہنے کی خدائے تعالیٰ سے دعائیں کرتے اور اس قدر روتے کہ زمین آنسوؤں سے تر ہوجاتی ۔

غرضکہ ہمیشہ ہماری فکر میں رہے کبھی ہم کو فراموش نہیں فرمایا ۔ اپنے حجرۂ مبارکہ میں رہے تو وہاں یاد فرمایا مسجد میں تشریف لائے تو وہاں یاد فرمایا جنگل و بیابان میں یاد فرمایا ۔ پہاڑ کی گھاٹیوں میں یاد فرمایا ۔ یہانتک کہ قبر انور میں لٹائے گئے تو وہاں بھی یاد فرمایا ۔

اے خدائے ذوالجلال! ہم گنہگاروں کی طرف سے ہمارے مہربان آقا و مولیٰ جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ بیکس پناہ میں درود و سلام کی ڈالیاں نچھاور فرما ۔ اور قیامت کے دن ہم سب کو ان کی شفاعت نصیب فرما کر جہنم کے عذاب سے حفاظت فرما اور جنت الفردوس میں بہترین جگہ عنایت فرما (ایک بار ہم سب مل کر بلند آواز سے درود شریف پڑھیں)

اشعۃ اللمعات میں ہے کہ رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وصال دو شنبہ مبارکہ کو ہوا اور سہ شنبہ یعنی منگل کا دن گذر کر رات میں صحابۂ کرام آپ کی تجہیز و تکفین سے فارغ ہوئے ۔

بخاری شریف کی روایت ہے کہ جب سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دفن کر دیا گیا اس کے بعد صحابۂ کرام حضرت فاطمہ کے پاس بطور تعزیت آئے ۔ تو حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ انس! ——— اور اے صحابہ! ——— تم کو یہ کیسے گوارا ہوا کہ تم نے اللہ کے رسول پر مٹی ڈال دی ۔ صحابہ نے کہا اے فاطمہ! (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) ہم بھی یہی سوچتے تھے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر کیسے مٹی ڈالیں ۔ لیکن اللہ کے فیصلہ اور شریعت کے حکم سے کوئی چارۂ کار نہیں ۔ اس لئے مجبوراً ہم کو ایسا کرنا پڑا ۔ پھر حضور کی جدائی میں سب لوگ زار و قطار روئے ۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا غم

برادران ملت! رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات

کا اثر یوں تو ہر مسلمان پر بہت ہوا کہ ایسا مصیبت کا دن انھوں نے کبھی دیکھا ہی نہیں تھا۔ حدیث شریف میں ہے۔ صحابہ فرماتے ہیں کہ جس دن حضور مدینہ میں تشریف لائے اس سے اچھا اور پر مسرت دن ہم نے مدینہ شریف میں کبھی نہیں دیکھا کہ اس شہر مبارک کی ہر چیز روشن اور تابناک ہوگئی۔ اور جس دن کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات ہوئی اس دن سے زیادہ المناک اور برا دن ہم نے مدینہ طیبہ میں کبھی نہیں دیکھا کہ سب چیزوں پر تاریکی چھا گئی ـــــــ ہر گھر سے رونے اور گریہ وزاری کرنے کی آواز آتی تھی پورا مدینہ شریف ماتم کدہ بنا ہوا تھا لیکن حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا تھا کہ ان کا حجرۂ مبارکہ جس میں حضور کا وصال ہوا تھا دفن کے بعد وہ بَیْتُ الْحُزْنِ وَالْفِرَاق ہوگیا تھا کہ شب و روز حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیٹھی رویا کرتی تھیں۔ اور خاص کر حضور کی لخت جگر نور نظر حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ کو بے انتہا غم ہوا کہ وہ رات بھر اور دن بھر حضور کی جدائی میں آنسو بہایا کرتیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ حضور کے وصال فرمانے کے بعد کبھی کسی نے ان کو ہنستے ہوئے نہیں دیکھا۔ (درود شریف)

مدارج النبوۃ میں ہے کہ دفن کے بعد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ کے سرہانے حاضر ہوئیں۔ مزار مبارک سے تھوڑی مٹی اٹھا کر اشک آلود اور آنسوؤں سے بھری ہوئی اپنی آنکھوں پر رکھا اور فرمایا۔

مَاذَا عَلٰی مَنْ شَمَّ تُرْبَۃَ اَحْمَدَ

اَنْ لَّا یَشُمَّ مَدَی الزَّمَانِ غَوَالِیَا

یعنی کیا حرج ہے کہ جو شخص حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر مبارک کو سونگھ لے تو وہ کبھی کسی بیش قیمت خوشبو کو نہ سونگھے مطلب یہ ہے کہ حضور کی تربت انور سے ایسی خوشبو آرہی ہے کہ جو شخص اسے سونگھ لے تو پھر کسی دوسری خوشبو کو سونگھنے کی اسے حاجت نہیں۔

اور فرمایا ـــــــ صُبَّتْ عَلَیَّ مَصَائِبُ لَوْ اَنَّھَا

صُبَّتْ عَلَی الْاَیَّامِ صِرْنَ لَیَالِیَا

یعنی مجھ پر ایسی مصیبتیں آگئیں کہ اگر یہ مصیبتیں روز روشن پر آجائیں تو وہ مارے غم کے رات بن جائیں (ایک بار پھر بلند آواز سے درود شریف پڑھئے)

انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام زندہ ہیں

برادران اسلام بعض لوگوں کا عقیدہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اب زندہ نہیں بلکہ مر کر مٹی مل گئے۔ جیسا کہ وہابیوں دیوبندیوں کے پیشوا مولوی اسمٰعیل دہلوی نے اپنی کتاب تقویۃ الایمان ص۴۲ پر لکھا ہے مگر یہ عقیدہ مذہب حق اہلسنت وجماعت کے خلاف ہے اور باطل ہے۔

حدیث شریف کی معتمد اور مشہور کتاب مشکوٰۃ شریف ص۱۲۱ پر ہے اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَ عَلَی الْاَرْضِ اَنْ تَاْکُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِیَاءِ فَنَبِیُّ اللّٰہِ حَیٌّ یُّرْزَقُ۔ یعنی سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدائے عزوجل نے زمین پر انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کے جسموں کو کھانا حرام فرما دیا ہے۔ لہٰذا اللہ کے نبی زندہ ہیں۔ رزق دئے جاتے ہیں۔

اشعۃ اللمعات جلد اول ص۵۷۰ پر اس حدیث شریف کی شرح میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی بخاری علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں کہ "پیغمبر خدا زندہ است بہ حقیقت حیات دنیاوی۔ یعنی خدائے تعالیٰ کے نبی دنیاوی زندگی کی حقیقت کے ساتھ زندہ ہیں۔

اور مرقاۃ جلد دوم ص۲۱۲ پر رئیس المحدثین حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ لَا فَرْقَ لَهُمْ فِي الْحَالَيْنِ وَلِذَا قِيْلَ اَوْلِيَاءُ اللّٰهِ لَا يَمُوْتُوْنَ وَلٰكِنْ يَّنْتَقِلُوْنَ مِنْ دَارٍ اِلٰى دَارٍ۔ یعنی انبیائے کرام کی قبل وصال اور بعد وصال کی زندگی میں کوئی فرق نہیں۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ محبوبانِ خدا مرتے نہیں بلکہ ایک دار سے دوسرے دار یعنی ایک گھر سے دوسرے گھر کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں۔

اور حدیث کی اسی مشہور کتاب مشکوٰۃ شریف ص۱۲۰ پر ابوداؤد، نسائی، دارمی،

بیہقی اور ابن ماجہ یعنی حدیث کی پانچ معتمد کتابوں سے روایت ہے إِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَى الْأَرْضِ أَجْسَادَ الْأَنْبِيَاءِ ۔ یعنی رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدائے عزوجل نے انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کے جسموں کو زمین پر (کھانا) حرام فرمادیا ہے رئیس المحدثین حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مرقاۃ جلد دوم صفحہ ۲۰۹ پر اسی حدیث کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں إِنَّ الْأَنْبِيَاءَ فِي قُبُوْرِهِمْ أَحْيَاءٌ ۔ یعنی انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

اور سید المحققین حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اشعۃ اللمعات جلد اول صفحہ ۵۷۶ پر اسی حدیث کے تحت تحریر فرماتے ہیں کہ "حیات انبیا متفق علیہ است ہیچ کس را درو بے خلافے نیست حیات جسمانی دنیاوی حقیقی نہ حیات معنوی روحانی چنانکہ شہدا راست یعنی انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام زندہ ہیں اور ان کی زندگی سب مانتے آئے ہیں۔ کسی کو اس میں اختلاف نہیں ہے۔ ان کی زندگی جسمانی حقیقی دنیاوی ہے۔ شہیدوں کی طرح صرف معنوی اور روحانی نہیں ہے۔

حضرت شیخ محقق کی اس شرح سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ان کے زمانہ حیات گیارہویں صدی ہجری تک یہ مسئلہ متفق علیہ رہا کہ انبیائے کرام بعد وصال بھی زندہ رہتے ہیں اس میں کسی کو اختلاف نہیں یعنی جو لوگ کہ انبیائے کرام کو زندہ نہیں مانتے چاہے وہ دیوبندی ہوں یا وہابی ان کا مذہب اور ان کا یہ عقیدہ نیا ہے۔ اہلسنت وجماعت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فرمانے کے مطابق ہمیشہ یہی عقیدہ رکھتے رہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور روزی دئے جاتے ہیں۔

اور ظاہر ہے کہ انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام اگر بعد وفات زندہ نہ ہوتے اور مر کر مٹی میں مل گئے ہوتے (معاذ اللہ رب العالمین) تو معراج کی رات حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھنے کیلئے بیت المقدس میں کیسے آتے۔ معلوم ہوا کہ بیشک انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام زندہ ہیں (ایک بار ہم سب لوگ مل کر پھر بلند آواز سے درود شریف پڑھیں)۔

اور یہ بھی خوب اچھی طرح ذہن نشین کر لیجئے کہ انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی زندگی جسمانی حقیقی دنیاوی ہے۔ شہیدوں کی طرح صرف معنوی اور روحانی نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کا ترکہ نہیں تقسیم کیا جاتا اور نہ ان کی بیویاں دوسرے سے نکاح کر سکتی ہیں۔ اور شہیدوں کا ترکہ تقسیم ہوتا ہے اور ان کی بیویاں عدت گذارنے کے بعد دوسرے سے نکاح کر سکتی ہیں۔

اور یہ بھی واضح رہے کہ انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی زندگی برزخی نہیں ہے بلکہ دنیاوی ہے۔ بس فرق صرف اتنا ہے کہ وہ ہم جیسے لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل ہیں جیسا کہ نورالایضاح کی شرح مراقی الفلاح مع طحطاوی مطبوعہ مصر ص۴۴۲ میں حضرت شیخ حسن شرنبلالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں وَمِمَّا هُوَ مُقَرَّرٌ عِنْدَ الْمُحَقِّقِيْنَ اَنَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَيٌّ يُرْزَقُ مُتَمَتِّعٌ بِجَمِيْعِ الْمَلَاذِّ وَالْعِبَادَاتِ غَيْرَ اَنَّهٗ حُجِبَ عَنْ اَبْصَارِ الْقَاصِرِيْنَ عَنْ شَرِيْفِ الْمَقَامَاتِ یعنی یہ بات ارباب تحقیق کے نزدیک ثابت ہے کہ سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حقیقی دنیاوی زندگی کے ساتھ زندہ ہیں۔ ان پر روزی پیش کی جاتی ہے۔ ساری لذت والی چیزوں کا مزا اور عبادتوں کا سرور پاتے ہیں۔ لیکن جو لوگ کہ بلند درجوں تک پہنچنے سے قاصر ہیں ان کی نگاہوں سے اوجھل ہیں۔

تو زندہ ہے واللہ تو زندہ ہے واللہ
مری چشم عالم سے چھپ جانیوالے

اور شہاب العلوم حضرت علامہ شہاب الدین خفاجی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نسیم الریاض شرح شفا قاضی عیاض جلد اول ص۱۹۶ میں تحریر فرماتے ہیں اَلْاَنْبِيَاءُ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ اَحْيَاءٌ فِيْ قُبُوْرِهِمْ حَيَاةً حَقِيْقَةً۔ یعنی انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام حقیقی زندگی کے ساتھ اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

اور رئیس المحدثین حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مرقاۃ شرح مشکوۃ جلد اول

ص۲۸۴ میں تحریر فرماتے ہیں اِنَّہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حَیٌّ یُرْزَقُ وَیُسْتَمَدُّ مِنْہُ الْمَدَدُ الْمُطْلَقُ۔ یعنی بیشک حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم زندہ اور باحیات ہیں انھیں روزی پیش کی جاتی ہے اور ان سے ہر قسم کی مدد طلب کی جاتی ہے۔

اور سید المحققین حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے مکتوب سلوک اقرب السبل بالتوجہ الی سید الرسل مع اخبار الاخیار مطبوعہ رحیمیہ دیوبند ص۱۶۱ میں فرمایا کہ "باچندیں اختلاف وکثرت مذاہب کہ در علمائے امت ست یک کس رادریں مسئلہ خلافے نیست کہ آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ بحقیقت حیات بے شائبۂ مجاز وتوہم تاویل دائم وباقی ست وبر اعمال امت حاضر وناظر۔ وبر طالبان حقیقت را و متوجہان آں حضرت را مفیض ومربی ——— یعنی علمائے امت میں اتنے اختلافات و کثرت مذاہب کے باوجود کسی شخص کو اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حیات (دنیاوی) کی حقیقت کے ساتھ قائم اور باقی ہیں۔ اس حیات نبوی میں مجاز کی آمیزش اور تاویل کا وہم نہیں ہے۔ اور امت کے اعمال پر حاضر وناظر ہیں۔ نیز طالبان حقیقت کے لئے اور ان لوگوں کے لئے کہ آں حضرت کی جانب توجہ رکھتے ہیں حضور ان کو فیض بخشنے والے اور ان کے مربی ہیں۔

اور پارہ ۲۳ آخری رکوع کی آیت کریمہ اِنَّکَ مَیِّتٌ میں جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے موت آنے کا ذکر فرمایا گیا ہے تو اس سے مراد اس عالم دنیا سے منتقل ہونا ہے۔ اور احادیث کریمہ واقوال ائمہ میں حیات سے بعد وصال کی حقیقی زندگی مراد ہے۔

(ایک بار ہم سب مل کر بلند آواز سے درود شریف پڑھیں)

حیاتِ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام واقعات کی روشنی میں

برادران ملت! آقائے دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور دیگر انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام بعد وصال زندہ ہیں۔ اس کے بارے میں احادیث کریمہ اور ائمہ عظام کے بہت

سے اقوال آپ لوگوں نے سن لیا۔ اب ہم چند واقعات بیان کرتے ہیں جن سے یہ بات اچھی طرح واضح اور روشن ہو جائے گی کہ نبی بعد وصال زندہ رہتا ہے مرتا نہیں ہے۔

علامہ سمہودی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی مشہور کتاب وفاء الوفا باخبار دار المصطفےٰ جلد اول صفحہ ۶۴۶ میں تحریر فرماتے ہیں، کہ سلطان نور الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جو عادل بادشاہ اور بڑے متقی تھے۔ ان کی رات کا بہت سا حصہ تہجد اور وظیفے میں خرچ ہوتا تھا۔ ۵۵۷ء میں ایک رات جبکہ تہجد کی نماز پڑھنے کے بعد وہ سوئے تو خواب میں سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت ان کو نصیب ہوئی۔ سرکار اقدس نے دو کیری آنکھ والوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بادشاہ سے ارشاد فرمایا کہ ان دونوں سے میری حفاظت کرو۔ بادشاہ گھبرا کر اٹھے وضو کیا اور جب کچھ نوافل پڑھکر دوبارہ سوئے تو پھر بعینہٖ وہی خواب دیکھا کہ حضور فرما رہے ہیں ان دونوں سے میری حفاظت کرو۔ بادشاہ پھر بیدار ہو گئے وضو کیا اور جب تیسری بار کچھ نوافل پڑھ کر سوئے تو پھر وہی خواب دیکھا۔ اٹھ کر فرمایا کہ اب نیند کی کوئی گنجائش نہیں۔ رات ہی کو فوراً اپنے وزیر کو بلایا جو نیک اور صالح آدمی تھے۔ نام جمال الدین بتایا جاتا ہے۔ ان کو سارا قصہ سنایا۔ وزیر نے کہا اب تاخیر کا موقع نہیں ہے فوراً مدینہ منورہ چلئے مگر اس خواب کا ذکر کسی سے نہ کیجئے۔ بادشاہ نے فوراً رات ہی کو تیاری کی۔ وزیر اور ۲۰ مخصوص خادموں کو ساتھ لیکر تیز رفتار اونٹنیوں پر بہت سامان اور مال و متاع لدوا کر مدینہ منورہ کے لئے روانہ ہو گئے اور دن رات چلتے رہے یہانتک کہ سولھویں روز مصر سے مدینہ طیبہ پہنچے۔ شہر سے باہر غسل کیا اور نہایت ادب واحترام سے مسجد نبوی میں حاضر ہوئے جنت کی کیاری میں دو رکعت نماز نفل پڑھی اور حضور کی بارگاہ میں حاضر ہو کر صلاۃ وسلام عرض کیا پھر نہایت متفکر ہو کر بیٹھے سوچتے رہے کہ اب کیا کریں۔ وزیر نے اعلان کیا کہ بادشاہ نور الدین زیارت کیلئے آئے ہیں اور بہت سامان اپنے ہمراہ یہاں کے لوگوں پر تقسیم کرنے کیلئے لائے ہیں۔ لہٰذا سب لوگ ان سے ملاقات کریں۔ اس اعلان کے بعد لوگوں کی آمد شروع ہو گئی۔ بادشاہ ہر آنے والے کو نہایت گہری نگاہ سے دیکھتے رہے۔ سب لوگ یکے بعد دیگرے بادشاہ سے ملاقاتیں کیں اور عطائیں لیکر چلے گئے

مگر کیری آنکھ والے وہ دو شخص کہ جن کو خواب میں دیکھا تھا نظر نہ آئے۔ بادشاہ نے کہا کہ اور کوئی باقی رہ گیا ہو تو اس کو بھی بلا لیا جائے۔ معلوم ہوا کہ اب کوئی نہیں باقی رہ گیا ہے۔ مگر بادشاہ کے بار بار کہنے پر لوگوں نے بہت غور و خوض کیا تو کہا کہ دو نیک مرد نہایت متقی اور پرہیزگار مغربی بزرگ ہیں وہ کسی سے کوئی چیز نہیں لیتے بلکہ خود ہی بہت کچھ صدقات و خیرات اہل مدینہ پر کرتے رہتے ہیں گوشہ نشین لوگ ہیں سب سے الگ تھلگ رہتے ہیں۔ بادشاہ نے ان دو آدمیوں کو بھی بلوایا اور جب وہ آئے تو دیکھتے ہی پہچان لیا کہ یہی وہ دو آدمی ہیں جو خواب میں دکھلائے گئے تھے۔ بادشاہ نے ان لوگوں سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ ان لوگوں نے کہا کہ ہم مغرب کے باشندے ہیں حج کے لئے آئے ہوئے تھے اس سے فارغ ہو کر مدینہ طیبہ زیارت کیلئے حاضر ہوئے اور سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پڑوس میں رہنے کی تمنا ہوئی تو یہاں ٹھہر گئے۔ بادشاہ نے کہا کہ صحیح صحیح بتا دو۔ انھوں نے جو پہلے کہا تھا پھر اسی جواب کو دہرایا۔ بادشاہ نے صحیح بات بتانے پر بہت اصرار کیا مگر ان لوگوں نے کچھ اور نہیں بتایا بلکہ ہر بار یہی کہتے رہے کہ ہم لوگ حج کے لئے آئے تھے پھر زیارت کے لئے حاضر ہوئے اور کچھ روز کے لئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پڑوس میں قیام کر لیا۔ بادشاہ نے ان کی قیام گاہ دریافت کی۔ معلوم ہوا کہ روضۂ مبارکہ کے قریب ہی ایک رباط میں رہتے ہیں۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ ان دونوں کو یہیں روکے رکھیں اور خود انکی قیام گاہ پر گئے۔ وہاں پہنچ کر بہت کچھ دیکھا بھالا تو مال و متاع بہت سا ملا اور کتابیں بھی رکھی ہوئی ملیں لیکن کوئی ایسی چیز نہیں ملی کہ جس سے خواب کے مضمون کی تائید ہوتی۔

بادشاہ بہت پریشان اور متفکر تھا کہ خواب سچ ہے یہ دونوں آدمی وہی ہیں جو خواب میں دکھلائے گئے لیکن ان کے حالات سے معاملہ کا کوئی سراغ نہیں ملتا۔ اور مدینہ طیبہ کے لوگوں کا حال یہ تھا کہ بہت سے لوگ سفارش کے لئے آئے اور بیان دیا کہ یہ دونوں نیک بزرگ دن بھر روزہ رکھتے ہیں، ہر نماز جنت کی کیاری میں پڑھتے ہیں۔ حضور کی بارگاہ میں حاضر ہو کر صلاۃ و سلام عرض کرتے ہیں، روزانہ جنت البقیع کی زیارت کرتے ہیں، ہر سنیچر مسجد قبا جاتے ہیں کسی سائل کو بغیر کچھ دیئے ہوئے واپس نہیں کرتے، اس قحط کے سال میں انھوں نے مدینہ شریف

والوں کے ساتھ بہت ہمدردی اور غمگساری کی ہے۔ بادشاہ ان کے حالات سن کر تعجب کرتے
تھے اور ان کی قیام گاہ میں اِدھر اُدھر متفکر پھر رہے تھے۔ یکایک ان کے مصلے کو اٹھایا جو ایک
چٹائی پر بچھا ہوا تھا اور چٹائی کے نیچے ایک پتھر بچھا ہوا تھا جب اس کو اٹھایا گیا تو اس کے نیچے
ایک سرنگ ظاہر ہوئی جو بہت گہری کھودی گئی تھی اور بہت دور تک چلی گئی تھی یہاں تک کہ حضور
کی قبر انور کے قریب پہنچ گئی تھی۔ یہ دیکھکر سب لوگ دنگ رہ گئے۔ بادشاہ نے ان کو انتہائی غصہ
میں کانپتے ہوئے مارنا شروع کیا اور کہا کہ صحیح صحیح واقعہ بتاؤ۔ ان لوگوں نے بتایا کہ وہ دونوں
نصرانی ہیں۔ عیسائی بادشاہوں نے ان کو بہت سا مال دیا ہے اور آئندہ بہت زیادہ دینے کا
وعدہ کیا ہے۔ ہم لوگ حاجیوں کی صورت بنا کر اس لئے آئے ہیں تاکہ قبر انور سے حضور صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وسلم کے جسم مبارک کو نکال لے جائیں۔ ہم دونوں رات کو یہ جگہ کھودتے تھے اور جو مٹی
نکلتی تھی اس کو حجرہ کی دو مشکوں میں بھر کر رات ہی کو جنت البقیع میں ڈال آیا کرتے تھے۔

بادشاہ اس بات پر کہ خدائے عزوجل نے اور اس کے پیارے مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وسلم نے اس خدمت کے لئے ان کو منتخب کیا بہت روئے۔ ان دونوں کو قتل کرایا اور
حجرۂ مبارکہ کے چاروں طرف اتنی گہری خندق کھدوائی کہ پانی نکل آیا پھر اس خندق کو رانگا یا
سیسہ پگھلا کر بھروا دیا تاکہ سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسم مبارک تک کبھی کسی کی رسائی
نہ ہو سکے۔ (ایک بار ہم سب مل کر اس زندہ نبی پر زندہ دلی کے ساتھ درود شریف کا نذرانہ پیش
کریں)

اس واقعہ سے روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ ہمارے آقا و مولیٰ جناب احمد مجتبےٰ
محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم زندہ ہیں۔ اگر وہ (معاذ اللہ صد بار معاذ اللہ) مر کر مٹی میں مل گئے
ہوتے جیسا کہ وہابیوں اور دیوبندیوں کا عقیدہ ہے تو بادشاہ نورالدین کو وصال کے تقریباً
ساڑھے پانچ سو سال بعد حفاظت کے حکم دینے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ ثابت ہوا کہ اللہ کے
رسول زندہ ہیں اور وہابیوں دیوبندیوں کا عقیدہ باطل ہے ——— اور یہ بھی معلوم ہوا کہ
نصرانیوں کا بھی یہ عقیدہ ہے کہ اللہ کا نبی وصال فرمانے کے بعد مٹی میں نہیں مل جاتا ورنہ کبھی

سو سال کے بعد وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسم اقدس کو نکال کرلے جانے کا پروگرام نہ بناتے

ایک سوال اور اس کا جواب

رہا یہ سوال کہ ہمارے عقیدہ کے مطابق جبکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خود دوسروں کی مدد کرتے ہیں اور مشکلیں حل فرماتے ہیں تو انہوں نے اپنی حفاظت کے لئے بادشاہ نورالدین سے کیوں کہا اور نصرانیوں کو خود ہی کیوں نہیں ہلاک کر دیا۔ اور جب وہ خود اپنی حفاظت نہیں کر سکتے اور اپنے دشمنوں کو ہلاک نہیں کر سکتے تو وہ دوسروں کی مدد کیا کر سکتے ہیں؟ ــــــ تو اس سوال کا جواب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خدائے عزوجل کی عطا کی ہوئی طاقت سے اپنی حفاظت فرما سکتے تھے اور بادشاہ نورالدین کی مدد کے بغیر ان کے دشمن ہلاک ہو سکتے تھے جیسا کہ اسی کتاب وفاء الوفا جلد اول ص ۴۲ میں ایک دوسرا واقعہ درج ہے کہ حلب کی ایک جماعت سے مدینہ کا حاکم مل گیا اور بہت سا مال رشوت لیکر ان کو حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے جسم مبارک کو نکال لے جانے کی اجازت دیدی۔ اور جب وہ لوگ زمین کھودنے کے بہت سے ہتھیار لیکر باب السلام سے اندر داخل ہوئے اور حجرہ شریف کی طرف چلے تو حضرت شیخ شمس الدین صواب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جو خادمین حرم نبوی کے افسر تھے اور اس واقعہ کے راوی ہیں وہ فرماتے ہیں

وَاللّٰهِ مَا وَصَلُوا الْمِنْبَرَ حَتّٰى ابْتَلَعَتْهُمُ الْاَرْضُ جَمِيْعَهُمْ وَجَمِيْعَ مَا كَانَ مَعَهُمْ مِنَ الْاٰلَاتِ وَلَمْ يَبْقَ لَهُمْ اَثَرٌ۔ یعنی خدا کی قسم وہ لوگ ابھی منبر شریف تک بھی نہ پہونچے تھے کہ اچانک ان کو اور ان کے سارے ساز و سامان کو زمین نگل گئی اور ان کا نام و نشان مٹ گیا۔

تو اسی طرح وہ دونوں نصرانی بھی ہلاک ہو سکتے تھے۔ مگر اللہ و رسول جل جلالہ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بادشاہ نورالدین کی کسی نیکی پر ساری دنیا سے اسلام میں ان کے نام کو روشن و منور فرمانا چاہتے تھے اور آخرت میں ان کو مرتبۂ جلیلہ پر فائز کرنا چاہتے تھے۔ اس لئے یہ خدمت ان کے سپرد فرمائی۔

لیکن اگر اب بھی کوئی بدبخت نہ مانے اور یہی بکتا رہے کہ حضور کو اپنے دشمنوں کے ہلاک

کی طاقت نہیں تھی۔ اس لئے بادشاہ نورالدین سے ہلاک کروایا۔ تو اس بدبخت کو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ اللہ تعالیٰ کو بھی اپنے محبوب کے دشمنوں کے ہلاک کرنے کی طاقت نہیں تھی اس لئے وہ خود ہلاک نہیں کر سکا بلکہ دوسرے سے ہلاک کروایا۔

برادرانِ اسلام! اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بعد وصال بھی زندہ ہیں اس سلسلے میں ایک واقعہ اور سماعت فرمایئے ——— حضرت علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی کتاب الحاوی میں تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت سید احمد رفاعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جو مشہور بزرگ اکابر صوفیہ میں سے ہیں ان کا واقعہ مشہور ہے کہ جب وہ ۵۵۵ھ میں حج سے فارغ ہو کر سرکار اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت کے لئے مدینہ طیبہ حاضر ہوئے اور قبر انور کے سامنے کھڑے ہوئے تو یہ دو شعر پڑھے۔

فِی حَالَۃِ الْبُعْدِ رُوْحِیْ کُنْتُ اُرْسِلُھَا

تُقَبِّلُ الْاَرْضَ عَنِّیْ وَھِیَ نَائِبَتِیْ

یعنی میں دور ہونے کی حالت میں اپنی روح کو خدمت مبارکہ میں بھیجا کرتا تھا جو میری نائب بن کر حضور کے آستانہ مقدسہ کو چوما کرتی تھی۔

وَھٰذِہٖ دَوْلَۃُ الْاَشْبَاحِ قَدْ حَضَرَتْ

فَامْدُدْ یَمِیْنَکَ کَیْ تَحْظٰی بِھَا شَفَتِیْ

یعنی اب جسموں کی حاضری کا وقت آیا ہے۔ لہٰذا اپنے دست اقدس کو عطا فرمایئے تاکہ میرے ہونٹ اس کو چومیں۔

حضرت سید احمد رفاعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی اس عرض پر سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قبر انور سے اپنے دست مبارک کو باہر نکالا جس کو انھوں نے چوما۔

البنیان المشید میں ہے کہ اس وقت کئی ہزار کا مجمع مسجد نبوی میں تھا جنھوں نے اس واقعہ کو دیکھا اور حضور کے دست اقدس کی زیارت کی۔ ان لوگوں میں محبوب سبحانی حضرت شیخ عبد القادر جیلانی یعنی غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ کا نام نامی بھی ذکر کیا جاتا ہے۔ خلاصہ کلام

یہ ہے کہ — انبیاء کو بھی موت آنی ہے ٭ مگر ایسی کہ فقط آنی ہے

بس اسی آن کے بعد انکی حیات ٭ مثل سابق وہی جسمانی ہے

اولیاء اللہ بھی زندہ ہیں

وہابیوں دیوبندیوں کو تو انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کے زندگی کے بارے میں بھی کلام ہے یہانتک کہ سید الانبیاء اور نبی الانبیاء جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ مرکر مٹی میں مل گئے۔ حالانکہ اولیائے کرام و بزرگان دین کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی غلامی میں یہ مرتبہ ملا ہے کہ وہ بھی بعد وفات زندہ رہتے ہیں۔ ثبوت کیلئے بروقت صرف دو واقعہ سماعت فرمائیں۔

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جو مشہور بزرگوں میں سے ہیں۔ ان کا واقعہ عارف باللہ حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی مثنوی شریف کے دفتر چہارم میں تحریر فرماتے ہیں کہ ایک روز بایزید بسطامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے مریدوں کے ساتھ ایک راستہ سے گذر رہے تھے کہ اچانک شہر رَے کے علاقہ میں خرقان کی طرف سے انھیں خوشبو محسوس ہوئی۔ حضرت اس خوشبو سے اس قدر مست ہوئے کہ چہرے کا رنگ کبھی سرخ ہوتا تھا اور کبھی سفید۔ ایک مرید نے عرض کیا کہ حضور کیا معاملہ ہے کہ میں حضرت کے چہرہ کا رنگ بدلتا ہوا پا تا ہوں؟ فرمایا کہ اس طرف سے ایک دوست کی خوشبو آرہی ہے کہ جہاں درجۂ ولایت و قطبیت کا ایک بہت بڑا بادشاہ اتنے سال کے بعد فلاں تاریخ کو تشریف لانے والا ہے۔ کسی نے پوچھا کہ ان کا نام کیا ہے۔؟ فرمایا کہ ان کا نام ابو الحسن ہے۔ پھر سر سے لیکر پاؤں تک ان کا پورا حلیہ بیان فرمایا۔

حضرت کے بیان کے مطابق ابو الحسن خرقانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تاریخ پیدائش کو لوگوں نے نوٹ کرلیا۔ اور جب حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی وفات کے بعد وہی تاریخ آئی تو خرقان میں حضرت ابو الحسن خرقانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پیدا ہوئے۔ اور سن بلوغ کو پہنچے تو لوگوں نے ان سے بیان کیا کہ حضرت بایزید فرمایا کرتے تھے کہ ابو الحسن میرا عقیدت مند ہوگا اور میری قبر پر آکر مجھ سے فیض حاصل کرے گا۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے بھی اسی مضمون کا خواب

دیکھا ہے ــــــ پھر آپ روزانہ صبح کے وقت حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی قبر مبارک کے پاس حاضر ہوتے اور چاشت کے وقت تک ان کے مزار کے سامنے باادب کھڑے رہتے اور فیض حاصل کرتے۔

ایک روز صبح کے وقت جبکہ آپ اس قبرستان میں تشریف لے گئے کہ جہاں حضرت کا مزار تھا تو دیکھا کہ ساری قبریں برف سے چھپی ہوئی ہیں۔ آپ حضرت کی قبر مبارک کو پہچان نہیں سکے جس کے سبب بہت پریشان ہوئے تو پھر اس کے بعد کیا ہوا؟ اسے مولانا روم علیہ الرحمہ کی زبان سے سنئے [1]

بانگش آمد از حظیرہ شیخ حیّ
هَا اَنَا اَدْعُوْكَ كَیْ تَسْعٰی اِلَیّ

یعنی اچانک بایزید بسطامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جو زندہ ہیں ان کی قبر مبارک سے آواز آئی کہ میں تمہیں پکارتا ہوں تم میری طرف آؤ۔

بیشک بایزید بسطامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وفات کے بعد بھی زندہ ہیں۔ اگر وہ مر کر مٹی میں مل گئے ہوتے اور زندہ نہ ہوتے تو ان کی قبر مبارک سے اس طرح کی آواز ہرگز نہ آتی۔

حیات جاوداں پاتا ہے آسی
قتیلِ تیغِ ابروئے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

(ایک بار ہم سب مل کر بلند آواز سے پھر درود شریف پڑھیں)

اولیائے کرام بھی بعد وصال زندہ رہتے ہیں۔ اس سلسلے میں دوسرا واقعہ یہ سماعت فرمائیں کہ حضرت مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی کچھوچھوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ جب وہ اپنے پیر و مرشد حضرت علاؤ الحق والدین علیہ الرحمۃ والرضوان کے آستانہ مبارکہ

---

[1] مثنوی شریف کا یہ واقعہ فارسی اشعار مع اردو ترجمہ و مختصر تشریح کیساتھ ہماری کتاب "گلدستۂ مثنوی" میں دیکھیں
الامجدی

"پنڈوہ شریف"، کی حاضری کیلئے گلبرگہ شریف (دکن)، سے روانہ ہوئے تو جس روز صوبہ بہار میں
منیر شریف کے قریب پہنچے اسی روز حضرت شرف الدین یحیٰ منیری علیہ الرحمۃ والرضوان کا وصال
ہوا۔ وفات سے کچھ پہلے انھوں نے وصیت فرمائی تھی کہ ایک سید صحیح النسب جو تارک سلطنت
ہیں اور ساتوں قرارت کے حافظ ہیں وہ عنقریب آنے والے ہیں وہی میرے جنازہ کی نماز پڑھائیں
گے حضرت کا وصال ہوگیا اور جنازہ بھی تیار ہوگیا مگر جن کے بارے میں حضرت نے وصیت
فرمائی تھی وہ نہیں پہنچے تو شیخ جلالی نام کے ایک شخص آپ کی تلاش میں نکلے۔ جب آبادی کے
باہر پہنچے تو انھیں دور سے ایک قافلہ آتا ہوا نظر آیا۔ قافلہ قریب پہنچا تو شیخ جلالی آپ کو تلاش کرنے
لگے۔ لوگوں کی بھیڑ میں ان کو ایسا چہرہ نظر آیا کہ جن کی پیشانی میں نور ولایت جگگا رہا تھا۔ پوچھا کہ
حضور سید ہیں؟ فرمایا کہ ہاں۔ پھر ساتوں قرارت کے حافظ ہونے اور ترک سلطنت کے بارے
میں دریافت کیا۔ جب اطمینان ہوگیا کہ آپ ہی کے بارے میں حضرت نے وصیت فرمائی ہے
تو بڑے اعزاز و اکرام کے ساتھ آپ کو لائے اور حسب وصیت حضرت کی نماز جنازہ آپ نے پڑھائی
اور وہ دفن کر دیئے گئے۔

کچھ وقفہ بعد مخدوم صاحب کو اطلاع ملی کہ حضرت شرف الدین یحیٰ منیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
کا مبارک ہاتھ قبر شریف سے باہر نکل آیا ہے اور بہت سے لوگ وہاں جمع ہو گئے ہیں مگر کسی
کی سمجھ میں نہیں آتا کہ معاملہ کیا ہے۔ حضرت مخدوم صاحب مزار شریف کے پاس پہنچے۔ جب
قبر کے باہر نکلے ہوئے ہاتھ کو دیکھا تو آپ نے وہیں بیٹھ کر مراقبہ فرمایا۔ اور جب سر اٹھایا تو لوگوں
کو بتایا کہ حضرت شیخ منیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو مردانِ غیب سے ایک ٹوپی ملی تھی جس کے بارے
میں حضرت نے وصیت فرمائی تھی کہ وہ میرے ساتھ قبر میں رکھ دی جائے مگر آپ لوگ بھول
گئے۔ حضرت شیخ اسی ٹوپی کو طلب فرما رہے ہیں۔ لوگوں نے تصدیق کی کہ واقعی حضرت نے ٹوپی
کے متعلق وصیت فرمائی تھی کہ وہ میرے ساتھ قبر میں رکھ دی جائے۔ جسے ہم لوگ بھول گئے۔
اب وہ ٹوپی لائی گئی اور جب حضرت شیخ کے مبارک ہاتھ پر رکھی گئی تو آپ نے فوراً اپنا ہاتھ اندر
کر لیا۔

یہ واقعہ بھی بہ بانگ دہل اعلان کر رہا ہے کہ اولیائے کرام بھی بعد وصال زندہ رہتے ہیں اگر زندہ نہ رہتے تو حضرت شرف الدین یحییٰ منیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ دفن کے بعد قبر سے باہر ہاتھ نہ نکالتے ـــــــ اور اولیائے کرام کیوں نہ زندہ رہیں کہ وہ تو وہ اللہ تعالیٰ ہی کے نام پر مرتے ہیں۔ اور جو اللہ تعالیٰ کے نام پر مرتے ہیں وہ ہمیشہ زندہ رہتے ہیں۔ ایک شاعر کہتا ہے :۔

زندہ ہو جاتے ہیں جو مرتے ہیں اسکے نام پر
اللہ اللہ موت کو کس نے مسیحا کر دیا

تقریر بہت طویل ہو گئی۔ بس دعا ہے کہ خدائے عز و جل ہم سب کو مذہب اہلسنت و جماعت پر قائم رکھے اور گمراہی سے بچنے کی توفیق رفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ بحرمۃ النبی الکریم الامین علیہ و علیٰ آلہ افضل الصلوات و اکمل التسلیم۔

امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

الحمد للہ الذی ھدانا الی الصراط المستقیم والصلاۃ والسلام علی من اختص بالخلق العظیم وعلی الہ واصحابہ الذین قاموا بنصرۃ الدین القویم۔ اما بعد فقد قال اللہ تعالیٰ فی کتابہ العظیم۔ اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِہٖ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ (پ۲۴ ع ۱) صدق اللہ العلی العظیم وبلغنا رسولہ النبی الامین علیہ وعلی الہ افضل الصلوات والتسلیم۔

ایک بار آپ تمام حضرات بلند آواز سے اپنے پیارے مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دربار گہربار میں درود وسلام کا نذرانہ پیش کریں۔ اللھم صل علی سیدنا و مولینا و محمد وعلی ال سیدنا ومولانا محمد معدن الجود والکرم وعلی الہ واصحابہ وبارک وسلم۔

ایک باکمال استاد کہ جو بہت سی خوبیوں کا جامع ہوتا ہے۔ اپنے جس شاگرد میں جس خوبی کی ممتاز صلاحیت پاتا ہے اسی خوبی میں اس کو باکمال بناتا ہے جس میں فقیہ بننے کی زیادہ صلاحیت پاتا ہے اسے فقیہ بناتا ہے جس میں مقرر بننے کی صلاحیت واضح ہوتی ہے اسے کامیاب مقرر بناتا ہے اور جس میں مصنف بننے کی صلاحیت غالب ہوتی ہے اسے باکمال مصنف ہی بناتا ہے ــــــ تو ہمارے آقا و مولیٰ جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے جس صحابی میں جس خوبی کی ممتاز صلاحیت پائی اسی وصف خاص میں اسے کامل بنایا۔ لہٰذا اپنے پیارے صحابی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں صدیق بننے کی صلاحیت کو واضح طور پر محسوس فرمایا تو اسی وصف میں ان کو ممتاز و کامل بنایا۔ اور صدیق ہونا ایسا وصف ہے جو بہت سی خوبیوں کا جامع ہے۔ اور اس وصف خاص کے سبب سے زیادہ مستحق صرف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات گرامی تھی اسی لئے وہ اس سے سرفراز فرمائے گئے۔

اصدق الصادقین سید المتقین

چشم و گوش وزارت پر لاکھوں سلام

آپ کی خلافت

آقائے دوعالم نور مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات کے بعد یہ سوال پیدا ہوا کہ ان کا نائب اور خلیفہ کس کو مقرر کیا جائے؟ —— حدیث شریف کی مشہور کتاب بیہقی میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ خلافت کے معاملہ کو حل کرنے کیلئے صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکان پر جمع ہوئے۔ جن میں حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور دوسرے بہت سے اجلۂ صحابہ موجود تھے۔

سب سے پہلے ایک انصاری کھڑے ہوئے اور انھوں نے لوگوں سے اسطرح خطاب کیا کہ اے مہاجرین! آپ لوگوں کو معلوم ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آپ حضرات میں سے کسی شخص کو کہیں کا عامل مقرر فرماتے تھے تو انصار میں سے بھی ایک شخص کو اس کے ساتھ کر دیا کرتے تھے۔ لہٰذا اسی طرح ہم چاہتے ہیں کہ خلافت کے معاملہ میں بھی ایک شخص مہاجرین میں سے ہو اور ایک انصاری میں سے ہو۔ پھر ایک دوسرے انصاری کھڑے ہوئے اور انھوں نے بھی اسی قسم کی تقریر فرمائی۔

ان لوگوں کی تقریروں کے بعد حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہوئے

اور انھوں نے فرمایا حضرات! کیا آپ لوگوں کو معلوم نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مہاجرین میں سے تھے۔ لہٰذا ان کا نائب اور خلیفہ بھی مہاجرین ہی میں سے ہوگا۔ اور جس طرح ہم لوگ پہلے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے معاون و مددگار رہے اب اسی طرح خلیفۂ رسول اللہ کے مددگار رہیں گے۔ یہ فرمانے کے بعد انھوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہاتھ پکڑا اور کہا کہ اب یہ تمہارے والی ہیں اور پھر حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ سے بیعت کی۔ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اور پھر تمام انصار و مہاجرین نے آپ سے بیعت کی۔

اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ منبر پر رونق افروز ہوئے اور ایک نگاہ ڈالی تو اس مجمع میں حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نہیں پایا۔ فرمایا کہ ان کو بلایا جائے۔ جب حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے فرمایا کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پھوپھی کے صاحبزادے اور حضور کے خاص صحابیوں میں سے ہیں مجھے امید ہے کہ آپ مسلمانوں میں اختلاف نہیں پیدا ہونے دیں گے۔ یہ سن کر انھوں نے کہا کہ اے خلیفۂ رسول اللہ! آپ کوئی فکر نہ کریں۔ یہ کہنے کے بعد کھڑے ہوئے اور آپ سے بیعت کرلی۔

پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجمع پر ایک نظر ڈالی تو اس میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ موجود نہ تھے۔ فرمایا کہ علی بھی نہیں ہیں۔ ان کو بھی بلایا جائے۔ جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لائے تو آپ نے فرمایا کہ اے ابوطالب کے صاحبزادے! آپ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی اور ان کے داماد ہیں مجھے امید ہے کہ آپ اسلام کو کمزور ہونے سے بچانے میں ہماری مدد کریں گے۔ انھوں نے بھی حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرح کہا کہ اے خلیفۂ رسول اللہ! آپ کچھ فکر نہ کریں۔ یہ کہکر انھوں نے بھی بیعت کرلی۔ (تاریخ الخلفاء) ——— اور مدارج النبوۃ میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا قَدَّمَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

فَمَنِ الَّذِیْ یُؤَخِّرُكَ۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آپ کو آگے بڑھایا تو پھر کون شخص آپ کو پیچھے کر سکتا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس فرمان میں اس واقعہ کی جانب اشارہ ہے جو سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی علالت کے زمانے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آگے بڑھایا اور آپ ہی کو تمام صحابہ کا امام بنایا۔ یہاں تک کہ ابن زمعہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لوگوں کو حکم فرمایا کہ وہ ابوبکر کے پیچھے نماز پڑھیں۔ مگر اتفاق سے اس وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ موجود نہ تھے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آگے بڑھے تاکہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں لیکن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا لَا لَا لَا یَاْبَی اللّٰهُ وَالْمُسْلِمُوْنَ اِلَّا اَبَا بَكْرٍ یُصَلِّیْ بِالنَّاسِ اَبُوْبَكْرٍ۔ یعنی نہیں۔ نہیں۔ نہیں۔ اللہ اور مسلمان ابوبکر ہی سے راضی ہیں وہی لوگوں کو نماز پڑھائیں گے۔ (تاریخ الخلفاء ص ۴۳)

بہر حال اس طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو متفقہ طور پر خلیفہ تسلیم کر لیا گیا اور کسی نے اختلاف نہیں کیا۔ اور اللہ کے محبوب دانائے خفایا و غیوب جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان حرف بحرف صحیح ہوا کہ میرے بعد خلافت کے بارے میں خدائے تعالیٰ اور مومنین ابوبکر کے علاوہ کسی کو قبول نہ کریں گے ـــــــ اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان کیوں نہ صحیح ہو کہ وہ اللہ کے پیارے محبوب ہیں۔ تو ندی کا بہتا ہوا دھارا رک سکتا ہے، درخت اپنی جگہ سے کھسک سکتا ہے بلکہ پہاڑ بھی اپنی جگہ سے ٹل سکتا ہے مگر اللہ کے پیارے محبوب کا فرمان نہیں ٹل سکتا۔ (ایک بار سب لوگ مل کر بلند آواز سے درود شریف پڑھیں)

آپ کی خلافت پر آیاتِ قرآنی

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کا استدلال علمائے کرام کی ایک جماعت نے اس آیت کریمہ سے کیا ہے یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِیْنِهٖ فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰهُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّهُمْ وَ یُحِبُّوْنَهٗۤ اَذِلَّةٍ عَلَی

الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ۔ یعنی اے ایمان والو! تم میں سے جو کوئی اپنے دین سے پھر جائے گا تو عنقریب اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو لائے گا کہ وہ اللہ کے پیارے ہیں اور اللہ ان کا پیارا ہے۔ وہ لوگ مسلمانوں پر نرم ہوں گے اور کافروں پر سخت۔ اللہ کی راہ میں وہ لوگ جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے۔ (پ۶ ع ۱۲)

مفسرین کرام اس آیت کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ قوم سے مراد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے اصحاب ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جب کچھ عرب اسلام سے برگشتہ ہو گئے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے اصحاب ہی نے مرتدوں سے جہاد کیا اور پھر ان کو مسلمان بنایا ——— اور حضرت ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال فرمانے کے بعد جب عرب کے کچھ لوگ مرتد ہوئے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے قتال فرمایا تو اس زمانہ میں ہم لوگ آپس میں کہا کرتے تھے کہ آیت کریمہ فَسَوْفَ يَأْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے اصحاب ہی کی شان میں نازل ہوئی ہے۔

اور پ۲۶ ع۱ میں ہے قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ۔ یعنی ان گنواروں سے فرماؤ جو کہ پیچھے رہ گئے کہ عنقریب تم ایک سخت لڑائی والی قوم کی طرف بلائے جاؤ گے کہ ان سے لڑو یا وہ مسلمان ہو جائیں۔

حضرت صدر الافاضل مولانا محمد نعیم الدین صاحب مرادآبادی علیہ الرحمۃ والرضوان اس آیت کریمہ کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں کہ اس قوم سے بنی حنیفہ یمامہ کے رہنے والے جو مسیلمہ کذاب کی قوم کے لوگ ہیں وہ مراد ہیں جن سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جنگ فرمائی۔ اور ایسا ہی طبرانی میں زہری سے مروی ہے ——— اسی لئے حضرت ابن ابی حاتم اور ابن قتیبہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت پر حجت

اور واضح دلیل ہے اس لئے کہ آپ ہی نے مرتدوں سے قتال کی طرف دعوت دی ہے۔

اور حضرت شیخ ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے ابوعباس بن شریح کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت قرآن کریم کی اس آیت سے ثابت ہے اس لیے کہ تمام علمائے کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اس آیت کریمہ کے نازل ہونے کے بعد جن لوگوں نے کہ زکاۃ ادا کرنے سے انکار کر دیا یعنی اس کی فرضیت کے منکر ہو گئے تھے اور جو لوگ کہ مرتد ہو گئے تھے صرف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں کو ان سے قتال کی دعوت دی اور ان سے جنگ کی۔ لہٰذا یہ آیت کریمہ آپ کی خلافت پر دلالت کرتی ہے اور آپ کی اطاعت کو لوگوں پر فرض کرتی ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے آیت مبارکہ کے آخر میں واضح الفاظ کے ساتھ فرما دیا ہے کہ جو کوئی اس کو نہیں مانے گا وہ دردناک عذاب میں مبتلا ہوگا۔

آپ افضل البشر بعد الانبیاء ہیں علیہم الصلاۃ والسلام و رضی اللہ تعالیٰ عنہ

علمائے اہلسنت و جماعت کا اس بات پر اجماع و اتفاق ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کے بعد تمام لوگوں میں سب سے افضل ہیں۔

حدیث شریف میں ہے کہ سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا مَا طَلَعَتِ الشَّمْسُ وَلَا غَرَبَتْ عَلٰی اَحَدٍ اَفْضَلَ مِنْ اَبِیْ بَکْرٍ اِلَّا اَنْ یَّکُوْنَ نَبِیًّا۔ یعنی سوائے نبی کے اور کوئی شخص ایسا نہیں کہ جس پر آفتاب طلوع اور غروب ہوا ہو اور وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے افضل ہو۔ مطلب یہ ہے کہ دنیا میں نبی کے بعد ان سے افضل کوئی پیدا نہیں ہوا۔ اور ایک دوسری حدیث میں آقائے دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یوں ارشاد فرمایا ہے اَبُوْ بَکْرِ الصِّدِّیْقُ خَیْرُ النَّاسِ اِلَّا اَنْ یَّکُوْنَ نَبِیًّا یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ لوگوں میں سب سے بہتر ہیں علاوہ اس کے کہ وہ نبی نہیں ہیں

ایک بار حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ منبر پر رونق افروز ہوئے اور فرمایا کہ رسول اللہ

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ افضل الناس یعنی لوگوں میں سب سے افضل ہیں۔ اگر کسی شخص نے اس کے خلاف کہا تو وہ مفتری اور کذاب ہے۔ اس کو وہ سزا دی جائے گی جو افتراپردازوں کے لئے شریعت نے سزا مقرر کی ہے۔

اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ خَیْرُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ بَعْدَ نَبِیِّهَا اَبُوْبَکْرٍ وَّعُمَرُ۔ یعنی اس امت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے بہتر حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہیں۔ علامہ ذہبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول ان سے تواتر کے ساتھ مروی ہے۔ (تاریخ الخلفاء ص ۳۱)

اور بخاری شریف میں ہے کہ حضرت محمد بن حنفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد گرامی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد لوگوں میں کون سب سے افضل ہے قَالَ اَبُوْبَکْرٍ فرمایا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سب سے افضل ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ پھر ان کے بعد؟ قَالَ عُمَرُ فرمایا کہ ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سب سے افضل ہیں۔ حضرت محمد بن حنفیہ فرماتے ہیں خَشِیْتُ اَنْ یَّقُوْلَ عُثْمَانُ۔ یعنی میں ڈرا کہ اب اس کے بعد آپ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام لیں گے تو میں نے کہا کہ اس کے بعد آپ سب سے افضل ہیں قَالَ مَا اَنَا اِلَّا رَجُلٌ مِّنَ الْمُسْلِمِیْنَ۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں تو مسلمانوں میں سے ایک آدمی ہوں۔ یعنی ازراہ انکساری فرمایا کہ میں ایک معمولی مسلمان ہوں۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۵۵۵)

اور بخاری شریف میں ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ظاہری حیات میں ہم لوگ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے برابر کسی کو نہیں سمجھتے تھے۔ یعنی وہی سب سے افضل و بہتر قرار دیئے جاتے تھے۔ پھر حضرت عمر کو اور ان کے بعد حضرت عثمان کو۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ پھر حضرت عثمان کے بعد ہم صحابۂ کرام کو ان کے حال پر چھوڑ دیتے تھے اور ان کے درمیان کسی کو فضیلت نہیں دیتے تھے۔

(مشکوٰۃ شریف ص ۵۵۵)

اور حضرت ابو منصور بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اس بات پر امت مسلمہ کا اجماع اور اتفاق ہے کہ رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابو بکر صدیق ان کے بعد حضرت عمر فاروق پھر حضرت عثمان ان کے بعد حضرت علی اور پھر عشرۂ مبشرہ کے باقی حضرات سب سے افضل ہیں۔ ان کے بعد باقی اصحاب بدر پھر باقی اصحاب احد ان کے بعد بیعت الرضوان کے صحابہ پھر دیگر اصحاب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام لوگوں سے افضل ہیں۔
(تاریخ الخلفاء صفحہ ۳۴) ایک بار سب لوگ مل کر بلند آواز سے درود شریف پڑھیں۔

صدیق اکبر اور آیات قرآنی

برادران اسلام! حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تعریف و توصیف میں قرآن مجید کی بہت سی آیات کریمہ نازل ہوئی ہیں۔ یہاں تک کہ بہت سے بزرگوں نے اس موضوع پر مستقل کتابیں لکھی ہیں۔ ہم ان میں سے چند آیات کریمہ آپ لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

خدائے عزوجل ارشاد فرماتا ہے وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ۔ یہ آیت مبارکہ چوبیسویں پارہ کے پہلے رکوع کی ہے جس کی تلاوت کا شرف ہم آج کی شروع تقریر میں پہلے حاصل کر چکے ہیں۔ اس آیت کریمہ کا مطلب یہ ہے کہ جو سچائی لایا یعنی سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ اور جنھوں نے ان کی تصدیق کی یعنی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہی لوگ متقی ہیں۔

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایسے ہی مروی ہے یعنی اَلَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ سے مراد رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں اور صَدَّقَ سے مراد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں جنھوں نے سب سے پہلے حضور کی تصدیق کی۔ ایسا ہی تفسیر مدارک میں بھی ہے۔ اور اسی کو حضرت امام رازی علیہ الرحمۃ والرضوان نے ترجیح دی ہے اور تفسیر روح البیان نے بھی۔ لہٰذا ان مفسرین کرام کے بیان سے ثابت ہوا کہ خدائے عزوجل نے اس آیت مبارکہ میں رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی متقی فرمایا ہے ——— معلوم ہوا کہ وہ اس امت کے سب سے پہلے متقی ہیں اور

قیامت تک پیدا ہونے والے سارے متقیوں کے سردار اور سید المتقین ہیں۔ اسی لئے اعلیٰحضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں۔

اصدق الصادقیں سید المتقیں
چشم و گوشِ وزارت پہ لاکھوں سلام

اور پارہ ع ۱۱ میں ہے اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا۔ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى۔ وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ۔

حضرات! تمام مفسرین کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ آیت کریمہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ اب اس آیت کریمہ کا مطلب ملاحظہ فرمائیں۔ خدائے عزوجل ارشاد فرماتا ہے اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ۔ یعنی اے مسلمانو! اگر تم لوگ میرے رسول کی مدد نہ کرو تو بیشک اللہ نے ان کی مدد فرمائی جب کافروں کی شرارت سے انہیں باہر تشریف لے جانا ہوا صرف دو جان سے جب وہ دونوں یعنی حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ غار میں تھے۔ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا۔ جب رسول اپنے یار غار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرماتے تھے کہ غم نہ کر بیشک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا۔ تو اللہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر اپنا سکینہ اتارا۔ یعنی ان کے دل کو اطمینان عطا فرمایا اور ایسی فوجوں سے اس کی مدد فرمائی جن کو تم لوگوں نے نہیں دیکھا۔ اور وہ ملائکہ تھے جنہوں نے کفار کے رخ پھیر دیئے یہاں تک کہ وہ لوگ آپ کو دیکھ ہی نہ سکے۔ وَجَعَلَ كَلِمَةَ

الَّذِیْنَ کَفَرُوا السُّفْلٰی۔ اور کافروں کی بات کو نیچے کر دی یعنی ان کی دعوت کفر و شرک کو پست کر دیا۔ وَکَلِمَۃُ اللّٰہِ ھِیَ الْعُلْیَا۔ وَاللّٰہُ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ۔ اور اللہ ہی کا بول بالا ہے اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔

برادرانِ ملت! اس آیت کریمہ میں جو آقائے دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ آپ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا لَاتَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا یعنی غم مت کرو کہ اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ تو اس موقع پر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنا غم نہیں تھا بلکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا غم تھا۔ آپ فرماتے تھے اِنْ اُقْتَلْ فَاَنَا رَجُلٌ وَّاحِدٌ وَاِنْ قُتِلْتَ ھَلَکَتِ الْاُمَّۃُ یعنی اگر میں قتل کر دیا گیا تو صرف ایک فرد ہلاک ہوگا اور اے اللہ کے رسول! اگر آپ قتل کر دیئے گئے تو پوری امت ہلاک ہو جائے گی۔

بہرحال یہ آیت کریمہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تعریف و توصیف میں بالکل واضح ہے اور آپ کے صحابی ہونے پر نص قطعی ہے کہ خدائے عزوجل نے اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِہٖ فرمایا۔ اسی لئے حضرت حسین بن فضل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ مَنْ قَالَ اِنَّ اَبَابَکْرٍ لَمْ یَکُنْ صَاحِبَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَھُوَ کَافِرٌ لِاِنْکَارِہٖ نَصَّ الْقُرْاٰنِ یعنی جو شخص کہے کہ حضرت ابوبکر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صحابی نہیں تھے تو وہ نص قرآنی کے انکار کرنے کے سبب کافر ہے۔

اور تیسویں پارہ سورۃ والیل کی آیت کریمہ ہے وَسَیُجَنَّبُھَا الْاَتْقَی الَّذِیْ یُؤْتِیْ مَالَہٗ یَتَزَکّٰی یعنی اور جہنم سے بہت دور رکھا جائے گا وہ شخص جو کہ سب سے بڑا پرہیزگار ہے جو کہ اپنا مال دیتا ہے خدائے تعالیٰ کے نزدیک ستھرا ہونے کے لئے۔ نہ کہ ریا، شہرت یا ان کے علاوہ کسی دوسرے مقصد کے لئے خرچ کرتا ہے۔

یہ آیت مبارکہ بھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت میں نازل ہوئی ہے

حضرت صدر الافاضل مولانا محمد نعیم الدین صاحب مراد آبادی علیہ الرحمۃ والرضوان

تحریر فرماتے ہیں کہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت بلال کو بہت گراں قیمت پرخرید کر آزاد کردیا تو کفار کو حیرت ہوئی اور انھوں نے کہا کہ حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایسا کیوں کیا۔ شاید بلال کا ان پر کوئی احسان ہوگا جو انھوں نے اتنی گراں قیمت دیکر خرید ا اور آزاد کیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور ظاہر فرمادیا گیا کہ حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ فعل محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہے کسی کے احسان کا بدلہ نہیں اور نہ ان پر حضرت بلال وغیرہ کا کوئی احسان ہے۔

اس آیت کریمہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو "اَتْقٰی" یعنی سب سے بڑا پرہیزگار فرمایا گیا ہے۔ اور پ ۲۶ ع ۱۴ کی آیت مبارکہ ہے اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ یعنی بیشک اللہ کے یہاں تم میں سب سے زیادہ مکرم اور عزت والا وہ ہے جو سب سے بڑا پرہیزگار ہے ——— تو ان دونوں آیات کریمہ کے ملانے سے معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ خدائے عزوجل کے نزدیک سب سے زیادہ مکرم اور عزت والے ہیں۔

صدیق اکبر اور احادیث کریمہ

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت اور ان کی عظمت کے اظہار میں بہت سی حدیثیں وارد ہیں۔ ترمذی شریف کی حدیث ہے کہ سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا مَا نَفَعَنِیْ مَالُ اَحَدٍ قَطُّ مَا نَفَعَنِیْ مَالُ اَبِیْ بَکْرٍ یعنی کسی شخص کے مال نے مجھ کو اتنا فائدہ نہیں پہنچایا ہے جتنا فائدہ کہ ابوبکر کے مال نے پہنچایا ہے۔

(مشکوٰۃ شریف ص ۵۵۵)

اور یہ حدیث شریف بھی ترمذی میں ہے کہ آقائے دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا اَنْتَ صَاحِبِیْ فِی الْغَارِ وَصَاحِبِیْ عَلَی الْحَوْضِ یعنی غار ثور میں تم میرے ساتھ رہے اور حوض کوثر پر بھی تم میرے ساتھ رہوگے۔

اور ترمذی شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ میرے والد گرامی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر

ہوئے تو حضور نے فرمایا اَنْتَ عَتِیْقُ اللّٰہِ مِنَ النَّارِ یعنی تجھے اللہ نے جہنم کی آگ سے آزاد کر دیا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ اسی روز سے میرے والد محترم کا نام عتیق پڑ گیا۔ (مشکوٰۃ شریف ص۵۵۶)

اور ابو داؤد شریف کی حدیث ہے کہ رسول کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا اَمَا اِنَّکَ یَا اَبَا بَکْرٍ اَوَّلُ مَنْ یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ مِنْ اُمَّتِیْ۔ یعنی اے ابو بکر سن لو کہ میری امت میں سب سے پہلے تم جنت میں داخل ہو گے۔ (مشکوٰۃ شریف ص۵۵۶)

اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ایک چاندنی رات میں جب کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سر مبارک میری گود میں تھا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا کسی شخص کی نیکیاں اتنی بھی ہیں جتنی کہ آسمان پر ستارے ہیں۔ آپ نے فرمایا ہاں۔ عمر کی نیکیاں اتنی ہی ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ پھر میں نے پوچھا اور ابو بکر کی نیکیوں کا کیا حال ہے؟ حضور نے فرمایا عمر کی ساری عمر کی نیکیاں ابو بکر کی ایک نیکی کے برابر ہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ (مشکوٰۃ شریف ص۵۶۰)

اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا حُبُّ اَبِیْ بَکْرٍ وَّشُکْرُہٗ وَاجِبٌ عَلٰی کُلِّ اُمَّتِیْ۔ یعنی ابو بکر سے محبت کرنا اور ان کا شکر ادا کرنا میری پوری امت پر واجب ہے۔ (تاریخ الخلفاء ص۴۰)

اور حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں حاضر تھا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے اور سلام کے بعد انھوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میرے اور عمر بن خطاب کے درمیان کچھ باتیں ہو گئیں پھر میں نے نادم ہو کر ان سے معذرت طلب کی لیکن انھوں نے معذرت قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ یہ سن کر حضور نے تین بار ارشاد فرمایا کہ اے ابو بکر اللہ تعالیٰ تم کو معاف فرمائے۔

تھوڑی دیر کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی حضور کی بارگاہ میں آگئے۔ ان کو

دیکھتے ہی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چہرۂ اقدس کا رنگ بدل گیا حضور کو رنجیدہ دیکھ کر حضرت عمر دوزانو بیٹھے اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول میں ان سے زیادہ قصوروار ہوں تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اِنَّ اللّٰهَ بَعَثَنِیْ اِلَیْکُمْ فَقُلْتُمْ کَذَبْتَ وَ قَالَ اَبُوْ بَکْرٍ صَدَقْتَ وَوَاسَانِیْ بِنَفْسِهٖ وَمَالِهٖ فَهَلْ اَنْتُمْ تَارِکُوْلِیْ صَاحِبِیْ ۔ یعنی جب اللہ نے مجھے تمہاری جانب مبعوث فرمایا تو تم لوگوں نے مجھے جھٹلایا مگر ابوبکر نے میری تصدیق کی اور اپنی جان و مال سے میری غمخواری و مدد کی۔ تو کیا آج تم لوگ میرے ایسے دوست کو چھوڑ دو گے؟ —— اور اس جملہ کو حضور نے دوبار فرمایا۔

(تاریخ الخلفاء ص ۳۷)

اور حضرت مقدام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضرت عقیل بن ابی طالب نے کچھ سخت کلامی کی مگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور کی قرابت داری کا خیال کرتے ہوئے حضرت عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کچھ نہیں کہا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں پورا واقعہ بیان کیا حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پورا ماجرا سن کر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مجلس میں کھڑے ہوئے اور فرمایا اَلَا تَدَعُوْنَ لِیْ صَاحِبِیْ مَاشَانُکُمْ وَشَانُهٗ فَوَاللّٰهِ مَامِنْکُمْ رَجُلٌ اِلَّا عَلٰی بَابِ بَیْتِهٖ ظُلْمَةٌ اِلَّا بَابُ اَبِیْ بَکْرٍ فَاِنَّ عَلٰی بَابِهٖ النُّوْرَ فَوَاللّٰهِ لَقَدْ قُلْتُمْ کَذَبْتَ وَقَالَ اَبُوْ بَکْرٍ صَدَقْتَ وَاَمْسَکْتُمُ الْاَمْوَالَ وَجَادَ لِیْ بِمَالِهٖ وَخَذَلْتُمُوْنِیْ وَوَاسَانِیْ وَاتَّبَعَنِیْ ۔ یعنی اے لوگو! سن لو۔ میرے دوست کو میرے لئے چھوڑ دو۔ تمہاری حیثیت کیا ہے؟ اور انکی حیثیت کیا ہے؟ تمہیں کچھ معلوم ہے؟ خدا کی قسم تم لوگوں کے دروازوں پر اندھیرا ہے مگر ابوبکر کے دروازہ پر نور کی بارش ہو رہی ہے۔ خدائے ذوالجلال کی قسم تم لوگوں نے مجھے جھٹلایا اور ابوبکر نے میری تصدیق کی۔ تم لوگوں نے مال خرچ کرنے میں بخل سے کام لیا۔ ابوبکر نے میرے لئے اپنا مال خرچ کیا اور تم لوگوں نے میری مدد نہیں کی مگر ابوبکر نے میری غمخواری کی اور

میری اتباع کی۔ (تاریخ الخلفاء ص۳۷)

اور مشکوٰۃ شریف ص۵۵۶ میں ہے کہ ایک روز حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکر کیا گیا تو وہ رونے لگے اور فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ظاہری زمانہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک دن رات میں جو عمل اور بہترین کام کئے ہیں کاش کہ میری پوری زندگی کا عمل ان کی ایک رات دن کے عمل کے برابر ہوتا۔ ان کی ایک رات کا عمل تو یہ ہے کہ جب وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ہجرت کی رات غارِ ثور پر پہنچے (جو تقریباً ڈھائی کلو میٹر بلند ہے) تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کیا وَاللّٰہِ لَا تَدْخُلُہٗ حَتّٰی اَدْخُلَ قَبْلَکَ۔ یعنی قسم خدا کی آپ غار میں داخل نہیں ہوں گے جبتک کہ آپ کے پہلے میں نہ داخل ہو جاؤں تاکہ اگر کوئی موذی چیز سانپ وغیرہ ہو تو اس سے تکلیف مجھی کو پہنچے اور آپ محفوظ رہیں۔ پھر آپ غار کے اندر داخل ہوئے اور اس کو خوب صاف کیا۔ اور جب غار کے اندر ان کو کچھ سوراخ نظر آئے تو ان کو انھوں نے اپنی لنگی میں سے کپڑا پھاڑ کر بھر دیا اور دو سوراخوں پر انھوں نے اپنی ایڑیاں لگا دیں۔ اس کے بعد رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اب آپ اندر تشریف لائیے۔ حضور غار کے اندر تشریف لے گئے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی گود میں سر رکھ کر سو گئے۔ ابھی حضور آرام ہی فرما رہے تھے کہ اسی حالت میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاؤں میں سوراخ کے اندر سے سانپ نے کاٹ لیا مگر آپ نے حرکت نہیں کی اور اسی طرح بیٹھے رہے اس لئے کہ کہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آنکھ نہ کھل جائے لیکن سانپ کے زہر کی انتہائی تکلیف کے سبب آپ کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چہرۂ اقدس پر گرے۔ حضور کی آنکھ کھل گئی۔ اور آپ سے دریافت فرمایا ابوبکر کیا ہوا؟ قَالَ لُدِغْتُ فِدَاکَ اَبِیْ وَ اُمِّیْ — عرض کیا اے اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں مجھ کو سانپ نے کاٹ لیا ہے حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے زخم پر اپنا لعاب دہن لگا دیا تو فوراً ان کی

تکلیف جاتی رہی مگر عرصۂ دراز کے بعد سانپ کا وہی زہر پھر لوٹ آیا جو آپ کے وصال کا سبب بنا یعنی اسی زہر کی وجہ سے آپ کی وفات ہوئی۔

اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک دن کا بہترین عمل یہ ہے کہ جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات کے بعد عرب کے کچھ لوگ مرتد ہو گئے اور انھوں نے کہا کہ ہم زکاۃ نہیں دیں گے یعنی اس کی فرضیت کے منکر ہو گئے۔ تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اگر مجھ کو اونٹ کی رسی جو لوگوں پر واجب ہو گی اس کے دینے سے بھی انکار کریں گے تو میں ان سے جہاد کروں گا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اس وقت میں نے ان سے عرض کیا یَا خَلِیْفَۃَ رَسُوْلِ اللّٰہِ تَاَلَّفِ النَّاسَ وَارْفُقْ بِھِمْ۔ یعنی لوگوں کے ساتھ الفت سے پیش آیئے اور نرمی سے کام لیجئے۔ تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ تم ایام جاہلیت میں تو بڑے سخت اور غضبناک تھے کیا اسلام میں داخل ہو کر ذلیل وخوار اور پست ہمت ہو گئے اِنَّہٗ قَدِ انْقَطَعَ الْوَحْیُ وَتَمَّ الدِّیْنُ اَیَنْقُصُ وَاَنَا حَیٌّ۔ یعنی وحی کا آنا بند ہو گیا ہے اور دین اسلام کامل ہو چکا ہے تو کیا میری زندگی میں وہ کمزور و ناقص ہو جائے گا؟ مطلب یہ ہے کہ میں دین اسلام کو اپنی زندگی میں کمزور و ناقص ہرگز نہیں ہونے دوں گا اور جو لوگ کہ زکاۃ دینے سے انکار کر رہے ہیں میں ان سے جہاد ضرور کروں گا (ایک بار ہم سب مل کر بلند آواز سے سرکار مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب کبار پر درود وسلام کا نذرانہ پیش کریں)

یہ چند حدیثیں ہم نے آپ کے سامنے افضل البشر بعد الانبیاء حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں پیش کی ہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سی حدیثیں اسی قسم کے مضمون کی حضرت صدیق اکبر کی تعریف وتوصیف میں وارد ہوئی ہیں جن سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نزدیک سارے صحابہ میں سب سے زیادہ مقرب، سب سے زیادہ پیارے اور سب سے زیادہ فضیلت وعظمت والے حضرت صدیق اکبر ہی ہیں اور حضور خاتم الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جانشینی کے سب سے پہلے مستحق وہی ہیں۔ رضی اللہ

تعالیٰ عنہ وارضاہ عنا وعن سائر المسلمین۔

آپ کا نام ونسب

برادرانِ اسلام! آپ کا نام عبداللہ ہے۔ اور ابوبکر سے جو آپ مشہور ہیں تو یہ آپ کی کنیت ہے اور صدیق وعتیق آپ کا لقب ہے۔ آپ کے والد کا نام عثمان اور کنیت ابوقحافہ ہے۔ اور آپ کی والدہ محترمہ کا نام سلمیٰ ہے جن کی کنیت ام الخیر ہے۔ آپ کا سلسلۂ نسب ساتویں پشت میں مرہ بن کعب پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے شجرۂ نسب سے مل جاتا ہے۔ آپ واقعۂ فیل کے تقریباً ڈھائی برس بعد مکہ شریف میں پیدا ہوئے۔

عہد طفلی میں بت شکنی

زمانۂ جاہلیت میں بھی آپ نے کبھی بت پرستی نہیں کی ہے آپ ہمیشہ اس کے خلاف رہے۔ یہانتک کہ آپ کی عمر شریف جب چند برس کی ہوئی تو اسی زمانہ میں آپ نے بت شکنی فرمائی۔ جیسا کہ اعلیٰحضرت امام اہلسنت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے رسالہ مبارکہ تنزیہ المکانۃ الحیدریہ صد۱۳ میں تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد ماجد حضرت ابوقحافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (کہ وہ بھی بعد میں صحابی ہوئے) زمانہ جاہلیت میں انھیں بت خانہ لے گئے اور بتوں کو دکھا کر ان سے کہا ھٰذِہٖ اٰلِھَتُکَ الشُّمُّ العُلیٰ فَاسْجُدْ لَھَا یعنی یہ تمہارے بلند وبالا خدا ہیں انھیں سجدہ کرو۔ وہ تو یہ کہکر باہر چلے گئے۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قضائے مبرم کی طرح بت کے سامنے تشریف لائے اور برائے اظہارِ عجزِ صنم وجہل صنم پرست ارشاد فرمایا اِنِّیْ جَائِعٌ فَاَطْعِمْنِیْ۔ میں بھوکا ہوں مجھے کھانا دے۔ وہ کچھ نہ بولا۔ فرمایا اِنِّیْ عَارٍ فَاَکْسِنِیْ یعنی میں ننگا ہوں مجھے کپڑا پہنا۔ وہ کچھ نہ بولا۔ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک پتھر ہاتھ میں لیکر فرمایا میں تجھ پر پتھر مارتا ہوں فَاِنْ کُنْتَ اِلٰھًا فَامْنَعْ نَفْسَکَ۔ اگر تو خدا ہے تو اپنے آپ کو بچا۔ وہ اب بھی نرا بت بنا رہا۔ آخر آپ نے بقوت صدیقی اس کو پتھر مارا تو وہ خدائے گمراہاں مونھ کے بل گر پڑا۔ اسی وقت آپ کے والد ماجد واپس

آرہے تھے۔ یہ ماجرا دیکھکر فرمایا کہ اے میرے بچے تم نے یہ کیا کیا؟ فرمایا کہ وہی کیا جو آپ دیکھ رہے ہیں۔ آپ کے والد انہیں ان کی والدہ ماجدہ حضرت ام الخیر رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس (کہ وہ بھی صحابیہ ہوئیں) لیکر آئے اور سارا واقعہ ان سے بیان کیا۔ انھوں نے فرمایا اس بچے سے کچھ نہ کہو کہ جس رات یہ پیدا ہوئے میرے پاس کوئی نہ تھا میں نے سنا کہ ہاتف کہہ رہا ہے یَا اَمَۃَ اللّٰہِ عَلَی التَّحْقِیْقِ اَبْشِرِیْ بِالْوَلَدِ الْعَتِیْقِ اِسْمُہٗ فِی السَّمَاءِ الصِّدِّیْقُ لِمُحَمَّدٍ صَاحِبٌ وَّرَفِیْقٌ یعنی اے اللہ کی سچی باندی! تجھے خوش خبری ہو اس آزاد بچے کی جس کا نام آسمانوں میں صدیق ہے اور لحمد محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یار و رفیق ہے۔ رواہ القاضی ابوالحسین احمد بن محمد الزبیدی بسند فی معالی الفرش الی عوالی العرش۔

آپ عہدِ جاہلیت میں

زمانۂ جاہلیت میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی برادری میں سب سے زیادہ مالدار تھے، مروت و احسان کا مجسمہ تھے، قوم میں بہت معزز سمجھے جاتے تھے، گم شدہ کی تلاش آپ کا شیوہ رہا اور مہمانوں کی آپ خوب میزبانی فرماتے تھے۔ آپ کا شمار رؤسائے قریش میں ہوتا تھا۔ وہ لوگ آپ سے مشورہ لیا کرتے تھے اور آپ سے بے انتہا محبت کرتے تھے۔ آپ قریش کے ان گیارہ لوگوں میں سے ہیں جن کو ایام جاہلیت اور زمانۂ اسلام دونوں میں عزت و بزرگی حاصل رہی کہ آپ عہد جاہلیت میں "خوں بہا" اور جرمانے کے مقدمات کا فیصلہ کیا کرتے تھے جو اس زمانہ کا بہت بڑا اعزاز سمجھا جاتا تھا۔

آپ نے عہد جاہلیت میں کبھی شراب نہیں پی۔ ایک بار صحابۂ کرام کے مجمع میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت کیا گیا کہ آپ نے زمانۂ جاہلیت میں شراب پی ہے۔ آپ نے فرمایا خدا کی پناہ۔ میں نے کبھی شراب نہیں پی۔ لوگوں نے کہا کیوں؟ فرمایا كُنْتُ اَصُوْنُ عِرْضِیْ وَاَحْفَظُ مُرُوَّتِیْ یعنی میں اپنی عزت و آبرو کو بچاتا تھا اور مروت کی حفاظت کرتا تھا۔ اس لئے کہ جو شخص شراب پیتا ہے اس کی عزت و ناموس اور مروت

جاتی رہتی ہے۔ جب اس بات کی خبر حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپ نے دو بار فرمایا ابوبکر نے سچ کہا ابوبکر نے سچ کہا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (تاریخ الخلفاء)

آپ کا حلیہ

ایک شخص نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے عرض کیا کہ آپ ہم سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سراپا اور حلیہ بیان فرمائیں۔ تو حضرت صدیقہ نے فرمایا کہ آپ کا رنگ سفید تھا، بدن اکہرا تھا، دونوں رخسار اندر کو دبے ہوئے تھے، پیٹ اتنا بڑا تھا آپ کی لنگی اکثر نیچے کھسک جایا کرتی تھی، پیشانی پر ہمیشہ پسینہ رہتا تھا، چہرہ پر زیادہ گوشت نہیں تھا، ہمیشہ نظریں نیچی رکھتے تھے، پیشانی بلند تھی، انگلیوں کی جڑیں گوشت سے خالی تھیں یعنی گھائیاں کھلی رہتی تھیں، حنا اور کتم کا خضاب لگاتے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علاوہ کسی کے بال سیاہ و سفید ملے ہوئے کھچڑی نہیں تھے۔ آپ ان کھچڑی بالوں پر حنا یعنی مہندی اور کتم کا خضاب لگایا کرتے تھے (تاریخ الخلفاء ص۲۲) ــــــ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں یہ جو بیان کیا گیا کہ آپ کتم کا خضاب لگاتے تھے۔ اس سے آپ کے متعلق سیاہ خضاب کا گمان کرنا یا اس سے نیل اور حنا ملے ہوئے کہ مطلقاً جائز سمجھ لینا محض غلطی ہے تفصیل کیلئے اعلیٰحضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے رسالۂ مبارکہ حک العیب فی حرمۃ تسوید الشیب کا مطالعہ کریں۔

آپ کا قبول اسلام

برادرانِ ملت۔ بہت سے صحابۂ کرام و تابعین عظام رضی اللہ تعالیٰ عنہم فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ امام شعبی فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے پوچھا کہ سب سے پہلے اسلام لانے والا کون ہے؟ تو انھوں نے فرمایا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ اور ثبوت میں حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وہ اشعار پڑھے جو حضرت ابوبکر صدیق کی تعریف و توصیف میں ہیں اور ان میں

سب سے پہلے آپ کے اسلام لانے کا ذکر ہے۔ اور ابن عساکر نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے۔ انھوں نے فرمایا اَوَّلُ مَنْ اَسْلَمَ مِنَ الرِّجَالِ اَبُوْبَکْرٍ۔ یعنی سب سے پہلے مردوں میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلام لائے ——— اور ابن سعد نے صحابیِ رسول حضرت ابواروی دوسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے۔ انھوں نے فرمایا اَوَّلُ مَنْ اَسْلَمَ اَبُوْبَکْرِنِ الصِّدِّیْقُ۔ یعنی سب سے پہلے جو اسلام لائے وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ یہاں تک کہ حضرت میمون بن مہران رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جب دریافت کیا گیا کہ حضرت ابوبکر صدیق پہلے مسلمان ہوئے یا حضرت علی؟ تو انھوں نے جواب میں فرمایا وَاللّٰهِ لَقَدْ اٰمَنَ اَبُوْبَکْرٍ بِالنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ زَمَنَ بَحِیْرَی الرَّاهِبِ۔ یعنی قسم ہے خدائے عزوجل کی کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بحیریٰ راہب ہی کے زمانہ میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایمان لا چکے تھے جب کہ حضرت علی پیدا بھی نہیں ہوئے تھے (تاریخ الخلفاء ص۲۳)

اور محمد بن اسحٰق فرماتے ہیں کہ مجھ سے محمد بن عبد الرحمٰن تیمی نے بیان کیا کہ رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ جب میں نے کسی کو بھی اسلام کی دعوت دی تو اس کو تردد ہوا علاوہ ابوبکر کے کہ جب میں نے ان پر اسلام پیش کیا تو انھوں نے بغیر تردد کے اسلام قبول کرلیا ——— امام بیہقی فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سابق الاسلام ہونے کا سبب یہ ہے کہ آپ نبوت و رسالت کی نشانیاں قبل از اسلام ہی معلوم کر چکے تھے اس لئے جب ان کو اسلام کی دعوت دی گئی تو انھوں نے فوراً اسلام کو قبول کرلیا

اور بعض محدثین یوں فرماتے ہیں کہ اعلان نبوت کے قبل ہی سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دوست تھے اور آپ کے اخلاق کی عمدگی، عادات کی پاکیزگی اور آپ کی سچائی و دیانت داری پر یقین کامل رکھتے تھے۔ تو جب سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان پر اسلام پیش کیا تو انھوں نے فوراً قبول کرلیا۔ اس لئے کہ جو شخص زندگی کے عام حالات میں جھوٹ نہیں بولتا اور نہ غلط بات کہتا ہے تو بھلا وہ خدائے ذوالجلال کے

بارے میں کیسے جھوٹ بول سکتا ہے کہ اس نے مجھے رسول بنا کر مبعوث فرمایا ہے۔ اسی بنیاد پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فوراً بلا تامل مسلمان ہو گئے۔

ان تمام شواہد سے معلوم ہوا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تمام صحابہ میں سب سے پہلے اسلام قبول کئے ہیں۔ اسی لئے بعض حضرات نے یہاں تک دعویٰ کیا ہے کہ آپ کے سب سے پہلے مسلمان ہونے پر اجماع ہے۔ لیکن بعض لوگ کہتے ہیں کہ سب سے پہلے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایمان لائے۔ اور بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا۔ تو ان تمام اقوال میں ہمارے امام اعظم حضرت ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس طرح تطبیق فرمائی ہے کہ مردوں میں سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق، عورتوں میں سب سے پہلے حضرت خدیجہ اور لڑکوں میں سب سے پہلے حضرت علی ایمان لائے ہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

آپ کا کمال ایمان

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایمان سارے صحابہ میں سب سے زیادہ کامل تھا جس کا ثبوت بہت سے واقعات سے ملتا ہے ـــــ حدیبیہ میں جن شرطوں پر صلح ہوئی ان میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ مکہ کے مسلمانوں یا کافروں میں سے اگر کوئی شخص مدینہ چلا جائے تو وہ واپس کر دیا جائے گا لیکن اگر کوئی مسلمان مدینہ سے مکہ چلا آئے تو اسے واپس نہیں کیا جائے گا۔ ابھی صلح نامہ پر طرفین کے دستخط نہیں ہوئے تھے کہ ابوجندل رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو مسلمان ہو چکے تھے مکہ معظمہ سے گرتے پڑتے اور اپنی بیڑیاں گھسیٹتے ہوئے حدیبیہ مقام پر مسلمانوں کے درمیان آ گئے۔ سہیل بن عمرو جو ابوجندل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا باپ تھا اور کفار مکہ کی طرف سے صلح کی گفتگو کرنے کے لئے حدیبیہ آیا ہوا تھا۔ جب اس نے اپنے بیٹے کو دیکھا تو کہا کہ ابوجندل کو آپ میری طرف واپس کر دیں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابھی تو صلح نامہ پر فریقین کے دستخط ہی نہیں ہوئے ہیں۔ لہٰذا یہ معاہدہ تمہارے اور ہمارے دستخط ہو جانے کے بعد ہی نافذ ہو گا۔ اس نے کہا تو جائیے ہم آپ سے صلح نہیں کریں گے

حضور نے فرمایا اے سہیل! ابوجندل کو میرے پاس رہنے کی تم اپنی طرف سے اجازت دیدو اس نے کہا میں اس بات کی ہرگز اجازت نہیں دے سکتا۔

جب حضرت ابوجندل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیکھا کہ اب میں پھر مکہ لوٹا دیا جاؤں گا تو انھوں نے صحابۂ کرام سے فریاد کی اور کہا اے مسلمانو! دیکھو میں کافروں کی طرف لوٹایا جارہا ہوں۔ حالانکہ میں مسلمان ہوچکا ہوں اور آپ لوگوں کے پاس آگیا ہوں۔ اور حضرت ابوجندل کے بدن پر کافروں کی مار کے جو نشانات تھے آپ مسلمانوں کو وہ نشانات دکھادکھا کر رونے لگے۔ تو مسلمانوں کو بڑا جوش پیدا ہوا یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اللہ کے محبوب دانائے خفایا و غیوب جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پہنچ گئے اور عرض کیا۔ کیا آپ اللہ کے سچے رسول نہیں ہیں؟ ارشاد فرمایا کیوں نہیں؟ یعنی ہاں میں اللہ کا سچا رسول ہوں۔ پھر حضرت عمر نے عرض کیا۔ کیا ہم حق پر اور کفار باطل پر نہیں ہیں؟ حضور نے فرمایا کیوں نہیں؟ یعنی بیشک ہم حق پر ہیں اور کفار باطل پر ہیں۔ اس جواب پر حضرت عمر نے کہا تو پھر ہم دین کے معاملہ میں دب کر کیوں صلح کریں؟ حضور نے فرمایا اے عمر! بیشک میں اللہ کا رسول ہوں، میں اس کی نافرمانی کبھی نہیں کرسکتا اور میرا مددگار وہی ہے۔ پھر حضرت عمر نے کہا کیا آپ یہ نہیں فرمایا کرتے تھے کہ ہم بیت اللہ شریف کا طواف کریں گے؟ حضور نے فرمایا ٹھیک ہے مگر ہم نے یہ کب کہا تھا کہ اسی سال طواف کریں گے۔ حضرت عمر نے کہا کہ ہاں یہ صحیح ہے کہ آپ نے اسی سال کے لئے نہیں فرمایا تھا۔

پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گئے اور ان سے بھی اسی قسم کی گفتگو کی۔ تو حضرت صدیق اکبر نے فرمایا اِلْزَمْ غَرْزَهٗ۔ یعنی ان کی رکاب تھامے رہو اور ان کے دامن سے لگے رہو بیشک وہ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ ان کا معاون اور مددگار ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے [illegible] سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جوش ٹھنڈا ہوگیا۔

حدیبیہ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جس طرح صلح فرمائی اس سے مسلمانوں کی

ناگواری اور رنج وغم کا یہ عالم رہا کہ تکمیل معاہدہ کے بعد تین بار حضور نے فرمایا کہ اٹھو قربانی کرو اور سر منڈا کر احرام کھول دو مگر کوئی اٹھنے کو تیار نہ ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جوش میں آکر حضور سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ایسی گفتگو کی کہ جس پر وہ زندگی بھر افسوس کرتے رہے اور معافی کے لئے بہت سی نیکیاں کرتے رہے۔ مگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو جواب دیا وہ ایمان افروز جواب بتا رہا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی جگہ پر بالکل مطمئن تھے کہ حضور اللہ کے رسول ہیں وہ جو کچھ کر رہے ہیں سب حق ہے۔ ہر حال میں اللہ ان کی مدد فرمائے گا۔

اس واقعہ سے صاف ظاہر ہے کہ حضور کی رسالت و نبوت پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایمان سارے صحابہ میں سب سے زیادہ کامل و اکمل تھا جس نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جوش کو بھی ٹھنڈا کر دیا۔

اور شب معراج کی صبح بہت سے مشرکین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئے اور کہا کہ آپ کو کچھ خبر ہے؟ آپ کے دوست محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کہہ رہے ہیں کہ انھیں رات کو بیت المقدس اور آسمان وغیرہ کی سیر کرائی گئی ہے۔ آپ نے کہا کیا واقعی وہ ایسا فرما رہے ہیں؟ ان لوگوں نے کہا ہاں وہ ایسا ہی کہہ رہے ہیں تو آپ نے فرمایا۔ اِنِّی لَاُصَدِّقُہٗ بِاَبْعَدَ مِنْ ذٰلِکَ یعنی اگر وہ اس سے بھی زیادہ بعید از قیاس اور حیرت انگیز خبر دیں گے تو بیشک میں اس کی بھی تصدیق کروں گا۔

اور غزوۂ بدر میں آپ کے صاحبزادے حضرت عبدالرحمٰن کفار مکہ کے ساتھ تھے۔ اسلام قبول کرنے کے بعد انھوں نے اپنے والد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ آپ جنگ بدر میں کئی بار میری زد میں آئے لیکن میں نے آپ سے صرف نظر کی اور آپ کو قتل نہیں کیا۔ اس کے جواب میں صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا لَوْ اَھْدَفْتَ لِیْ لَمْ اَنْصَرِفْ عَنْکَ یعنی اے عبدالرحمٰن! کان کھول کر سن لو کہ اگر تم میری زد میں آجاتے تو میں صرف نظر نہ کرتا بلکہ تم کو قتل کر کے موت کے گھاٹ اتار دیتا۔

ان واقعات سے بھی واضح طور پر معلوم ہوا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایمان سارے صحابہ میں سب سے زیادہ کامل تھا بلکہ درجۂ کمال کی انتہا کو پہنچا ہوا تھا۔ یہانتک کہ امام بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ پوری زمین کے مسلمانوں کا ایمان اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایمان اگر وزن کیا جائے تو حضرت صدیق اکبر کے ایمان کا پلہ بھاری ہوگا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ (تاریخ الخلفاء صـ۷۴)

(ایک بار ہم سب مل کر سرکار مدینہ اور ان کے اصحاب پر بلند آواز سے درود و سلام کی ڈالیاں پیش کریں)

آپ کی شجاعت

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سارے صحابہ میں سب سے زیادہ شجاع اور بہادر بھی تھے۔ علامہ بزّار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی مسند میں تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں سے دریافت کیا کہ بتاؤ سب سے زیادہ بہادر کون ہے؟ ان لوگوں نے کہا کہ سب سے زیادہ بہادر آپ ہیں۔ حضرت علی نے فرمایا میں تو ہمیشہ اپنے جوڑ سے لڑتا ہوں۔ پھر کیسے میں سب سے بہادر ہوا۔ تم لوگ یہ بتاؤ کہ سب سے زیادہ بہادر کون ہے۔ لوگوں نے عرض کیا حضرت ہم کو نہیں معلوم ہے آپ ہی بتائیں۔ آپ نے فرمایا کہ سب سے زیادہ شجاع اور بہادر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ سنو! جنگ بدر میں ہم لوگوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے ایک عریش یعنی جھونپڑا بنایا تھا تاکہ گرد و غبار اور سورج کی دھوپ سے حضور محفوظ رہیں۔ تو ہم لوگوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ کون رہے گا؟ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان پر کوئی حملہ کر دے فَوَاللّٰہِ مَا دَنَا مِنَّا اَحَدٌ اِلَّا اَبُوْ بَکْرٍ یعنی تو خدا کی قسم اس کام کے لئے سوائے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کوئی آگے نہیں بڑھا آپ شمشیر برہنہ ہاتھ میں لیکر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس کھڑے ہو گئے پھر کسی دشمن کو آپ کے پاس آنے کی جرأت نہیں ہوسکی اور اگر کسی نے جرأت بھی کی تو آپ اس پر ٹوٹ پڑے۔ اسلئے حضرت ابوبکر صدیق ہی سب سے زیادہ شجاع اور بہادر تھے۔ (تاریخ الخلفاء صـ۲۵)

اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک بار کا واقعہ ہے کہ کافروں نے رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پکڑ لیا اور کہنے لگے کہ تم ہی ہو جو کہتے ہو کہ خدا ایک ہے۔ حضرت علی نے فرمایا تو قسم خدا کی اس موقع پر حضرت ابوبکر صدیق کے علاوہ کوئی حضور کے قریب نہیں گیا۔ آپ آگے بڑھے اور کافروں کو مارا اور انھیں دھکے دے دے کے ہٹایا اور فرمایا تم پر افسوس ہے کہ تم لوگ ایسی ذات کو تکلیف پہنچا رہے ہو جو یہ کہتا ہے کہ میرا پروردگار حضرت اللہ ہے۔ اور حضرت علی نے فرمایا کہ لوگ اپنے ایمان کو چھپاتے تھے مگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے ایمان کو علی الاعلان ظاہر فرماتے تھے۔ اس لئے آپ سب سے زیادہ بہادر تھے۔ (تاریخ الخلفاء صـ۲۵)

اور علامہ ہیثم اپنی مسند میں تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خود فرمایا کہ لَمَّا كَانَ يَوْمُ اُحُدٍ اِنْصَرَفَ النَّاسُ كُلُّهُمْ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكُنْتُ اَوَّلَ مَنْ فَاءَ۔ یعنی جنگ احد کے دن سب لوگ رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تنہا چھوڑ کر ادھر ادھر ہو گئے تو سب سے پہلے میں نے حضور کے پاس پہنچ کر ان کی حفاظت کی۔ (تاریخ الخلفاء صـ۲۵)

ان شواہد سے روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سارے صحابہ میں سب سے زیادہ شجاع اور بہادر بھی تھے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ عنا۔

آپ کی سخاوت

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اللہ کے راستے میں خرچ کرنے اور سخاوت کرنے کے بارے میں بھی سارے صحابہ پر فوقیت رکھتے تھے۔ حدیث شریف کی دو مشہور کتابیں ترمذی اور ابوداؤد میں ہے حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک روز ہم لوگوں کو اللہ کی راہ میں صدقہ اور خیرات کرنے کا حکم دیا اور حسن اتفاق سے اس موقع پر میرے پاس کافی مال تھا۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ اگر حضرت ابوبکر سے آگے بڑھ جانا کسی دن میرے لئے ممکن ہو گا تو وہ آج کا دن ہو گا۔ میں کافی مال خرچ کر کے آج ان سے سبقت

لے جاؤں گا۔ حضرت عمر فرماتے ہیں تو میں آدھا مال لیکر خدمت میں حاضر ہوا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھ سے دریافت فرمایا مَا اَبْقَیْتَ لِاَھْلِکَ یعنی اپنے گھر والوں کیلئے تم نے کتنا چھوڑا؟ حضرت عمر فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ آدھا مال ان کے لئے چھوڑ دیا ہے۔ پھر حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو کچھ ان کے پاس تھا سب لے آئے۔ رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا مَا اَبْقَیْتَ لِاَھْلِکَ یعنی اے ابو بکر! اپنے اہل وعیال کے لئے کیا چھوڑ آئے ہو؟ فَقَالَ اَبْقَیْتُ لَھُمُ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ۔ یعنی حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ ان کے لئے میں اللہ اور اس کے رسول کو چھوڑ آیا ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ میرے اور میرے اہل وعیال کے لئے اللہ ورسول کافی ہیں۔

پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس
صدیق کے لئے ہے خدا کا رسول بس

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں قُلْتُ لَا اَسْبِقُہٗ اِلٰی شَیْءٍ اَبَدًا۔ یعنی میں نے اپنے دل میں کہا کہ کسی چیز میں حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر میں کبھی سبقت نہیں لے جاسکوں گا۔ (مشکوٰۃ شریف صہ ۵۵۶)

اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ جس روز میرے والد بزرگوار حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلام سے مشرف ہوئے اس روز آپ کے پاس چالیس ہزار دینار موجود تھے اور ایک روایت میں ہے کہ چالیس ہزار درہم تھے۔ آپ نے یہ سارا مال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم پر خرچ کر دیا۔ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ جس روز حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایمان لائے تو انکے پاس چالیس ہزار درہم تھے اور جب آپ مدینہ طیبہ ہجرت کر کے آئے تو اس مال میں سے آپ کے پاس صرف پانچ ہزار باقی رہ گئے تھے۔ مکہ معظمہ میں آپ نے ۳۵ ہزار درہم مسلمان غلاموں کے آزاد کرانے اور اسلام کی مدد میں خرچ کر ڈالا تھا

حضرت صدر الافاضل مولانا محمد نعیم الدین صاحب مرادآبادی علیہ الرحمۃ والرضوان

تحریر فرماتے ہیں کہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ راہِ خدا میں چالیس ہزار دینار خرچ کئے۔ دس ہزار رات میں، دس ہزار دن میں، دس ہزار چھپاکر اور دس ہزار علانیہ تو اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں یہ آیت کریمہ نازل فرمائی اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّیْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِیَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ۔ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ۔یعنی جو لوگ اپنے مال خیرات کرتے ہیں رات میں اور دن میں، چھپاکر اور علانیہ۔ تو ان کے لئے ان کے رب کے پاس ان کا اجر ہے۔ اور نہ ان کو کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ لوگ غمگین ہوں گے۔ (پ ۳ ع ۱)

ترمذی شریف میں ہے۔ رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کسی نے بھی میرے ساتھ احسان کیا تھا میں نے ہر ایک کا احسان اتار دیا علاوہ ابوبکر کے احسان کے۔ انھوں نے میرے ساتھ ایسا احسان کیا ہے جس کا بدلہ قیامت کے دن ان کو خدائے تعالیٰ ہی عطا فرمائے گا وَمَا نَفَعَنِیْ مَالُ اَحَدٍ قَطُّ مَا نَفَعَنِیْ مَالُ اَبِیْ بَکْرٍ ۔یعنی اور ہرگز کسی کے مال نے مجھے اتنا فائدہ نہیں پہنچایا ہے جتنا فائدہ کہ ابوبکر کے مال نے پہنچایا ہے (مشکوٰۃ شریف ص۵۵۵)

ایک بار ہم سب مل کر سرکار مدینہ اور ان کے اصحاب پر بلند آواز سے درود و سلام کا نذرانہ پیش کریں۔

حضور سے محبت

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بہت چاہتے تھے اور ان سے بے انتہا محبت فرماتے تھے شروع زمانۂ اسلام میں جو شخص مسلمان ہوتا تھا وہ حتی الامکان اپنے اسلام کو چھپائے رکھتا تھا اور سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی چھپانے کی تلقین فرماتے تھے تاکہ کافروں سے اذیت نہ پہنچے۔ جب مسلمانوں کی تعداد تقریباً چالیس ہوئی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسولِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ اب اسلام کی تبلیغ کھلم کھلا۔ اور علی الاعلان کی جائے۔ پہلے تو حضور نے انکار فرمایا لیکن جب صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بہت اصرار کیا تو آپ نے قبول فرمالیا اور سب لوگوں کو ساتھ لیکر مسجد حرام میں تشریف

لے گئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خطبہ شروع فرمایا۔ اور یہ سب سے پہلا خطبہ ہے جو اسلام میں پڑھا گیا۔ حضور کے چچا حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی روز اسلام لائے خطبہ کا شروع ہونا تھا کہ چاروں طرف سے مشرکین مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عظمت و شرافت مکہ معظمہ میں مسلم تھی اس کے باوجود آپ کو اس قدر مارا کہ پورا چہرہ اور کان و ناک سب لہولہان ہو گئے اور خون سے بھر گئے اور ہر طرح سے آپ کو بہت مارا یہاں تک کہ بیہوش ہو گئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قبیلہ بنو تیم کے لوگوں کو خبر ہوئی تو وہ آپ کو وہاں سے اٹھا کر لائے اور کسی کو بھی یہ امید نہیں تھی کہ مشرکین کی اس مار کے بعد آپ زندہ بچ سکیں گے۔ آپ کے قبیلہ کے لوگ مسجد کعبہ میں آئے اور اعلان کیا کہ اگر حضرت ابوبکر اس حادثہ میں انتقال کر گئے تو ہم ان کے بدلہ میں عتبہ بن ربیعہ کو قتل کریں گے کہ اس نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مارنے میں بہت زیادہ حصہ لیا تھا۔

شام تک آپ بیہوش رہے اور جب ہوش میں ہوئے تو سب سے پہلا لفظ یہ تھا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کیا حال ہے؟ لوگوں نے آپ کو بہت ملامت کی کہ انہی کے ساتھ رہنے کی وجہ سے یہ مصیبت پیش آئی اور دن بھر بیہوش رہنے کے بعد بات کی تو سب سے پہلے انہی کا نام لیا۔ اور سب سے پہلے ان کا نام کیوں نہ لیں کہ ان کے خون کے ایک ایک قطرہ میں سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت موجزن تھی ______ کچھ لوگ بددلی کے سبب اور بعض لوگ اس خیال سے اٹھ کر چلے گئے کہ جب بولنے لگے ہیں تو اب آپ کی جان بچ جائے گی۔ جاتے ہوئے لوگ آپ کی والدہ محترمہ حضرت ام الخیر رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ کہ بعد میں وہ بھی مسلمان ہوئیں) ان سے کہہ گئے کہ حضرت ابوبکر کے کھانے پینے کے لئے کسی چیز کا انتظام کر دیں۔ وہ کچھ تیار کر کے لائیں اور کھانے کے لئے بہت کہا مگر عاشق صادق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وہی ایک صدا تھی کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کیا حال ہے اور ان پر کیا گذری؟ آپ کی والدہ نے فرمایا کہ مجھے کچھ نہیں معلوم کہ ان کا کیا حال ہے؟ آپ نے فرمایا کہ حضرت عمر کی بہن ام جمیل (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے پاس جا کر دریافت کرو کہ حضور کا کیا حال ہے؟ وہ

اپنے صاحبزادہ کی اس بیتابانہ درخواست کو پوری کرنے کے لئے دوڑی ہوئی ام جمیل کے پاس گئیں اور سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حال دریافت کیا۔ وہ بھی اس وقت تک اپنے اسلام کو چھپائے ہوئے تھیں۔ انھوں نے ٹال دیا۔ کوئی واضح جواب نہیں دیا اور کہا کہ اگر تم کہو تو میں چل کر تمہارے بیٹے حضرت ابو بکر کو دیکھوں کہ ان کا کیا حال ہے۔ انھوں نے کہا کہ ہاں چلو۔ حضرت ام جمیل رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان کے گھر گئیں اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حالت دیکھکر برداشت نہ کرسکیں بے تحاشا رونے لگیں۔ حضرت ابو بکر صدیق نے ان سے پوچھا کہ حضور کا کیا حال ہے؟ حضرت ام جمیل نے آپ کی والدہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ سن رہی ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ ان سے نہ ڈرو۔ تو ام جمیل نے کہا کہ حضور بخیر و عافیت ہیں۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ اس وقت کہاں ہیں؟ انھوں نے کہا کہ حضرت ارقم کے گھر تشریف رکھتے ہیں۔ فرمایا قسم ہے خدائے ذوالجلال کی کہ میں اس وقت تک کچھ نہیں کھاؤں گا جب تک کہ حضور کی زیارت نہیں کرلوں گا۔

آپ کی والدہ محترمہ تو بہت زیادہ بے قرار تھیں کہ آپ کچھ کھاپی لیں مگر آپ نے قسم کھالی کہ جب تک حضور کی زیارت نہیں کرلوں گا کچھ نہیں کھاؤں گا۔ تو آپ کی والدہ نے لوگوں کی آمد و رفت کے بند ہو جانے کا انتظار کیا تاکہ ایسا نہ ہو کوئی آپ کو دیکھکر پھر اذیت پہنچا دے۔ جب رات کا بہت سا حصہ گذر گیا اور لوگوں کی آمد و رفت بند ہوگئی تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کی والدہ محترمہ لیکر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حضرت ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر پہنچیں۔ حضرت ابو بکر حضور سے لپٹ گئے اور حضور بھی اپنے عاشق صادق سے لپٹ کر روئے اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حالت دیکھکر سب رونے لگے۔ (تاریخ الخلفاء وغیرہ)

اس واقعہ سے صاف ظاہر ہے کہ آقائے دو عالم نور مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غایت درجہ محبت تھی۔ اور کیوں نہ ہو۔

پدر مادر برادر جان و مال اولاد سے پیارا ✲ محمد ہے متاع عالم ایجاد سے پیارا

محمد کی محبت دینِ حق کی شرطِ اول ہے
اسی میں ہو اگر خامی تو سب کچھ نامکمل ہے۔ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

اور حضرت صدر الافاضل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جیشِ اُسامہ کی تنفیذ کی جس کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے عہد مبارک کے آخر میں شام کی طرف روانہ فرمایا تھا۔ ابھی یہ لشکر تھوڑی ہی دور پہنچا تھا اور مدینہ طیبہ کے قریب مقام ذی خشب ہی میں تھا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس عالم سے پردہ فرمایا۔ یہ خبر سن کر اطراف مدینہ کے عرب اسلام سے پھر گئے اور مرتد ہو گئے۔ صحابہ کرام نے مجتمع ہو کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر زور دیا کہ آپ اس لشکر کو واپس بلالیں اس وقت اس لشکر کا روانہ کرنا کسی طرح مصلحت نہیں۔ مدینہ کے گرد تو عرب کے طوائفِ کثیرہ مرتد ہو گئے اور لشکر شام کو بھیج دیا جائے؟ —— اسلام کے لئے یہ نازک ترین وقت تھا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات سے کفار کے حوصلے بڑھ گئے تھے اور ان کی مردہ ہمتوں میں جان پڑ گئی تھی۔ منافقین سمجھتے تھے کہ اب کھیل کھیلنے کا وقت آگیا ضعیف الایمان دین سے پھر گئے۔ مسلمان ایک ایسے صدمہ میں شکستہ دل اور بے تاب و تواں ہو رہے ہیں جس کا مثل دنیا کی آنکھ نے کبھی نہیں دیکھا۔ ان کے دل گھائل ہیں اور آنکھوں سے اشک جاری ہیں۔ کھانا پینا برا معلوم ہوتا ہے۔ زندگی ایک ناگوار مصیبت نظر آتی ہے۔ اس وقت حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے جانشین کو نظم قائم کرنا، دین کا سنبھالنا، مسلمانوں کی حفاظت کرنا ارتداد کے سیلاب کو روکنا کس قدر دشوار تھا۔ باوجود اس کے رسول علیہ الصلاۃ والسلام کے روانہ کئے ہوئے لشکر کو واپس کرنا اور مرضی مبارک کے خلاف جرأت کرنا صدیق سراپا صدق کا رابطۂ نیازمندی گوارا نہ کرتا تھا اور اس کو وہ ہر مشکل سے سخت تر سمجھتے تھے۔ اس پر صحابہ کا اصرار کہ لشکر واپس بلالیا جائے اور خود حضرت اُسامہ کا لوٹ کر آنا اور حضرت صدیق سے عرض کرنا کہ قبائل عرب آمادۂ جنگ اور درپئے تخریب اسلام ہیں۔ اور کارآزما بہادر میرے لشکر میں ہیں۔ انھیں اس وقت روم بھیجنا اور ملک کو ایسے دلاور مردانِ جنگ سے خالی

کردینا کسی طرح۔ ۔ سب نہیں معلوم ہوتا۔ یہ حضرت صدیق کے لئے اور مشکلات تھیں۔

صحابہ کرام نے اعتراف کیا ہے کہ اس وقت اگر حضرت صدیق کی جگہ دوسرا ہوتا تو ہرگز مستقل نہ رہتا اور مصائب وافکار کا یہ ہجوم اور اپنی جماعت کی پریشان حالت مبہوت کرڈالتی۔ مگر اللہ اکبر حضرت صدیق کے پائے ثبات کو ذرہ بھر لغزش نہ ہوئی اور ان کے استقلال میں ایک شمہ فرق نہ آیا۔ آپ نے فرمایا کہ اگر پرند میری بوٹیاں نوچ کھائیں تو مجھے یہ گوارا ہے مگر حضور انور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مرضی مبارک میں اپنی رائے کو دخل دینا اور حضور کے روانہ کئے ہوئے لشکر کو واپس کرنا گوارا نہیں۔ یہ مجھ سے نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ ایسی حالت میں آپ نے لشکر کو روانہ فرمادیا۔ اس سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حیرت انگیز شجاعت و لیاقت اور کمال دلیری وجواں مردی کے علاوہ ان کے توکل صادق کا بھی پتہ چلتا ہے اور دشمن بھی انصافاً یہ کہنے پر مجبور ہوتا ہے کہ خدائے تعالیٰ نے حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے بعد خلافت وجانشینی کی اعلیٰ قابلیت واہلیت حضرت صدیق کو عطا فرمائی تھی۔

اب یہ لشکر روانہ ہوا اور جو قبائل مرتد ہونے کے لئے تیار تھے اور یہ سمجھ چکے تھے کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے بعد اسلام کا شیرازہ ضرور درہم برہم ہوجائے گا اور اس کی سطوت و شوکت باقی نہ رہے گی۔ انھوں نے دیکھا کہ لشکر اسلام رومیوں کی سرکوبی کے لئے روانہ ہوگیا۔ اسی وقت ان کے خیالی منصوبے غلط ہوگئے اور انھوں نے سمجھ لیا کہ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے عہد مبارک میں اسلام کے لئے ایسا زبردست نظم فرمادیا ہے جس سے مسلمانوں کا شیرازہ درہم برہم نہیں ہوسکتا۔ اور وہ ایسے غم واندوہ کے وقت میں بھی اسلام کی تبلیغ واشاعت اور اس کے سامنے اقوام عالم کو سرنگوں کرنے کے لئے ایک مشہور وزبردست قوم پر فوج کشی کرتے ہیں۔ لہٰذا یہ خیال غلط ہے کہ اسلام مٹ جائے گا اور اس میں قوت باقی نہ رہے گی۔ بلکہ ابھی صبر کے ساتھ دیکھنا چاہئے کہ یہ لشکر کس شان سے واپس ہوتا ہے فضل الٰہی سے یہ لشکر ظفر پیکر فتیاب ہوا۔ رومیوں کو ہزیمت وشکست ہوئی۔ جب یہ فاتح لشکر واپس آیا۔ اس وقت وہ تمام قبائل جو مرتد ہونے کا ارادہ کرچکے تھے اس ناپاک قصد سے باز آئے اور اسلام پر

سچائی کے ساتھ قائم ہو گئے۔ بڑے بڑے جلیل القدر صائب الرائے صحابہ جو اس لشکر کی روانگی کے وقت نہایت شدت سے اختلاف فرما رہے تھے اپنی فکر کی خطا اور حضرت صدیق کی رائے مبارک کے صائب اور ان کے علم کی وسعت کے معترف ہوئے۔ (سوانح کربلا)

اور بیہقی و ابن عساکر میں ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی کہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں اگر حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ مقرر نہ ہوئے ہوتے تو روئے زمین پر خدائے تعالیٰ کی عبادت باقی نہ رہ جاتی۔ اسی طرح قسم کے ساتھ آپ نے تین بار فرمایا۔ لوگوں نے آپ سے عرض کیا اے ابو ہریرہ! آپ ایسا کیوں کہہ رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت اسامہ کو امیر لشکر مقرر کر کے شام کی طرف روانہ فرمایا تھا۔ اور وہ ابھی ذی خشب مقام پر تھے کہ حضور کا وصال ہو گیا۔ اس خبر کو سن کر اطراف مدینہ کے عرب مرتد ہو گئے۔ صحابہ کرام حضرت ابو بکر صدیق کی خدمت میں آئے اور اس بات پر زور دیا کہ اسامہ کے لشکر کو واپس بلالیں۔ آپ نے فرمایا وَالَّذِیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ۔ لَوْ جَرَّتِ الْکِلَابُ بِاَرْجُلِ اَزْوَاجِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَارَدَدْتُّ جَیْشًا وَجَّھَہٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ یعنی قسم ہے اس ذات کی کہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پاک بیویوں کے پاؤں کتے پکڑ کر گھسیٹیں تب بھی میں اس لشکر کو واپس نہیں بلا سکتا جس کو اللہ کے رسول نے روانہ فرمایا تھا۔ اور نہ میں اس پرچم کو سرنگوں کروں گا جس کو میرے حضور نے لہرایا تھا۔

پس حضرت اسامہ کو آگے بڑھنے کا حکم دیا۔ وہ روانہ ہوئے تو مرتد قبیلے دہشت زدہ ہو گئے۔ یہانتک کہ وہ سلطنت روم کی حد میں پہنچ گئے۔ طرفین میں جنگ ہوئی۔ مسلمانوں کا لشکر فتحیاب ہو کر واپس ہوا تو اس طرح اسلام کا بول بولا ہو گیا۔ (تاریخ الخلفاء ص ۵۱)

محبوب دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو بے انتہا اور غایت درجہ محبت تھی۔ اسی محبت کا یہ اثر ہے کہ ایسے نازک وقت میں صحابہ کرام کے زور ڈالنے کے باوجود حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لشکر کو واپس بلانا اور پیارے

مصطفیٰ کے لہراتے ہوئے جھنڈا کو سرنگوں کرنا آپ نے گوارا نہ کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دشمنوں کے حوصلے پست ہوگئے اور اسلام کا پھر سے بول بالا ہوگیا۔ اسے یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ حضور سے حضرت صدیق کی محبت نے اسلام کو زندۂ جاوید بنا دیا۔ (ایک بار پھر بلند آواز سے درود شریف پڑھئے)

مانعین زکاۃ

رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال فرمانے پر بعض لوگ تو اسلام کے سارے احکام کے منکر ہوکر مرتد ہوگئے تھے اور کچھ لوگوں نے کہا کہ ہم زکاۃ نہیں دیں گے۔ یعنی اس کی فرضیت کے منکر ہوگئے۔ اور زکاۃ کی فرضیت چونکہ نص قطعی سے ثابت ہے تو اس کے منکر یہ گروہ بھی مرتد ہوگئے۔ اسی لئے شارحین حدیث وفقہائے کرام مانعین زکاۃ کو بھی مرتدین میں شمار کرتے ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے جہاد کا ارادہ فرمایا تو حضرت عمر اور بعض دوسرے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ان سے کہا کہ اس وقت منکرین زکاۃ سے جنگ کرنا مناسب نہیں۔ آپ نے فرمایا خدائے ذوالجلال کی قسم۔ اگر وہ لوگ ایک رسی یا بکری کا ایک بچہ بھی حضور کے زمانے میں زکاۃ دیا کرتے تھے اور اب اس کے دینے سے انکار کریں گے تو میں ان سے جنگ کروں گا۔ (تاریخ الخلفاء ص ۵۱) پھر آپ مہاجرین وانصار کو ساتھ لیکر اعراب کیطرف نکل پڑے اور جب وہ بھاگ کھڑے ہوئے تو حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آپ امیر لشکر بنا کر واپس آگئے۔ انھوں نے اعراب کو جگہ جگہ گھیرا تو اللہ تعالیٰ نے انھیں ہر جگہ فتح عطا فرمائی۔ اب صحابۂ کرام خصوصاً حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کی رائے کے صحیح ہونے کا اعتراف کیا اور کہا کہ خدا کی قسم۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر صدیق کا سینہ کھول دیا ہے۔ اور انھوں نے جو کچھ کیا وہ حق ہے۔

اور واقعہ بھی یہی ہے کہ اگر اس وقت مانعین زکاۃ کی سرکوبی نہ کی جاتی اور انھیں چھوٹ دیدی جاتی تو پھر کچھ لوگ نماز کے بھی منکر ہوجاتے اور بعض لوگ روزہ سے بھی انکار کر دیتے اور کچھ لوگ بعض دوسری ضروری چیزوں کا انکار کر دیتے تو اسلام اپنی شان وشوکت کے ساتھ باقی

نہ رہتا بلکہ کھیل بن جاتا اور اس کا نظام درہم برہم ہو جاتا۔

مانعین زکاۃ اور ان سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جہاد کے نتیجہ میں حضرت صدر الافاضل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں "یہاں سے مسلمانوں کو سبق لینا چاہئے کہ ہر حالت میں حق کی حمایت اور ناحق کی مخالفت ضروری ہے۔ اور جو قوم ناحق کی مخالفت میں سستی کرے گی وہ جلد تباہ ہو جائے گی۔ آج کل بعض سادہ لوح باطل فرقوں کے رد کرنے کو بھی منع کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ اس وقت آپس کی جنگ موقوف کرو۔ انھیں حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے طریق عمل سے سبق لینا چاہئے کہ آپ نے ایسے نازک وقت میں بھی باطل کی سرکشی میں توقف نہ فرمایا۔ جو فرقے اسلام کو نقصان پہنچانے کے لئے پیدا ہوئے ہیں ان سے غفلت برتنا یقیناً اسلام کی نقصان رسانی ہے۔ (سوانح کربلا)

اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ صرف کلمہ اور نماز مسلمان ہونے کے لئے کافی نہیں بلکہ اسلام کی ساری باتوں کو ماننا ضروری ہے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص اسلام کے سارے احکام پر ایمان رکھتا ہو لیکن ضروریات دین میں سے کسی ایک بات کا انکار کرتا ہو تو وہ کافر و مرتد ہے جیسے کہ مانعین زکاۃ ایک بات کا انکار کر کے کافر و مرتد ہوئے۔ نعوذ باللہ من ذٰلک۔

اور مسیلمہ کے ساتھی و مانعین زکاۃ کے کافر و مرتد ہونے سے یہ بھی ثابت ہوا کہ "عرب میں کافر و مرتد نہ ہوں گے" یہ کہنا غلط ہے۔

غلط الزام | رافضی لوگ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر الزام لگاتے ہیں کہ انھوں نے حضور کے باغ فدک کو غصب کر لیا اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو نہیں دیا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ انبیائے کرام کسی کو اپنے مال کا وارث نہیں بناتے وہ جو کچھ چھوڑ جاتے ہیں سب صدقہ ہوتا ہے جیسا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث شریف مروی ہے کہ سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ لَا نُوْرِثُ مَا تَرَكْنَاهُ صَدَقَةٌ۔ یعنی ہم گروہ انبیاء کسی کو اپنا وارث نہیں بناتے ہم جو کچھ چھوڑ جاتے ہیں وہ سب صدقہ ہے۔ (بخاری، مسلم، مشکوٰۃ ص۵۵۰)

اور مسلم شریف جلد دوم صا۹۱ پر ہے کہ حضور کے وصال فرما جانے کے بعد ازواج مطہرات نے چاہا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذریعہ حضور کے مال سے اپنا حصہ تقسیم کروائیں تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا اَلَیْسَ قَدْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا نُوْرِثُ مَا تَرَکْنَا ہُ صَدَقَۃٌ۔ یعنی کیا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا ہے کہ ہم کسی کو اپنے مال کا وارث نہیں بناتے ہم جو کچھ چھوڑ جائیں وہ سب صدقہ ہے۔

اور بخاری جلد دوم ص۵۷۵ و مسلم جلد دوم ص۹۰ میں حضرت مالک بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ مجمع صحابہ جن میں حضرت عباس، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت زبیر بن العوام اور حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہم موجود تھے حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سب کو قسم دے کر فرمایا۔ کیا آپ لوگ جانتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہم کسی کو وارث نہیں بناتے ہم جو کچھ چھوڑیں وہ صدقہ ہے تو سب نے اقرار کیا کہ ہاں حضور نے ایسا فرمایا ہے۔

ان احادیث کریمہ کے صحیح ہونے کا ثبوت یہ ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کا زمانہ آیا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ترکہ خیبر اور فدک وغیرہ ان کے قبضہ میں ہوا اور پھر ان کے بعد حسنین کریمین وغیرہ کے اختیار میں رہا مگر ان میں سے کسی نے ازواج مطہرات، حضرت عباس اور ان کی اولاد کو باغ فدک وغیرہ سے حصہ نہ دیا۔ لہٰذا ماننا پڑے گا کہ نبی کے ترکہ میں وراثت جاری نہیں ہوتی۔ اسی لئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو باغ فدک نہیں دیا نہ کہ بغض و عداوت کے سبب جیسا کہ رافضیوں کا الزام ہے (۱) ــــــ اور آیت کریمہ وَوَرِثَ سُلَیْمٰنُ دَاوٗدَ یا اس کے علاوہ قرآن مجید و حدیث شریف میں جہاں بھی کہیں انبیائے کرام کی وراثت کا ذکر ہے اس سے علم شریعت و نبوت ہی مراد ہے نہ کہ درہم و دینار۔

(۱) اس مسئلہ کے متعلق مفصل بحث ہمارے رسالہ "باغ فدک اور حدیث قرطاس" میں دیکھیں۔ الامجدی

علالت اور وفات

واقدی اور حاکم میں ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بیان فرمایا کہ والدِ گرامی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی علالت کی ابتدا یوں ہوئی کہ آپ نے ۷ جمادی الاخریٰ پیر کے روز غسل فرمایا۔ اس روز سردی بہت زیادہ تھی جو اثر کر گئی۔ آپ کو بخار آگیا اور پندرہ دن تک آپ علیل رہے۔ اس درمیان میں آپ نماز کے لئے بھی گھر سے باہر تشریف نہیں لا سکے۔ آخر کار بظاہر اسی بخار کے سبب ۶۳ سال کی عمر میں ۲ سال ۲ ماہ سے کچھ زائد امورِ خلافت انجام دینے کے بعد ۲۲ر جمادی الاخریٰ ۱۳ھ کو آپ کی وفات ہوئی اور آقائے دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مبارک پہلو میں مدفون ہوئے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

آپ کی کرامتیں

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کئی کرامتیں ظاہر ہوئی ہیں جن میں سے چند کرامتوں کا ذکر یہاں کیا جاتا ہے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے۔ انھوں نے فرمایا کہ ایک بار میرے باپ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اصحاب صفہ میں سے تین آدمیوں کو اپنے گھر لائے اور ان کو کھانا کھلانے کا حکم فرما کر خود رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں چلے گئے یہاں تک کہ آپ نے رات کا کھانا حضور ہی کے یہاں کھالیا اور بہت زیادہ رات گذر جانے کے بعد اپنے مکان پر تشریف لائے۔ ان کی بیوی نے کہا کہ مہمانوں کے پاس آنے سے آپ کو کس چیز نے روک رکھا؟ آپ نے فرمایا کیا تم نے ابھی تک مہمانوں کو کھانا نہیں کھلایا۔ انھوں نے عرض کیا کہ میں نے کھانا پیش کیا تھا مگر مہمانوں نے آپ کے بغیر کھانا کھانے سے انکار کر دیا۔ یہ سن کر آپ اپنے صاحبزادے حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر سخت ناراض ہوئے اور ان کو بہت برا بھلا کہا کہ اس نے مجھ کو مطلع کیوں نہیں کیا۔ پھر کھانا منگا کر مہمانوں کے ساتھ کھانے کے لئے بیٹھ گئے۔

راوی کا بیان ہے کہ اَیْمُ اللّٰہِ مَا کُنَّا نَاخُذُ مِنَ اللُّقْمَۃِ اِلَّا رَبَا مِنْ اَسْفَلِھَا اَکْثَرُ مِنْھَا یعنی خدا کی قسم ہم جو بھی لقمہ اٹھائے اس کے نیچے کھانا اس سے زیادہ ہو جاتا۔ یہاں تک کہ ہم سب شکم سیر ہو گئے اور جتنا کھانا پہلے تھا اس سے بھی زیادہ بچ رہا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے متعجب ہو کر اپنی بیوی سے فرمایا کہ یہ کیا معاملہ ہے کہ برتن میں کھانا پہلے سے کچھ زیادہ نظر آتا ہے؟ آپ کی بیوی نے قسم کھا کر کہا کہ بلاشبہ یہ کھانا پہلے سے تین گنا زیادہ ہے۔ پھر وہ کھانا اٹھا کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گئے۔ صبح تک کھانا بارگاہ رسالت میں رہا۔ مسلمانوں اور کافروں کے درمیان ایک معاہدہ ہوا تھا جس کی مدت ختم ہو گئی تھی تو اس روز صبح کے وقت ایک لشکر تیار کیا گیا جس میں بہت کافی آدمی تھے پوری فوج نے اس کھانے کو شکم سیر ہو کر کھایا پھر بھی اس برتن میں کھانا کم نہیں ہوا۔ (بخاری صفحہ ۵۰۶ ج ۱)

مہمانوں کے کھانے کے بعد پہلے سے بھی کھانے کا تین گنا زیادہ ہو جانا اور صبح کے وقت پوری فوج کا اس کھانے کو شکم سیر ہو کر کھانا پھر بھی برتن میں کھانے کا کم نہ ہونا یہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عظیم کرامت ہے۔

اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے انھوں نے فرمایا کہ میرے باپ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے مرض موت میں مجھے وصیت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ میری پیاری بیٹی! میرے پاس جو کچھ میرا مال تھا آج وہ مال وارثوں کا ہو چکا ہے۔ میری اولاد میں تمہارے دو بھائی عبدالرحمٰن و محمد ہیں اور تمہاری دو بہنیں ہیں۔ لہٰذا میرے مال کو تم لوگ قرآن مجید کے فرمان کے مطابق تقسیم کر کے اپنا اپنا حصہ لے لینا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا کہ ابا جان میری تو ایک ہی بہن بی بی اسماء ہیں۔ یہ میری دوسری بہن کون ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ تمہاری سوتیلی ماں حبیبہ بنت خارجہ جو حاملہ ہے اس کے پیٹ میں لڑکی ہے وہی تمہاری دوسری بہن ہے۔ چنانچہ آپ کے وصال فرمانے کے بعد آپ کے فرمان کے مطابق حبیبہ بنت خارجہ کے پیٹ سے لڑکی (ام کلثوم)

ہی پیدا ہوئیں۔ (موطا امام محمد باب النحل ص ۳۴۵)

اس حدیث شریف سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دو کرامتیں ثابت ہوتی ہیں پہلی کرامت یہ کہ وفات سے پہلے آپ کو اس بات کا علم ہو گیا تھا کہ میں اسی مرض میں انتقال کر جاؤں گا اسی لئے آپ نے وصیت کے وقت یہ فرمایا کہ آج میرا مال میرے وارثوں کا مال ہو چکا ہے۔ اور دوسری کرامت یہ ثابت ہوتی ہے کہ حاملہ کے پیٹ میں لڑکی ہے آپ یقین کے ساتھ جانتے تھے اسی لئے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا کہ حبیبہ بنت خارجہ جو حاملہ ہے اس کے پیٹ میں لڑکی ہے وہی تمہاری بہن ہے۔ اور ان دونوں باتوں کا علم یقیناً غیب کا علم ہے جو بیشک حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دو عظیم الشان کرامتیں ہیں۔

آپ کی خصوصیات

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں بہت سی خصوصیات پائی جاتی ہیں جن میں سے چند خصوصیات کو ہم آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ ابن عساکر حضرت امام شعبی سے روایت کرتے ہیں۔ انھوں نے فرمایا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خدائے عز و جل نے ایسی چار خصلتوں سے مختص فرمایا جن سے کسی کو سرفراز نہیں فرمایا۔ **اول**۔ آپ کا نام صدیق رکھا اور کسی دوسرے کا نام صدیق نہیں۔ **دوسرے** آپ رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ غار ثور میں رہے۔ **تیسرے**۔ آپ حضور کی ہجرت میں رفیق سفر رہے۔ **چوتھے**۔ سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آپ کو حکم فرمایا کہ آپ صحابۂ کرام کو نماز پڑھائیں اور دوسرے لوگ آپ کے مقتدی بنیں۔ ایک بہت بڑی خصوصیت آپ کی یہ بھی ہے کہ آپ صحابی، آپ کے والد ابو قحافہ صحابی، آپ کے صاحبزادے عبد الرحمٰن صحابی اور ان کے صاحبزادے ابو عتیق محمد صحابی یعنی آپ کی چار نسل صحابی ہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

سایۂ مصطفیٰ مایۂ اصطفا ✤ عز و نازِ خلافت پہ لاکھوں سلام

یعنی اس افضل الخلق بعد الرسل ✤ ثانی اثنین ہجرت پہ لاکھوں سلام

دعا ہے کہ خدائے عز و جل ہم سب کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سچی غلامی عطا فرمائے

اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق رفیق بخشے۔ آمین

بجاہ حبیبک سید المرسلین صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہ وعلیہم اجمعین وبرحمتک یا ارحم الراحمین۔

امیر المومنین حضرت عمر فاروق اعظم

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ۔ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنْ كَانَ نَبِيًّا وَّ اٰدَمُ بَيْنَ الْمَاءِ وَالطِّيْنِ۔ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ۔ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا (پ ۲۶ ع ۱۲) صدق اللہ مولٰنا العظیم وصدق رسولہ النبی الکریم الامین۔ علیہ وعلی الہ اکرم الصلوات والتسلیم۔

ایک بار ہم اور آپ سب لوگ مل کر تمام عالم کے محسن اعظم، رحمت عالم، نور مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دربار دُربار میں درود وسلام کی ڈالیاں پیش کریں صلی اللہ علی النبی الامی واٰلہ صلی اللہ علیہ وسلم صلوٰۃ وسلاما علیک یارسول اللہ۔

حقیقت میں کمال وخوبی والا وہ شخص ہے جو دوسروں کو بھی کمال وخوبی والا بنادے تو ہمارے آقا و مولیٰ جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حقیقت میں کمال و خوبی والے ہیں جنھوں نے بے شمار لوگوں کو کمال وخوبی والا بنا دیا۔ اور ان کا یہ فیض ہمیشہ جاری رہے گا کہ قیامت تک اپنے جاں نثاروں کو کمال وخوبی والا بناتے رہیں گے۔

اور پیارے مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جن لوگوں کو کمال و خوبی والا بنایا ان میں سے ایک مشہور و معروف امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں کہ جو افضل البشر بعد الانبیا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد تمام صحابہ میں سب سے افضل ہیں۔

نام و نسب

آپ کا نام عمر ہے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ کنیت ابو حفص اور لقب فاروق اعظم ہے۔ آپ کے والد کا نام خطاب اور ماں کا نام حنتمہ ہے جو ہشام بن مغیرہ کی بیٹی یعنی ابوجہل کی بہن ہیں۔ آٹھویں پشت میں آپ کا شجرۂ نسب سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خاندانی شجرہ سے ملتا ہے۔ آپ واقعۂ فیل کے تیرہ سال بعد پیدا ہوئے۔ نبوت کے چھٹے سال ستائیس برس کی عمر میں اسلام سے مشرف ہوئے۔ آپ نے اس وقت اسلام قبول فرمایا جبکہ چالیس مرد اور گیارہ عورتیں ایمان لا چکی تھیں۔ اور بعض علماء کا خیال ہے کہ آپ نے انتالیس مرد اور تیئیس عورتوں کے بعد اسلام قبول کیا۔ (تاریخ الخلفاء)

ترمذی شریف کی حدیث ہے کہ سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دعا فرماتے تھے یا الٰہ العالمین عمر بن خطاب اور ابوجہل بن ہشام میں سے جو تجھے پیارا ہو اس سے تو اسلام کو عزت عطا فرما۔ اور حاکم کی روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ہے کہ حضور نے اس طرح دعا فرمائی اَللّٰھُمَّ اَعِزَّ الْاِسْلَامَ بِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ خَاصَّۃً۔ یعنی یا اللہ! خاص طور سے عمر بن خطاب کو مسلمان بنا کر اسلام کو عزت و قوت عطا فرما۔ تو اللہ کے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یہ دعا بارگاہ الٰہی میں مقبول ہو گئی اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلام سے مشرف ہو گئے۔

آپ کے قبول اسلام کا واقعہ

دن بدن مسلمانوں کی تعداد بڑھتے ہوئے دیکھ کر ایک روز کفار مکہ جمع ہوئے اور سب نے یہ طے کیا کہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو قتل کر دیا جائے۔ معاذ اللہ رب العالمین۔ مگر سوال پیدا ہوا کہ کون قتل کرے۔ مجمع میں اعلان ہوا کہ ہے کوئی بہادر جو محمد کو قتل کر دے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ اس اعلان پر پورا مجمع تو خاموش رہا مگر حضرت عمر نے کہا کہ میں ان کو

قتل کروں گا۔ لوگوں نے کہا بیشک تم ہی ان کو قتل کر سکتے ہو۔ پھر حضرت عمر اٹھے اور تلوار لٹکائے ہوئے
چل دیئے۔ اسی خیال میں جارہے تھے کہ ایک صاحب قبیلہ زہرہ کے جن کا نام حضرت نعیم بن
عبداللہ بتایا جاتا ہے اور بعض لوگوں نے دوسروں کا نام لکھا ہے۔ بہرحال انھوں نے پوچھا کہ
اے عمر! کہاں جارہے ہو؟ کہا کہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو قتل کرنے جارہا ہوں۔ حضرت
نعیم نے کہا کہ اس قتل کے بعد تم بنی ہاشم اور بنی زہرہ سے کس طرح بچ سکو گے۔ وہ تمہیں ان کے
بدلے میں قتل کر دیں گے۔ اس بات کو سن کر وہ بگڑ گئے اور کہنے لگے۔ معلوم ہوتا ہے کہ تم نے
بھی اپنے باپ دادا کا دین چھوڑ دیا ہے۔ تو لاؤ میں پہلے تجھی کو نپٹا دوں۔ یہ کہہ کر تلوار کھینچ لی۔ اور
حضرت نعیم نے بھی یہ کہا کہ ہاں میں مسلمان ہو گیا ہوں اپنی تلوار سنبھالی۔ عنقریب دونوں طرف
سے تلوار چلنے کو تھی کہ حضرت نعیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ تو پہلے اپنے گھر کی خبر لے۔ تیری بہن
فاطمہ بنت خطاب اور بہنوئی سعید بن زید دونوں اپنے باپ دادا کا دین چھوڑ کر مسلمان ہو چکے
ہیں۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بے انتہا غصہ پیدا ہوا وہیں سے پلٹ پڑے اور سیدھے
اپنی بہن کے گھر پہنچے۔ وہاں حضرت خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہ دروازہ بند کئے ہوئے ان دونوں
میاں بیوی کو قرآن مجید پڑھا رہے تھے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دروازہ کھولنے کے لئے
کہا۔ ان کی آواز سن کر حضرت خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہ گھر کے ایک حصہ میں چھپ گئے۔ بہن نے
دروازہ کھولا۔ آپ گھر میں داخل ہوئے۔ اور پوچھا تم لوگ کیا کر رہے تھے؟ اور یہ آواز کس کی تھی؟
آپ کے بہنوئی نے ٹال دیا اور کوئی واضح جواب نہیں دیا۔ کہنے لگے مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم لوگ اپنے
باپ دادا کا دین چھوڑ کر دوسرا دین اختیار کر لئے ہو۔ بہنوئی نے کہا ہاں باپ دادا کا دین باطل ہے
اور دوسرا دین حق ہے۔ یہ سننا تھا کہ بے تحاشا ٹوٹ پڑے ان کی داڑھی پکڑ کر کھینچی اور زمین پر
پٹک کر خوب مارا۔ ان کی بہن چھڑانے کے لئے دوڑیں تو ان کے منھ پر ایک گھونسا اتنی زور سے
مارا کہ وہ خون سے تربتر ہو گئیں۔ آخر وہ بھی حضرت عمر ہی کی بہن تھیں کہنے لگیں کہ عمر ہم کو اس وجہ
سے مار رہے ہو کہ ہم مسلمان ہو گئے ہیں۔ کان کھول کر سن لو کہ تم مار مار کے ہمارے خون کا ایک
ایک قطرہ نکال لو یہ ہو سکتا ہے لیکن ہمارے دل سے ایمان نکال لو یہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اور

آپ کی بہن نے کہا کہ میں گواہی دیتی ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ بیشک ہم لوگ مسلمان ہو گئے ہیں۔ تجھ سے جو ہو سکے تو کر لے۔ بہن کے جواب اور ان کو خون سے تر بتر دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا غصہ ٹھنڈا ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ اچھا مجھے وہ کتاب دو جو تم لوگ پڑھ رہے تھے تاکہ میں بھی اس کو پڑھوں۔ آپ کی بہن نے کہا کہ تم ناپاک ہو اور اس مقدس کتاب کو پاک لوگ ہی ہاتھ لگا سکتے ہیں۔ حضرت عمر نے ہر چند اصرار کیا مگر وہ بغیر غسل کے دینے کو تیار نہ ہوئیں۔ آخر حضرت عمر نے غسل کیا پھر کتاب لیکر پڑھی۔ اس میں سورۂ طٰہٰ لکھی ہوئی تھی اس کو پڑھنا شروع کیا جس وقت اس آیت کریمہ پر پہنچے اِنَّنِیْٓ اَنَا اللّٰہُ لَآ اِلٰـہَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ وَ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ۔ یعنی بیشک میں اللہ ہوں۔ میرے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ تو میری عبادت کرو اور میری یاد کے لئے نماز قائم کرو۔ (پ ۱۶ ع ۱۰) تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہنے لگے کہ مجھے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں لے چلو۔ جس وقت حضرت خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ بات سنی تو آپ باہر نکل آئے۔ اور کہا کہ اے عمر! میں تم کو خوشخبری دیتا ہوں کہ کل جمعرات کی شب میں سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دعا مانگی تھی کہ یا الٰہ العالمین! عمر اور ابوجہل میں جو تجھے محبوب و پیارا ہو اس سے اسلام کو قوت عطا فرما۔ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ کی دعا تمہارے حق میں قبول ہو گئی۔

رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس وقت صفا پہاڑی کے قریب حضرت ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکان میں تشریف فرما تھے۔ حضرت خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کو ساتھ لے کر رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کے ارادہ سے چلے۔ حضرت ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دروازہ پر حضرت حمزہ، حضرت طلحہ اور کچھ دوسرے صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین حفاظت اور نگرانی کے لئے بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کو دیکھ کر فرمایا کہ عمر آ رہے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کو ان کی بھلائی منظور ہے تب تو یہ میرے ہاتھ سے بچ جائیں گے۔ اور اگر ان کی نیت کچھ اور ہے تو اس وقت ان کا قتل کرنا بہت آسان ہے۔ اسی

درمیان میں آقائے دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ان حالات کے بارے میں وحی نازل ہو چکی تھی سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مکان سے باہر تشریف لا کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دامن اور ان کی تلوار پکڑ لی۔ اور فرمایا اے عمر! کیا یہ فساد تم اس وقت تک برپا کرتے رہوگے جب تک کہ تم پر ذلت ورسوائی مسلط نہ ہو جائے۔ یہ سنتے ہی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّكَ عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُوْلُهٗ یعنی میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ (تاریخ الخلفاء وغیرہ)

اس طرح اللہ کے محبوب پیارے مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دعا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں مقبول ہوئی۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ والرضوان فرماتے ہیں۔

اجابت کا سہرا عنایت کا جوڑا

دلہن بن کے نکلی دعائے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

اور فرماتے ہیں ـــــ اجابت نے جھک کر گلے سے لگایا

بڑھی ناز سے جب دعائے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

چلے تھے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اللہ کے محبوب پیارے مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو قتل کرنے کے لئے (معاذ اللہ) مگر خود ہی قتیل تیغ ابروئے محمد ہو گئے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

شد غلامے کہ آب جو آرد

آب جو آمد و غلام ببرد

اس واقعہ سے یہ بات واضح طور پر معلوم ہوئی کہ اسلام بزور شمشیر نہیں پھیلا۔ دیکھئے اسلام قبول کرنے والے کے ہاتھ میں شمشیر ہے اور اسلام پھیلانے والے کا ہاتھ شمشیر سے خالی ہے۔

(ایک مرتبہ سب لوگ مل کر بلند آواز سے درود شریف پڑھیں)

فاروق کا لقب

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میں کلمۂ شہادت پڑھکر مسلمان ہوگیا تو میرے اسلام قبول کرنے کی خوشی میں اس وقت جتنے مسلمان حضرت ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر میں موجود تھے اتنی زور سے نعرۂ تکبیر بلند کیا کہ اس کو مکہ کے سب لوگوں نے سنا۔ میں نے رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟ حضور نے فرمایا کیوں نہیں؟ یعنی بیشک ہم حق پر ہیں۔ اس پر میں نے عرض کیا پھر یہ پوشیدگی اور پردہ کیوں ہے؟ اس کے بعد ہم سب مسلمان اس گھر سے دو صفیں بنا کر نکلے۔ ایک صف میں حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ اور دوسری صف میں میں تھا۔ اور اسی طرح ہم سب صفوں کی شکل میں مسجد حرام میں داخل ہوئے۔ کفار قریش نے مجھے اور حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب مسلمانوں کے گروہ کے ساتھ دیکھا تو ان کو بے انتہا ملال ہوا۔ اس روز سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فاروق کا لقب عطا فرمایا۔ اس لئے کہ اسلام ظاہر ہوگیا اور حق و باطل کے درمیان فرق واضح ہوگیا۔

(تاریخ الخلفاء ص۸۷)

اظہارِ اسلام

حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میں مسلمان ہوگیا تو اس کے بعد اپنے ماموں ابوجہل بن ہشام کے پاس پہنچا۔ ابوجہل خاندان قریش میں بہت با اثر سمجھا جاتا تھا اور اس کو بھی رئیس قریش کی حیثیت حاصل تھی میں نے اس کے دروازہ کی کنڈی کھٹکھٹائی۔ اس نے اندر سے پوچھا کون ہے؟ میں نے کہا میں عمر ہوں۔ اور میں تمہارا دین چھوڑ کر مسلمان ہوگیا ہوں۔ اس نے کہا عمر! ایسا کبھی مت کرنا مگر میرے ڈر کے سبب باہر نہیں نکلا بلکہ اندر سے دروازہ بند کرلیا۔ میں نے کہا یہ کیا طریقہ ہے؟ مگر اس نے کوئی جواب نہیں دیا اور نہ دروازہ کھولا۔ میں اسی طرح دیر تک باہر کھڑا رہا۔ پھر وہاں سے قریش کے ایک دوسرے سردار اور با اثر شخص کے پاس پہنچا۔ میں نے اس کو پکارا۔ وہ نکلا تو جو بات میں نے اپنے ماموں ابوجہل سے کہی تھی کہ میں مسلمان ہوگیا ہوں۔ وہی بات اس سے بھی کہی۔ تو اس نے بھی کہا کہ ایسا مت کرنا۔ پھر میرے خوف سے گھر کے اندر داخل ہوکر

دروازہ بند کرلیا۔ میں نے اپنے دل میں کہا۔ یہ کیا معاملہ ہے کہ مسلمان مارے جاتے ہیں اور میں نہیں مارا جاتا ہوں۔ کوئی مجھ سے کچھ تعارض نہیں کرتا۔ میری یہ باتیں سن کر ایک شخص نے کہا کہ تم اپنا اسلام اور اپنا دین اس طرح ظاہر کرنا چاہتے ہو۔ میں نے کہا کہ ہاں میں اسی طرح ظاہر کروں گا۔ اس نے کہا وہ دیکھو حطیم کے پاس کچھ لوگ بیٹھے ہوئے ہیں۔ ان میں فلاں شخص ایسا ہے کہ اگر اس سے تم کچھ راز کی بات کہو تو وہ فوراً اعلان کردے گا۔ اس سے اپنے اسلام لانے کا واقعہ بیان کردو ہر جگہ خبر ہوجائے گی۔ ایک ایک آدمی کے گھر جانے کی ضرورت نہیں۔ میں وہاں پہنچا اور اس سے اپنے اسلام قبول کرنے کو ظاہر کیا۔ اس نے کہا کیا واقعی تم مسلمان ہو چکے ہو۔ میں نے کہا ہاں بیشک میں مسلمان ہو چکا ہوں۔ یہ سنتے ہی اس نے بلند آواز سے اعلان کیا کہ اے لوگو! عمر بن خطاب ہمارے دین سے نکل گیا۔ یہ سنتے ہی اِدھر اُدھر جو مشرکین بیٹھے ہوئے تھے مجھ پر ٹوٹ پڑے۔ پھر دیر تک مار پیٹ ہوتی رہی۔ شور و غل کی آواز میرے ماموں ابو جہل نے سنی۔ اس نے پوچھا کیا معاملہ ہے؟ لوگوں نے کہا کہ عمر مسلمان ہو گیا ہے۔ میرا ماموں ابو جہل ایک پتھر پر چڑھا اور لوگوں سے کہا کہ میں نے اپنے بھانجے کو پناہ دیدی۔ یہ سنتے ہی جو لوگ مجھ سے الجھ رہے تھے الگ ہو گئے۔ مگر یہ بات مجھے بہت ناگوار ہوئی کہ دوسرے مسلمانوں سے مار پیٹ ہو اور مجھ کو پناہ دیدی جائے۔ میں ابو جہل کے پاس پھر پہنچا اور کہا جَوَارُكَ مَرْدُوْدٌ عَلَيْكَ۔ یعنی تیری پناہ میں تجھے واپس کرتا ہوں۔ مجھے تیری پناہ کی ضرورت نہیں۔ پھر کچھ دنوں تک مار پیٹ کا سلسلہ جاری رہا۔ یہانتک کہ خدائے تعالیٰ نے اسلام کو غلبہ عطا فرمایا۔ (تاریخ الخلفاء ص۷۷)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مسلمان ہونا اسلام کی فتح تھی۔ ان کی ہجرت نصرت الٰہی تھی اور ان کی خلافت رحمت خداوندی تھی۔ ہم میں سے کسی کی یہ ہمت و طاقت نہیں تھی کہ ہم بیت اللہ شریف کے پاس نماز پڑھ سکیں۔ مگر جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسلمان ہو گئے تو انھوں نے مشرکین سے اس قدر جنگ و جدال کیا کہ انھوں نے عاجز آکر مسلمانوں کا پیچھا چھوڑ دیا تو ہم بیت اللہ شریف کے پاس اطمینان سے علانیہ نماز پڑھنے لگے۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ جس نے سب سے پہلے اپنا اسلام علی الاعلان ظاہر کیا وہ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔

اور حضرت صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انھوں نے فرمایا کہ جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایمان لائے تب اسلام ظاہر ہوا۔ یعنی اس سے پہلے لوگ اپنا اسلام قبول کرنا ظاہر نہیں کرتے تھے۔ ان کے ایمان لانے کے بعد لوگوں کو اسلام کی طرف کھلم کھلا بلایا جانے لگا اور ہم بیت اللہ شریف کے پاس مجلسیں قائم کرنے، اس کا علانیہ طواف کرنے، کافروں سے بدلہ لینے اور ان کا جواب دینے کے قابل ہو گئے۔ (تاریخ الخلفاء ص ۷۹)

آپ کی ہجرت

حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہجرت بھی بے مثال ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علاوہ ہم کسی ایسے شخص کو نہیں جانتے جس نے علانیہ ہجرت کی ہو۔ جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہجرت کی نیت سے نکلے تو آپ نے اپنی تلوار گلے میں لٹکائی اور کمان کندھے پر۔ اور ترکش سے تیر نکال کر ہاتھ میں لے لیا پھر بیت اللہ شریف کے پاس حاضر ہوئے۔ وہاں بہت سے اشرافِ قریش بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ نے اطمینان سے کعبہ شریف کا طواف کیا۔ پھر بہت اطمینان سے مقام ابراہیم کے پاس دو رکعت نماز پڑھی۔ پھر اشراف قریش کی جماعت کے پاس آکر ایک ایک شخص سے الگ الگ فرمایا شَاهَتِ الْوُجُوْهُ۔ یعنی تم لوگوں کے چہرے بدشکل ہو جائیں بگڑ جائیں اور تمہارا ناس ہو جائے۔ اس کے بعد فرمایا مَنْ اَرَادَ اَنْ تَثْكَلَهٗ اُمُّهٗ وَيُيْتَمَ وَلَدُهٗ وَتُرْمَلَ زَوْجَتُهٗ فَلْيَلْقَنِيْ وَرَاءَ هٰذَا الْوَادِيْ۔ یعنی جو شخص کہ اپنی ماں کو بے اولاد، اپنے بچوں کو یتیم اور اپنی بیوی کو بیوہ بنانے کا ارادہ رکھتا ہو تو وہ اس وادی کے اس طرف آکر میرا مقابلہ کرے۔ آپ کے اس طرح للکارنے کے باوجود ان اشراف قریش میں سے کسی مائی کے لال کی ہمت نہ ہوئی کہ وہ آپ کا پیچھا کرتا۔

(تاریخ الخلفاء ص ۷۹)

حضرت براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمارے پاس مدینہ طیبہ میں سب سے پہلے

ہجرت کر کے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے۔ پھر حضرت ابن ام مکتوم اور ان کے بعد حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیس سواروں کے ساتھ تشریف لائے۔ ہم نے ان سے پوچھا کہ رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارادہ کیا ہے؟ انھوں نے فرمایا کہ وہ پیچھے تشریف لائیں گے۔ تو آپ کے بعد سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے۔ حضور کے ساتھ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے۔ (تاریخ الخلفاء)

امام نووی علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ تمام غزوات میں شریک رہے۔ اور آپ وہ بہادر ہیں کہ غزوۂ احد میں جبکہ جنگ کا نقشہ بدل گیا اور مسلمانوں میں افراتفری پیدا ہو گئی تو اس حالت میں بھی آپ ثابت قدم رہے۔ (تاریخ الخلفاء)

آپ کا حلیہ

حضرت زر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا رنگ گندمی تھا۔ آپ کے سر کے بال خود پہننے کی وجہ سے گر گئے تھے۔ قد آپ کا لمبا تھا۔ مجمع میں آپ کا سر دوسرے لوگوں کے سروں سے اونچا معلوم ہوتا تھا۔ دیکھنے میں ایسا محسوس ہوتا تھا کہ آپ کسی جانور پر سوار ہیں۔

اور علامہ واقدی فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا رنگ جو لوگ گندمی بتلاتے ہیں انھوں نے قحط کے زمانہ میں آپ کو دیکھا ہوگا۔ اس لئے کہ اس زمانہ میں زیتون کا تیل استعمال کرنے کے سبب رنگ آپ کا گندمی ہو گیا تھا۔

اور ابن سعد نے روایت کی ہے کہ حضرت ابن عمر نے اپنے باپ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حلیہ اس طرح بیان کیا ہے کہ آپ کا رنگ سرخی مائل سفید تھا۔ آخری عمر میں سر کے بال جھڑ گئے تھے اور بڑھاپے کے آثار ظاہر تھے ——— اور ابن رجا سے ابن عساکر نے روایت کی ہے۔ انھوں نے فرمایا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ طویل القامت اور موٹے بدن کے آدمی تھے۔ سر کے بال بہت زیادہ جھڑے ہوئے تھے۔ رنگ بہت گورا تھا جس میں سرخی جھلکتی تھی۔ آپ کے گال اندر کو دھنسے ہوئے تھے۔ مونچھوں کے کنارے کا حصہ

بہت لمبا تھا اور ان کے اطراف میں سرخی تھی (تاریخ الخلفا ، صـ۹۵)

(ایک بار سب لوگ مل کر پھر بلند آواز سے درود شریف پڑھیں)

فاروق اعظم اور احادیث کریمہ

حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت میں بہت سی حدیثیں وارد ہیں ۔ ترمذی شریف کی حدیث ہے ۔ سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا لَوْ کَانَ بَعْدِیْ نَبِیٌّ لَکَانَ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ ۔ یعنی اگر میرے بعد نبی ہوتے تو عمر ہوتے (مشکوٰۃ شریف صـ۵۵۸) سبحان اللہ ۔ یہ ہے مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کہ اگر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خاتم النبیین نہ ہوتے تو آپ نبی ہوتے ۔ اس حدیث شریف میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت کا عظیم الشان بیان ہے ۔

اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اِنِّیْ لَاَنْظُرُ اِلٰی شَیَاطِیْنِ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ قَدْ فَرُّوْا مِنْ عُمَرَ ۔ یعنی میں بلا شبہہ نگاہ نبوت سے دیکھ رہا ہوں کہ جن کے شیطان بھی اور انسان کے شیطان بھی دونوں میرے عمر کے خوف سے بھاگتے ہیں ۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (مشکوٰۃ شریف صـ۵۵۸) یہ رعب و دبدبہ ہے حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کہ چاہے جن کا شیطان ہو یا انسان کا دونوں ان کے ڈر سے بھاگ جاتے ہیں ۔

اور مدارج النبوۃ جلد دوم صـ۴۲۶ میں ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "عمر با من ست و من با عمرم و حق با عمر ست ہر جا کہ باشد" ، یعنی عمر مجھ سے ہیں اور میں عمر سے ہوں ۔ اور عمر جس جگہ بھی ہوتے ہیں حق ان کے ساتھ ہوتا ہے ۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے بخاری اور مسلم میں روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں سو رہا تھا تو خواب دیکھا کہ لوگ میرے سامنے پیش کئے جا رہے ہیں اور وہ کرتے پہنے ہوئے تھے ۔ جن میں سے کچھ لوگوں کے کرتے ایسے تھے جو صرف سینے تک تھے ۔ اور بعض لوگوں کے کرتے اس سے

نیچے تھے۔ پھر عمر بن خطاب کو پیش کیا گیا جو اتنا لمبا کرتا پہنے ہوئے تھے کہ زمین پر گھسیٹتے ہوئے چلتے تھے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! اس خواب کی تعبیر کیا ہے؟ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دین۔ (مشکوٰۃ شریف ص۵۵۷) اس حدیث شریف میں اس بات کا واضح بیان کہ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ دینداری اور تقویٰ شعاری میں بہت بڑھے ہوئے تھے۔

اور ترمذی شریف میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اِنَّ اللّٰہَ جَعَلَ الْحَقَّ عَلٰی لِسَانِ عُمَرَ وَقَلْبِہٖ۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے عمر کی زبان اور قلب پر حق کو جاری فرما دیا ہے۔ (مشکوٰۃ شریف ص۵۵۷) مطلب یہ ہے کہ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہمیشہ حق ہی بولتے ہیں۔ ان کے قلب اور زبان پر باطل کبھی جاری نہیں ہوتا۔

اور طبرانی اوسط میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مَنْ اَبْغَضَ عُمَرَ فَقَدْ اَبْغَضَنِیْ وَمَنْ اَحَبَّ عُمَرَ فَقَدْ اَحَبَّنِیْ۔ یعنی جس شخص نے عمر سے دشمنی رکھی اس نے مجھ سے دشمنی رکھی اور جس نے عمر سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی۔ اور خدائے تعالیٰ نے عرفہ والوں پر عموماً اور عمر پر خصوصاً فخر و مباہات کی ہے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ اور جتنے انبیائے کرام علیہم السلام دنیا میں مبعوث ہوئے ہر نبی کی امت میں ایک مُحَدَّث ضرور ہوا ہے۔ اور اگر کوئی محدث میری امت میں ہے تو وہ عمر ہیں۔ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! محدث کیسا ہوتا ہے؟ حضور نے فرمایا کہ جس کی زبان سے ملائکہ بات کریں وہ محدث ہوتا ہے۔ (تاریخ الخلفاء ص۸۱)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بخاری اور مسلم میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا لَقَدْ کَانَ فِیْمَا قَبْلَکُمْ مِنَ الْاُمَمِ مُحَدَّثُوْنَ فَاِنْ یَّکُ فِیْ اُمَّتِیْ اَحَدٌ فَاِنَّہٗ عُمَرُ۔ یعنی تم سے پہلے امتوں میں محدث ہوئے ہیں۔ اگر میری امت میں کوئی محدث ہے تو وہ عمر ہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (مشکوٰۃ شریف ص۵۵۷)

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس دنیا نہیں آئی اور نہ انھوں نے اس کی خواہش و تمنا فرمائی مگر حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس دنیا بہت آئی لیکن انھوں نے اسے قبول نہیں کیا بلکہ ٹھکرا دیا۔ (تاریخ الخلفاء صفحہ ۸۲) ——— بیشک حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس دنیا آئی کہ ان کے زمانۂ خلافت میں بہت ممالک فتح ہوئے اور بے شمار شہروں پر قبضہ ہوا جہاں سے بے انتہا مال غنیمت حاصل ہوا مگر آپ فقیرانہ ہی زندگی گذارتے تھے۔ آپ ہی کے زمانۂ خلافت میں شہر مدائن فتح ہوا اور وہاں سے اس قدر مال غنیمت حاصل ہوا کہ اس سے پہلے کسی شہر کے فتح ہونے پر نہیں حاصل ہوا تھا۔ شہر مدائن کے مال غنیمت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس شہر کے فتح کرنے والے لشکر کے سپاہی ساٹھ ہزار تھے۔ بیت المال کا پانچواں حصہ نکالنے کے بعد ہر سپاہی کو بارہ ہزار درہم نقد ملا تھا۔ اور یہ مال کسریٰ بادشاہ کے اس فرش کے علاوہ تھا جو سونے چاندی اور جواہرات سے بنا ہوا تھا۔ جس کو مخصوص درباروں میں کسریٰ بادشاہ کیلئے بچھایا جاتا تھا۔ یہ فرش لشکر کی اجازت سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں بھیج دیا گیا۔ اس فرش کی قیمت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس کے ایک بالشت مربع ٹکڑے کی قیمت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بیس ہزار کی رقم ملی تھی ——— تو اس طرح حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس دنیا آئی تھی مگر آپ ہمیشہ اسے ٹھکراتے رہے۔

حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تحریر فرمایا کہ لوگوں کو ان کی تنخواہیں اور اس کے ساتھ عطیات کے طور پر بھی مال تقسیم کر دو۔ انھوں نے آپ کو لکھا کہ میں نے ایسا ہی کیا ہے لیکن اس کے باوجود ابھی مال بہت زیادہ موجود ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انکو تحریر فرمایا کہ کل مال "مال غنیمت" ہے جو خدائے تعالیٰ نے مسلمانوں کو دیا ہے لہٰذا وہ سب مال انھیں پر تقسیم کر دو۔ وہ مال عمر یا اس کی اولاد کا نہیں ہے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

(تاریخ الخلفاء صفحہ ۹۵)

حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک آپ کی رائے سے قرآن کی موافقت

بہت بڑی فضیلت یہ ہے کہ قرآن مجید آپ کی رائے کے موافق نازل ہوتا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائیں موجود ہیں۔ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ اگر کسی معاملہ میں لوگوں کی رائے دوسری ہوتی اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے دوسری۔ تو قرآن مجید حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے کے موافق نازل ہوتا تھا۔ اور حضرت مجاہد سے مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کسی معاملہ میں جو کچھ مشورہ دیتے تھے قرآن شریف کی آیتیں اسی کے مطابق نازل ہوئی تھیں (تاریخ الخلفاء، ص۸۳) ـــــ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ان کے رب نے ان سے اکیس ۲۱ باتوں میں موافقت فرمائی ہے۔ ان میں سے چند باتوں کا آپ لوگوں کے سامنے ذکر کیا جاتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ حضور! آپ کی خدمت میں ہر طرح کے لوگ آتے جاتے ہیں اور حضور کی خدمت میں ازواج مطہرات بھی ہوتی ہیں۔ بہتر ہے کہ آپ ان کو پردہ کرنے کا حکم فرمائیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میری اس عرض کے بعد امہات المومنین کے پردہ کے بارے میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ۔ یعنی اور جب تم امہات المومنین سے استعمال کرنے کی کوئی چیز مانگو تو پردے کے باہر سے مانگو (پ۲۲ ع ۴۔ تاریخ الخلفاء)

ملک شام سے ایک قافلہ کے ساتھ ابو سفیان کے آنے کی خبر پاکر رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے ساتھ ان کے مقابلہ کے لئے روانہ ہوئے۔ مکہ معظمہ سے ابو جہل کفار قریش کا ایک بھاری لشکر لیکر قافلہ کی امداد کیلئے روانہ ہوا۔ ابو سفیان تو راستہ سے ہٹ کر اپنے قافلہ کے ساتھ سمندر کے ساحل کی طرف چل پڑے۔ تو ابو جہل سے اسکے ساتھیوں

نے کہا کہ قافلہ تو بچ گیا اب مکہ معظمہ واپس چلو مگر اس نے انکار کر دیا اور حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے جنگ کرنے کے ارادہ سے بدر کی طرف چل پڑا۔ حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے جنگ کرنے کے بارے میں مشورہ کیا تو بعض لوگوں نے کہا کہ ہم اس تیاری سے نہیں چلے تھے، نہ ہماری تعداد زیادہ ہے نہ ہمالے پاس کافی سامان اسلحہ ہے مگر اس وقت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بدر کی طرف نکل کر کافروں سے مقابلہ کرنے ہی کا مشورہ دیا تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی کَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَیْتِكَ بِالْحَقِّ ۔ وَاِنَّ فَرِیْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ لَكٰرِهُوْنَ (پ ۹ ع ۱۵) یعنی اے محبوب تمہیں تمہارے رب نے تمہارے گھر سے حق کے ساتھ (بدر کی طرف) برآمد کیا۔ اور بیشک مسلمانوں کا ایک گروہ اس پر ناخوش تھا۔ (تاریخ الخلفاء)

حضرت عبد الرحمن بن ابو یعلی بیان فرماتے ہیں کہ ایک یہودی حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملا اور آپ سے کہنے لگا کہ جبریل فرشتہ جس کا تذکرہ تمہارے نبی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کرتے ہیں وہ ہمارا سخت دشمن ہے۔ اس کے جواب میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓىِٕكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِیْلَ وَمِیْكٰىلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِیْنَ ۔ یعنی جو کوئی دشمن ہو اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کے رسولوں اور جبریل و میکائیل کا۔ تو اللہ دشمن ہے کافروں کا۔ تو جن الفاظ کیساتھ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہودی کو جواب دیا بالکل انہی الفاظ کے ساتھ قرآن مجید کی یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (پ ۱ ع ۱۲۔ تاریخ الخلفاء ص ۸۴) ——— آیت مبارکہ کے آخری جملہ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِیْنَ سے معلوم ہوا کہ انبیا و ملائکہ کی عداوت کفر ہے اور محبوبان حق سے دشمنی کرنا خدائے تعالیٰ سے دشمنی کرنا ہے۔

پہلی شریعتوں میں روزہ افطار کرنے کے بعد کھانا پینا اور ہمبستری کرنا عشا کی نماز تک جائز تھا۔ بعد نماز عشا یہ ساری چیزیں رات میں بھی حرام ہو جاتی تھیں۔ یہ حکم حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانۂ مبارکہ تک باقی رہا۔ یہاں تک کہ رمضان شریف کی رات

میں بعد نماز عشا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہمبستری ہوگئی جس پر وہ بہت نادم اور شرمندہ ہوئے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور واقعہ بیان کیا تو اس پر یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَاءِكُمْ۔ اس آیت کریمہ کا مطلب یہ ہے کہ روزوں کی راتوں میں اپنی عورتوں کے پاس جانا (یعنی ان سے ہمبستری کرنا) تمہارے لئے حلال ہو گیا۔ (پ۲ ع ۷)

بشر نامی ایک منافق تھا اس کا ایک یہودی سے جھگڑا تھا۔ یہودی نے کہا چلو سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے فیصلہ کرالیں۔ منافق نے خیال کیا کہ حضور حق فیصلہ کریں گے کبھی کسی کی طرفداری اور رعایت نہ فرمائیں گے جس سے اس کا مطلب حاصل نہ ہوسکے گا اسلئے اس نے مدعی ایمان ہونے کے باوجود کہا کہ ہم کعب بن اشرف یہودی کو پنچ بنائیں گے۔ یہودی جس کا معاملہ تھا وہ خوب جانتا تھا کہ کعب رشوت خور ہے اور جو رشوت خور ہوتا ہے اس سے صحیح فیصلہ کی امید رکھنا غلط ہے۔ اس لئے کعب کے ہم مذہب ہونے کے باوجود یہودی نے اس کو پنچ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تو منافق کو فیصلہ کے لئے سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے یہاں مجبوراً آنا پڑا۔ حضور نے جو حق فیصلہ کیا وہ اتفاق سے یہودی کے موافق اور منافق کے مخالف ہوا۔ منافق حضور کا فیصلہ سننے کے بعد پھر یہودی کے درپے ہوا اور اسے مجبور کرکے حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس لایا۔ یہودی نے آپ سے عرض کیا کہ میرا اور اسکا معاملہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم طے فرما چکے ہیں۔ لیکن یہ حضور کے فیصلہ کو نہیں مانتا آپ سے فیصلہ چاہتا ہے۔ آپ نے فرمایا ٹھہرو میں ابھی آکر فیصلہ کئے دیتا ہوں۔ یہ فرما کر مکان میں تشریف لے گئے اور تلوار لاکر اس منافق مدعی ایمان کو قتل کر دیا۔ اور فرمایا جو اللہ اور اس کے رسول کے فیصلہ کو نہ مانے اس کے متعلق میرا یہی فیصلہ ہے تو بیان واقعہ کے لئے یہ آیت کریمہ نازل ہوئی أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ آمَنُوا بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيدُونَ أَنْ يَتَحَاكَمُوا إِلَى الطَّاغُوتِ وَقَدْ أُمِرُوا أَنْ يَكْفُرُوا بِهِ۔ وَيُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُضِلَّهُمْ

ضَلاَلًام بَعِیۡدًا (پ۵ رکوع ۶) کیا تم نے انھیں نہ دیکھا جن کا دعویٰ ہے کہ وہ ایمان لائے اس پر جو تمہاری طرف اترا اور اس پر جو تم سے پہلے اترا۔ پھر چاہتے ہیں کہ اپنا پنچ شیطان کو بنائیں اور ان کو تو حکم یہ تھا کہ اسے ہرگز نہ مانیں۔ اور ابلیس یہ چاہتا ہے انھیں دور بہکا دے۔

(تفسیر جلالین و صاوی)

پھر کسی نے سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اطلاع دی کہ حضرت عمر نے اس مسلمان کو قتل کر دیا جو حضور کے دربار میں فیصلہ کے لئے حاضر ہوا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے عمر سے ایسی امید نہیں کہ وہ کسی مومن کے قتل پر ہاتھ اٹھانے کی جرأت کر سکے تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے پھر مندرجہ ذیل آیت مبارکہ نازل فرمائی۔ (تاریخ الخلفاء ص۸۴)

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا۔ یعنی تو اے محبوب تمہارے رب کی قسم وہ لوگ مسلمان نہ ہوں گے جب تک اپنے آپس کے جھگڑے میں تمہیں حاکم نہ تسلیم کریں۔ پھر جو کچھ تم حکم فرما دو اپنے دلوں میں اسے رکاوٹ نہ پائیں اور دل سے مان لیں۔ (پ۵ ع ۶)

ان واقعات سے خداوند قدوس کی بارگاہ میں حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عزت و عظمت کا پتہ چلتا ہے کہ ان کی باتوں کے موافق وحیِ الٰہی اور قرآن مجید کی آیتیں نازل ہوتی تھیں۔ مزید تفصیل جاننے کیلئے تاریخ الخلفاء وغیرہ کا مطالعہ کریں۔

ایک بار سب لوگ مل کر بلند آواز سے درود شریف پڑھیں۔

آپ کی خلافت

برادرانِ ملت! حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کا واقعہ علامہ واقدی کی روایت کے مطابق یوں ہے کہ جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طبیعت علالت کے سبب بہت زیادہ ناساز ہو گئی تو آپ نے حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلایا جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ اور ان سے فرمایا کہ عمر کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ انھوں نے کہا کہ

میرے خیال میں تو وہ اس سے بھی بڑھ کر ہیں جتنا کہ آپ ان کے بارے میں خیال فرماتے ہیں پھر آپ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلا کر ان سے بھی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں دریافت فرمایا۔ انھوں نے بھی یہی کہا کہ مجھ سے زیادہ آپ ان کے بارے میں جانتے ہیں۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ کچھ تو بتلاؤ۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ ان کا باطن ان کے ظاہر سے اچھا ہے اور ہم لوگوں میں ان کا مثل کوئی نہیں۔ پھر آپ نے سعید بن زید، اُسید بن حُضیر اور دیگر انصار و مہاجرین حضرات سے بھی مشورہ لیا اور ان کی رائیں معلوم کیں۔ حضرت اُسید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ خدائے تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ آپ کے بعد حضرت عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سب سے افضل ہیں۔ وہ اللہ کی رضا پر راضی رہتے ہیں۔ اور اللہ جس سے ناخوش ہوتا ہے اس سے وہ بھی ناخوش رہتے ہیں۔ ان کا باطن ان کے ظاہر سے بھی اچھا ہے۔ اور کارِ خلافت کے لئے ان سے زیادہ مستعد اور قوی شخص کوئی نظر نہیں آتا۔ پھر کچھ اور صحابۂ کرام آئے۔ ان میں سے ایک شخص نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ حضرت عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی سخت مزاجی سے آپ واقف ہیں۔ اس کے باوجود اگر آپ ان کو خلیفہ مقرر کریں گے تو خدائے تعالیٰ کے یہاں کیا جواب دیں گے؟ آپ نے فرمایا خدا کی قسم تم نے مجھ کو خوف زدہ کر دیا مگر میں بارگاہ خداوندی میں عرض کروں گا کہ یا الٰہ العالمین! میں نے تیرے بندوں میں سے بہترین شخص کو خلیفہ بنایا ہے۔ اور اے اعتراض کرنے والے یہ جو کچھ میں نے کہا ہے تم دوسرے لوگوں کو بھی پہنچا دینا۔

اس کے بعد آپ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلا کر فرمایا لکھئے ـــــ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ وصیت نامہ ہے جو ابو بکر بن قحافہ نے اپنے آخری زمانہ میں دنیا سے رخصت ہوتے وقت اور عہد آخرت کے شروع میں عالم بالا میں داخل ہوتے وقت لکھایا ہے۔ یہ وہ وقت ہے جبکہ ایک کافر بھی ایمان لے آتا ہے۔ ایک فاسق و فاجر بھی یقین کی روشنی حاصل کر لیتا ہے اور ایک جھوٹا بھی سچ بولتا ہے۔ مسلمانو! اپنے

بعد میں نے تمہارے اوپر عمر بن خطاب کو خلیفہ منتخب کیا ہے۔ ان کے احکام کو سننا اور ان کی اطاعت و فرمانبرداری کرنا۔ میں نے حتی الامکان خدا اور رسول، دین اور اپنے نفس کے بارے میں کوئی تقصیر و غلطی نہیں کی ہے۔ اور جہاں تک ہو سکا تمہارے ساتھ بھلائی کی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ (یعنی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ) عدل و انصاف سے کام لیں گے۔ اگر انھوں نے ایسا کیا تو میرے خیال کے مطابق ہوگا اور اگر انھوں نے عدل و انصاف کو چھوڑ دیا اور بدل گئے تو ہر شخص اپنے کئے کا جواب دہ ہوگا۔ اور اے مسلمانو! میں نے تمہارے لئے نیکی اور بھلائی ہی کا قصد کیا ہے وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنقَلَبٍ يَنقَلِبُونَ۔ (پ ۱۹ ع ۱۵) یعنی اور ظالم عنقریب جانیں گے کہ وہ کس کروٹ پر پلٹا کھائیں گے۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

پھر آپ نے اس وصیت نامہ کو سربمہر کرنے کا حکم فرمایا۔ جب وہ مہر بند ہو گیا تو آپ نے اسے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالے کر دیا جسے لیکر وہ گئے لوگوں نے راضی خوشی سے حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دست حق پرست پر بیعت کی۔ اس کے بعد آپ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تنہائی میں بلا کر کچھ وصیتیں فرمائیں اور جب وہ چلے گئے تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بارگاہ الٰہی میں دعا کے لئے ہاتھ اٹھایا اور عرض کیا یا الٰہ العالمین! یہ جو کچھ میں نے کیا ہے اس سے میری نیت مسلمانوں کی فلاح و بہبود ہے۔ تو اس بات سے خوب واقف ہے کہ میں نے فتنہ و فساد کو روکنے کیلئے ایسا کام کیا ہے۔ میں نے اس کے بارے میں اپنی رائے کے اجتہاد سے کام لیا ہے مسلمانوں میں جو سب سے بہتر ہے میں نے اس کو ان کا والی بنایا ہے۔ اور وہ ان میں سب سے قوی اور نیکی پر حریص ہے۔

اور یا الٰہ العالمین! میں تیرے حکم سے تیری بارگاہ میں حاضر ہو رہا ہوں۔ خداوندا! تو ہی اپنے بندوں کا مالک و مختار ہے اور ان کی باگ ڈور تیرے ہی دست قدرت میں ہے۔ یا الٰہ العالمین! ان لوگوں میں درستگی اور صلاحیت پیدا کرنا۔ اور عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کو خلفاء راشدین میں سے کرنا اور ان کے ساتھ ان کی رعیت کو اچھی زندگی بسر کرنے کی توفیق رفیق عطا فرما۔

ایک اعتراض اور اس کا جواب

رافضی لوگ کہتے ہیں کہ (حضرت) ابو بکر نے جو اپنی زندگی میں خلیفہ منتخب کیا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مخالفت کی اس لئے کہ حضور نے اپنی ظاہری زندگی میں کسی کو خلیفہ نہیں بنایا حالانکہ وہ اچھائی اور برائی کو خوب جانتے تھے اور اپنی امت پر پوری پوری شفقت و رافت رکھتے تھے مگر اس کے باوجود آپ نے امت پر کسی کو خلیفہ نامزد نہیں کیا اور (حضرت) ابو بکر نے (حضرت) عمر کو اپنی زندگی میں خلیفہ نامزد کر دیا جو حضور کی کھلی ہوئی مخالفت ہے۔

اس اعتراض کے تین جواب حضرت شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرمائے ہیں اور وہ یہ ہیں۔ پہلا جواب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اپنی ظاہری زندگی میں امت پر خلیفہ نہ بنانا کھلا ہوا جھوٹ اور بہتان ہے اس لئے کہ رافضی سب کے سب اس بات کے قائل ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلیفہ بنایا تھا۔ لہٰذا اگر حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی سنت نبوی کی پیروی میں خلیفہ منتخب کر دیا تو اس میں مخالفت کہاں سے لازم آگئی۔ اور اگر جواب کی بنیاد مذہب اہلسنت پر رکھیں تو اہلسنت کے محققین اس بات کے قائل ہیں کہ سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نماز اور حج میں اپنا نائب و خلیفہ بنایا ہے۔ اور صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے رمز شناس، آپ کے کاموں کی باریکیوں سے آگاہ اور آپ کے اشاروں کو اچھی طرح سمجھتے تھے ان کے لئے اتنا ہی اشارہ کافی تھا۔ اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صرف اس نقطۂ نظر سے خلافت نامہ لکھوایا کہ عرب و عجم کے نومسلم بغیر تصریح و تنصیص کے اس سے واقف نہ ہو سکیں گے۔

اور دوسرا جواب یہ ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس وجہ سے خلیفہ

نہیں مقرر فرمایا کہ آپ وحی الٰہی سے پورے یقین کے ساتھ جانتے تھے کہ آپ کے بعد حضرت ابو بکر ہی خلیفہ ہوں گے صحابہ انہی پر اتفاق کریں گے اور کوئی دوسرا اس میں دخل اندازی نہیں کر سکے گا۔ چنانچہ احادیث کریمہ جو اہلسنت کی صحیح کتابوں میں موجود ہیں اس بات پر واضح طریقے سے دلالت کرتی ہیں مثلاً حضور نے فرمایا یَاْبَی اللّٰہُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلَّا اَبَابَکْرٍ یعنی اللہ اور مسلمان ابو بکر کے سوا کسی کو قبول نہ کریں گے۔ اور حدیث شریف میں ہے فَاِنَّہٗ الْخَلِیْفَۃُ مِنْ بَعْدِیْ۔ یعنی میرے بعد ابو بکر خلیفہ ہوں گے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ اور جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یقین کامل تھا کہ خلیفہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی ہوں گے تو خلافت نامہ لکھنے کی کوئی حاجت نہ تھی۔ چنانچہ مسلم شریف میں ہے کہ مرض وفات میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے صاحبزادے کو بلایا تاکہ خلافت نامہ لکھیں۔ پھر فرمایا کہ خدائے تعالیٰ اور مسلمان ابو بکر کے علاوہ کسی اور کو خلیفہ نہیں بنائیں گے۔ لکھنے کی حاجت کیا ہے؟ تو آپ نے ارادہ ترک فرما دیا۔ بخلاف حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کہ آپ کے پاس وحی نہیں آتی تھی اور نہ آپ کو اس بات کا قطعی علم تھا کہ میرے بعد لوگ بلاشبہ عمر بن خطاب کو خلیفہ بنائیں گے۔ اور اپنی عقل سے اسلام اور مسلمانوں کے لئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کو اچھا سمجھتے تھے اس لئے ان پر ضروری تھا کہ جس چیز میں امت کی بھلائی دیکھیں اس پر عمل کریں۔ بحمد اللہ تعالیٰ آپ کی عقل نے صحیح کام کیا کہ اسلام کی شوکت، انتظام امور سلطنت اور کافروں کی ذلت جس قدر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھوں ہوئی تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے عاجز ہے۔

اور تیسرا جواب یہ ہے کہ خلیفہ نہ بنانا اور چیز ہے اور خلیفہ بنانے سے منع کرنا اور چیز ہے۔ مخالفت جب لازم آتی کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خلیفہ بنانے سے روکے ہوتے اور حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ بنا دیتے۔ اور اگر خلیفہ بنانا حضور کی مخالفت کرنا ہے تو لازم آئے گا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت امام حسن کو خلیفہ بنا کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مخالفت کی۔ العیاذ باللہ تعالیٰ (تحفۂ اثنا عشریہ)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے بعد خلیفہ بنا کر نہایت عقلمندی اور دانشمندی سے کام لیا۔ اس لئے کہ وہ جانتے تھے اسلام اپنی خوبیوں کی بنا پر روز بروز پھیلتا ہی جائے گا۔ بڑی بڑی سلطنتیں زیرنگیں ہوں گی اور بڑے بڑے ممالک فتح ہوں گے جہاں سے بہت مال غنیمت آئے گا، لوگ خوشحال و مالدار ہو جائیں گے اور مالداری کے بعد اکثر دنیاداری آجاتی ہے دینداری کم ہو جاتی ہے۔ اس لئے اب میرے بعد عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) جیسے شخص کو خلیفہ ہونا ضروری ہے جو دین کے معاملہ میں بہت سخت ہیں اور شریعت کے معاملہ میں کسی کی پروا نہیں کرتے ہیں۔

حضرت سفیان ثوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے یہ خیال کیا کہ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے زیادہ خلافت کے مستحق اور حقدار حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے تو اس نے حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو خطاکار ٹھہرانے کے ساتھ تمام انصار و مہاجرین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو بھی خطاکار ٹھہرایا۔ اَلعیاذ باللہ تعالیٰ۔ (تاریخ الخلفاء ص۸۳)

کرامات حضرت عُمر رَضِی اللہُ تعالیٰ عنہ

برادرانِ اسلام! حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بہت سی کرامتیں بھی ظاہر ہوئی ہیں۔ جن میں سے چند کرامتوں کا ذکر آپ کے سامنے کیا جاتا ہے —— علامہ ابونعیم نے دلائل میں حضرت عمر بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ جمعہ کا خطبہ فرما رہے تھے کہ ایک آپ نے درمیان میں خطبہ چھوڑ کر تین بار یہ فرمایا یَا سَارِیَۃُ الْجَبَل۔ یَا سَارِیَۃُ الْجَبَل۔ یَا سَارِیَۃُ الْجَبَل۔ یعنی اے ساریہ! پہاڑ کی طرف جاؤ۔ اے ساریہ پہاڑ کی طرف جاؤ۔ اے ساریہ پہاڑ کی طرف جاؤ۔ اس طرح حضرت ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پکار کر پہاڑ کی طرف جانے کا حکم دیا اور اس کے بعد پھر خطبہ شروع فرما دیا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بعد نماز حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت

کیا کہ آپ تو خطبہ فرما رہے تھے پھر یکایک بلند آواز سے کہنے لگے یَا سَارِیَۃُ الْجَبَل۔ تو یہ کیا معاملہ تھا؟ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا قسم ہے خدائے ذوالجلال کی میں ایسا کہنے پر مجبور ہو گیا تھا۔ اَیْتُہُمْ یُقَاتِلُوْنَ عِنْدَ جَبَلٍ یُؤْتَوْنَ مِنْ م بَیْنِ اَیْدِیْھِمْ وَمِنْ خَلْفِھِمْ فَلَمْ اَمْلِکْ اَنْ قُلْتُ یَا سَارِیَۃُ الْجَبَل۔ یعنی میں نے مسلمانوں کو دیکھا کہ وہ پہاڑ کے پاس لڑ رہے ہیں اور کفار ان کو آگے اور پیچھے سے گھیرے ہوئے ہیں۔ یہ دیکھ کر مجھ سے ضبط نہ ہو سکا اور میں نے کہہ دیا اے ساریہ! پہاڑ کی طرف جاؤ۔

اس واقعہ کے کچھ روز بعد حضرت ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قاصد ایک خط لیکر آیا جس میں لکھا تھا کہ ہم لوگ جمعہ کے دن کفار سے لڑ رہے تھے اور قریب تھا کہ ہم شکست کھا جاتے کہ عین جمعہ کی نماز کے وقت ہم نے کسی کی آواز سنی یَا سَارِیَۃُ الْجَبَل۔ اے ساریہ! پہاڑ کی طرف ہٹ جاؤ۔ اس آواز کو سن کر ہم پہاڑ کی طرف چلے گئے۔ تو خدائے تعالیٰ نے کافروں کو شکست دی ہم نے انھیں قتل کر ڈالا۔ اس طرح ہم کو فتح حاصل ہو گئی۔ (تاریخ الخلفاء ص۸۶)

حضرت ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہاوند میں لڑائی کر رہے تھے جو ایران میں صوبہ آذربائیجان کے پہاڑی شہروں میں سے ہے اور مدینہ طیبہ سے اتنی دور ہے کہ اُس زمانہ میں وہاں سے چل کر ایک ماہ کے اندر نہاوند نہیں پہنچ سکتے تھے۔ جیسا کہ حاشیہ اشعۃ اللمعات جلد چہارم ص۶۱۰ میں ہے کہ "نہاوند در (ایران) صوبہ آذربائیجان از بلاد جبال ست کہ از مدینہ بیک ماہ آنجا نتوان رسید" —— تو جب نہاوند مدینہ طیبہ سے اتنی دور ہے کہ اس زمانہ میں آدمی وہاں سے چل کر ایک ماہ میں نہاوند نہیں پہنچ سکتا تھا مگر حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسجد نبوی میں خطبہ فرماتے ہوئے حضرت ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نہاوند میں لڑتے ہوئے ملاحظہ فرمایا اور آپ نے یہ بھی دیکھا کہ دشمن مسلمانوں کو آگے پیچھے سے گھیرے ہوئے ہیں اور پہاڑ قریب میں ہے۔ پھر آپ نے انھیں آواز دے کر پہاڑ کی طرف جانے کا حکم فرمایا اور بغیر کسی مشین کی مدد کے اپنی آواز کو وہاں تک پہنچا دیا۔ یہ حضرت عمر

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کھلی ہوئی کرامت ہے۔

ہر کہ عشق مصطفےٰ سامانِ اوست

بحر و بر در گوشۂ دامانِ اوست

حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس کرامت کو امام بیہقی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی روایت کی ہے جو حدیث کی مشہور و معتمد کتاب مشکوٰۃ شریف کے ص۵۴۶ پر بھی لکھی ہوئی ہے ــــــــ ایک مرتبہ سب لوگ مل کر بلند آواز سے درود شریف پڑھیں۔ صلی اللہ علی النبی الامی الخ

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک شخص سے پوچھا کہ تمہارا نام کیا ہے؟ اس نے کہا جمرہ یعنی چنگاری۔ پھر آپ نے اس کے باپ کا نام دریافت فرمایا تو اس نے کہا شہاب یعنی شعلہ۔ پھر آپ نے اس سے پوچھا تمہارے قبیلہ کا نام کیا ہے؟ اس نے کہا حرقہ یعنی آگ۔ اور جب آپ نے اس کے رہنے کی جگہ دریافت کی تو اس نے حرہ بتایا یعنی گرمی۔ آپ نے پوچھا کہ حرہ کہاں ہے؟ اس نے کہا ذات لظی (شعلہ والی) جگہ میں ان سارے جوابات کو سننے کے بعد حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اَدْرِكْ اَهْلَكَ فَقَدِ احْتَرَقُوْا یعنی اپنے اہل و عیال کی خبر لو کہ وہ سب جل کر مر گئے۔ جب وہ شخص اپنے گھر واپس ہوا تو دیکھا واقعی اس کے گھر کو آگ لگ گئی تھی اور سب لوگ جل کر مر گئے تھے (تاریخ الخلفاء ص۸۶)

حضرت ابو الشیخ کتاب العصمت میں حضرت قیس بن حجاج رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانۂ خلافت میں مصر کو فتح کیا تو اہل مصر ایک مقررہ دن پر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئے اور کہا یَا اَیُّهَا الْاَمِیْرُ اِنَّ لِنِیْلِنَا هٰذَا سُنَّةً لَا یَجْرِیْ اِلَّا بِهَا یعنی اے حاکم! ہمارے اس دریائے نیل کے لئے ایک پرانا طریقہ چلا آرہا ہے کہ جس کے بغیر وہ جاری نہیں رہتا ہے بلکہ خشک ہو جاتا ہے اور ہماری کھیتی کا دارومدار

اسی دریائے نیل کے پانی ہی پر ہے۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان لوگوں سے دریافت فرمایا کہ دریائے نیل کے جاری رہنے کا وہ پرانا طریقہ کیا ہے؟ ان لوگوں نے کہا کہ جب اس مہینہ کے چاند کی گیارہویں تاریخ آتی ہے تو ہم لوگ ایک کنواری جوان لڑکی کو منتخب کر کے اس کے ماں باپ کو راضی کرتے ہیں پھر اسے بہترین قسم کے زیورات اور کپڑے پہناتے ہیں اس کے بعد لڑکی کو دریائے نیل میں ڈال دیتے ہیں۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اِنَّ ھٰذَا لَا یَکُوْنُ اَبَدًا فِی الْاِسْلَامِ یعنی اسلام میں ایسا کبھی نہیں ہو سکتا ہے۔ یہ تمام باتیں لغو اور بے سرو پا ہیں۔ اسلام اس قسم کی تمام باطل باتوں کو مٹانے آیا ہے وہ لڑکی کو دریائے نیل میں ڈالنے کی اجازت ہرگز نہیں دے سکتا۔ آپ کے اس جواب کے بعد وہ لوگ واپس چلے گئے۔ کچھ دنوں کے بعد واقعی دریائے نیل بالکل خشک ہو گیا یہاں تک کہ بہت سے لوگ وطن چھوڑنے پر آمادہ ہو گئے۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ معاملہ دیکھا تو ایک خط لکھ کر حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سارے حالات سے مطلع کیا۔ آپ نے خط پڑھنے کے بعد حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تحریر فرمایا کہ تم نے مصریوں کو بہت عمدہ جواب دیا۔ بیشک اسلام اس قسم کی تمام لغو اور بیہودہ باتوں کو مٹانے کے لئے آیا ہے۔ میں اس خط کے ہمراہ ایک رقعہ روانہ کر رہا ہوں تم اس کو دریائے نیل میں ڈال دینا۔

جب وہ رقعہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پہنچا تو آپ نے اسے کھول کر پڑھا اس میں لکھا ہوا تھا کہ:۔

مِنْ عَبْدِ اللّٰہِ عُمَرَ اَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِلٰی نِیْلِ مِصْرَ۔ اَمَّا بَعْدُ فَاِنْ کُنْتَ تَجْرِیْ مِنْ قِبَلِكَ فَلَا تَجْرِ وَاِنْ کَانَ اللّٰہُ یُجْرِیْكَ فَاَسْئَلُ اللّٰہَ الْوَاحِدَ الْقَھَّارَ اَنْ یُّجْرِیَكَ۔ یعنی اللہ کے بندے عمر امیر المومنین کی طرف سے مصر کے دریائے نیل کو معلوم ہو کہ اگر تو بذات خود جاری ہوتا ہے تو مت جاری ہو۔ اور اگر خدائے عزوجل تجھ کو جاری فرماتا ہے تو میں اللہ واحد قہار سے دعا کرتا ہوں کہ وہ تجھے

جاری فرما دے۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس رُقعہ کو رات کے وقت دریائے نیل میں ڈال دیا۔ مصر والے جب صبح کو نیند سے بیدار ہوئے تو دیکھا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس کو اس طرح جاری فرما دیا ہے کہ ۱۶ ہاتھ پانی اوپر چڑھا ہوا ہے۔ پھر دریائے نیل اس طرح کبھی نہیں سوکھا۔ اور مصر والوں کی یہ جاہلانہ رسم ہمیشہ کے لئے ختم ہو گئی۔ (تاریخ الخلفاء ص۸۶)

یہ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بہت بڑی کرامت ہے کہ آپ نے دریائے نیل کے نام خط لکھا اور خدائے عز و جل سے دعا کی۔ تو وہ دریائے نیل جو ہر سال ایک کنواری لڑکی کی جان لئے بغیر جاری نہیں ہوتا تھا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خط سے ہمیشہ کے لئے جاری ہو گیا۔ معلوم ہوا کہ آپ بحر و بر دونوں پر حکومت فرماتے تھے۔ ایک شاعر نے بہت خوب کہا ہے۔

یاد او گر مونس جانت بود

ہر دو عالم زیر فرمانت بود

خلافت فاروقی کا زمانہ تھا ایک عجمی شخص مدینہ طیبہ آیا جو حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تلاش کر رہا تھا۔ کسی نے بتایا کہ کہیں آبادی کے باہر سو رہے ہوں گے۔ وہ شخص آبادی کے باہر نکل کر آپ کو تلاش کرنے لگا یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس حالت میں پایا کہ وہ زمین پر سر کے نیچے زرہ رکھے ہوئے سو رہے تھے۔ اس نے دل میں سوچا ساری دنیا میں اس شخص کی وجہ سے فتنہ برپا ہے۔ اس لئے کہ اس وقت ایران اور دوسرے ملکوں میں اسلامی فوجوں نے تہلکہ مچا رکھا تھا۔ لہٰذا اس کو قتل کر دینا ہی مناسب ہے اور آسان بھی ہے اس لئے کہ آبادی کے باہر سوتے ہوئے شخص کو مار ڈالنا کوئی مشکل بات نہیں۔ یہ سوچ کر اس نے نیام سے تلوار نکالی اور آپ کی ذات بابرکات پر وار کرنا ہی چاہتا تھا کہ اچانک غیب سے دو شیر نمودار ہوئے اور اس عجمی کی طرف بڑھے۔ اس منظر کو دیکھ کر وہ چیخ پڑا۔ اس کی آواز سے حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ جاگ اٹھے۔ آپ کے بیدار ہونے پر اس نے اپنا سارا

واقعہ بیان کیا اور پھر مسلمان ہوگیا۔ (سیرت خلفائے راشدین)

یہ بھی آپ کی ایک کرامت ہے کہ شیر جو انسان کے جان لیوا ہیں وہ آپ کی حفاظت کیلئے نمودار ہوگئے اور کیوں نہ ہو کہ مَنْ كَانَ لِلّٰهِ كَانَ اللّٰهُ لَهٗ یعنی جو اللہ تعالیٰ کا ہوجاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کا ہوجاتا ہے اور ہر طرح اس کی حفاظت فرماتا ہے۔

مقام رفیع

حضرت علامہ امام رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سورۂ کہف کی آیت کریمہ اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ الخ کی تفسیر میں بخاری شریف کی حدیث اِذَا اَحْبَبْتُهٗ كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِهٖ وَبَصَرَهُ الَّذِیْ یُبْصِرُ بِهٖ وَیَدَهُ الَّتِیْ یَبْطِشُ بِهَا وَرِجْلَهُ الَّتِیْ یَمْشِیْ بِهَا (۱) نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں اَلْعَبْدُ اِذَا وَاظَبَ عَلَى الطَّاعَاتِ بَلَغَ الْمَقَامَ الَّذِیْ یَقُوْلُ اللّٰهُ كُنْتُ لَهٗ سَمْعًا وَّبَصَرًا فَاِذَا صَارَ نُوْرُ جَلَالِ اللّٰهِ سَمْعًا لَهٗ سَمِعَ الْقَرِیْبَ وَالْبَعِیْدَ وَاِذَا صَارَ ذٰلِكَ النُّوْرُ بَصَرًا لَهٗ رَاٰی الْقَرِیْبَ وَالْبَعِیْدَ وَاِذَا صَارَ ذٰلِكَ النُّوْرُ یَدًا لَهٗ قَدَرَ عَلَى التَّصَرُّفِ فِی السَّهْلِ وَالصَّعْبِ وَالْقَرِیْبِ وَالْبَعِیْدِ ـــ یعنی جب کوئی بندہ نیکیوں پر ہمیشگی اختیار کرتا ہے تو اس مقام رفیع تک پہنچ جاتا ہے کہ جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے كُنْتُ لَهٗ سَمْعًا وَّبَصَرًا فرمایا ہے۔ تو جب اللہ کے جلال کا نور اس کی سمع ہوجاتا ہے تو وہ دور و نزدیک کی آواز کو سن لیتا ہے۔ اور جب یہی نور اس کی بصر ہوجاتا ہے تو وہ دور و نزدیک کی چیزوں کو دیکھ لیتا ہے اور جب یہی نور جلال اس کا ہاتھ ہوجاتا ہے تو وہ بندہ آسان و مشکل اور دور و نزدیک کی چیزوں میں تصرف کرنے پر قادر ہوجاتا ہے (۲)

---

(۱) مشکوٰۃ شریف ص۱۹۷ (۲) تفسیر کبیر ص۴۸۰ ج ۵

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور غسانی بادشاہ جبلہ بن الایہم

اوس و خزرج کے بعض قبیلوں نے ملک شام میں ایک چشمہ پر جس کا نام غسان تھا ڈیرہ ڈالا اور اس علاقہ کے کچھ شہروں پر قبضہ کر لینے کے بعد ایک عظیم الشان سلطنت قائم کر دی اور ملوک غسانیہ کے معزز نام سے مشہور ہو گئے۔ ملوک غسان میں سب سے پہلا بادشاہ جفنہ ہوا ہے اور سب سے آخری بادشاہ جبلہ بن الایہم۔ وہ پہلے بت پرست تھے۔ پھر رومی بادشاہوں کے ساتھ تعلق کی وجہ سے اپنا قدیم مذہب چھوڑ کر عیسائی ہو گئے تھے۔ قریش مکہ کے بعد سب سے زیادہ جن کو اسلام کی قوت توڑ دینے اور اس کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینے کی فکر تھی وہ ملوک غسان تھے۔ عرب کے دوسرے قبیلے اگرچہ مقابلہ کے لئے آمادہ ہوئے تھے لیکن ان کے پاس باقاعدہ لشکر نہ تھا اور نہ کسی قسم کا اہم ساز و سامان تھا مگر غسانیوں کی سلطنت نہایت باقاعدہ اور منظم تھی ان کا لشکر بھی آراستہ تھا اور سب سے زیادہ یہ کہ ایک زبردست بادشاہ قیصر روم سے ان کے تعلقات تھے جو ہر وقت ان کی امداد پر آمادہ اور مستعد تھا۔

ملک غسان مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے لئے سوچ ہی رہا تھا کہ اسی درمیان میں سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قاصد حضرت شجاع بن وہب الاسعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے نام حضور کا خط لیکر ایسے وقت پہنچے جب کہ قیصر روم کسریٰ کے مقابلہ سے

فارغ ہوکر شکرانہ ادا کرنے کے لئے بیت المقدس آیا ہوا تھا اور غسان کا بادشاہ اسکی دعوت کے انتظام میں مشغول تھا۔ اسی سبب سے کئی روز تک حضور کے قاصد حضرت شجاع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو وہاں ٹھہرنا پڑا اور کئی روز تک رسائی نہ ہوسکی۔ آخر کسی طرح ایک روز حضور کے قاصد ملک غسان کے سامنے پیش ہوئے۔ اور انھوں نے جو نامۂ مبارک اس کو دیا اس کا مضمون یہ تھا۔ اِنِّیْ اَدْعُوْکَ اِلٰی اَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰہِ وَحْدَہٗ یَبْقٰی لَکَ مُلْکُکَ یعنی میں تم کو صرف ایک خدا پر ایمان لانے کی طرف بلاتا ہوں۔ اگر تم ایمان لے آئے تو تمہارا ملک تمہارے لئے باقی رہے گا۔

شاہ غسان سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خط پڑھ کر بھڑک اٹھا اور غصہ سے کہا کہ میرا ملک کون چھین سکتا ہے؟ میں خود مدینہ پر حملہ کروں گا اور اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دوں گا۔ اور قاصد سے کہا کہ جاکر یہی بات محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) سے کہدینا۔

حضرت شجاع رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مدینہ طیبہ پہنچ کر جب میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے غسان کے بادشاہ کی پوری کیفیت بیان کی تو حضور نے ارشاد فرمایا بَادَ مُلْکُہٗ یعنی اس کا ملک تباہ و برباد ہوگیا۔

سیرۃ حلبیہ میں ہے کہ حضور کا نامۂ مبارک حارث غسانی کے نام تھا۔ اور ابن ہشام وغیرہ دوسرے مؤرخین نے لکھا ہے کہ حضرت شجاع رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور کا نامۂ مبارک جبلہ بن الایہم کے یہاں لیکر گئے تھے۔

الغرض حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نامۂ مبارک بھیجنے کا یہ اثر ہوا کہ جو آگ اندر ہی اندر سلگ رہی تھی وہ بھڑک اٹھی اور ملک غسان اپنی پوری قوت کے ساتھ آمادۂ جنگ ہوا یہانتک کہ غسانیوں ہی کی عداوت کے نتیجہ میں موتہ کا سخت ترین معرکہ ہوا جس میں مسلمانوں کو بہت بڑا نقصان اٹھانا پڑا کہ بہت سے سپاہی اور کئی ایک چیدہ و برگزیدہ سالار اس جنگ میں شہید ہوگئے۔

مدینہ طیبہ پر غسانی بادشاہ کے حملہ کی خبر جب قاصد کے ذریعہ پہنچی تو مسلمان بہت تشویش

اور فکر میں ہوئے کہ اگرچہ اللہ کے محبوب دانائے خفایا و غیوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق ملک غسان خائب و خاسر ہوگا اور اس کا ملک تباہ و برباد ہوگا لیکن مدینہ شریف پر اس کے حملہ سے نہ معلوم کتنی جانیں ضائع ہوں گی، کتنی عورتیں بیوہ ہو جائیں گی اور نہ معلوم کتنے بچے یتیم ہو جائیں گے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اس کے حملہ سے مدینہ طیبہ کو محفوظ رکھا ـــــــ غسانی بادشاہ جس کے مدینہ شریف پر حملہ کرنے کی خبر گرم تھی وہ حارث تھا یا جبلہ بن الایہم؟ اس میں اختلاف ہے۔ طبرانی میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے جو روایت ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ غسانی بادشاہ جبلہ بن الایہم تھا

الغرض جبلہ بن الایہم نے مسلمانوں سے دشمنی ظاہر کرنے میں کوئی کمی نہیں رکھی مگر اسکے باوجود وہ اسلام کی خوبیوں سے واقف تھا۔ اس کے کانوں تک اسلام کی اچھائیاں پہنچتی رہتی تھیں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سچائی کی دلیلوں اور نشانیوں کا بھی اسے علم ہوتا رہتا تھا۔ انصار حضرات کا مسلمان ہو کر سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے یہاں ٹھہرانا اور ان کی حفاظت و حمایت کے لئے جان و مال کو قربان کر دینا بھی آہستہ آہستہ اس کے اندر اسلام کی محبت پیدا کر رہا تھا اس لئے کہ انصار اور جبلہ دونوں ایک ہی قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے ــــــ بالآخر اسلام کی محبت اس کے دل میں بڑھتی گئی یہانتک کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں وہ محبت اس قدر بڑھ گئی کہ اس نے خود حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لکھا کہ میں اسلام میں داخل ہونے کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتا ہوں۔ آپ نے نہایت خوشی سے تحریر فرمایا کہ تم بلا کھٹک چلے آؤ لَکَ مَا لَنَا وَعَلَیْکَ مَا عَلَیْنَا۔ یعنی ہر حال میں تم ہماری طرح ہو جاؤ گے۔

جبلہ بادشاہ اپنے قبیلہ عک اور غسان کے پانچ سو آدمیوں کو ہمراہ لیکر روانہ ہوا۔ جب مدینہ منورہ صرف دو منزل رہ گیا تو اس نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں اطلاع بھیجی کہ میں حاضر ہو رہا ہوں۔ اور اپنے لشکر کے دو سو سواروں کو حکم دیا کہ

زربفت و حریر کی سرخ و زرد وردیاں پہنیں اور گھوڑوں پر دیباج کی جھولیں ڈال کر ان کے گلے میں سونے کے طوق پہنائیں۔ اور اپنا تاج سر پر رکھا پھر پوری شان دکھلانے کیلئے اپنے خاندان کی بہترین اور مایۂ ناز شئے ماریہ کا تاج میں لگائیں۔ ماریہ تمام غسانی بادشاہوں کی دادی تھی۔ اس کے پاس دو بالیاں تھیں جن میں دو موتی کبوتر کے انڈے کے برابر لگے ہوئے تھے۔ یہ بالیاں اپنی خوبصورتی اور بیش قیمت موتیوں کی وجہ سے بے مثل سمجھی جاتی تھیں۔ کہا جاتا ہے کہ پوری دنیا کے بادشاہوں کے خزانوں میں ایسے موتی اور ایسی بالیاں نہیں تھیں۔ ملوک غسان کو ان پر فخر تھا۔ اور وہ ان بیش قیمت اور نادر ہونے کے علاوہ اپنی صاحب اقبال دادی کی یادگار سمجھ کر ان بالیوں کا نہایت احترام کرتے تھے۔ اور اسی وجہ سے جبلہ نے یہ دکھلانے کو کہ اپنی اس شاہانہ حیثیت اور حالت آزادی و خود مختاری کو چھوڑ کر دین اسلام میں داخل ہو کر امیر المؤمنین کی پیروی کو گوارا کرتا ہوں۔ ان بیش قیمت بالیوں کو بھی اپنے تاج میں لگالیا تھا۔ اس طرح بڑی شان و شوکت کے ساتھ مدینہ طیبہ میں داخل ہونے کو تیار ہوا۔

حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسلمانوں کو جبلہ کے استقبال کرنے اور تعظیم و تکریم کے ساتھ اتارنے کا حکم دیا۔ مدینہ منورہ میں خوشی اور مسرت کا جوش پھیلا ہوا تھا۔ بچے اور بوڑھے سبھی اس جلوس کے نظارہ کو دیکھنے کے لئے اپنے اپنے گھروں سے نکل پڑے مسلمانوں کے لئے حقیقت میں اس سے بڑھکر خوشی کی اور کون سی بات ہو سکتی تھی کہ مذہب اسلام جس کے پھیلانے کی خدمت ان کے سپرد ہوئی تھی اس کے اندر اس طرح راضی اور خوشی سے بڑے بڑے بادشاہ داخل ہوں۔ مگر اس وقت یہ خوشی اس وجہ سے اور دوبالا ہو رہی تھی کہ وہی غسان کا بادشاہ جس کے حملہ کا چرچا مدینہ طیبہ میں گھر گھر تھا اور جس کے ڈر سے سب سہم رہے تھے۔ آج وہی بادشاہ اس طرح سر تسلیم خم کئے ہوئے مدینہ منورہ میں داخل ہو رہا ہے۔ یہ خدائے تعالیٰ کی قدرت اور اسلام کی ایک کرامت تھی اور اسی وجہ سے سب چھوٹے بڑے اس جلوس کو دیکھنے کے لئے نکل کھڑے ہوئے۔

الغرض بڑی شان و شوکت اور نہایت تعظیم و تکریم سے استقبالیہ جماعت کے جھرمٹ میں

شاہانہ جلوس کے ساتھ جبلہ مدینہ طیبہ میں داخل ہوا۔ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مہمان داری کے مراسم میں کوئی کسر نہ رکھی اور مدینہ طیبہ میں ان نئے مہمانوں کی آمد سے خوب چہل پہل رہی ــــــ اتفاق سے زمانۂ حج قریب تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہر سال حج کیلئے مکہ معظمہ حاضر ہوا کرتے تھے۔ اس سال جب وہ حج کیلئے نکلے تو جبلہ بھی ساتھ میں روانہ ہوا۔ وہاں بدقسمتی سے یہ بات پیش آگئی کہ طواف کی حالت میں جبلہ کی لنگی پر جو بوجہ شان بادشاہی زمین پر گھسٹتی ہوئی جارہی تھی قبیلہ فزارہ کے ایک شخص کا پیر پڑ گیا جس کے سبب لنگی کھل گئی۔ جبلہ کو غصہ آیا اور اس نے اتنی زور سے منہ پر گھونسا مارا کہ اس کی ناک ٹیڑھی ہوگئی۔

یہ مقدمہ خلافت کی عدالت میں پہنچا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بغیر کسی رعایت کے حق فیصلہ کرتے ہوئے جبلہ سے فرمایا کہ یا تو تم کسی طرح مدعی کو راضی کرلو ورنہ بدلہ دینے کیلئے تیار ہوجاؤ۔ جبلہ جو اپنے کو بڑی شان والا سمجھتا تھا یہ خلاف امید فیصلہ اسے سخت ناگوار گذرا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خوب جانتے تھے کہ جبلہ کو یہ فیصلہ ناگوار گذرے گا مگر آپ نے اسکی کوئی پروانہ کی اور بادشاہ کا لحاظ کئے بغیر حق فیصلہ سنا دیا۔ اس نے کہا ایک معمولی آدمی کے عوض مجھ سے بدلہ لیا جائے گا۔ میں بادشاہ ہوں اور وہ ایک عام آدمی ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ بادشاہ اور رعیت کو اسلام نے اپنے احکام میں برابر کردیا ہے۔ کسی کو کسی پر فضیلت ہے تو تقویٰ اور پرہیزگاری کے سبب اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ (پ ۲۶ ع ۱۴)

جبلہ نے کہا کہ میں تو یہ سمجھ کر دائرۂ اسلام میں داخل ہوا تھا کہ میں پہلے سے زیادہ معزز اور محترم ہوکر رہوں گا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اسلامی قانون کا فیصلہ یہی ہے جسکی پابندی ہم پر اور تم پر لازم ہے۔ اس کے خلاف کچھ ہرگز نہیں ہوسکتا۔ تم کو اپنی عزت قائم رکھنی ہے تو اس کو کسی طرح راضی کرلو ورنہ عام مجمع میں بدلہ دینے کو تیار ہوجاؤ۔ جبلہ نے کہا تو میں پھر عیسائی ہوجاؤں گا۔ آپ نے فرمایا تو اب اس صورت میں تیرا قتل ضروری ہوگا۔ اسلئے کہ جو مرتد ہوجاتا ہے اسلام میں اس کی سزا یہی ہے۔ جبلہ نے کہا کہ اپنے معاملہ میں غور و فکر کرنے کے لئے آپ مجھے ایک رات کی مہلت دیں۔ حضرت نے اس کی یہ درخواست منظور

زمانی اور اسے ایک رات کی مہلت دیدی۔ تو جبلہ اسی رات کو اپنے لشکر کے ساتھ پوشیدہ طور پر مکہ معظمہ سے بھاگ گیا اور قسطنطنیہ پہنچ کر نصرانی بن گیا۔ العیاذ باللہ تعالیٰ

یہ ہے حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بے مثال عدالت کہ آپ نے ایک معمولی آدمی کے مقابلہ میں ایسی شان و شوکت والے بادشاہ کی کوئی پروانہ کی۔ اسے مدعی کے راضی کرنے یا بدلہ دینے پر مجبور کیا اور اس بات کا خیال بالکل نہ فرمایا کہ ایسے جلیل القدر بادشاہ پر اس فیصلہ کا ردعمل کیا ہوگا۔ لہٰذا ماننا پڑے گا کہ خلفائے راشدین نے اپنی اسی قسم کی خوبیوں سے اسلام کی جڑوں کو مضبوط فرمایا اور اسے خوب روشن و تابناک بنایا۔ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین

انتباہ

بعض لوگ آپ کے عدل و انصاف کی تعریف کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ آپ کے صاحبزادے ابو شحمہ نے شراب پی اور پھر اسی نشہ کی حالت میں زنا کیا۔ ان باتوں پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو کوڑے لگوائے یہاں تک کہ اسی تکلیف سے بیمار ہو کر انکا انتقال ہوگیا۔ تو حضرت ابو شحمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جانب زنا اور شراب نوشی کی نسبت غلط ہے مشہور و معتمد کتاب مجمع البحار میں ہے کہ زنا کی نسبت صحیح نہیں البتہ انھوں نے نبیذ پی تھی۔ اور نبیذ اس پانی کو کہتے ہیں کہ جس میں کھجور بھگائی گئی ہو اور اس کی مٹھاس پانی میں اتر آئی ہو عمدۃ الرعایہ حاشیہ شرح وقایہ جلد اول مجیدی ص۵۳ میں ہے ھو الماء الذی تنبذ فیہ تمرات فتخرج حلاوتھا اور نبیذ دو طرح کی ہوتی ہے ایک وہ کہ اس میں نشہ نہیں ہوتا ایسی نبیذ حلال و پاک ہے اور حضرت سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک اس سے وضو بنانا بھی جائز ہے بشرطیکہ رقت و سیلان باقی ہو (شرح وقایہ صفحہ مذکور) اور ایک نبیذ وہ ہوتی ہے جس میں نشہ پیدا ہو جاتا ہے اور وہ حرام و نجس ہوتی ہے۔ حضرت ابو شحمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبیذ پی یہ سمجھ کر کہ یہ حلال ہے نشہ والی نہیں ہے مگر وہ نشہ والی ثابت ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی گرفت فرمائی اور ازراہ عدل و انصاف انھیں سزا دی۔

گورنروں سے شرائط

حضرت ابن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب کسی شخص کو

کہیں کا والی مقرر فرماتے تو اس سے چند شرطیں لکھوا لیتے تھے۔ اول یہ کہ وہ ترکی گھوڑے پر سوار نہیں ہوگا۔ دوسرے یہ کہ وہ اعلیٰ درجہ کا کھانا نہیں کھائے گا۔ تیسرے یہ کہ وہ باریک کپڑا نہیں پہنے گا۔ چوتھے یہ کہ حاجت والوں کے لئے اپنے دروازہ کو بند نہیں کرے گا اور دربان نہیں رکھے گا۔

پھر جو شخص ان شرائط کی پابندی نہیں کرتا تھا اس کے ساتھ نہایت سختی سے پیش آتے تھے حاکم مصر عیاض بن غنم کے بارے میں معلوم ہوا کہ وہ ریشم پہنتا ہے اور دربان رکھتا ہے تو آپ نے حضرت محمد بن مسلمہ کو حکم دیا عیاض بن غنم کو جس حالت میں بھی پاؤ گرفتار کرکے لے آؤ۔ جب عیاض خلیفۃ المسلمین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے لائے گئے تو آپ نے ان کو کمبل کا کرتا پہنایا اور بکریوں کا ایک ریوڑ ان کے سپرد کیا اور فرمایا کہ جاؤ ان بکریوں کو چراؤ تم انسانوں پر حکومت کرنے کے قابل نہیں ہو۔ یعنی عیاض بن غنم کو گورنر سے ایک چرواہا بنا دیا۔ یہی وجہ ہے کہ پوری مملکت اسلامیہ کے حکام اور گورنر آپ کی ہیبت سے کانپتے رہتے تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ کاروبار خلافت اس وقت تک درست نہیں ہوتا جب تک کہ اس میں اتنی شدت نہ کی جائے جو جبر نہ بن جائے اور نہ اتنی نرمی برتی جائے کہ جو سستی سے تعبیر ہو۔

امام شعبی فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ طریقہ تھا کہ جب آپ کسی حاکم کو کسی صوبہ پر مقرر فرماتے تو اس کے تمام مال و اثاثے کی فہرست لکھوا کر اپنے پاس محفوظ کر لیا کرتے تھے ایک بار آپ نے اپنے تمام عمال کو حکم فرمایا کہ وہ اپنے اپنے موجودہ مال و اثاثے کی ایک ایک فہرست بنا کر ان کو بھیج دیں۔ انہی عمال میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے جو عشرۂ مبشرہ میں سے ہیں۔ جب انھوں نے اپنے اثاثوں کی فہرست بنا کر بھیجی تو حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے سارے مال کے دو حصے کئے جن میں سے ایک حصہ ان کے لئے چھوڑ دیا اور ایک حصہ بیت المال میں جمع کر دیا۔ (تاریخ الخلفاء صفحہ ۹۶)

راتوں میں گشت

برادران اسلام! حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رعایا کی خبر گیری کے لئے بدوی کا لباس پہن کر مدینہ طیبہ کے اطراف میں راتوں کو گشت لگایا کرتے تھے۔ ایک بار حسب معمول آپ گشت فرما رہے تھے کہ انھوں نے

سنا ایک عورت کچھ اشعار پڑھ رہی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ

"رات بہت ہوگئی اور ستارے چمک رہے ہیں مگر مجھے یہ بات جگا رہی ہے کہ میرے ساتھ کوئی کھیلنے والا نہیں ہے۔ تو میں خدائے تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ اگر مجھے اللہ کے عذاب کا خوف نہ ہوتا تو اس چارپائی کی چولیں ہلتیں لیکن میں اپنے نفس کے ساتھ اس نگہبان اور مؤکل سے ڈرتی ہوں جس کا کاتب کبھی نہیں تھکتا۔"

اشعار کو سن کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس عورت سے دریافت فرمایا کہ تیرا کیا معاملہ ہے کہ اس قسم کے اشعار پڑھ رہی ہے؟ اس نے کہا کہ میرا شوہر کئی ماہ سے جنگ پر گیا ہوا ہے اسی کی ملاقات کے شوق میں یہ اشعار پڑھ رہی ہوں۔ صبح ہوتے ہی آپ نے اسکے شوہر کو بلانے کے لئے قاصد روانہ فرمادیا۔ اور چونکہ آپ کی زوجۂ محترمہ وفات پاچکی تھیں اسلئے آپ نے اپنی صاحبزادی ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے دریافت فرمایا کہ عورت کتنے زمانے تک شوہر کے بغیر رہ سکتی ہے؟ اس سوال کو سن کر حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے شرم سے اپنا سر جھکالیا اور کوئی جواب نہیں دیا۔ آپ نے فرمایا کہ خدائے تعالیٰ حق بات میں شرم نہیں کرتا۔ تو حضرت حفصہ نے ہاتھ کے اشارہ سے بتایا کہ تین مہینہ یا زیادہ سے زیادہ چار۔ تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکم جاری فرمادیا کہ لَا يُحْبَسُ الْجُيُوْشُ فَوْقَ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ یعنی چار مہینے سے زیادہ کسی سپاہی کو جنگ میں نہ روکا جائے۔ (تاریخ الخلفاء)

ایک رات آپ گشت فرما رہے تھے کہ ایک مکان سے آواز آئی بیٹی دودھ میں پانی ملا دے۔ دوسری آواز آئی جو لڑکی کی تھی۔ ماں امیر المؤمنین کا حکم تجھکو یاد نہیں رہا جس میں اعلان کیا گیا ہے کہ دودھ میں کوئی شخص پانی نہ ملائے۔ ماں نے کہا امیر المؤمنین یہاں دیکھنے نہیں آئیں گے پانی ملا دے۔ لڑکی نے کہا کہ میں ایسا نہیں کر سکتی کہ خلیفہ کے سامنے اطاعت کا اقرار اور پیٹھ پیچھے ان کی نافرمانی ـــــــ اس وقت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ حضرت سالم رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ آپ نے ان سے فرمایا کہ اس گھر کو یاد رکھو اور صبح کے وقت حالات معلوم کرکے مجھے بتاؤ۔ حضرت سالم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دربار خلافت میں رپورٹ پیش کی کہ

لڑکی بہت نیک جوان اور بیوہ ہے۔ کوئی مرد ان کا سرپرست نہیں ہے ماں بے سہارا ہے۔ آپ نے اسی وقت اپنے سب لڑکوں کو بلا کر فرمایا کہ تم میں سے جو چاہے اس لڑکی سے نکاح کرلے۔ تو حضرت عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ تیار ہوگئے۔ آپ نے اس بیوہ لڑکی کو بلا کر حضرت عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عقد کرکے اپنی بہو بنا لیا۔ (عشرۂ مبشرہ)

اس واقعہ کو ایک غیر مقلد مولوی نے ایک جلسہ میں بیان کرنے کے بعد ان لفظوں میں تبصرہ کیا کہ دیکھو امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اتنے اعلیٰ خاندان کے ہوتے ہوئے اپنے صاحبزادہ کی شادی ایک گوالن سے کردی۔ لہٰذا حنفیوں کا کفو والا مسئلہ غلط ہے۔ اتفاق سے اس جلسہ کی تقریریں سننے کے لئے ایک سنی حنفی مولوی بھی گئے تھے۔ غیر مقلد کی اس تقریر سے متاثر ہوکر انھوں نے یہ خیال قائم کرلیا کہ واقعی کفو کا مسئلہ غلط معلوم ہوتا ہے۔ یہ بات انھوں نے ایک سنی حنفی مفتی سے بیان کی۔ تو حضرت مفتی صاحب نے فرمایا کہ غیر مقلد نے فریب سے کام لیا جسے آپ بھانپ نہ سکے۔ حنفیوں کے یہاں لڑکا کی طرف سے کفو ہونے کا اعتبار نہیں ہے وہ چھوٹی سی چھوٹی برادری اور بہت کم درجہ کی لڑکی سے بھی نکاح کرسکتا ہے۔ کفو ہونے کا اعتبار صرف لڑکی کی طرف سے ہے کہ بالغ ہونے کے باوجود اپنے ولی کی رضا کے بغیر وہ غیر کفو سے نکاح نہیں کرسکتی جیسا کہ فقہ حنفی کی عام کتابوں میں مذکور ہے۔ تو مولوی صاحب نے اقرار کیا کہ واقعی میں غیر مقلد کے فریب میں آگیا تھا۔ اس پر حضرت مفتی صاحب نے فرمایا کہ اسی لئے بدمذہبوں کی تقریر سننے سے منع فرمایا گیا ہے کہ جب آپ دس سال علم دین حاصل کرنے کے باوجود اس کے فریب میں آگئے تو عوام کا کیا حال ہوگا۔ کسی مولوی کی تقریر کا سننا بھی دین کا حاصل کرنا ہے اور حدیث شریف میں ہے اُنْظُرُوْا عَمَّنْ تَاخُذُوْنَ دِیْنَکُمْ۔ یعنی دیکھو کہ تم اپنا دین کس سے حاصل کر رہے ہو۔ (رواہ مسلم، مشکوٰۃ ص۳۷)

لہٰذا کسی بدمذہب کی تقریر سننا حرام و ناجائز ہے۔ اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم پر کسی بدمذہب کی تقریر کا اثر نہیں ہوسکتا وہ بہت بڑی غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ جب دس سال کے پڑھے ہوئے مولوی پر بدمذہب کی تقریر کا اثر پڑ گیا تو دوسرے لوگوں کی کیا حقیقت ہے بس

دعا ہے کہ خدائے تعالیٰ ایسے لوگوں کو سمجھ عطا فرمائے اور بد مذہبوں کی تقریر سے دور رہنے کی توفیق رفیق بخشے۔ آمین

بیت المال سے وظیفہ

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ دن رات خلافت کے کام انجام دیتے تھے مگر بیت المال سے کوئی خاص وظیفہ نہیں لیتے تھے۔ جب آپ خلیفہ بنائے گئے تو کچھ دنوں کے بعد آپ نے لوگوں کو جمع کر کے ارشاد فرمایا کہ میں پہلے تجارت کیا کرتا تھا اور اب تم لوگوں نے مجھ کو خلافت کے کام میں مشغول کر دیا ہے تو اب گذارہ کی صورت کیا ہوگی۔ لوگوں نے مختلف مقداریں تجویز کیں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ متوسط طریقہ پر جو آپ کے گھر والوں کے لئے اور آپ کے لئے کافی ہو جائے وہی مقرر فرمالیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس رائے کو پسند فرمایا اور قبول کر لیا۔ اس طرح بیت المال سے متوسط مقدار آپ کے لئے مقرر ہو گئی۔ کچھ دنوں کے بعد ایک مجلس جس میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے یہ طے پایا کہ خلیفۃ المسلمین کے وظیفہ میں اضافہ کرنا چاہئے کہ گذر میں تنگی ہوتی ہے مگر کسی کی ہمت نہ ہوئی کہ وہ آپ سے کہتا۔ تو ان لوگوں نے ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو وسیلہ بنایا اور تاکید کر دی کہ ہم لوگوں کا نام نہ بتایئے گا۔ جب حضرت حفصہ نے آپ سے اس کا تذکرہ کیا تو آپ کا چہرہ غصہ سے تمتما اٹھا۔ آپ نے لوگوں کے نام دریافت کئے۔ حضرت حفصہ نے عرض کیا کہ پہلے آپ کی رائے معلوم ہو جائے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر مجھے ان کے نام معلوم ہو جاتے تو میں ان کو سخت سزا دیتا۔ یعنی آپ نے لوگوں کی رائے کے باوجود وظیفہ کے اضافہ کو منظور نہیں فرمایا بلکہ ان پر اور ناراضگی ظاہر فرمائی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ عنا وعن سائر المسلمین۔

وسیلہ

آپ کے زمانۂ خلافت میں ایک بار زبردست قحط پڑا۔ آپ نے بارش طلب کرنے کے لئے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ نماز استسقا ادا فرمائی۔ حضرت ابن عون فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہاتھ پکڑا اور اس کو بلند کر کے اس طرح بارگاہ الٰہی میں دعا کی۔

اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَيْكَ بِعَمِّ نَبِيِّكَ اَنْ تُذْهِبَ عَنَّا الْمَحْلَ وَاَنْ تَسْقِيَنَا الْغَيْثَ۔ یعنی یاالٰہ العالمین! ہم تیرے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چچا کو وسیلہ بنا کر تیری بارگاہ میں عرض کرتے ہیں قحط اور خشک سالی کو ختم فرمادے اور ہم پر رحمت والی بارش نازل فرما۔ یہ دعا مانگ کر ابھی آپ واپس بھی نہیں ہوئے تھے کہ بارش شروع ہوگئی اور کئی روز تک مسلسل ہوتی رہی۔ (تاریخ الخلفاء صفحہ ۹۰) ———— معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نسبت رکھنے والوں کو اپنی کسی حاجت کے لئے وسیلہ بنانا شرک نہیں ہے بلکہ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا طریقہ اور ان کی سنت ہے اور حضور کا ارشاد گرامی ہے عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ۔ یعنی میری اور خلفائے راشدین کی سنت کو اختیار کرو۔ (مشکوٰۃ شریف صفحہ ۳۰)

آپ کی شہادت

بخاری شریف میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بارگاہ الٰہی میں دعا کی اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِيْ شَهَادَةً فِيْ سَبِيْلِكَ وَاجْعَلْ مَوْتِيْ فِيْ بَلَدِ رَسُوْلِكَ۔ یعنی یاالٰہ العالمین! مجھے اپنی راہ میں شہادت عطا فرما اور اپنے رسول کے شہر میں مجھے موت نصیب فرما۔ (تاریخ الخلفاء صفحہ ۹۰)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دعا اس طرح قبول ہوئی کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مجوسی غلام ابولؤلؤہ نے آپ سے شکایت کی کہ اس کے آقا حضرت مغیرہ روزانہ اس سے چار درہم وصول کرتے ہیں آپ اس میں کمی کرا دیجئے۔ آپ نے فرمایا کہ تم لوہار اور بڑھئی کا کام خوب اچھی طرح جانتے ہو اور نقاشی بھی بہت عمدہ کرتے ہو تو چار درہم یومیہ تمہارے اوپر زیادہ نہیں ہیں۔ اس جواب کو سن کر وہ غصہ سے تلملاتا ہوا واپس چلا گیا۔ کچھ دنوں کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے پھر بلایا اور فرمایا کہ تو کہتا تھا کہ "اگر آپ کہیں تو میں ایسی چکی تیار کردوں جو ہوا سے چلے"، اس نے تیور بدل کر کہا کہ ہاں۔ میں آپ کے لئے ایسی چکی تیار کردوں گا جس کا لوگ ہمیشہ ذکر کیا کریں گے۔ جب وہ چلا گیا تو آپ نے فرمایا کہ یہ لڑکا مجھے قتل کی دھمکی دے کر گیا ہے۔ مگر آپ نے اس کے خلاف کوئی کاروائی نہیں کی۔ ابولؤلؤہ غلام

نے آپ کے قتل کا پختہ ارادہ کرلیا۔ ایک خنجر پر دھار لگائی اور اس کو زہر میں بجھا کر اپنے پاس رکھ لیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فجر کی نماز کے لئے مسجد نبوی میں تشریف لے گئے۔ اور ان کا طریقہ تھا کہ وہ تکبیر تحریمہ سے پہلے فرمایا کرتے تھے کہ صفیں سیدھی کرلو۔ یہ سن کر ابولولؤ آپ کے بالکل قریب صف میں آکر کھڑا ہوگیا اور پھر آپ کے کندھے اور پہلو پر خنجر سے دو وار کیا جس سے آپ گر پڑے۔ اس کے بعد اس نے اور نمازیوں پر حملہ کرکے تیرہ آدمیوں کو زخمی کردیا جن میں سے بعد میں چھ افراد کا انتقال ہوگیا۔ اس وقت جبکہ وہ لوگوں کو زخمی کررہا تھا ایک عراقی نے اس پر کپڑا ڈال دیا اور جب وہ اس کپڑے میں الجھ گیا تو اس نے اسی وقت خودکشی کرلی۔

چونکہ اب سورج نکلنا ہی چاہتا تھا اس لئے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دو مختصر سورتوں کے ساتھ نماز پڑھائی۔ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آپ کے مکان پر لائے۔ پہلے آپ کو نبیذ پلائی گئی جو زخموں کے راستے سے باہر نکل گئی پھر دودھ پلایا گیا مگر وہ بھی زخموں سے باہر نکل گیا۔ کسی شخص نے آپ سے کہا کہ آپ اپنے فرزند عبداللہ کو اپنے بعد خلیفہ مقرر کردیں۔ آپ نے اس شخص کو جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں غارت کرے۔ تم مجھے ایسا غلط مشورہ دے رہے ہو۔ جسے اپنی بیوی کو صحیح طریقہ سے طلاق دینے کا بھی سلیقہ نہ ہو کیا میں ایسے شخص کو خلیفہ مقرر کردوں؟ —— پھر آپ نے حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی انتخاب خلیفہ کیلئے ایک کمیٹی بنادی اور فرمایا کہ ان ہی میں سے کسی کو خلیفہ مقرر کیا جائے۔

اس کے بعد آپ نے اپنے صاحبزادہ حضرت عبداللہ سے فرمایا کہ بتاؤ ہم پر کتنا قرض ہے۔ انھوں نے حساب کرکے بتایا کہ تقریباً چھیاسی ہزار قرض ہے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ رقم ہمارے مال سے ادا کردینا اور اگر اس سے پورا نہ ہو تو بنو عدی سے مانگنا اور اگر ان سے بھی پورا نہ ہو تو قریش سے لینا۔ پھر آپ نے فرمایا جاؤ حضرت عائشہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) سے کہو کہ عمر اپنے دونوں دوستوں کے پاس دفن ہونے کی اجازت چاہتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس گئے اور اپنے باپ کی خواہش کو ظاہر کی۔ انھوں نے فرمایا کہ یہ جگہ تو

میں نے اپنے لئے محفوظ کر رکھی تھی مگر میں آج اپنی ذات پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ترجیح دیتی ہوں۔ جب آپ کو یہ خبر ملی تو آپ نے خدا کا شکر ادا کیا۔

۲۶ ذوالحجہ ۲۳ھ بدھ کے دن آپ زخمی ہوئے اور تین دن بعد دس برس چھ ماہ چار دن امور خلافت کو انجام دے کر ۶۳ سال کی عمر میں وفات پائی۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

وہ عمر جس کے اعدا پہ شیدا سقر — اس خدا دوست حضرت پہ لاکھوں سلام
ترجمانِ نبی ہم زبانِ نبی — جانِ شانِ عدالت پہ لاکھوں سلام

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ خلیفہ ولید بن عبدالملک کے زمانہ میں جب روضۂ منورہ کی دیوار گر پڑی اور لوگوں نے اس کی تعمیر (۸۸ھ میں) شروع کی تو (بنیاد کھودتے وقت) ایک قدم (گھٹنے تک) ظاہر ہوا۔ تو سب لوگ گھبرا گئے اور لوگوں کو خیال ہوا کہ شاید یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا قدم مبارک ہے اور وہاں کوئی جاننے والا نہیں ملا تو حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا لَا وَاللّٰہِ مَا ھِیَ قَدَمُ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا ھِیَ اِلَّا قَدَمُ عُمَرَ یعنی خدا کی قسم یہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا قدم شریف نہیں ہے بلکہ یہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قدم مبارک ہے۔ (بخاری شریف ص ۱۸۶ ج ۱)

خلاصہ یہ کہ تقریباً ۶۴ برس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جسم مبارک بدستور سابق رہا اس میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں ہوئی تھی اور نہ کبھی ہوگی۔ ایک شاعر نے خوب کہا ہے:-

زندہ ہو جاتے ہیں جو مرتے ہیں اسکے نام پر۔
اللہ اللہ موت کو کس نے مسیحا کر دیا۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا محمد وعلی آلہ واصحابہ وازواجہ وذریاتہ اجمعین۔ برحمتک یا ارحم الراحمین۔

امیر المؤمنین حضرت عثمان غنی

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

الحمد للہ نحمدہٗ ونستعینہ ونستغفرہٗ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیأت اعمالنا۔ من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ۔ ونشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ ونشھد ان سیدنا ونبینا محمدا عبدہ ورسولہ۔ اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ۔ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ تَرٰھُمْ رُکَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰہِ وَ رِضْوَانًا (پ ۲۶ ع ۱۲) صدق اللہ العلی العظیم۔ وبلغنا رسولہ النبی الکریم۔ ونحن علیٰ ذٰلک لمن الشاھدین والشاکرین۔ والحمد للہ رب العلمین

ایک بار سب لوگ مل کر مکہ کے سرکار مدینہ کے تاجدار دونوں عالم کے مالک ومختار جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دربار گہر بار میں درود وسلام کا نذرانہ پیش کریں۔ صلی اللہ علی النبی الامی الخ

تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیائے کرام اس دنیا میں مبعوث فرمائے گئے۔ یا کچھ کم و بیش دو لاکھ چوبیس ہزار انبیائے کرام علیٰ نبینا وعلیہم الصلاۃ والسلام نے اپنے قدوم لیمنت لزوم سے اس دنیا کو سرفراز فرمایا۔ وہ لوگ صاحب اولاد بھی ہوئے۔ لڑکا والے ہوئے اور لڑکی والے بھی ہوئے۔ تو جن لوگوں کے ساتھ انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام نے اپنی صاحبزادیوں کو منسوب فرمایا وہ یقیناً عزت وعظمت والے ہوئے اس لئے کہ اللہ کے نبی کا داماد ہونا ایک بہت

بڑا مرتبہ ہے جو خوش نصیب انسانوں ہی کو نصیب ہوا ہے۔ مگر اس سلسلے میں جو خصوصیت اور جو انفرادیت حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حاصل ہے وہ کسی کو نہیں کہ حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام سے لیکر حضور خاتم الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک کسی کے نکاح میں نبی کی دو بیٹیاں نہیں آئی ہیں لیکن حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نکاح میں صرف نبی نہیں بلکہ نبی الانبیا اور سید الانبیاء جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیاں یکے بعد دیگرے نکاح میں آئیں۔

اور صرف یہی نہیں بلکہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہاںتک روایت ہے انھوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سنا ہے کہ آپ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرما رہے تھے کہ اگر میری چالیس لڑکیاں بھی ہوتیں تو یکے بعد دیگرے میں ان سب کا نکاح اے عثمان! تم سے کر دیتا یہانتک کہ کوئی بھی باقی نہ رہتی۔

(تاریخ الخلفاء صـ۱۰۴)

اور بیہقی نے اپنی سنن میں لکھا ہے کہ عبداللہ جُعفی بیان فرماتے ہیں کہ مجھ سے میرے ماموں حسین جُعفی نے دریافت کیا کہ تمہیں معلوم ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا لقب ذوالنورین کیوں ہے؟ میں نے کہا کہ نہیں۔ انھوں نے کہا کہ حضرت آدم علیٰ نبینا و علیہ الصلاۃ والسلام سے لیکر قیامت تک حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علاوہ کسی شخص کے نکاح میں کسی نبی کی دو صاحبزادیاں نہیں آئیں گی۔ اسی لیے آپ کو ذوالنورین کہتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں

نور کی سرکار سے پایا دوشالہ نور کا
ہو مبارک تم کو ذوالنورین جوڑا نور کا

سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قبل اعلان نبوت اپنی صاحبزادی حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح آپ سے کیا تھا جو غزوۂ بدر کے موقع پر بیمار تھیں اور انہی کی تیمارداری کے سبب حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس جنگ میں شرکت نہیں

فرما سکے اور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اجازت سے مدینہ طیبہ ہی میں رہ گئے تھے، مگر چونکہ حضور نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بدر کے مال غنیمت سے حصہ عطا فرمایا تھا اس لئے آپ بدریوں میں شمار کئے جاتے ہیں۔ غزوۂ بدر میں مسلمانوں کے فتح پانے کی خوشخبری لیکر جس وقت حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ منورہ پہنچے اس وقت حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دفن کیا جا رہا تھا۔ ان کے انتقال فرما جانے کے بعد حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی دوسری صاحبزادی حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کر دیا تو ان کا بھی ۹ھ میں وصال ہو گیا۔ غرضکہ اسطرح حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ذوالنورین ہوئے۔ آپ کے ایک صاحبزادے حضرت بی بی رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے شکم مبارک سے پیدا ہوئے تھے جن کا نام "عبداللہ" تھا۔ وہ اپنی ماں کے بعد چھ برس کی عمر پاکر انتقال کر گئے۔ اور حضرت بی بی ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے آپ کی کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ ایک بار سب لوگ مل کر بلند آواز سے درود شریف پڑھیں۔

صلی اللہ علی النبی الامی الخ

نام و نسب

آپ کا نام "عثمان" کنیت ابو عمر اور لقب ذوالنورین ہے۔ آپکا سلسلۂ نسب اس طرح ہے۔ عثمان بن عفان بن ابوالعاص بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف یعنی پانچویں پشت میں آپ کا سلسلۂ نسب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے شجرۂ نسب سے مل جاتا ہے۔ آپ کی نانی ام حکیم جو حضرت عبدالمطلب کی بیٹی تھیں وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والد گرامی حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ایک ہی پیٹ سے پیدا ہوئی تھیں۔ اس رشتہ سے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پھوپھی کی بیٹی تھیں۔ آپ کی پیدائش عام الفیل کے چھ سال بعد ہوئی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

قبول اسلام اور مصائب

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان حضرات میں سے ہیں جن کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ

تعالیٰ عنہ نے اسلام کی دعوت دی تھی۔ آپ قدیم الاسلام ہیں یعنی ابتدائے اسلام ہی میں ایمان لے آئے تھے۔ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ آپ نے حضرت ابوبکر صدیق، حضرت علی اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بعد اسلام قبول کیا۔

ابن سعد محمد بن ابراہیم سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب حلقہ بگوش اسلام ہوئے تو ان کا پورا خاندان بھڑک اٹھا یہاں تک کہ آپ کا چچا حکم بن ابی العاص اس قدر ناراض اور برہم ہوا کہ آپ کو پکڑ کر ایک رسی سے باندھ دیا اور کہا کہ تم نے اپنے باپ دادا کا دین چھوڑ کر ایک دوسرا نیا مذہب اختیار کر لیا ہے۔ جب تک کہ تم اس نئے مذہب کو نہیں چھوڑو گے ہم تمہیں نہیں چھوڑیں گے اسی طرح باندھ کر رکھیں گے۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا وَاللّٰہِ لَا اَدَعُہٗ اَبَدًا وَلَا اُفَارِقُہٗ یعنی خدائے ذوالجلال کی قسم مذہب اسلام کو میں کبھی نہیں چھوڑ سکتا اور نہ کبھی اس دولت سے دست بردار ہو سکتا ہوں۔ میرے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالو یہ ہو سکتا ہے مگر دل سے دین اسلام نکل جائے یہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔ حکم بن ابی العاص نے جب اس طرح آپ کا استقلال دیکھا تو مجبور ہو کر آپ کو رہا کر دیا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

آپ کا حلیہ برادرانِ اسلام! حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حلیہ اور سراپا ابن عساکر چند طریقوں سے اس طرح بیان کرتے ہیں کہ آپ درمیانی قد کے خوبصورت شخص تھے۔ رنگ میں سفیدی کے ساتھ سرخی بھی شامل تھی۔ چہرے پر چیچک کے داغ تھے۔ جسم کی ہڈیاں چوڑی تھیں۔ کندھے کافی پھیلے ہوئے تھے۔ پنڈلیاں بھری ہوئی تھیں۔ ہاتھ لمبے تھے جن پر کافی بال تھے۔ داڑھی بہت گھنی تھی۔ سر کے بال گھنگھریالے تھے۔ دانت بہت خوبصورت تھے اور سونے کے تار سے بندھے ہوئے تھے۔ کنپٹیوں کے بال کانوں کے نیچے تک تھے اور پیلے رنگ کا خضاب کیا کرتے تھے۔

اور ابن عساکر عبد اللہ بن حزم مازنی سے روایت کرتے ہیں انھوں نے فرمایا کہ میں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا فَمَا رَاَیْتُ قَطُّ ذَکَرًا وَلَا اُنْثٰی اَحْسَنَ وَجْھًا مِنْہُ یعنی تو میں نے عورتوں اور مردوں میں سے کسی کو ان سے زیادہ حسین و خوبصورت

نہیں پایا۔ (تاریخ الخلفاء)

اور ابن عساکر حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھے گوشت کا ایک بڑا پیالہ دیکر حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بھیجا۔ جب میں آپ کے گھر میں داخل ہوا تو حضرت بی بی رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی بیٹھی ہوئی تھیں۔ میں کبھی حضرت بی بی رقیہ کے چہرے کی طرف دیکھتا تھا اور کبھی حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صورت دیکھتا تھا۔ جب میں آپ کے گھر سے واپس ہو کر رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت مبارکہ میں حاضر ہوا تو رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ اسامہ! عثمان (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے گھر کے اندر تم گئے تھے؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! جی ہاں میں گھر کے اندر گیا تھا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کیا تم نے ان میاں بیوی سے حسین و خوبصورت کسی میاں بیوی کو دیکھا ہے۔؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کبھی نہیں دیکھا ہے۔

(تاریخ الخلفاء)

یہ واقعہ غالباً آیت حجاب کے نازل ہونے سے پہلے کا ہے۔

اور ابن عدی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتے ہیں انھوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ اپنی صاحبزادی ام کلثوم کا نکاح کیا تو ان سے فرمایا کہ تمہارے شوہر عثمان غنی تمہارے دادا حضرت ابراہیم علیہ السلام اور تمہارے باپ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) سے شکل و صورت میں بہت مشابہ ہیں۔ (تاریخ الخلفاء)

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آیات قرآنی

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں بھی قرآن مجید کی آیات کریمہ نازل ہوئی ہیں۔ جنگ تبوک کا واقعہ ایسے وقت میں پیش آیا جبکہ مدینہ منورہ میں سخت قحط پڑا ہوا تھا اور عام مسلمان بہت

زیادہ تنگی میں تھے۔ یہانتک کہ درخت کی پتیاں کھاکر لوگ گذارہ کرتے تھے۔ اسی لئے اس جنگ کے لشکر کو جیش عسرہ کہا جاتا ہے یعنی تنگدستی کا لشکر۔ ترمذی شریف میں حضرت عبدالرحمٰن بن خبّاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں اس وقت حاضر تھا جبکہ آپ جیش عسرہ کی مدد کیلئے لوگوں کو جوش دلا رہے تھے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کے پرجوش لفظ سن کر کھڑے ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! میں سو اونٹ پالان اور سامان کے ساتھ خدائے تعالیٰ کی راہ میں پیش کروں گا۔ اس کے بعد پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو سامان لشکر کے بارے میں ترغیب دی اور امداد کے لئے متوجہ فرمایا۔ تو پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! میں دو سو اونٹ مع سازوسامان اللہ تعالیٰ کے راستہ میں نذر کروں گا۔ اس کے بعد پھر رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سامان جنگ کی درستگی اور فراہی کی طرف مسلمانوں کو رغبت دلائی۔ پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! میں تین سو اونٹ پالان اور سامان کے ساتھ خدائے تعالیٰ کی راہ میں حاضر کروں گا۔ حدیث کے راوی حضرت عبدالرحمٰن بن خبّاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ میں نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم منبر سے اترتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے مَا عَلٰی عُثْمَانَ مَا عَمِلَ بَعْدَ هٰذِهٖ۔ مَا عَلٰی عُثْمَانَ مَا عَمِلَ بَعْدَ هٰذِهٖ۔ یعنی ایک ہی جملہ کو حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دو بار فرمایا اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ اب عثمان کو وہ عمل کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا جو اس کے بعد کریں گے۔

مراد یہ ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ عمل خیر ایسا اعلیٰ اور اتنا مقبول ہے کہ اب اور نوافل نہ کریں جب بھی یہ ان کے مدارج علیا کے لئے کافی ہے اور اس مقبولیت کے بعد اب انھیں کوئی اندیشہ ضرر نہیں ہے۔ (مشکوٰۃ شریف صفحہ ۵۶۱)

تفسیر خازن اور تفسیر معالم التنزیل میں ہے کہ آپ نے سازوسامان کے ساتھ ایک ہزار

اونٹ اس موقع پر چندہ دیا تھا۔

اور حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیش عسرہ کی تیاری کے زمانہ میں ایک ہزار دینار اپنے کرتے کی آستین میں بھر کر لائے (دینار ساڑھے چار ماشہ سونے کا سکہ ہوتا ہے) ان دیناروں کو آپ نے رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی گود میں ڈال دیا۔ راوی حدیث حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ میں نے دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان دیناروں کو اپنی گود میں الٹ پلٹ کر دیکھتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے مَاضَرَّ عُثْمَانَ مَا عَمِلَ بَعْدَ الْيَوْمِ مَرَّتَيْنِ۔ یعنی آج کے بعد عثمان کو ان کا کوئی عمل نقصان نہیں پہنچائے گا۔ سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں اس جملہ کو دوبار فرمایا۔ مطلب یہ ہے کہ فرض کر لیا جائے کہ اگر حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کوئی خطا واقع ہو تو آج کا ان کا یہ عمل ان کی خطا کے لئے کفارہ بن جائے گا۔ (مشکوٰۃ شریف صا۵۶)

تفسیر خازن اور تفسیر معالم التنزیل میں ہے کہ جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جیش عسرہ کی اس طرح مدد فرمائی کہ ایک ہزار اونٹ ساز و سامان کے ساتھ پیش فرمایا اور ایک ہزار دینار بھی چندہ دیا۔ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ صدقہ کے چار ہزار درہم بارگاہ رسالت میں پیش کئے تو ان دونوں حضرات کے بارے میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ اَذًى لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ

یعنی جو لوگ کہ اپنے مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ پھر دینے کے بعد نہ احسان رکھتے ہیں اور نہ تکلیف دیتے ہیں۔ تو ان کا اجر و ثواب ان کے رب کے پاس ہے۔ اور نہ ان پر کوئی خوف طاری ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ (پ۳ ع ۴)

حضرت صدر الافاضل مولانا محمد نعیم الدین صاحب مرادآبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی اپنی تفسیر خزائن العرفان میں تحریر فرمایا ہے کہ آیت مبارکہ حضرت عثمان غنی۔

اور حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے حق میں نازل ہوئی۔

ایک بار سب لوگ مل کر بلند آواز سے درود شریف پڑھیں۔ صلی اللہ علی النبی الامی وآلہ الخ

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک روز نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق اعظم اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہم احد پہاڑ پر تھے کہ یکایک وہ ہلنے لگا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اُثْبُتْ اُحُدُ مَا عَلَيْكَ اِلَّا نَبِیٌّ اَوْ صِدِّيْقٌ اَوْ شَهِيْدَانِ۔ یعنی اے احد! تو ٹھہر جا کہ تیرے اوپر صرف ایک نبی یا صدیق یا دو شہید ہیں۔ (تفسیر معالم التنزیل جلد ۶ صفحہ ۲۱۶)

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پہاڑوں پر بھی اپنا حکم نافذ فرماتے تھے۔ اور یہ بھی ثابت ہوا کہ خدائے تعالیٰ نے آپ کو علم غیب عطا فرمایا تھا کہ برسوں پہلے حضرت عمر فاروق اعظم اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے شہید ہونے کے بارے میں حضور خبر دے رہے ہیں۔ اعلیٰحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں۔

اور کوئی غیب کیا تم سے نہاں ہو بھلا
جب نہ خدا ہی چھپا تم پہ کروڑوں درود

اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ خوب جانتے تھے کہ ندی کا بہتا ہوا دھارا رک سکتا ہے، درخت اپنی جگہ سے ہٹ سکتا ہے بلکہ پہاڑ بھی اپنی جگہ سے ٹل سکتا ہے مگر اللہ کے محبوب دانائے خفایا وغیوب جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان نہیں ٹل سکتا۔ اس لئے آپ اپنی شہادت کا انتظار فرما رہے تھے۔ تو یہ اور ان کے علاوہ دوسرے لوگ جو اپنی شہادت کے منتظر تھے جیسے کہ دولہا دولہن اپنی شادی کی تاریخ کے منتظر ہوتے ہیں تو ان کے حق میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ۔ یعنی تو ان میں سے کوئی وہ ہے جو اپنی منت پوری کر چکا جیسے

حضرت حمزہ و مصعب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہ یہ لوگ جہاد پر ثابت رہے یہاں تک کہ جنگ احد میں شہید ہو گئے) اور ان میں سے کوئی وہ ہے جو (اپنی شہادت کا) انتظار کر رہا ہے (جیسے حضرت عثمان اور حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا)

اور حضرت علامہ اسمٰعیل حقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں ایک منافق رہتا تھا اس کا درخت ایک انصاری پڑوسی کے مکان پر جھکا ہوا تھا جس کا پھل ان کے مکان میں گرتا تھا۔ انصاری نے سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا اس وقت تک منافق کا نفاق لوگوں پر ظاہر نہیں ہوا تھا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ تم درخت انصاری کے ہاتھ بیچ ڈالو اس کے بدلے تمہیں جنت کا درخت ملے گا۔ مگر منافق نے انصاری کو درخت دینے سے انکار کر دیا۔ جب اس واقعہ کی خبر حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہوئی کہ منافق نے حضور کے فرمان کو منظور نہیں کیا تو آپ نے پورا ایک باغ دیکر درخت کو اس سے خرید لیا اور انصاری کو دیدیا۔ اس پر حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تعریف اور منافق کی برائی میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی سَيَذَّكَّرُ مَنْ يَّخْشٰى وَيَتَجَنَّبُهَا الْاَشْقَى الَّذِىْ يَصْلَى النَّارَ الْكُبْرٰى ۔ یعنی عنقریب نصیحت مانے گا جو ڈرتا ہے اور اس سے وہ بڑا بدبخت دور رہے گا جو سب سے بڑی آگ میں جائے گا۔ (پ ۳۰ ع ۱۲)

اس آیت مبارکہ میں مَنْ يَّخْشٰى سے مراد حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں اور الاشقٰی سے مراد اس درخت کا مالک منافق ہے۔ (تفسیر روح البیان جلد دہم صفحہ)

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور احادیث کریمہ

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل و مناقب میں بہت سی حدیثیں بھی وارد ہیں۔ ترمذی اور ابن ماجہ میں حضرت مرّہ بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم زمانۂ آئندہ میں ہونے والے فتنوں کا ذکر فرما رہے تھے کہ اتنے میں ایک صاحب سر پر کپڑا اوڑھے ہوئے ادھر سے گذرے تو حضور نے

فرمایا کہ یہ شخص اس روز ہدایت پر ہوگا۔ حضرت مُرّہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور سے یہ الفاظ سن کر میں اٹھا اور اس شخص کی طرف گیا تو دیکھا کہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ پھر میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف ان کا رخ کیا اور پوچھا کیا یہ شخص ان فتنوں میں ہدایت پر ہوں گے۔؟ تو حضور نے ارشاد فرمایا ہاں یہی۔

اور ترمذی میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مستقبل میں ہونے والے فتنہ کا ذکر کیا تو ارشاد فرمایا کہ یہ شخص اس فتنہ میں ظلم سے قتل کیا جائے گا۔ یہ کہتے ہوئے آپ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف اشارہ فرمایا۔

اور بخاری و مسلم میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں مدینہ طیبہ کے ایک باغ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہمراہ تھا کہ ایک صاحب آئے اور اس باغ کا دروازہ کھلوائے تو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا اِفْتَحْ لَهٗ وَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ۔ یعنی دروازہ کھول دو اور آنے والے شخص کو جنت کی بشارت دو۔ میں نے دروازہ کھولا تو دیکھا وہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں میں نے ان کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق جنت کی خوشخبری دی۔ اس پر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خدائے تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور اس کی حمد وثنا کی۔ پھر ایک صاحب اور آئے اور انھوں نے دروازہ کھلوایا۔ حضور نے انکے بارے میں بھی فرمایا اِفْتَحْ لَهٗ وَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ۔ یعنی ان کے لئے بھی دروازہ کھول دو اور ان کو بھی جنت کی بشارت دو۔ میں نے دروازہ کھولا تو دیکھا کہ وہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ میں نے ان کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خوشخبری سے مطلع کیا۔ انھوں نے خدائے عزوجل کی حمد وثنا کی اور اس کا شکر ادا کیا۔ پھر ایک تیسرے صاحب نے دروازہ کھلوایا تو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے مجھ سے ارشاد فرمایا اِفْتَحْ لَهٗ وَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ عَلٰى بَلْوٰى تُصِيْبُهٗ۔ یعنی آنے والے کے لئے دروازہ کھول دو اور ان

مصیبتوں پر جو اس شخص کو پہنچیں گی جنت کی خوشخبری دو۔ راوی حدیث حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے دروازہ کھولا تو دیکھا آنے والے شخص حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ میں نے ان کو رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق خوشخبری دی اور حضور کے فرمان سے ان کو آگاہ کیا۔ انھوں نے خدائے تعالیٰ کی حمد وثنا کی، اس کا شکر ادا کیا اور فرمایا اَللّٰہُ الْمُسْتَعَانُ یعنی آنے والی مصیبتوں پر اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کی جاتی ہے۔

اور مسلم شریف میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے۔ وہ فرماتی ہیں کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے مکان میں لیٹے ہوئے تھے اور آپ کی ران یا پنڈلی مبارک سے کپڑا ہٹا ہوا تھا۔ اتنے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے اور انھوں نے حاضری کی اجازت چاہی۔ حضور نے ان کو بلالیا اور وہ اندر آگئے مگر حضور اسی طرح لیٹے رہے اور گفتگو فرماتے رہے۔ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی آگئے۔ انھوں نے اندر آنے کی اجازت طلب کی۔ حضور نے ان کو بھی اجازت دیدی اور وہ بھی اندر آگئے لیکن حضور پھر بھی بدستور اسی طرح لیٹے رہے یعنی ران یا پنڈلی سے کپڑا ہٹا رہا۔ پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آگئے۔ اور آپ نے اندر آنے کی اجازت چاہی تو آپ اٹھ کر بیٹھ گئے اور کپڑوں کو درست کرلیا۔ اس کے بعد حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اندر آنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔

راوی حدیث حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جب یہ لوگ چلے گئے تو میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دریافت کیا۔ یا رسول اللہ کیا وجہ

ے شک راوی ست پس استدلال نبود ہر کسے را کہ رفتہ است بآنکہ فخذ عورت نیست زیراکہ محتمل صلاحیت حجت ندارد۔ و بعضے تاویل کردہ اند کشف آنرا کہ از قمیص بود نہ میزر و گفتہ اند کہ ظاہر از حال شریف وے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اینست واللہ اعلم (اشعۃ اللمعات جلد چہارم ص ۶۵۵)

کہ میرے باپ حضرت صدیق اکبر آئے تو آپ بدستور لیٹے رہے۔ پھر حضرت فاروق اعظم آئے مگر آپ بدستور لیٹے رہے اور جنبش نہیں فرمائی۔ لیکن جب حضرت عثمان غنی آئے تو آپ اٹھکر بیٹھ گئے اور کپڑوں کو درست کرلیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کے اس سوال کے جواب میں سرکار اقدس صلے اللہ تعالی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اَلَا اَسْتَحْیِیْ مِنْ رَّجُلٍ تَسْتَحْیِیْ مِنْهُ الْمَلٰٓئِکَةُ یعنی کیا میں اس شخص سے حیا نہ کروں جس سے فرشتے بھی حیا کرتے ہیں۔

سبحان اللہ۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالی عنہ کا درجہ کیا ہی بلند و بالا اور عظمت والا ہے کہ فرشتے آپ سے حیا کرتے ہیں یہانتک کہ سید الانبیا اور نبی الانبیا جناب احمد مجتبے محمد مصطفے صلی اللہ تعالی علیہ وسلم بھی آپ سے حیا فرماتے ہیں۔

ترمذی شریف میں حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے مقام حدیبیہ میں بیعت رضوان کا حکم فرمایا اس وقت حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالی عنہ حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے قاصد کی حیثیت سے مکہ معظمہ گئے ہوئے تھے۔ لوگوں نے حضور کے ہاتھ پر بیعت کی۔ جب سب لوگ بیعت کرچکے تو رسول مقبول صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا کہ عثمان خدا اور رسول خدا کے کام سے گئے ہوئے ہیں۔ پھر اپنا ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ پر مارا یعنی حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالی عنہ کیطرف سے خود بیعت فرمائی۔ لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا مبارک ہاتھ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالی عنہ کے لئے ان ہاتھوں سے بہتر ہے جنھوں نے اپنے ہاتھوں سے اپنے لئے بیعت کی۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی بخاری علیہ الرحمۃ والرضوان اشعۃ اللمعات میں اس حدیث کے تحت تحریر فرماتے ہیں کہ سرکار اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک کو حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالی عنہ کا ہاتھ قرار دیا۔ یہ وہ فضیلت ہے جو حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالی عنہ کے ساتھ خاص ہے یعنی اس فضیلت سے ان کے سوا اور کوئی دوسرا

صحابی کبھی مشرف نہیں ہوا۔

ترمذی شریف اور ابن ماجہ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہیکہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے ایک روز حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ اے عثمان! خدائے تعالیٰ تجھ کو ایک قمیص پہنائے گا یعنی خلعت خلافت سے سرفراز فرمائے گا۔ پھر اگر لوگ اس قمیص کے اتارنے کا تجھ سے مطالبہ کریں تو ان کی خواہش پر اس قمیص کو مت اتارنا یعنی خلافت کو نہ چھوڑنا۔ اسی لئے جس روز ان کو شہید کیا گیا انھوں نے حضرت ابو سہلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھ کو خلافت کے بارے میں وصیت فرمائی تھی۔ اسی لئے میں اس وصیت پر قائم ہوں اور جو کچھ مجھ پر بیت رہی ہے اس پر صبر کر رہا ہوں۔

حاکم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دو بار جنت خریدی ہے۔ ایک بار تو بیر رومہ خرید کر اور دوسری بار جیش عسرہ کے لئے سامان دے کر۔ جیش عسرہ کے لئے جو سامان آپ نے فراہم کیا تھا اسکا بیان پہلے ہو چکا ہے۔ اور بیر رومہ کی خریداری کا واقعہ یہ ہے کہ جب سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مکہ معظمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ تشریف لے گئے تو اس زمانہ میں وہاں بیر رومہ کے علاوہ اور کسی کنوئیں کا پانی میٹھا نہ تھا۔ یہ کنواں وادی عقیق کے کنارے ایک پر فضا باغ میں ہے جو مدینہ طیبہ سے تقریباً چار کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے۔ اس کنوئیں کا مالک یہودی تھا جو اس کا پانی فروخت کیا کرتا تھا اور مسلمانوں کو پانی کی سخت تکلیف تھی تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ترغیب پر حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آدھا کنواں بارہ ہزار درہم میں خرید کر مسلمانوں پر وقف کر دیا۔ اور طے یہ پایا کہ ایک روز مسلمان پانی بھرینگے اور دوسرے دن یہودی۔ مگر جب یہودی نے دیکھا کہ مسلمان ایک روز میں دو روز کا پانی بھر لیتے ہیں اور میرا پانی خاطر خواہ نہیں بکتا تو پریشان ہو کر بقیہ آدھا بھی حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ آٹھ ہزار درہم میں بیچ دیا۔ اس کنوئیں کو آج کل بیر حضرت عثمان

کہتے ہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ عنا وعن سائر المسلمین۔

حضرت عثمان بن عبداللہ بن موہب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مصر کا رہنے والا ایک شخص حج کے ارادہ سے بیت اللہ شریف آیا۔ اس نے ایک جگہ کچھ لوگوں کو بیٹھے ہوئے دیکھا تو پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ جواب دیا گیا کہ یہ لوگ قریش ہیں۔ اس نے پوچھا کہ ان لوگوں کا شیخ کون ہے؟ جواب دیا گیا کہ ان لوگوں کے شیخ حضرت عبداللہ بن عمر ہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ اب اس نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی طرف متوجہ ہو کر کہا کہ اے ابن عمر! میں کچھ سوال کرنا چاہتا ہوں آپ اس کا جواب دیں۔ کیا آپ کو معلوم ہے کہ عثمان احد کی جنگ سے بھاگ گئے تھے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ ہاں ایسا ہوا تھا۔ پھر اس شخص نے دریافت کیا۔ کیا آپ کو معلوم ہے کہ بدر کی لڑائی سے عثمان غائب تھے اور معرکہ بدر میں وہ شریک نہ ہوئے تھے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے جواب دیا کہ ہاں وہ بدر کے معرکہ میں موجود نہ تھے۔ پھر اس شخص نے پوچھا۔ کیا آپ کو معلوم ہے کہ عثمان بیعت رضوان کے موقع پر بھی غائب تھے اور اس میں شریک نہ ہوئے تھے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ ہاں وہ بیعت رضوان کے موقع پر بھی موجود نہ تھے اور اس میں شامل نہ تھے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے تینوں باتوں کی تصدیق سن کر اس شخص نے اللہ اکبر کہا۔ بظاہر اس مصری شخص کا سوال تھا لیکن حقیقت میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات گرامی پر اس کا اعتراض تھا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اس سے فرمایا کہ اِدھر آ۔ میں تجھ سے حقیقت حال بیان کر کے تیرے شبہات دور کر دوں۔ احد کے معرکہ سے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھاگ جانے کے متعلق میں تجھ سے یہ کہتا ہوں کہ خدائے ذوالجلال نے ان کی غلطی کو معاف فرما دی جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد خداوندی ہے اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ یَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّیْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا وَ لَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِیْمٌ۔ یعنی بیشک وہ لوگ جو تم میں سے پھر گئے جس دن

دونوں فوجیں ملی تھیں۔ ان کے بعض اعمال کے سبب انھیں شیطان ہی نے لغزش دی۔ اور بیشک اللہ نے انھیں معاف فرمادیا۔ بیشک اللہ بخشنے والا حلم والا ہے۔ پ۴ ع ۷)

اور جنگ بدر میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا موجود نہ ہونا اس کا واقعہ یہ ہے کہ حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صاحبزادی اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی اس زمانہ میں بیمار تھیں۔ حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کی دیکھ بھال کے لئے مدینہ طیبہ میں چھوڑ دیا تھا اور فرمایا تھا کہ عثمان غنی کو جنگ بدر میں شریک ہونے والوں میں سے ایک مجاہد کا ثواب ملے گا اور مال غنیمت میں سے بھی ایک شخص کا حصہ دیا جائے گا۔ اب رہا معاملہ بیعت رضوان سے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا غائب ہونا۔ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر مکہ معظمہ میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے زیادہ باعزت اور ہر دل عزیز کوئی اور شخص ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اسی کو مکہ معظمہ بھیجتے مگر چونکہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے زیادہ ہر دل عزیز اور باعزت مکہ شریف والوں کی نگاہ میں کوئی اور شخص نہ تھا اس لئے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انھیں کو مکہ معظمہ روانہ فرمایا تاکہ وہ آپ کی طرف سے کفار مکہ سے بات چیت کریں۔ تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم سے مکہ معظمہ چلے گئے۔ اس طرح ان کی غیر موجودگی میں بیعت رضوان کا واقعہ پیش آیا۔ اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بیعت رضوان کے وقت اپنے داہنے ہاتھ کو اٹھا کر فرمایا کہ یہ عثمان کا ہاتھ ہے۔ اور پھر اس ہاتھ کو اپنے دوسرے ہاتھ پر مار کر فرمایا کہ یہ عثمان کی بیعت ہے۔ اس کے بعد حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ ابھی جو میں نے تیرے سامنے بیان کیا ہے تو اس کو لے جا کہ یہی تیرے سوالات کے مکمل جوابات ہیں۔ (بخاری شریف)

آپ کی خلافت

حضرت علامہ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنی مشہور کتاب تاریخ الخلفاء میں تحریر فرماتے ہیں کہ زخمی ہونے

کے بعد حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طبیعت جب زیادہ ناساز ہوئی تو لوگوں نے آپ سے عرض کیا کہ یا امیر المومنین آپ ہمیں کچھ وصیتیں فرمائیے اور خلافت کے لئے کسی کا انتخاب فرما دیجئے۔ تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ خلافت کے لئے علاوہ ان چھ صحابہ کے جن سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم راضی اور خوش رہ کر اس دنیا سے تشریف لے گئے ہیں میں کسی اور کو مستحق نہیں سمجھتا ہوں۔ پھر آپ نے حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت عبد الرحمٰن بن عوف اور حضرت سعد بن وقاص۔ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے نام لئے اور فرمایا کہ میرے لڑکے عبد اللہ مجلس شوریٰ میں ان کے ساتھ رہیں گے لیکن خلافت سے انھیں کوئی سروکار نہیں ہوگا۔ اگر سعد بن وقاص کا انتخاب ہو جائے تو وہ اس کا حق رکھتے ہیں ورنہ ان چھ صحابیوں میں سے جس کو چاہیں منتخب کرلیں۔ اور میں نے سعد بن وقاص کو کسی عاجزی اور خیانت کے سبب معزول نہیں کیا تھا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ میں اپنے بعد خلیفہ ہونے والے کو وصیت کرتا ہوں کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے اور سب انصار و مہاجرین اور ساری رعایا کے ساتھ بھلائی سے پیش آتا رہے۔

جب حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وصال ہو گیا اور لوگ ان کی تجہیز و تکفین سے فارغ ہو گئے تو تین روز بعد خلیفہ کو منتخب کرنے کے لئے جمع ہوئے۔ حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں سے فرمایا کہ پہلے تین آدمی اپنا حق تین آدمیوں کو دیکر دست بردار ہو جائیں۔ لوگوں نے اس بات کی تائید کی تو حضرت زبیر حضرت علی کو، حضرت سعد بن وقاص حضرت عبد الرحمٰن کو اور حضرت طلحہ حضرت عثمان کو اپنا حق دیکر دست بردار ہو گئے۔ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

یہ تینوں حضرات رائے مشورہ کرنے کے لئے ایک طرف چلے گئے۔ وہاں حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں اپنے لئے خلافت پسند نہیں کرتا اب آپ لوگوں میں سے بھی جو خلافت کی ذمہ داری سے دست بردار ہونا چاہے وہ بتادے

اس لئے کہ جو بری ہو گا ہم خلافت اسی کے سپرد کریں گے۔ اور جو شخص خلیفہ ہو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امت میں سب سے افضل ہو اور اصلاح امت کی بہت خواہش رکھتا ہو۔ اس بات کے جواب میں حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما یعنی دونوں حضرات چپ رہے۔ تو حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اچھا آپ لوگ اس انتخاب کا کام ہمارے سپرد کر دیں۔ قسم خدا کی میں آپ لوگوں میں سے بہتر اور افضل شخص کا انتخاب کروں گا۔ دونوں حضرات نے فرمایا کہ ہم لوگوں کو منظور ہے ہم انتخابِ خلیفہ کا کام آپ کے سپرد کرتے ہیں۔

اب اس کے بعد حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لیکر ایک طرف گئے اور ان سے کہا کہ اے علی! آپ اسلام قبول کرنے میں سابقین اولین میں سے ہیں اور آپ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قریبی عزیز ہیں۔ لہٰذا آپ کو اگر میں خلیفہ مقرر کر دوں تو آپ قبول فرمالیں اور اگر میں کسی دوسرے کو آپ پر خلیفہ مقرر کر دوں تو اس کی اطاعت کریں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ مجھے منظور ہے۔

اس کے بعد حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لیکر ایک طرف گئے اور ان سے بھی تنہائی میں اسی قسم کی گفتگو کی تو انھوں نے بھی دونوں باتوں کو تسلیم کر لیا۔ جب ان دونوں حضرات سے عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس قسم کا عہد و پیمان لے لیا تو اس کے بعد آپ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور ان کے بعد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی بیعت کر لی۔

تاریخ الخلفاء میں ابن عساکر کے حوالہ سے ہے کہ حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بجائے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس لئے خلیفہ منتخب کیا کہ جو بھی صاحب الرائے تنہائی میں ان سے ملتا وہ یہی مشورہ دیتا کہ خلافت حضرت عثمان ہی کو ملنی چاہیئے وہ اس کے لئے سب سے زیادہ مستحق ہیں۔ چنانچہ

ایک روایت میں یوں آیا ہے کہ حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حمد و صلاۃ کے بعد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا اے علی! میں نے سب لوگوں کی رائے معلوم کرلی ہے۔ خلافت کے بارے میں سب کی رائے حضرت عثمان کے لئے ہے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ یہ کہہ کر آپ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہاتھ پکڑا اور کہا کہ میں سنت خدا، سنت رسول اور دونوں خلفاء کی سنت پر آپ سے بیعت کرتا ہوں۔ اس طرح سب سے پہلے حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیعت کی پھر تمام مہاجرین و انصار نے ان سے بیعت کی۔

اور مسند امام احمد میں حضرت ابو وائل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس طرح مروی ہے۔ انھوں نے فرمایا کہ میں نے حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت کیا کہ آپ نے حضرت علی کو چھوڑ کر حضرت عثمان سے کیوں بیعت کی؟ انھوں نے فرمایا کہ اس میں میرا قصور نہیں ہے۔ میں نے پہلے حضرت علی ہی سے کہا کہ میں کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی سنت پر آپ سے بیعت کرتا ہوں تو انھوں نے فرمایا کہ میں اس کی استطاعت نہیں رکھتا۔ اس کے بعد میں نے حضرت عثمان سے اسی قسم کی گفتگو کی تو انھوں نے قبول کرلیا۔ (تاریخ الخلفاء ص ۲۲)

غنیۃ الطالبین جو حضرت غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تصنیف مشہور ہے۔ اسمیں بھی یہی روایت مذکور ہے۔

تو اس روایت کی بنیاد پر یہ کہا جائے گا کہ غالباً حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس وقت خلافت سے اس لئے انکار کردیا کہ ان پر عام صحابہ کا رجحان ظاہر ہوچکا تھا کہ وہ میری بجائے حضرت عثمان کو خلیفہ مقرر کرنا چاہتے ہیں تو آپ نے صحابہ کی مرضی کے خلاف زبردستی ان کا خلیفہ بننا پسند نہ فرمایا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم

اور ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے تنہائی میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت کیا کہ اگر

میں آپ سے بیعت نہ کروں تو مجھے آپ کس سے بیعت کرنے کا مشورہ دیں گے ؟ انھوں نے فرمایا کہ علی سے ۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۔ پھر میں نے اسی طرح تنہائی میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ اگر میں آپ کی بیعت نہ کروں تو آپ مجھے کس کی بیعت کا مشورہ دیں گے ؟ انھوں نے فرمایا عثمان سے ۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۔ پھر میں نے حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلا کر اسی طرح تخلیہ میں ان سے دریافت کیا کہ اگر میں آپ کی بیعت نہ کروں تو آپ مجھے کس سے بیعت کرنے کی رائے دیں گے ؟ انھوں نے فرمایا کہ حضرت علی یا حضرت عثمان سے ۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہما ۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ پھر میں نے حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلایا اور ان سے کہا کہ میرا اور آپ کا ارادہ خلیفۃ المسلمین بننے کا تو ہے نہیں ۔ تو پھر آپ مجھے کس سے بیعت کرنے کا مشورہ دیتے ہیں ؟ انھوں نے فرمایا کہ حضرت عثمان سے ۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۔ پھر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تمام مہاجرین و انصار سے مشورہ کیا تو اکثر لوگوں کی رائے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں پائی ۔ اس لئے انھوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیعت کی ۔

ایک بار ہم سب مل کر بلند آواز سے سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ان کی آل و اصحاب پر درود و سلام کی ڈالیاں نچھاور کریں ۔

ایک اعتراض اور اسکا جواب

رافضی کہتے ہیں کہ سب سے پہلے خلافت کے حقدار حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے مگر لوگوں نے ان کے حق کو غصب کر لیا کہ پہلے (حضرت) ابوبکر پھر (حضرت) عمر اور پھر (حضرت) عثمان کو خلیفہ بنایا (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) اس طرح مسلسل حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حق تلفی کی گئی ۔

پھر رافضی اسی پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ حضرات خلفاء ثلاثہ اور دیگر صحابۂ کرام کہ جنھوں نے ان کو خلیفہ منتخب کیا ان سب سے بغض و عداوت رکھتے ہیں اور ان کو برا بھلا کہتے ہیں ۔

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پہلے جو لوگ خلیفہ ہوئے اور جنھوں نے ان کو خلیفہ بنایا یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کی خدائے تعالیٰ نے مدح فرمائی ہے اور ان کی تعریف و توصیف میں قرآن مجید کی بہت سی آیات کریمہ نازل ہوئی ہیں۔ مثلاً پ ۲۷ ع ۱۷ میں ہے لَا یَسْتَوِیْ مِنْکُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ اُولٰٓئِکَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِیْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَقَاتَلُوْا وَکُلًّا وَّعَدَ اللّٰہُ الْحُسْنٰی ۔ یعنی تم میں برابر نہیں وہ جنھوں نے فتح مکہ سے پہلے خرچ اور جہاد کیا۔ وہ مرتبہ میں ان سے بڑے ہیں جنھوں نے فتح مکہ کے بعد خرچ اور جہاد کیا۔ اور ان سب سے اللہ جنت کا وعدہ فرما چکا۔

اور پ ۱۱ ع ۲ میں ہے وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُھٰجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِیْنَ اتَّبَعُوْھُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ ۔ یعنی اور سب میں اگلے پہلے مہاجرین و انصار اور جو بھلائی کے ساتھ ان کی اتباع کئے اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔

اور پ ۲۸ ع ۴ میں ہے لِلْفُقَرَآءِ الْمُھٰجِرِیْنَ الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِھِمْ وَاَمْوَالِھِمْ یَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰہِ وَرِضْوَانًا وَّیَنْصُرُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ ۔ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۔ یعنی ہجرت کرنے والے فقیروں کے لئے جو اپنے گھروں اور مالوں سے نکالے گئے اللہ کا فضل اور اس کی رضا چاہتے ہیں۔ اور اللہ و رسول کی مدد کرتے ہیں وہی لوگ سچے ہیں۔

پھر اسی پ ۲۸ ع ۴ میں ہے وَالَّذِیْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِیْمَانَ مِنْ قَبْلِھِمْ یُحِبُّوْنَ مَنْ ھَاجَرَ اِلَیْھِمْ وَلَا یَجِدُوْنَ فِیْ صُدُوْرِھِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَیُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓی اَنْفُسِھِمْ وَلَوْ کَانَ بِھِمْ خَصَاصَةٌ ۔ وَمَنْ یُّوْقَ شُحَّ نَفْسِہٖ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۔ یعنی اور جن لوگوں نے پہلے سے اس (مدینہ منورہ) شہر میں اور ایمان میں گھر بنا لیا وہ دوست رکھتے ہیں انلوگوں

کو جوان کی طرف ہجرت کر کے گئے۔ اور وہ لوگ اپنے دلوں میں کوئی حاجت نہیں پاتے اس چیز کی جو (مہاجرین مال غنیمت) دئے گئے۔ اور (انصار) اپنی جانوں پر ان کو ترجیح دیتے ہیں اگرچہ انھیں شدید محتاجی ہو۔ اور جو اپنے نفس کی لالچ سے بچایا گیا تو وہی کامیاب ہیں۔

اور پ۴ ع ۸ میں ہے لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ۔ یعنی بیشک اللہ کا مسلمانوں پر بڑا احسان ہوا کہ ان میں انھیں میں سے ایک رسول بھیجا جو ان پر خدائے تعالیٰ کی آیتیں پڑھتا ہے اور انھیں پاک کرتا ہے۔

حضرات! اس قسم کی اور بھی بہت سی آیات کریمہ ہیں جن میں خدائے عزوجل نے اپنے پیارے مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اصحاب کی واضح لفظوں میں تعریف و توصیف بیان فرمائی ہے مگر ہم بروقت انھیں چند آیات پر اکتفا کرتے ہیں۔

اب آپ لوگ غور کیجئے۔ پہلی آیت کریمہ جو ہم نے تلاوت کی ہے اس میں فرمایا گیا ہے وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى۔ یعنی فتح مکہ سے پہلے اور اس کے بعد اللہ کی راہ میں خرچ کرنے اور لڑائی کرنے والے ہر ایک سے اللہ تعالیٰ نے بھلائی کا وعدہ فرمایا ہے

اور دوسری آیت مبارکہ میں ہے رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ۔ یعنے اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہیں۔

اور تیسری آیت کریمہ میں فرمایا گیا اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ۔ یعنی وہی لوگ سچے ہیں۔

اور چوتھی آیت مبارکہ میں ہے فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔ یعنی وہی لوگ فلاح یافتہ اور کامیاب ہیں۔

اور پانچویں آیت کریمہ میں فرمایا گیا وَيُزَكِّيْهِمْ۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کا تزکیہ فرماتے ہیں یعنی ناپسندیدہ خصلتوں اور بری باتوں سے ان کو پاک و صاف کرتے ہیں اور صالح بناتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ میں خبر دی کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مُزکّی ہیں تو اس بات پر ایمان لانا ضروری ہے کہ صحابۂ کرام کے قلوب کا انھوں نے تزکیہ فرمایا اسلئے کہ اگر ان کے قلوب کا تزکیہ نہیں فرمایا تو وہ مُزکّی نہیں ہو سکتے۔ اور جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے قلوب کا تزکیہ فرمایا تو ماننا پڑے گا کہ وہ نیکوکار اور صالح ہیں۔ ان کے اخلاق بلند ہیں، وہ اوصاف حمیدہ والے ہیں، ان کی نیتیں صحیح ہیں اور ان کا عمل ہمارے لئے مشعل راہ ہے۔

لہٰذا صحابۂ کرام کہ جن سے اللہ تعالیٰ نے بھلائی کا وعدہ فرمایا۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی۔ اور ایسے لوگ کہ جو فلاح یافتہ اور سچے ہیں۔ اور جن کے قلوب مُزکّیٰ و مُجلّیٰ ہیں ان کے بارے میں یہ فاسد اعتقاد رکھنا کہ انھوں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ کے حق کو غصب کرلیا۔ انتہائی بدنصیبی و بدبختی ہے بلکہ قرآن شریف کو جھٹلانا ہے۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔

بادشاہ جس جماعت سے راضی ہو اور ان کی تعریف و توصیف بیان کرتا ہو اس جماعت سے بغض و عداوت رکھنا اور ان کی برائی کرنا بادشاہ کی ناراضگی کا سبب ہوگا۔ تو خدائے ذوالجلال جو صحابہ سے راضی ہے اور اپنی کتاب قرآن مجید میں جگہ جگہ ان کی تعریف و توصیف بیان فرماتا ہے اس مبارک جماعت سے بغض و عداوت رکھنا اور ان کی برائی کرنا خدائے تعالیٰ کی سخت ناراضگی کا سبب ہے۔

حضرت علامہ ابوزرعہ رازی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو تبع تابعین میں سے ہیں انھوں نے اس سلسلے میں نہایت ہی عمدہ بات فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں اِذَا رَأَیْتَ الرَّجُلَ اَنَّہٗ یُنْقِصُ اَحَدًا مِّنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاعْلَمْ اَنَّہٗ زِنْدِیْقٌ۔ یعنی جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ رسول کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کے اصحاب میں سے کسی کی تنقیص کرتا ہے ان میں نقص نکالتا ہے تو جان لو کہ وہ زندیق اور بیدین ہے۔ اس لئے کہ قرآن اور حضور علیہ الصلاۃ والسلام کا ہر فرمان ہیں صحابہ ہی

کے واسطے سے ملا ہے۔ تو ان کی ذات میں برائی ثابت کرنا اور ان کو غلط ٹھہرانا قرآن و حدیث کو باطل قرار دینا ہے۔ العیاذ باللہ تعالیٰ (الاصابہ ص۱۱ ج ۱)

ایک بار آپ سب لوگ مل کر سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں درود شریف کی ڈالیاں پیش کریں۔ صلی اللہ الخ

آپ کا پہلا خطبہ

تاریخ الخلفاء میں ابن سعد کے حوالہ سے ہے کہ خلیفہ منتخب ہونے کے بعد جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے تو آپ کچھ بیان نہ کر سکے۔ صرف اتنا فرمایا کہ اے لوگو! پہلی مرتبہ گھوڑے پر سوار ہونا بڑا مشکل ہوتا ہے۔ آج کے بعد بہت سے دن آئیں گے۔ اگر میں زندہ رہا تو انشاء اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کے سامنے ضرور خطبہ دوں گا۔ ہمارے خاندان میں لوگ خطیب نہیں ہوئے ہیں۔ خدائے تعالیٰ سے امید ہے کہ وہ عنقریب ہمیں خطبہ دینے پر قدرت عطا فرمائے گا۔

اعلیٰحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں کہ "منبر کے تین زینے تھے علاوہ اوپر کے تختے کے جس پر بیٹھتے ہیں۔ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم درجۂ بالا پر خطبہ فرمایا کرتے۔ صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دوسرے پر پڑھا۔ فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تیسرے پر۔ جب زمانہ ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا آیا پھر اول پر خطبہ فرمایا۔ سبب پوچھا گیا فرمایا اگر دوسرے پر پڑھتا لوگ گمان کرتے کہ میں صدیق کا ہمسر ہوں اور تیسرے پر۔ تو وہم ہوتا کہ فاروق کے برابر ہوں۔ لہٰذا وہاں پڑھا جہاں یہ احتمال متصور ہی نہیں۔ (فتاویٰ رضویہ جلد سوم ص۳۴)

برادرانِ ملت! حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جملے قابل غور ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ اگر دوسرے پر پڑھتا لوگ گمان کرتے کہ میں صدیق کا ہمسر ہوں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر لوگ ان کو حضرت صدیق کا ہمسر گمان کرتے تو کیا اس میں کوئی خرابی تھی؟ ہاں بیشک خرابی تھی۔ اس لئے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ ہرگز منظور

نہیں تھا کہ لوگ ان کو صدیق اکبر کا ہمسر گمان کریں۔ اسی طرح ان کو یہ بھی گوارا نہیں تھا کہ لوگ ان کے بارے میں وہم کریں کہ وہ فاروق اعظم کے برابر ہیں۔ اسی لئے فرمایا کہ اگر تیسرے پر پڑھتا تو وہم ہوتا کہ فاروق کے برابر ہوں۔

معلوم ہوا کہ حضرت عثمان غنی ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حضرت ابوبکر صدیق و حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے برابری کا دعویٰ کرنا تو بہت دور کی بات ہے انکو اتنا بھی گوارا نہیں تھا کہ ان کے بارے میں کوئی یہ وہم وگمان کرے کہ وہ حضرات شیخین کے ہمسر و برابر ہیں۔ اسی لئے وہ سب سے اوپر والے درجہ پر خطبہ پڑھے۔

پھر حضرت عثمان غنی ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ جملہ بھی قابل توجہ ہے کہ میں نے وہاں خطبہ پڑھا جہاں یہ (یعنی ہمسری و برابری کا) احتمال متصور ہی نہیں۔ مطلب یہ ہوا کہ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین میں سے کوئی بھی یہ تصور کر ہی نہیں سکتا تھا کہ حضرت عثمان غنی حضور سے برابری و ہمسری کا دعویٰ کرسکتے ہیں۔

ثابت ہوا کہ اگر کوئی آقائے دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے برابری و ہمسری کا دعویٰ کرے تو وہ گستاخ و بے ادب ہے اور صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے راستے سے الگ ہے۔ اور حدیث شریف مَا اَنَا عَلَیْہِ وَاَصْحَابِیْ۔ کے مطابق انھیں کے راستے پر چلنے والے جنتی ہیں باقی سب جہنمی۔

حضرت عثمان غنی ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آپ کے زمانۂ خلافت کی فتوحات

زمانۂ خلافت میں بھی اسلامی فتوحات کا دائرہ برابر وسیع ہوتا رہا۔ چنانچہ آپکے زمانۂ خلافت کے پہلے سال یعنی ۲۴ ہجری میں "رے" فتح ہوا۔ رے خراسان کا ایک شہر ہے جو آجکل ایران کا دارالسلطنت ہے اور اسے طہران کہتے ہیں۔ ۲۶ ہجری میں شہر سابور فتح ہوا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں ملک شام کے گورنر تھے انھوں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کئی

بارہا درخواست پیش کی تھی کہ بحری بیڑا کے ذریعہ قبرص پر حملہ کی اجازت دی جائے مگر آپ نے اجازت نہ دی لیکن جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اصرار بہت زیادہ ہوا تو آپ نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لکھا کہ آپ سمندر اور بادبانی جہاز کی کیفیت مفصل طریقہ سے لکھکر مجھے روانہ کرو۔ انھوں نے لکھا کہ میں نے بادبانی جہاز کو دیکھا ہے جو ایک بڑی مخلوق ہے اور اس پر چھوٹی مخلوق سوار ہوتی ہے۔ جب وہ جہاز ٹھہر جاتا ہے تو لوگوں کے دل پھٹنے لگتے ہیں اور جب وہ چلتا ہے تو عقلمند لوگ بھی خوف زدہ ہو جاتے ہیں۔ اس میں اچھائیاں کم ہیں اور خرابیاں زیادہ ہیں۔ اس میں سفر کرنے والوں کی حیثیت کیڑے مکوڑوں جیسی ہے۔ اگر یہ سواری کسی طرف کو جھک جائے تو عموماً لوگ ڈوب جاتے ہیں اور اگر بچ جاتے ہیں تو اس حال میں ساحل تک پہنچتے ہیں کہ کانپتے رہتے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خط اس مضمون کا پڑھا تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لکھا کہ وَاللّٰہِ لَا اُحَمِّلُ فِیْہِ مُسْلِمًا اَبَدًا۔ یعنی قسم ہے خدائے تعالیٰ کی میں ایسی سواری پر مسلمانوں کو کبھی سوار نہیں کر سکتا۔ (تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۰۶)

اس طرح حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں قبرص پر مسلمانوں کا حملہ نہیں ہو سکا۔ لیکن جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا زمانہ خلافت آیا تو ان کے حکم سے ۲۷ ہجری میں جہاز کے ذریعہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لشکر لیجا کر قبرص پر حملہ کیا۔ اس کو فتح کر لیا اور جزیہ لینے کی شرط منظور کرلی۔

جس لشکر نے بحری راستہ سے جاکر قبرص پر حملہ کیا تھا اس لشکر میں مشہور و معروف صحابی حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی اہلیہ محترمہ حضرت ام حرام بنت ملحان انصاریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ موجود تھے۔ آپ کی بیوی جانور سے گر کر انتقال کر گئیں تو ان کو وہیں قبرص میں دفن کر دیا گیا۔ اس لشکر کے متعلق اللہ کے محبوب دانائے خفایا و غیوب جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پیشین گوئی فرمائی تھی کہ

عبادہ بن صامت کی بیوی بھی اس لشکر میں ہوگی اور قبرص ہی میں اس کی قبر بنے گی۔ چنانچہ یہ پیشین گوئی حرف بحرف صحیح ہوئی۔ اور کیوں نہ ہو کہ ندی کا بہتا ہوا دھارا رک سکتا ہے درخت اپنی جگہ سے ہٹ سکتا ہے بلکہ بڑا سے بڑا پہاڑ بھی اپنی جگہ سے ٹل سکتا ہے مگر اللہ کے محبوب پیارے مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان نہیں ٹل سکتا۔

صلی اللہ علی النبی الامی وآلہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صلاۃ وسلاماً علیک یارسول اللہ۔

اور اسی ۲۷ھ میں جرجان اور دارابجرد فتح ہوئے۔ اور اسی سال جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کو مصر کا گورنر بنایا تو انھوں نے مصر پہنچ کر حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم سے افریقہ پر حملہ کیا اور اسکو فتح کر کے ساری سلطنتوں کو حکومت اسلامیہ میں شامل کر لیا۔ اس جنگ میں اس قدر مال غنیمت مسلمانوں کو حاصل ہوا کہ ہر سپاہی کو ایک ایک ہزار دینار اور بعض روایت کے مطابق تین تین ہزار دینار ملے۔ دینار ساڑھے چار ماشہ سونے کا ایک سکہ ہوتا ہے۔ اس فتح عظیم کے بعد اسی ۲۷ھ میں اسپین یعنی ہسپانیہ بھی فتح ہو گیا۔ اور ۲۹ھ میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم سے اُصطخر، فسا اور ان کے علاوہ بعض دوسرے ممالک بھی فتح ہوئے۔

اور ۳۰ھ میں جور، خراسان اور نیشاپور صلح کے ذریعہ فتح ہوئے۔ اسی طرح ملک ایران کے دوسرے شہر طوس، سرخس، مرو، اور بیہق بھی صلح سے فتح ہوئے۔ اسقدر فتوحات سے جب بے شمار مال غنیمت ہر طرف سے دارالخلافت میں پہنچنے لگا۔ تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان مالوں کی حفاظت کے لئے کئی محفوظ خزانے بنوانے پڑے۔ [۱] لوگوں میں اس فراخ دلی سے مال تقسیم فرمایا کہ ایک ایک شخص کو ایک ایک لاکھ بدرے ملے جبکہ ایک بدرہ دس ہزار درہم کا ہوتا ہے۔

---

[۱] تاریخ الخلفاء ص ۱۰۶

آپ کی کرامتیں

بہ ادارانِ اسلام ؛ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کئی کرامتوں کا ظہور ہوا ہے جن میں سے چند کرامتیں آپ حضرات کے سامنے پیش کی جاتی ہیں۔

علامہ تاج الدین سبکی علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب "طبقات" میں تحریر فرمایا ہے کہ ایک شخص نے راستہ چلتے ہوئے ایک اجنبی عورت کو گھور گھور کر غلط نگاہوں سے دیکھا۔ اس کے بعد یہ شخص امیر المؤمنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ اس شخص کو دیکھ کر حضرت امیر المؤمنین نے نہایت ہی پر جلال لہجہ میں فرمایا کہ تم لوگ ایسی حالت میں میرے سامنے آتے ہو کہ تمہاری آنکھوں میں زنا کے اثرات ہوتے ہیں۔ شخص مذکور نے جل بھن کر کہا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد آپ پر وحی اترنے لگی ہے؟ آپ کو یہ کیسے معلوم ہو گیا کہ میری آنکھوں میں زنا کے اثرات ہیں؟

امیر المؤمنین نے ارشاد فرمایا کہ میرے اوپر وحی تو نہیں نازل ہوتی ہے لیکن میں نے جو کچھ کہا ہے یہ بالکل ہی قول حق اور سچی بات ہے اور خداوند قدوس نے مجھے ایک ایسی فراست (نورانی بصیرت) عطا فرمائی ہے جس سے میں لوگوں کے دلوں کے حالات و خیالات کو معلوم کر لیتا ہوں۔ (کرامات صحابہ بحوالہ حجۃ اللہ علی العالمین جلد دوم صفحہ ۸۶۲)

اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما راوی ہیں کہ امیر المؤمنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد نبوی شریف کے منبر اقدس پر خطبہ پڑھ رہے تھے کہ بالکل ہی اچانک ایک بدنصیب اور خبیث النفس انسان جس کا نام "جہجاہ غفاری" تھا کھڑا ہو گیا اور آپکے دست مبارک سے عصا چھین کر اس کو توڑ ڈالا۔ آپ نے اپنے حلم و حیا کی وجہ سے اس سے کوئی مواخذہ نہیں فرمایا لیکن خدائے تعالیٰ کی قہاری و جباری نے اس بے ادبی اور گستاخی پر اس مردود کو یہ سزا دی کہ اس کے ہاتھ میں کینسر کا مرض ہو گیا اور اس کا ہاتھ گل سڑ کر گر پڑا اور وہ یہ سزا پا کر ایک سال کے اندر ہی مر گیا۔ (کرامات صحابہ بحوالہ حجۃ اللہ علی العالمین جلد دوم صفحہ ۸۶۳)

اور حضرت ابو قلابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ میں ملک شام کی سرزمین میں تھا تو

میں نے ایک شخص کو بار بار یہ صدا لگاتے ہوئے سنا کہ "ہائے افسوس! میرے لئے جہنم ہے"۔ میں اٹھ کر اس کے پاس گیا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ اس شخص کے دونوں ہاتھ اور پاؤں کٹے ہوئے ہیں اور وہ دونوں آنکھوں سے اندھا ہے اور اپنے چہرے کے بل زمین پر اوندھا پڑا ہوا بار بار لگاتار یہی کہہ رہا ہے کہ "ہائے افسوس میرے لئے جہنم ہے"۔ یہ منظر دیکھ مجھ سے رہا نہ گیا اور میں نے اس سے پوچھا کہ اے شخص تیرا کیا حال ہے؟ اور کیوں اور کس بنا پر تجھے اپنے جہنمی ہونے کا یقین ہے؟ یہ سن کر اس نے یہ کہا کہ اے شخص! میرا حال نہ پوچھ میں ان بد نصیب لوگوں میں سے ہوں جو امیر المؤمنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قتل کرنے کے لئے ان کے مکان میں گھس پڑے تھے۔ میں جب تلوار لے کر ان کے قریب پہنچا تو ان کی بیوی صاحبہ نے مجھے ڈانٹ کر شور مچانا شروع کیا تو میں نے ان کی بیوی صاحبہ کو ایک تھپڑ مار دیا۔ یہ دیکھ کر امیر المؤمنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ دعا مانگی کہ "اللہ تعالیٰ تیرے دونوں ہاتھوں اور پاؤں کو کاٹ ڈالے اور تیری دونوں آنکھوں کو اندھی کر دے اور تجھ کو جہنم میں جھونک دے اے شخص! میں امیر المؤمنین کے پر جلال چہرے کو دیکھ کر اور ان کی اس قاہرانہ دعا کو سنکر کانپ اٹھا اور میرے بدن کا ایک ایک رونگٹا کھڑا ہو گیا اور میں خوف و دہشت سے کانپتے ہوئے وہاں سے بھاگ نکلا۔

امیر المؤمنین کی چار دعاؤں میں سے تین دعاؤں کی زد میں تو میں آ چکا ہوں۔ تم دیکھ رہے ہو کہ میرے دونوں پاؤں کٹ چکے اور دونوں آنکھیں اندھی ہو چکیں۔ اب صرف چوتھی دعا یعنی میرا جہنم میں داخل ہونا باقی رہ گیا ہے اور مجھے یقین ہے کہ یہ معاملہ بھی یقیناً ہو کر رہے گا۔ چنانچہ اب میں اسی کا انتظار کر رہا ہوں اور اپنے جرم کو بار بار یاد کر کے نادم و شرمسار ہو رہا ہوں اور اپنے جہنمی ہونے کا اقرار کرتا ہوں۔ (کرامات صحابہ بحوالہ ازالۃ الخفا مقصد۲ صفحہ ۲۲۷)

مذکورہ بالا تینوں واقعات امیر المؤمنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عظیم کرامتیں ہیں جو ان کی جلالت شان اور بارگاہ خداوندی میں ان کی مقبولیت اور ولایت کی

واضح نشانیاں ہیں۔

آپ کی شہادت

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دور خلافت کل بارہ سال رہا۔ شروع کے چھ برسوں میں لوگوں کو آپ سے کوئی شکایت نہیں ہوئی بلکہ ان برسوں میں وہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی زیادہ لوگوں میں مقبول و محبوب رہے اسی لئے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزاج میں کچھ سختی تھی اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں سختی کا وجود نہ تھا آپ بہت بامروت تھے۔ لیکن آخری چھ برسوں میں بعض گورنروں کے سبب لوگوں کو آپ سے شکایت ہوگئی۔ آپ نے عبداللہ بن ابی سرح کو مصر کا گورنر مقرر کیا۔ ابھی عبداللہ کے تقرر کو صرف دو سال گذرے تھے کہ مصر کے لوگوں کو ان سے شکایتیں پیدا ہوگئیں۔ انھوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دادرسی چاہی آپ نے بذریعۂ تحریر عبداللہ کو سخت تنبیہ فرمائی اور تاکید کی کہ خبردار! آئندہ تمہاری شکایت میرے پاس نہ پہنچے۔ مگر عبداللہ نے آپ کے خط کی کچھ پرواہ نہ کی بلکہ مصر کے جو لوگ دارالخلافۃ مدینہ شریف میں شکایت لے کر آئے تھے ان کو قتل کر دیا۔ اس سے مصر کی حالت اور زیادہ خراب ہوگئی یہاں تک کہ وہاں سے سات سو افراد مدینہ شریف آئے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عبداللہ کی زیادتیاں بیان کیں اور دوسرے صحابۂ کرام سے بھی شکایتیں کیں۔ تو بعض صحابہ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سخت کلامی کی اور ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ کے پاس کہلا بھیجا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صحابہ آپ کے پاس آئے ہیں اور عبداللہ بن ابی سرح جس پر قتل کا الزام ہے اسکی معزولی اور برطرفی کا آپ سے مطالبہ کرتے ہیں مگر آپ ان کی باتوں پر توجہ نہیں کرتے۔ آپ کو چاہئے کہ ایسے شخص کو مناسب سزا دیں۔

اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لائے انھوں نے بھی حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ یہ لوگ قتل ناحق کے سبب مصر کے گورنر کی معزولی چاہتے ہیں۔ آپ اس معاملہ میں انصاف کیجئے اور عبداللہ بن ابی سرح کی جگہ پر کسی دوسرے کو گورنر مقرر

کر دیجئے۔ آپ نے مصر کے لوگوں سے فرمایا کہ اِخْتَارُوْا رَجُلاً اُوَلِّیْهِ عَلَیْکُمْ مَکَانَهٗ یعنی آپ لوگ خود ہی کسی کو گورنر چن لیجئے میں عبداللہ بن ابی سرح کو معزول کر کے آپ لوگوں کے چنے ہوئے گورنر کو مقرر کر دوں گا۔ ان لوگوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادے یعنی محمد بن ابوبکر کو منتخب کیا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ امیر المؤمنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان لوگوں کے انتخاب کو منظور فرما لیا اور حضرت محمد بن ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے لئے پروانہ تقرری اور عبداللہ بن ابی سرح کے بارے میں معزولی کی تحریر لکھدی۔ محمد بن ابوبکر مصر سے آئے ہوئے سات سو افراد اور کچھ انصار و مہاجرین کیساتھ مصر کے لئے روانہ ہوئے۔

مدینہ منورہ سے ابھی یہ قافلہ تیسری ہی منزل پر تھا کہ ان کو ایک حبشی غلام سانڈنی پر بیٹھا ہوا نہایت تیزی کے ساتھ مصر کی طرف جاتا ہوا نظر آیا۔ اس کے رنگ ڈھنگ اور اسکی تیز رفتاری سے معلوم ہوتا تھا کہ یہ غلام یا تو اپنے مالک سے بھاگا ہوا ہے اور یا تو کسی کا قاصد ہے۔ قافلہ والوں نے اسے بڑھ کر پکڑ لیا اور پوچھا کہ تو کون ہے؟ تو کہیں سے بھاگا ہے یا تجھے کسی کی تلاش ہے؟ اس نے کہا میں امیر المؤمنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا غلام ہوں۔ پھر کہا کہ میں مروان کا غلام ہوں۔ ایک شخص نے اسے پہچان لیا اور بتایا کہ یہ امیر المؤمنین ہی کا غلام ہے۔ حضرت محمد بن ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اس سے دریافت فرمایا کہ تمہیں کہاں بھیجا گیا ہے؟ اس نے کہا مجھے مصر کے گورنر عبداللہ بن ابی سرح کے پاس بھیجا گیا ہے۔ اس کی تلاشی لی گئی تو اس کے خشک مشکیزہ سے ایک خط نکلا جو امیر المؤمنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے عامل مصر عبداللہ بن ابی سرح کے نام تھا۔ محمد بن ابوبکر نے سب لوگوں کو جمع کیا اور ان کے سامنے خط کھولا جس میں لکھا ہوا تھا کہ اِذَا اَتَاکَ مُحَمَّدٌ وَّفُلَانٌ وَّفُلَانٌ فَاحْتَلْ فِیْ قَتْلِهِمْ وَاَبْطِلْ کِتَابَهٗ وَقَرَّ عَلٰی عَمَلِکَ حَتّٰی یَاْتِیَکَ رَأْیِیْ۔ یعنی جب محمد بن ابوبکر اور فلاں وفلاں تمہارے پاس پہنچیں تو ان کو کسی حیلے سے قتل کر دو۔ خط کو کالعدم قرار دو اور جبتک

کہ میرا دوسرا حکمنامہ پہنچے اپنے عہدہ پر برقرار رہو۔

اس خط کو پڑھ کر قافلہ والے سب لوگ دنگ رہ گئے۔ محمد بن ابوبکر نے اس خط پر ساتھ کے چند ذمہ دار لوگوں کی مہریں لگوا دیں اور اسے ایک شخص کی تحویل میں دیدیا اور سب لوگ وہیں سے مدینہ منورہ کو واپس ہو گئے۔ جب وہاں پہنچے تو حضرت علی، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت سعد اور دیگر صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو اکٹھا کر کے ان کے سامنے خط کھول کر سب کو پڑھوایا اور اس حبشی غلام کا سارا واقعہ سنایا۔ اس پر سب لوگ بہت سخت برہم ہوئے اور تمام صحابۂ کرام غیظ و غضب میں بھرے ہوئے اپنے اپنے گھروں کو واپس ہو گئے۔ مگر محمد بن ابوبکر اپنے قبیلہ بنو تمیم اور مصریوں کے ساتھ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر کو گھیر لیا۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب یہ صورت حال دیکھی تو حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت سعد، حضرت عمار اور دیگر اکابر صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے ساتھ امیر المومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکان پر تشریف لے گئے۔ ان کے ساتھ وہ خط: غلام اور اونٹنی بھی تھی جو راستے میں پکڑی گئی تھی۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت فرمایا کیا یہ غلام آپ کا ہے؟ انھوں نے فرمایا ہاں یہ غلام میرا ہے۔ پھر انھوں نے پوچھا کیا یہ اونٹنی بھی آپ ہی کی ہے؟ انھوں نے جواب میں فرمایا ہاں یہ اونٹنی بھی ہماری ہے۔ پھر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہ خط پیش فرمایا اور پوچھا کیا یہ خط آپ نے لکھا ہے؟ انھوں نے فرمایا نہیں۔ اور خدائے تعالیٰ کی قسم کھا کے کہا کہ نہ میں نے اس خط کو لکھا ہے، نہ کسی کو لکھنے کا حکم دیا ہے اور نہ مجھے اس کے بارے میں کوئی علم ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا بڑے تعجب کی بات ہے کہ اونٹنی آپ کی اور خط پر مہر بھی آپ کی جسے آپ ہی کا غلام یہاں سے لیکر جا رہا تھا مگر آپ کو کوئی علم نہیں۔ تو پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کے فرمایا کہ نہ میں نے اس خط کو لکھا ہے، نہ کسی سے لکھوایا ہے اور نہ میں نے غلام کو یہ خط دیکر

مصر کی طرف روانہ کیا ہے۔

جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قسم کھا کر اپنی برأت ظاہر فرمائی تو ہر شخص کو یقین ہو گیا کہ ان کا دامن اس جرم سے پاک ہے۔ لوگوں نے تحریر کو بغور دیکھا تو یہ خیال قائم کیا کہ تحریر مروان کی ہے اور ساری شرارت اسی کی ذات سے ہے۔ مروان اسوقت امیر المومنین کے مکان میں موجود تھا۔ لوگوں نے ان سے کہا کہ آپ اسے ہمارے حوالے کر دیجئے۔ آپ نے انکار کر دیا۔ اس لئے کہ وہ لوگ غیظ و غضب میں بھرے ہوئے تھے مروان کو سزا دیتے اور اسے قتل کر دیتے۔ حالانکہ تحریر سے یقین کامل نہیں ہوتا اس لئے کہ اَلْخَطُّ یُشْبِہُ الْخَطَّ۔ یعنی ایک تحریر دوسری تحریر کے مشابہ ہوتی ہے۔ تو انھیں مروان کی تحریر ہونے کا صرف شبہہ تھا اور شبہہ کا فائدہ ہمیشہ ملزم کو پہنچتا ہے۔ اس لئے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مروان کو ان کے سپرد نہیں کیا۔ علاوہ اس کے سپرد کرنے میں بہت بڑے فتنہ کا اندیشہ بھی تھا۔

بہر حال جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مروان کو لوگوں کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا تو صحابۂ کرام ان کے یہاں سے اٹھ کر چلے گئے۔ اور آپس میں یہ کہہ رہے تھے کہ حضرت عثمان کبھی جھوٹی قسم نہیں کھا سکتے مگر کچھ لوگ یہ بھی کہہ رہے تھے کہ وہ شک سے بری نہیں ہو سکتے جبتک کہ مروان کو ہمارے سپرد نہ کر دیں اور ہم اس سے تحقیق نہ کرلیں اور یہ معلوم نہ ہو جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صحابیوں کو قتل کرنے کا حکم کیوں دیا گیا۔ اگر یہ بات ثابت ہو گئی کہ خط انھوں نے ہی لکھا ہے تو ہم انھیں خلافت سے الگ کر دیں گے۔ اور اگر یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچی کہ حضرت عثمان کی طرف سے مروان نے خط لکھا ہے تو ہم اسے سزا دیں گے۔

محاصرہ میں سختی

جب اکابر صحابہ اپنے اپنے گھر چلے گئے تو بلوائیوں نے محاصرہ میں اور سختی پیدا کر دی یہاں تک کہ ان پر پانی کو بند کر دیا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اوپر سے جھانک کر مجمع سے دریافت فرمایا کیا تم

میں علی ہیں ؟ لوگوں نے کہا نہیں ۔ پھر آپ نے پوچھا کیا تم میں سعد موجود ہیں ؟ جواب دیا گیا کہ سعد بھی نہیں موجود ہیں ۔ یہ جواب سن کر آپ تھوڑی دیر خاموش رہے اس کے بعد فرمایا کوئی شخص علی کو یہ خبر پہنچا دے کہ وہ ہمارے لئے پانی مہیا کر دیں ۔ جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ خبر پہنچ گئی تو انھوں نے آپ کے لئے پانی سے بھرے ہوئے تین مشکیزے بھجوا دئے ۔ مگر وہ پانی بمشکل تمام آپ تک پہنچا کہ اس کے سبب بنی ہاشم اور بنی امیہ کے کئی غلام زخمی ہو گئے اس واقعہ سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس بات کا اندازہ ہوا کہ لوگ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قتل کرنا چاہتے ہیں ۔ تو آپ نے اپنے دونوں صاحبزادگان یعنی حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے فرمایا کہ تم دونوں اپنی اپنی تلواریں لیکر حضرت عثمان غنی کے دروازہ پر جاؤ پہرے داروں کی طرح ہوشیار کھڑے رہو اور خبردار کسی بھی بلوائی کو اندر ہرگز نہ جانے دو ۔ اسی طرح حضرت طلحہ، حضرت زبیر اور دیگر اکابر صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے اپنے اپنے صاحبزادگان کو امیر المؤمنین کے دروازہ پر بھیج دیا جو برابر نہایت مستعدی کے ساتھ ان کی حفاظت کرتے رہے ۔

(تاریخ الخلفاء)

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں کہ جب بلوائیوں نے محاصرہ سخت کر دیا تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما چند مہاجرین کے ساتھ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دولت خانہ پر تشریف لائے اور ان سے کہنے لگے کہ یہ جس قدر بلوائی آپ پر چڑھ آئے ہیں یہ وہی ہیں جو ہماری تلواروں سے مسلمان ہوئے ہیں اور اب بھی ڈر کے مارے کپڑے ہی میں پاخانہ کئے دیتے ہیں ۔ یہ سب شیخیاں اور اونچی اونچی اڑانیں اس سبب سے ہیں کہ کلمہ پڑھتے ہیں اور آپ کلمہ کی حرمت کا پاس و لحاظ کرتے ہیں ۔ اگر آپ حکم دیں تو ہم ان کو ان کی حقیقت معلوم کرا دیں ۔ اور انکی بھولی ہوئی بات پھر ان کو یاد دلا دیں ۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا خدا کی قسم ایسی بات نہ کہو صرف میری جان کی خاطر اسلام میں ہرگز پھوٹ نہ پیدا کرو ۔

پھر آپ کے سارے غلام جو ایک فوج کے برابر تھے اسباب و ہتھیار سے تیار ہو کر آپ کے سامنے آئے اور بڑی بے چینی و بیقراری کے ساتھ آپ سے کہنے لگے کہ ہم وہی تو ہیں جنکی تلواروں کی تاب خراسان سے افریقہ تک کوئی نہ لاسکا۔ اگر آپ اجازت فرمائیں تو ہم مغروروں کو انکے کام کا تماشا دکھادیں۔ گفتگو اور بات چیت سے ان کی درستگی نہیں ہو سکتی۔ وہ لوگ جانتے ہیں کہ کلمہ کی حرمت کے سبب ہیں کوئی نہیں چھیڑے گا اسی لئے وہ راہ راست پر نہیں آتے اور آپ کی نیز دیگر صحابۂ کرام کی باتوں کو ذرہ برابر اہمیت نہیں دیتے۔ لہٰذا آپ ہمیں ان سے لڑنے کی اجازت دیجئے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے غلاموں سے فرمایا کہ اگر تم لوگ میری رضا و خوشنودی چاہتے ہو اور میری نعمت کا حق ادا کرنا چاہتے ہو تو ہتھیار کھول دو اور اپنی اپنی جگہوں پر جاکر بیٹھو اور سن لو کہ تم لوگوں میں سے جو غلام بھی ہتھیار کھول دے اسکو میں نے آزاد کر دیا وَاللّٰہِ لَاَنْ اُقْتَلَ قَبْلَ الدِّمَاءِ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ اَنْ اُقْتَلَ بَعْدَ الدِّمَاءِ یعنی اللہ کی قسم خونریزی سے پہلے میرا قتل ہو جانا مجھے زیادہ محبوب ہے اس سے کہ میں خونریزی کے بعد قتل کیا جاؤں۔ مطلب یہ ہے کہ میری شہادت لکھ دی گئی ہے اور اللہ کے رسول پیارے مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کی بشارت مجھکو دیدی ہے۔ اگر تم لوگوں نے بلوائیوں سے جنگ بھی کی تو بھی میں ضرور قتل کر دیا جاؤں گا۔ لہٰذا ان سے لڑنے میں کوئی فائدہ نہیں ہے۔ (تحفۂ اثنا عشریہ)

بلوائیوں کا آپ کو شہید کر دینا

محمد بن ابوبکر نے جب دیکھا کہ دروازہ پر ایسا سخت پہرہ ہے کہ اندر پہنچنا بہت مشکل ہے تو انھوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر تیر چلانا شروع کیا جسمیں سے ایک تیر حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لگ گیا اور آپ زخمی ہو گئے۔ ایک تیر مروان کو بھی لگا۔ محمد بن طلحہ بھی زخمی ہو گئے۔ اور ایک تیر سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے غلام قنبر بھی زخمی ہو گئے۔ محمد بن ابوبکر نے جب ان لوگوں کو زخمی دیکھا تو ان کو خوف

لاحق ہوا کہ بنی ہاشم اگر حضرت حسن اور دوسرے لوگوں کو زخمی دیکھ لیں گے تو وہ بگڑ جائیں گے اس طرح ایک نئی مصیبت پیدا ہو جائے گی ۔ لہٰذا انھوں نے دو آدمیوں کے ہاتھ پکڑ کر ان سے کہا کہ اگر بنی ہاشم اس وقت آ گئے اور انھوں نے حضرت حسن کو زخمی حالت میں دیکھ لیا تو وہ ہم سے الجھ پڑیں گے اور ہمارا سارا منصوبہ خاک میں مل جائے گا لہٰذا ہمارے ساتھ چلو ہم پڑوس کے مکان میں پہنچ کر (حضرت) عثمان کے گھر میں کود پڑیں گے اور انھیں قتل کر دینگے اس گفتگو کے بعد محمد بن ابو بکر اپنے دو ساتھیوں کے ہمراہ ایک انصاری کے مکان میں گھس گئے اور وہاں سے چھت پھاند کر حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکان میں پہنچ گئے ان لوگوں کے پہنچنے کی دوسرے لوگوں کو خبر نہ ہوئی اس لئے کہ جو لوگ گھر پر موجود تھے وہ چھت پر تھے ۔ نیچے امیر المؤمنین کے پاس صرف ان کی اہلیہ محترمہ حضرت نائلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیٹھی ہوئی تھیں ۔ سب سے پہلے محمد بن ابو بکر نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس پہنچ کر ان کی داڑھی پکڑ لی تو امیر المؤمنین نے ان سے فرمایا اگر تمہارے باپ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تجھے میرے ساتھ ایسی گستاخی کرتے ہوئے دیکھتے تو وہ کیا کہتے ۔ اس بات کو سن کر محمد بن ابو بکر نے ان کی داڑھی چھوڑ دی لیکن اسی درمیان میں ان کے دونوں ساتھی آ گئے جو امیر المؤمنین پر جھپٹ پڑے اور ان کو نہایت بے دردی کے ساتھ شہید کر دیا ۔

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ۔

جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر حملہ ہوا اور دشمن ان کو شہید کر رہے تھے اس وقت آپ کی اہلیہ محترمہ حضرت نائلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بہت چیخی چلائیں لیکن بلوائیوں نے چونکہ بڑا شور و غوغا کر رکھا تھا اس لئے آپ کی چیخ و پکار کو کسی نے نہیں سنا ۔ آپکی شہادت کے بعد وہ کوٹھے پر گئیں اور لوگوں کو بتایا کہ امیر المؤمنین شہید کر دئے گئے ۔ لوگوں نے نیچے اتر کر دیکھا تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا پورا جسم خون آلود تھا اور آپکی روح پرواز کر چکی تھی ۔

بعض روایتوں میں ہے کہ شہادت کے وقت حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قرآن مجید کی تلاوت فرمارہے تھے جب تلوار لگی تو آیت کریمہ فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللهُ پر خون کے چند قطرات پڑے اور آپ کی بیوی صاحبہ حضرت نائلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے تلوار کے وار کو جب اپنے ہاتھوں سے روکا تو ان کی انگلیاں کٹ گئیں۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی برہمی

جب حضرت علی، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت سعد اور دیگر صحابہ واہل مدینہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو آپ کی شہادت کی خبر ملی تو سب کے ہوش اڑ گئے۔ آپ کے مکان پر آئے آپ کو شہید دیکھ کر سب نے اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ پڑھا۔ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس صورتِ حال سے اتنا غصہ پیدا ہوا کہ حضرت امام حسن کو ایک طمانچہ اور حضرت امام حسین کے سینہ پر ایک گھونسا مارا اور فرمایا کَيْفَ قُتِلَ اَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْتُمَا عَلَى الْبَابِ یعنی جب کہ تم دونوں دروازہ پر موجود تھے تو امیر المؤمنین کیسے شہید کر دئے گئے۔ پھر آپ نے حضرت طلحہ کے صاحبزادے محمد اور حضرت زبیر کے صاحبزادے عبد اللہ کو بھی سخت سست اور برا بھلا کہا۔

جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو معلوم ہوا کہ قاتل دروازہ سے نہیں داخل ہوئے تھے بلکہ پڑوس کے مکان سے کود کر آئے تھے تو آپ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اہلیہ محترمہ سے دریافت فرمایا کہ امیر المؤمنین کو کس نے شہید کیا۔ انھوں نے کہا کہ میں ان لوگوں کو تو نہیں جانتی جنھوں نے امیر المؤمنین کو شہید کیا۔ البتہ ان کے ساتھ محمد بن ابوبکر تھے جنھوں نے امیر المؤمنین کی داڑھی بھی پکڑی تھی۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے محمد بن ابوبکر کو بلا کر قتل کے بارے میں ان سے دریافت فرمایا تو انھوں نے کہا کہ حضرت نائلہ سچ کہتی ہیں بیشک میں گھر کے اندر ضرور داخل ہوا تھا اور قتل کا ارادہ بھی کیا تھا لیکن جب انھوں نے میرے باپ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تذکرہ کیا تو میں ان کو چھوڑ کر

ہٹ گیا۔ میں اپنے اس فعل پر نادم و شرمندہ ہوں اور اللہ تعالیٰ سے توبہ و استغفار کرتا ہوں خدا کی قسم میں نے ان کو قتل نہیں کیا ہے۔ ابن عساکر نے کنانہ وغیرہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جس نے شہید کیا وہ مصر کا رہنے والا تھا اس کی آنکھیں نیلی تھیں اور اس کا نام "حمار" تھا۔ (تاریخ الخلفاء)

اور بعض مورخین نے لکھا ہے کہ آپ کے قاتل کا نام "اسود" تھا۔ بہت ممکن ہے کہ محمد بن ابوبکر کے ساتھ دو بلوائی جو آپ کے مکان میں کود دے تھے اس میں سے ایک کا نام "حمار" اور دوسرے کا نام "اسود" رہا ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۳۵ھ ماہ ذی الحجہ کے ایام تشریق میں شہید ہوئے جبکہ آپ کی عمر بیاسی سال کی تھی آپ کے جنازہ کی نماز حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پڑھائی اور آپ حش کوکب کے مقام پر جنت البقیع میں دفن کئے گئے۔

در منثور قرآں کی سلک بہی | زوج دو نور عفت پہ لاکھوں سلام
یعنی عثمان صاحب قمیص ہدیٰ | حُلّہ پوش شہادت پہ لاکھوں سلام

وصلی اللہ تعالیٰ علی النبی الکریم سیدنا محمد وعلیٰ الہ و اصحابہ اجمعین۔

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین وعلی الہ واصحابہ وازواجہ وذریاتہ واہل بیتہ اجمعین امابعد فقد قال اللہ تعالیٰ فی القراٰن المجید والفرقان الحمید اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۔ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَی الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا (پ ۲۶ ع ۱۲) صدق اللہ مولینا العظیم۔ وصدق رسولہ النبی الکریم الامین۔ علیہ وعلی الہ افضل الصلوات واکمل التسلیم۔

ایک بار ہم سب مل کر ساری کائنات کے آقا و مولیٰ جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دربار دُربار میں بلند آواز سے جھوم جھوم کر درود شریف کا نذرانہ اور ہدیہ پیش کریں۔ صلی اللہ علی النبی الامی والہ صلی اللہ علیہ وسلم صلاۃ وسلاما علیک یارسول اللہ۔

حضرات! دنیا میں بے شمار انسان پیدا ہوئے جن میں سے اکثر ایسے ہوئے کہ

ان میں کوئی کمال وخوبی نہیں اور بعض لوگ ایسے ہوئے جو صرف چند خوبیاں رکھتے تھے مگر حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی وہ ذات گرامی ہے جو بہت سے کمال وخوبیوں کی جامع ہے کہ آپ شیر خدا بھی ہیں اور داماد مصطفےٰ بھی، حیدر کرار بھی ہیں اور صاحب ذوالفقار بھی، حضرت فاطمہ زہرا کے شوہر نامدار بھی اور حسنین کریمین کے والد بزرگوار بھی، صاحب سخاوت بھی اور صاحب شجاعت بھی، عبادت وریاضت والے بھی اور فصاحت وبلاغت والے بھی، علم والے بھی اور حلم والے بھی، فاتح خیبر بھی اور میدان خطابت کے شہسوار بھی، غرضکہ آپ بہت سے کمال وخوبیوں کے جامع ہیں اور ہر ایک میں ممتاز ویگانۂ روزگار ہیں اسی لئے دنیا آپ کو مظہر العجائب والغرائب سے یاد کرتی ہے اور قیامت تک اسیطرح یاد کرتی رہے گی۔

مرتضیٰ شیر حق اشجع الاشجعین — باب فضل وولایت پہ لاکھوں سلام
شیر شمشیر زن شاہ خیبر شکن — پرتو دست قدرت پہ لاکھوں سلام

نام ونسب آپ کا نام نامی "علی بن ابی طالب"، اور کنیت "ابوالحسن و ابوتراب"، ہے۔ آپ سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چچا ابوطالب کے صاحبزادے ہیں یعنی حضور کے چچازاد بھائی ہیں۔ آپ کی والدہ محترمہ کا اسم گرامی فاطمہ بنت اسد بن ہاشم ہے۔ اور یہ پہلی ہاشمی خاتون ہیں جنھوں نے اسلام قبول کیا اور ہجرت فرمائی۔ (تاریخ الخلفاء صـ۱۱۳)

آپ کا سلسلہ نسب اس طرح ہے۔ علی بن ابوطالب بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف۔ آپ ۳۰ سنہ عام الفیل میں پیدا ہوئے اور اعلان نبوت سے پہلے ہی مولائے کل سید الرسل جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پرورش میں آئے کہ جب قریش قحط میں مبتلا ہوئے تھے تو حضور نے ابوطالب پر عیال کا بوجھ ہلکا کرنے کیلئے حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو لے لیا تھا۔ اس طرح حضور کے سائے میں آپ نے پرورش پائی اور انھیں کی گود میں ہوش سنبھالا، آنکھ کھلتے ہی حضور کا جمال جہاں آرا

دیکھا، انھیں کی باتیں سنیں اور انھیں کی عادتیں سیکھیں۔ اس لئے بتوں کی نجاست سے آپکا دامن کبھی آلودہ نہ ہوا یعنی آپ نے کبھی بت پرستی نہ کی اور اسی لئے کرم اللہ تعالیٰ وجہہ آپ کا لقب ہوا۔ (تنزیہ المکانۃ الحیدریہ وغیرہ)

آپ کا قبول اسلام

حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نو عمر لوگوں میں سب سے پہلے اسلام سے مشرف ہوئے۔ تاریخ الخلفا میں ہے کہ جب آپ ایمان لائے اس وقت آپ کی عمر مبارک دس سال تھی بلکہ بعض لوگوں کے قول کے مطابق نو سال اور بعض کہتے ہیں کہ آٹھ سال اور کچھ لوگ اس سے بھی کم بتاتے ہیں۔ اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان تنزیہ المکانۃ الحیدریہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ بوقت اسلام آپ کی عمر آٹھ دس سال تھی۔

آپ کے اسلام قبول کرنے کی تفصیل محمد بن اسحاق نے اس طرح بیان کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اور حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو رات میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ جب یہ لوگ نماز سے فارغ ہوگئے تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھا کہ آپ لوگ یہ کیا کر رہے تھے۔ حضور نے فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا ایسا دین ہے جس کو اس نے اپنے لئے منتخب کیا ہے اور اسی کی تبلیغ واشاعت کے لئے اپنے رسول کو بھیجا ہے۔ لہٰذا میں تم کو بھی ایسے معبود کی طرف بلاتا ہوں جو اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ اور میں تم کو اسی کی عبادت کا حکم دیتا ہوں۔ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے کہا کہ جبتک میں اپنے باپ ابو طالب سے دریافت نہ کرلوں اس کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کرسکتا۔ چونکہ اس وقت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو راز کا فاش ہونا منظور نہ تھا اس لئے آپ نے فرمایا اے علی! اگر تم اسلام نہیں لاتے ہو تو ابھی اس معاملہ کو پوشیدہ رکھو کسی پر ظاہر نہ کرو۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اگرچہ اس وقت رات میں ایمان نہیں لائے مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کے دل میں ایمان کو راسخ کردیا تھا دوسرے روز صبح ہوتے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم

کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کی پیش کی ہوئی ساری باتوں کو قبول کر لیا اور اسلام لے آئے۔

آپ کی ہجرت

سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب خدائے تعالیٰ کے حکم کے مطابق مکہ معظمہ سے مدینہ طیبہ کی ہجرت کا ارادہ فرمایا تو حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو بلا کر فرمایا کہ مجھے خدائے تعالیٰ کی طرف سے ہجرت کا حکم ہو چکا ہے لہٰذا میں آج مدینہ روانہ ہو جاؤں گا تم میرے بستر پر میری سبز رنگ کی چادر اوڑھ کر سو رہو تمہیں کوئی تکلیف نہ ہوگی قریش کی ساری امانتیں جو میرے پاس رکھی ہوئی ہیں انکے مالکوں کو دے کر تم بھی مدینہ چلے آنا۔

یہ موقع بڑا ہی خوفناک اور نہایت خطرہ کا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو معلوم تھا کہ کفار قریش سونے کی حالت میں حضور کے قتل کا ارادہ کر چکے ہیں اسی لئے خدائے تعالیٰ نے آپ کو اپنے بستر پر سونے سے منع فرما دیا ہے۔ آج حضور کا بستر قتل گاہ ہے۔ لیکن اللہ کے محبوب دانائے خفایا و غیوب جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس فرمان سے کہ "تمہیں کوئی تکلیف نہ ہوگی قریش کی امانتیں دے کر تم بھی مدینہ چلے آنا" حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کو پورا یقین تھا کہ دشمن مجھے کوئی تکلیف نہیں پہنچا سکیں گے میں زندہ رہوں گا اور مدینہ ضرور پہنچوں گا۔ لہٰذا سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بستر جو آج بظاہر کانٹوں کا بچھونا تھا وہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے پھولوں کی سیج بن گیا۔ اس لئے کہ ان کا عقیدہ تھا کہ سورج پورب کی بجائے پچھم سے نکل سکتا ہے مگر حضور کے فرمان کے خلاف نہیں ہو سکتا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رات بھر آرام سے سویا صبح اٹھکر لوگوں کی امانتیں ان کے مالکوں کو سونپنا شروع کیا اور کسی سے نہیں چھپا۔ اسی طرح مکہ میں تین دن رہا پھر امانتوں کے ادا کرنے کے بعد میں بھی مدینہ کی طرف چل پڑا۔ راستہ میں بھی کسی نے مجھ سے کوئی تعارض نہ کیا یہانتک کہ میں قبا میں پہنچا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت کلثوم

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکان میں تشریف فرما تھے میں بھی وہیں ٹھہر گیا۔

ایک بار پھر ہم اور آپ سب لوگ مل کر مکہ کے سرکار مدینہ کے تاجدار دونوں عالم کے مختار جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ بیکس پناہ میں بلند آواز سے درود شریف کی ڈالیاں پیش کریں۔ صلی اللہ علی النبی الامی الخ

اُخوتِ رسول

برادرانِ ملت! حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی بہت سی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ آپ سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے داماد اور چچازاد بھائی ہونے کے ساتھ "عقد مواخاۃ" میں بھی آپ کے بھائی ہیں جیساکہ ترمذی شریف میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب مدینہ طیبہ میں اُخوت یعنے بھائی چارہ قائم کیا کہ دو دو صحابہ کو بھائی بھائی بنایا تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ روتے ہوئے بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یارسول اللہ! آپ نے سارے صحابہ کے درمیان اخوت قائم کی۔ ایک صحابی کو دوسرے صحابی کا بھائی بنایا مگر مجھکو کسی کا بھائی نہ بنایا میں یوں ہی رہ گیا۔ تو سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اَنْتَ اَخِیْ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ۔ یعنی تم دنیا اور آخرت دونوں میں میرے بھائی ہو (مشکوٰۃ شریف ص۵۶۴)

آپ کی شجاعت

برادرانِ اسلام! حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شجاعت اور بہادری شہرۂ آفاق ہے، عرب وعجم میں آپ کی قوت بازو کے سکے بیٹھے ہوئے ہیں، آپ کے رعب و دبدبہ سے آج بھی بڑے بڑے پہلوانوں کے دل کانپ جاتے ہیں۔ جنگ تبوک کے موقع پر سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آپ کو مدینہ طیبہ پر اپنا نائب مقرر فرمادیا تھا اس لئے اس میں حاضر نہ ہوسکے باقی تمام غزوات وجہاد میں شریک ہوکر بڑی جانبازی کے ساتھ کفار کا مقابلہ کیا اور بڑے بڑے بہادروں کو اپنی تلوار سے موت کے گھاٹ اتار دیا۔

جنگ بدر میں جب حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسود بن عبد الاسد مخزومی کو کاٹ کر جہنم میں پہنچایا تو اس کے بعد کافروں کے لشکر کا سردار عتبہ بن ربیعہ اپنے بھائی شیبہ بن ربیعہ اور اپنے بیٹے ولید بن عتبہ کو ساتھ لے کر میدان میں نکلا اور چلّا کر کہا کہ اے محمد! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اشراف قریش میں سے ہمارے جوڑ کے آدمی بھیجئے۔ حضور نے یہ سن کر فرمایا اے بنی ہاشم! اٹھو اور حق کی حمایت میں لڑو جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی کو بھیجا ہے۔ حضور کے اس فرمان کو سن کر حضرت حمزہ، حضرت علی اور حضرت عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم دشمن کی طرف بڑھے۔ لشکر کے سردار عتبہ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقابل ہوا اور ذلت کے ساتھ مارا گیا۔ ولید جسے اپنی بہادری پر بہت بڑا ناز تھا وہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقابلہ کے لئے مست ہاتھی کی طرح جھومتا ہوا آگے بڑھا اور ڈینگیں مارتا ہوا آپ پر حملہ کیا مگر شیر خدا علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے تھوڑی ہی دیر میں اسے مار گرایا اور ذوالفقار حیدری نے اس کے گھمنڈ کو خاک و خون میں ملا دیا۔ اس کے بعد آپ نے دیکھا کہ عتبہ کے بھائی شیبہ نے حضرت عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو زخمی کر دیا ہے تو آپ نے جھپٹ کر اس پر حملہ کیا اور اسے بھی جہنم میں پہنچا دیا۔

اور جنگ احد میں جب کہ مسلمان آگے اور پیچھے سے کفار کے بیچ میں آگئے جس کے سبب بہت سے لوگ شہید ہوئے تو اس وقت سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی کافروں کے گھیرے میں آگئے اور انھوں نے اعلان کر دیا کہ اے مسلمانو! تمہارے نبی قتل کر دئے گئے۔ اس اعلان کو سن کر مسلمان بہت پریشان ہو گئے یہاں تک کہ اِدھر اُدھر تتر بتر ہو گئے بلکہ ان میں سے بہت لوگ بھاگ بھی گئے۔ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم فرماتے ہیں کہ جب کافروں نے مسلمانوں کو آگے پیچھے سے گھیر لیا اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میری نگاہ سے اوجھل ہو گئے تو پہلے میں نے حضور کو زندوں میں تلاش کیا مگر نہیں پایا پھر شہیدوں میں تلاش کیا وہاں بھی نہیں پایا تو میں نے اپنے دل میں کہا کہ

ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا کہ حضور میدان جنگ سے بھاگ جائیں لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پاک کو آسمان پر اٹھا لیا۔ اس لئے اب بہتر یہی ہے کہ میں بھی تلوار لیکر کافروں میں گھس جاؤں یہانتک کہ لڑتے لڑتے شہید ہو جاؤں۔ فرماتے ہیں کہ میں نے تلوار لیکر ایسا سخت حملہ کیا کہ کفار بیچ میں سے ہٹتے گئے اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھ لیا تو مجھے بے انتہا خوشی ہوئی اور میں نے یقین کیا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرشتوں کے ذریعہ اپنے حبیب کی حفاظت فرمائی۔ میں دوڑ کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس جا کر کھڑا ہوا کفار گروہ در گروہ حضور پر حملہ کرنے کیلئے آنے لگے۔ آپ نے فرمایا علی ان کو روکو، تو میں نے تنہا ان سب کا مقابلہ کیا اور ان کے منہ پھیر دیے اور کئی ایک کو قتل بھی کیا۔ اس کے بعد پھر ایک گروہ اور حضور پر حملہ کرنے کی نیت سے بڑھا آپ نے پھر میری طرف اشارہ فرمایا تو میں نے پھر اس گروہ کا اکیلے مقابلہ کیا۔ اس کے بعد حضرت جبریل نے آکر حضور سے میری بہادری اور مدد کی تعریف کی تو آپ نے فرمایا اِنَّہٗ مِنِّیْ وَاَنَا مِنْہُ یعنی بیشک علی مجھ سے ہیں اور میں علی سے ہوں مطلب یہ ہے کہ علی کو مجھ سے کمال قرب حاصل ہے نبی کریم علیہ الصلاۃ وافضل التسلیم کے اس فرمان کو سن کر حضرت جبریل نے عرض کیا وَاَنَا مِنْکُمَا یعنی میں تم دونوں سے ہوں۔

سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نہ پا کر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شہید ہو جانے کی نیت سے کافروں کے جتھے میں تنہا گھس جانا اور حضور پر حملہ کرنے والے گروہ در گروہ سے اکیلے مقابلہ کرنا آپ کی بے مثال بہادری اور انتہائی دلیری کی خبر دیتا ہے ساتھ ہی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے آپ کے عشق اور سچی محبت کا بھی پتہ دیتا ہے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ عنا

اور حضرت کعب بن مالک انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ جنگ خندق کے روز عمرو بن عبد وُد (جو ایک ہزار سوار کے برابر مانا جاتا تھا) ایک جھنڈا لئے ہوئے نکلا تاکہ وہ میدان جنگ کو دیکھے۔ جب وہ اور اس کے ساتھ کے

سوار ایک مقام پر کھڑے ہوئے تو اس سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اے عمرو! تو قریش سے اللہ کی قسم دے کر کہا کرتا تھا کہ جب کبھی مجھ کو کوئی شخص دو اچھے کاموں کیطرف بلاتا ہے تو میں اس میں سے ایک کو ضرور اختیار کرتا ہوں۔ اس نے کہا ہاں میں نے ایسا کہا تھا اور اب بھی کہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ میں تجھے اللہ و رسول (جل جلالہٗ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اور اسلام کی طرف بلاتا ہوں۔ عمرو نے کہا مجھے ان میں سے کسی کی حاجت نہیں۔ حضرت علی نے فرمایا تو اب میں تجھ کو مقابلہ کی دعوت دیتا ہوں اور اسلام کیطرف بلاتا ہوں۔ عمرو نے کہا اے میرے بھائی کے بیٹے کس لئے مقابلہ کی دعوت دیتا ہے خدا کی قسم میں تجھ کو قتل کرنا پسند نہیں کرتا۔ حضرت علی نے فرمایا لیکن خدا کی قسم میں تجھکو قتل کرنا پسند کرتا ہوں۔ یہ سن کر عمرو کا خون گرم ہو گیا اور حضرت علی کی طرف متوجہ ہو۔ دونوں میدان میں آ گئے اور تھوڑی دیر مقابلہ ہونے کے بعد شیر خدا نے اسے موت کے گھاٹ اتار کر جہنم میں پہنچا دیا

اور محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ عمرو بن عبدِ وُد میدان میں اس طرح پر نکلا کہ لوہے کی زرہ پہنے ہوئے تھا اور اس نے بلند آواز سے کہا۔ ہے کوئی جو میرے مقابلہ میں آئے۔ اس آواز کو سن کر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہوئے اور مقابلہ کے لئے حضور سے اجازت طلب کی۔ آپ نے فرمایا بیٹھ جاؤ۔ یہ عمرو بن عبدِ وُد ہے۔ دوسری بار عمرو نے پھر آواز دی کہ میرے مقابلہ کے لئے کون آتا ہے؟ اور مسلمانوں کو ملامت کرنی شروع کی۔ کہنے لگا تمہاری وہ جنت کہاں ہے جس کے بارے میں تم دعویٰ کرتے ہو کہ جو بھی تم میں سے مارا جاتا ہے وہ سیدھے اس میں داخل ہو جاتا ہے۔ میرے مقابلہ کیلئے کسی کو کیوں نہیں کھڑا کرتے ہو۔ دوبارہ پھر حضرت علی نے کھڑے ہو کر حضور سے اجازت طلب کی مگر آپ نے پھر وہی فرمایا کہ بیٹھ جاؤ۔ تیسری بار عمرو نے پھر وہی آواز دی اور کچھ اشعار بھی پڑھے۔ راوی کا بیان ہے کہ تیسری بار حضرت علی نے کھڑے ہو کر حضور سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں اس کے مقابلہ کے لئے نکلوں گا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ عمرو ہے۔ حضرت علی نے عرض کیا چاہے عمرو ہی کیوں نہ ہو۔ تیسری بار حضور نے آپ کو اجازت دیدی۔ حضرت علی چل کر اس کے پاس پہنچے اور چند اشعار پڑھے جن کا مطلب یہ ہے۔

اے عمرو! جلدی نہ کر۔ جو عاجز نہیں ہے وہ تیرے پاس تیری آواز کا جواب دینے والا سچی نیت اور بصیرت کے ساتھ آگیا اور ہر کامیاب ہونے والے کو سچائی ہی نجات دیتی ہے۔ مجھے پوری امید ہے کہ میں تیرے جنازہ پر ایسی ضرب وسیع سے نوحہ کرنے والیوں کو قائم کرونگا کہ جس کا ذکر لوگوں میں باقی رہے گا۔

عمرو نے پوچھا کہ تو کون ہے؟ آپ نے فرمایا کہ میں علی ہوں۔ اس نے کہا عبد مناف کے بیٹے ہو؟ آپ نے فرمایا میں علی بن ابی طالب ہوں۔ اس نے کہا اے میرے بھائی کے بیٹے! تیرے چچاؤں میں سے ایسے بھی تو ہیں جو عمر میں تجھ سے زیادہ ہیں میں تیرا خون بہانے کو برا سمجھتا ہوں۔ حضرت علی نے فرمایا مگر خدا کی قسم میں تیرا خون بہانے کو قطعًا برا نہیں سمجھتا۔ یہ سن کر وہ غصہ سے تلملا اٹھا۔ گھوڑے سے اتر کر آگ کے شعلہ جیسی تلوار سونت لی حضرت علی کیطرف لپکا۔ اور ایسا زبردست وار کیا کہ آپ نے ڈھال پر روکا تو تلوار اسے پھاڑ کر گھس گئی یہانتک کہ آپ کے سر پر لگی اور زخمی کر دیا۔ اب شیر خدا نے سنبھل کر اس کے کندھے کی رگ پر ایسی تلوار ماری کہ وہ گر پڑا اور غبار اڑا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نعرۂ تکبیر سنا جس سے معلوم ہوا کہ حضرت علی نے اسے جہنم میں پہنچا دیا۔ شیر خدا کی اس بہادری اور شجاعت کو دیکھ کر میدان جنگ کا ایک ایک ذرہ زبان حال سے پکار اٹھا۔

شاہِ مرداں شیرِ یزداں قوتِ پروردگار
لَا فَتٰی اِلَّا عَلِیْ لَا سَیْفَ اِلَّا ذُوالْفِقَار

یعنی حضرت علی بہادروں کے بادشاہ، خدا کے شیر اور قوت پروردگار ہیں۔ انکے سوا کوئی جوان نہیں اور ذوالفقار کے علاوہ کوئی تلوار نہیں۔

ایک بار ہم سب لوگ مل کر پھر بلند آواز سے سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں درود شریف کا نذرانہ پیش کریں۔ صلی اللہ علی النبی الامی الخ

اسی طرح جنگ خیبر کے موقع پر بھی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شجاعت اور بہادری کے وہ جوہر دکھائے ہیں جس کا ذکر ہمیشہ باقی رہے گا اور لوگوں کے دلوں میں جوش

ولولہ پیدا کرتا رہے گا۔

خیبر کا وہ قلعہ جو مرحب کا پایۂ تخت تھا اس کا فتح کرنا آسان نہ تھا۔ اس قلعہ کو سر کرنے کے لئے سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک دن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جھنڈا عنایت فرمایا اور دوسرے دن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عطا فرمایا لیکن فاتح خیبر ہونا تو کسی اور کے لئے مقدر ہو چکا تھا اس لئے ان حضرات سے وہ فتح نہ ہوا جب اس مہم میں بہت زیادہ دیر ہوئی تو ایک دن سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں یہ جھنڈا کل ایک ایسے شخص کو دوں گا کہ جس کے ہاتھ پر خدائے تعالیٰ فتح عطا فرمائیگا وہ شخص اللہ و رسول کو دوست رکھتا ہے اور اللہ و رسول اس کو دوست رکھتے ہیں۔ (جل جلالہ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)

حضور کی اس خوشخبری کو سن کر صحابۂ کرام نے وہ رات بڑی بیقراری میں کاٹی اسلئے کہ ہر صحابی کی یہ تمنا تھی کہ اے کاش! رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کل صبح ہمیں جھنڈا عنایت فرماتے تو اس بات کی سند ہو جاتی کہ ہم اللہ و رسول کو محبوب رکھتے ہیں اور اللہ و رسول ہمیں چاہتے ہیں اور اس نعمت عظمیٰ و سعادت کبریٰ سے بھی سرفراز ہو جاتے کہ فاتح خیبر بن جاتے۔ اس لئے کہ وہ صحابی تھے وہابی نہیں تھے۔ ان کا یہ عقیدہ ہرگز نہیں تھا کہ کل کیا ہونے والا ہے حضور کو اس کی کیا خبر؟ بلکہ ان کا عقیدہ یہ تھا کہ اللہ کے محبوب دانائے خفایا و غیوب جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا ہے وہ کل ہو کر رہے گا۔ اس میں ذرہ برابر فرق نہیں ہو سکتا۔

جب صبح ہوئی تو تمام صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین امیدیں لئے ہوئے بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور ادب کے ساتھ دیکھنے لگے کہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم آج کس کو سرفراز فرماتے ہیں۔ سب کی ارمان بھری نگاہیں حضور کے لب مبارک کی جنبش پر قربان ہو رہی تھی کہ سرکار نے فرمایا اَیْنَ عَلِیُّ بْنُ اَبِیْ طَالِبٍ یعنی علی بن ابی طالب کہاں ہیں؟ لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ! وہ آشوب چشم میں مبتلا ہیں ان کی آنکھیں دکھتی

ہیں آپ نے فرمایا کوئی جاکر ان کو بلا لائے۔ جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ لائے گئے تو رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کی آنکھوں پر لعاب دہن لگایا تو وہ بالکل ٹھیک ہوگئیں۔ حدیث شریف کے اصل الفاظ یہ ہیں۔ فَبَصَقَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ عَیْنَیْہِ فَبَرَأَ ۔ اور ان کی آنکھیں اس طرح اچھی ہوگئیں گویا دکھتی ہی نہ تھیں۔ پھر حضور نے ان کو جھنڈا عنایت فرمایا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا میں ان لوگوں سے اس وقت تک لڑوں جب تک کہ وہ ہماری طرح مسلمان نہ ہو جائیں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نرمی سے کام لو پہلے انھیں اسلام کیطرف بلاؤ اور پھر بتلاؤ کہ اسلام قبول کرنے کے بعد ان پر کیا حقوق ہیں۔ خدا کی قسم اگر تمہاری کوشش سے ایک شخص کو بھی ہدایت مل گئی تو وہ تمہارے لئے سرخ اونٹوں سے بھی بہتر ہوگا۔ (بخاری، مسلم، مشکوٰۃ صفحہ ۵۶۴)

اسلام قبول کرنے یا صلح کرنے کی بجائے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مقابلہ کرنے کے لئے مُرحَبْ یہ رجز پڑھتا ہوا قلعہ سے باہر نکلا۔

قَدْ عَلِمَتْ خَیْبَرُ اَنِّیْ مُرْحَبٗ

شَاکِی السِّلَاحِ بَطَلٌ مُّجَرَّبٗ

یعنی بیشک خیبر جانتا ہے کہ میں مرحب ہوں۔ ہتھیاروں سے لیس، بہادر اور تجربہ کار ہوں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے جواب میں رجز کا یہ شعر پڑھا۔

اَنَا الَّذِیْ سَمَّتْنِیْ اُمِّیْ حَیْدَرَہٗ

کَلَیْثِ غَابَاتٍ کَرِیْہِ الْمَنْظَرَہٗ

یعنی میں وہ شخص ہوں کہ میری ماں نے میرا نام "شیر" رکھا ہے۔ میری صورت جھاڑیوں میں رہنے والے شیر کی طرح خوفناک ہے۔

مُرحَبْ بڑے گھمنڈ سے آیا تھا لیکن شیر خدا علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس زور سے تلوار ماری کہ اس کے سر کو کاٹتی ہوئی دانتوں تک پہنچ گئی اور وہ زمین پر ڈھیر

ہوگیا۔ اس کے بعد آپ نے فتح کا اعلان فرما دیا۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اس روز آپ نے خیبر کا دروازہ اپنی پیٹھ پر اٹھالیا تھا اور اس پر مسلمانوں نے چڑھ کر قلعہ کو فتح کرلیا تھا۔ اس کے بعد آپ نے وہ دروازہ پھینک دیا۔ جب لوگوں نے اسے گھسیٹ کر دوسری جگہ ڈالنا چاہا تو چالیس، آدمیوں سے کم اسے اٹھا نہ سکے۔ (تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۱۴)

اور ابن عساکر نے ابورافع سے روایت کی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جنگ خیبر میں قلعہ کا پھاٹک ہاتھ میں لے کر اس کو ڈھال بنالیا وہ پھاٹک ان کے ہاتھ میں برابر رہا اور وہ لڑتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں خیبر کو فتح فرمایا۔ اسکے بعد پھاٹک کو آپ نے پھینک دیا۔ لڑائی سے فارغ ہونے کے بعد ہمارے ساتھ کئی آدمیوں نے مل کر اسے پلٹنا چاہا مگر وہ نہیں پلٹا۔ (تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۱۴)

ایک بار آپ حضرات پھر بلند آواز سے درود شریف پڑھیں۔ صلی اللہ علی النبی الامی الخ

آپ کا حلیہ

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جسم کے فربہ تھے۔ اکثر خود استعمال کرنے کی وجہ سے سر کے بال اڑے ہوئے تھے۔ آپ نہایت قوی اور میانہ قد مائل بہ پستی تھے۔ آپ کا پیٹ دیگر اعضا کے اعتبار سے کسی قدر بھاری تھا۔ مونڈھوں کے درمیان کا گوشت بھرا ہوا تھا۔ پیٹ سے نیچے کا جسم بھاری تھا۔ رنگ گندمی تھا۔ تمام جسم پر لمبے لمبے بال۔ آپ کی ریش مبارک گھنی اور دراز تھی۔

مشہور ہے کہ ایک یہودی کی داڑھی بہت مختصر تھی ٹھوڑی پر صرف چند گنتی کے بال تھے اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی داڑھی مبارک بڑی گھنی اور لمبی تھی۔ ایک دن وہ یہودی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہنے لگا اے علی! تمہارا یہ دعویٰ ہے کہ قرآن میں سارے علوم ہیں اور تم باب مدینۃ العلم ہو تو بتاؤ قرآن میں تمہاری گھنی داڑھی اور میری مختصر داڑھی کا بھی ذکر ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہاں سورۂ اعراف میں

ہے وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ وَالَّذِيْ خَبُثَ لَا يَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا ۔ یعنی جو اچھی زمین ہے اس کی ہریالی اللہ کے حکم سے خوب نکلتی ہے اور جو خراب ہے اس میں سے نہیں نکلتی مگر تھوڑی بشکل (پ ۸ ع ۱۴)

تو اے یہودی وہ اچھی زمین ہماری ٹھوڑی ہے اور خراب زمین تیری ٹھوڑی۔

معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا علم بہت وسیع تھا کہ اپنی گھنی داڑھی اور یہودی کی مختصر داڑھی کا ذکر آپ نے قرآن مجید میں ثابت کر دکھایا۔ اور یہ بھی ثابت ہوا کہ قرآن سارے علوم کا خزانہ ہے مگر لوگوں کی عقلیں اس کے سمجھنے سے قاصر ہیں۔ ایک شاعر نے بہت خوب کہا ہے۔

جَمِيْعُ الْعِلْمِ فِي الْقُرْاٰنِ لٰكِنْ
تَقَاصَرَ عَنْهُ اَفْهَامُ الرِّجَالِ

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور احادیث کریمہ

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی فضیلت میں بہت سی حدیثیں وارد ہیں بلکہ امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ جتنی حدیثیں آپ کی فضیلت میں ہیں کسی اور صحابی کی فضیلت میں اتنی حدیثیں نہیں ہیں۔ بخاری اور مسلم میں حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ غزوۂ تبوک کے موقع پر جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مدینہ طیبہ میں رہنے کا حکم فرمایا اور اپنے ساتھ نہیں لیا تو انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ مجھے یہاں عورتوں اور بچوں پر اپنا خلیفہ بنا کر چھوڑے جاتے ہیں۔ تو سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اَمَا تَرْضٰی اَنْ تَكُوْنَ مِنِّيْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُّوْسٰى ۔ یعنی کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ میں تمہیں اس طرح چھوڑے جاتا ہوں کہ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت ہارون علیہ السلام کو چھوڑ گئے۔ البتہ فرق صرف اتنا ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہو گا۔

مطلب یہ ہے کہ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کوہ طور پر جانے کے وقت چالیس دن کے لئے اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کو بنی اسرائیل پر اپنا خلیفہ بنایا تھا اسیطرح جنگ تبوک کی روانگی کے وقت میں تم کو اپنا خلیفہ اور نائب بناکر جارہا ہوں۔ لہٰذا جو مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نزدیک حضرت ہارون علیہ السلام کا تھا وہی مرتبہ ہماری بارگاہ میں تمہارا ہے۔ اس لئے اے علی! تمہیں خوش ہونا چاہئے۔ تو ایسا ہی ہوا کہ اس خوشخبری سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تسلی ہو گئی۔

رافضی اس حدیث شریف سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خلیفۂ بلا فصل ہونے کا استدلال کرتے ہیں جو صحیح نہیں۔ اس لئے کہ حضور نے ان کو خلیفۂ مطلق نہیں بنایا تھا بلکہ ان کی خلافت محض خانگی امور کی نگرانی اور اہل وعیال کی دیکھ بھال کے لئے تھی اسی سبب سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت محمد بن مسلمہ کو مدینہ طیبہ کا صوبہ دار، حضرت سباع عرفطہ کو مدینہ منورہ کا کوتوال اور حضرت ابن ام مکتوم کو اپنی مسجد کا امام بنایا تھا (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)

مزید جوابات کے لئے تحفۂ اثنا عشریہ کا مطالعہ کریں۔

اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا علی سے منافق محبت نہیں کرتا اور مومن علی سے بغض و عداوت نہیں رکھتا۔ (ترمذی)

سبحان اللہ۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کیا ہی بلند و بالا شان ہے کہ سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آپ سے محبت نہ کرنے کو منافق ہونے کی علامت ٹھہرایا اور آپ سے بغض و عداوت رکھنے کو مومن نہ ہونے کا معیار قرار دیا یعنی جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے محبت نہ کرے وہ منافق ہے اور جو ان سے بغض و عداوت رکھے وہ مومن نہیں۔

اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

نے فرمایا مَنْ سَبَّ عَلِیًّا فَقَدْ سَبَّنِیْ ۔ یعنی جس نے علی کو برا بھلا کہا تو تحقیق اس نے مجھ کو برا بھلا کہا۔ (مشکوٰۃ)

یعنی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اتنا قرب اور نزدیکی حاصل ہے کہ جس نے ان کی شان میں گستاخی و بے ادبی کی تو گویا کہ اس نے حضور کی شان میں گستاخی و بے ادبی کی ۔ خلاصہ یہ ہے کہ ان کی توہین کرنا حضور کی توہین کرنا ہے ۔ العیاذ باللہ تعالیٰ

اور حضرت ابو الطفیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک کھلے ہوئے میدان میں بہت سے لوگوں کو جمع کر کے فرمایا کہ میں اللہ کی قسم دے کر تم لوگوں سے پوچھتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یوم غدیر خم میں میرے متعلق کیا ارشاد فرمایا تھا ؟ تو اس مجمع سے تیس ۳۰ آدمی کھڑے ہوئے اور ان لوگوں نے گواہی دی کہ حضور نے اس روز فرمایا تھا مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَعَلِیٌّ مَوْلَاہُ اَللّٰھُمَّ وَالِ مَنْ وَالَاہُ وَعَادِ مَنْ عَادَاہُ ۔ یعنی میں جس کا مولیٰ ہوں علی بھی اسکے مولیٰ ہیں ۔ یا الٰہ العالمین ! جو شخص علی سے محبت رکھے تو بھی اس سے محبت رکھ اور جو شخص علی سے عداوت رکھے تو بھی اس سے عداوت رکھ ۔ (تاریخ الخلفاء)

اور طبرانی و بزار حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ، اور ترمذی و حاکم حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اَنَا مَدِیْنَۃُ[۱] الْعِلْمِ وَعَلِیٌّ بَابُھَا ۔ یعنی میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کے دروازہ ہیں علامہ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے اور

---

[۱] فیحصل علم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بوسیلۃ علی رضی اللہ عنہ وغیرہ لان مدینۃ یکون لھا فی العادۃ ابواب ولا توجد مدینۃ لھا باب واحد فمدینۃ العلم اوسع المدائن ینبغی ان یکون لھا ابواب کثیرۃ ۱۲ (حاشیہ تاریخ الخلفاء ص ۱۱۶)

جنھوں نے اس کو موضوع کہا ہے انھوں نے غلطی کی ہے۔ (تاریخ الخلفاء ص۱۱۶)

اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا مَنْ اَحَبَّ عَلِیًّا فَقَدْ اَحَبَّنِیْ۔ یعنی جس نے علی سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی۔ وَمَنْ اَحَبَّنِیْ فَقَدْ اَحَبَّ اللّٰہَ۔ اور جس نے مجھ سے محبت کی تو اس نے اللہ تعالیٰ سے محبت کی۔ وَمَنْ اَبْغَضَ عَلِیًّا فَقَدْ اَبْغَضَنِیْ وَمَنْ اَبْغَضَنِیْ فَقَدْ اَبْغَضَ اللّٰہَ۔ یعنی جس نے علی سے دشمنی کی اس نے مجھ سے دشمنی کی۔ اور جس نے مجھ سے دشمنی کی اس نے اللہ سے دشمنی کی۔ (تاریخ الخلفاء بحوالہ طبرانی)

اور بزار، ابویعلی اور حاکم حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھے بلایا اور فرمایا کہ تمہاری حالت حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسی ہے کہ یہودیوں نے ان سے یہاں تک دشمنی کی کہ ان کی والدہ حضرت مریم (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) پر تہمت لگائی اور نصاریٰ نے ان سے محبت کی تو اس قدر حد سے بڑھ گئے کہ ان کو اللہ یا اللہ کا بیٹا کہدیا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا تو کان کھول کر سن لو۔ میرے بارے میں بھی دو گروہ ہلاک ہوں گے۔ ایک میری محبت میں حد سے تجاوز کرے گا اور میری ذات سے ان باتوں کو منسوب کرے گا جو مجھ میں نہیں ہیں اور دوسرا گروہ اس قدر بغض و عداوت رکھے گا کہ مجھ پر بہتان لگائے گا۔ (تاریخ الخلفاء)

اس حدیث شریف کی پیشین گوئی حرف بحرف صحیح ہوئی۔ بیشک حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں دو فرقے گمراہ ہو کر ہلاک ہوئے۔ ایک رافضی اور دوسرے خارجی۔ رافضی اس لئے ہلاک ہوئے کہ انھوں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حد سے بڑھایا یہاں تک کہ ان کو خدا کہدیا (دیکھئے تحفۂ اثنا عشریہ باب اول) اور خارجیوں نے ان سے اس قدر بغض و عداوت رکھا کہ ان کو کافر کہدیا۔ (معاذ اللہ رب العالمین)

ابوتراب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک کنیت ابوتراب بھی ہے جیسا کہ شروع میں بتایا جا چکا ہے۔ جب کوئی شخص آپ کو ابوتراب کہہ کر پکارتا

تھا تو آپ بہت خوش ہوتے تھے اور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لطف و کرم کے مزے لیتے تھے اس لئے کہ یہ کنیت آپ کو حضور ہی سے عنایت ہوئی تھی۔ اس کا واقعہ یہ ہے کہ ایک روز آپ مسجد میں آکر لیٹے ہوئے تھے اور آپ کے جسم پر کچھ مٹی لگ گئی تھی کہ اتنے میں رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لائے اور اپنے مبارک ہاتھوں سے آپ کے بدن کی مٹی جھاڑتے ہوئے فرمایا قُمْ یَا اَبَا تُرَابْ۔ یعنی اے مٹی والے! اٹھو اس روز سے آپ کی کنیت ابو تراب ہوگئی۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

خُلفائے ثلاثہ اور حضرت علی رِضوانُ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خلفائے ثلاثہ میں سے ہر ایک کی خلافت کو بخوشی منظور فرمایا ہے اور کسی کی خلافت سے انکار نہیں کیا ہے جیسا کہ ابن عساکر نے حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بصرہ تشریف لائے تو ابن الکواء اور قیس بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کھڑے ہو کر آپ سے پوچھا کہ آپ ہمیں یہ بتلائیے کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آپ سے وعدہ فرمایا تھا کہ میرے بعد تم خلیفہ ہوگے تو یہ بات کہاں تک سچ ہے اس لئے کہ آپ سے زیادہ اس معاملہ میں صحیح بات اور کون کہہ سکتا ہے۔ آپ نے فرمایا یہ غلط ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھ سے کوئی وعدہ فرمایا تھا جب میں نے سب سے پہلے آپ کی نبوت کی تصدیق کی تو اب میں غلط بات آپ کی طرف منسوب نہیں کر سکتا۔ اگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس طرح کا کوئی وعدہ مجھ سے کیا ہوتا تو میں حضرت ابوبکر صدیق و حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو حضور کے منبر پر نہ کھڑا ہونے دیتا میں ان دونوں کو اپنے ہاتھوں سے قتل کر ڈالتا چاہے میرا ساتھ دینے والا کوئی نہ ہوتا۔ یہ تو سب لوگ جانتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اچانک کسی نے قتل نہیں کیا اور نہ آپ کا یکایک وصال ہوا بلکہ کئی دن تک آپ کی طبیعت ناساز رہی اور جب آپ کی بیماری نے زور پکڑا

اور موذن نے آپ کو نماز کے لئے بلایا تو آپ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نماز پڑھانے کا حکم فرمایا اور مشاہدہ فرماتے رہے۔ موذن نے پھر آپ کو نماز کے لئے بلایا حضور نے پھر حضرت ابوبکر صدیق کو نماز پڑھانے کے لئے فرمایا۔ آپ کی ازواج مطہرات میں سے ایک نے (یعنی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے) حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امامت سے باز رکھنا چاہا تو آپ نے ناراضگی ظاہر کی اور فرمایا کہ تم لوگ تو یوسف علیہ السلام کے زمانہ کی عورتیں ہو۔ ابوبکر سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وصال ہوگیا تو ہم نے خلافت کے متعلق غور کرنے کے بعد پھر انھیں کو اپنی دنیا کے لئے اختیار کرلیا جس کو پیارے مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمارے دین یعنی نماز کے لئے منتخب فرمایا تھا چونکہ نماز دین کی اصل ہے اور حضور دین و دنیا دونوں کے قائم فرمانے والے تھے اسلئے ہم سب نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔ اور سچی بات یہی ہے کہ وہی اس کے اہل بھی تھے۔ اسی لئے کسی نے آپ کی خلافت میں اختلاف نہیں کیا اور نہ کسی نے کسی کو نقصان پہنچانے کا ارادہ کیا اور نہ کسی نے آپ کی خلافت سے روگردانی کی۔ اسی بنا پر میں نے بھی آپ کا حق ادا کیا اور آپ کی اطاعت کی۔ میں نے آپ کے لشکر میں شریک ہوکر کافروں سے جنگ کی۔ مال غنیمت یا بیت المال سے جو آپ نے دیا وہ ہم نے بخوشی قبول کیا۔ اور جہاں کہیں آپ نے مجھے جنگ کے لئے بھیجا میں گیا اور دل کھول کر لڑا یہانتک کہ ان کے حکم سے شرعی سزائیں بھی دیں یعنی حدود جاری کئے۔

پھر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وصال کا وقت قریب آیا تو انھوں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنا خلیفہ بنایا اور وہ حضرت ابوبکر صدیق کے بہترین جانشین اور سنت نبوی پر عمل کرنے والے تھے تو ہم نے ان کے ہاتھ پر بھی بیعت کرلی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلیفہ بنانے پر بھی کسی شخص نے بالکل اختلاف نہیں کیا اور نہ کوئی کسی کو نقصان پہنچانے کے درپے ہوا اور ایک

فرد بھی آپ کی خلافت سے بیزار نہیں ہوا۔ میں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حقوق بھی ادا کئے اور پورے طور پر ان کی اطاعت کی اور ان کے لشکر میں بھی شریک ہو کر دشمنوں سے جنگ کی۔ اور انھوں نے جو کچھ مجھے دیا میں نے خوشی سے لے لیا۔ انھوں نے مجھے لڑائیوں پر بھیجا میں نے دل کھول کر کافروں سے مقابلہ کیا اور آپ کے زمانۂ خلافت میں بھی اپنے کوڑوں سے مجرموں کو سزائیں دیں۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا بیان جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ پھر جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وصال کا وقت قریب آیا تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ اپنی قرابت، اسلام لانے میں سبقت، اور اپنی دوسری فضیلتوں کی جانب دل میں غور کیا تو مجھے یہ خیال ضرور پیدا ہوا کہ اب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو میری خلافت کے بارے میں کوئی اعتراض نہ ہوگا لیکن غالباً حضرت عمر کو یہ خوف ہوا کہ وہ کہیں ایسا خلیفہ نامزد نہ کر دیں کہ جس کے اعمال کا خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قبر میں جواب دینا پڑے۔ اس خیال کے پیش نظر انھوں نے اپنی اولاد کو بھی خلافت کیلئے نامزد نہیں فرمایا بلکہ خلیفہ کے مقرر کرنے کا مسئلہ چھ قریشیوں کے سپرد کیا جن میں سے ایک میں بھی تھا۔ جب ان چھ ممبروں نے انتخاب خلیفہ کے لئے کمیٹی طلب کی تو مجھے خیال پیدا ہوا کہ اب خلافت میرے سپرد کر دی جائے گی، یہ کمیٹی میرے برابر کسی دوسرے کو حیثیت نہیں دیگی اور مجھی کو خلیفہ منتخب کرے گی۔ جب کمیٹی کے سب افراد جمع ہو گئے تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے ہم لوگوں سے وعدہ لیا کہ اللہ تعالیٰ ہم میں سے جس کو خلیفہ مقرر فرمادے ہم سب اس کی اطاعت کریں گے اور اس کے احکام کو خوشی سے بجالائیں گے۔ اس کے بعد عبدالرحمٰن بن عوف نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اسوقت میں نے سوچا کہ میری اطاعت میری بیعت پر غالب آگئی اور مجھ سے جو وعدہ لیا گیا تھا وہ اصل میں دوسرے کی بیعت کے لئے تھا۔ بہرحال میں نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر بھی بیعت کر لی اور خلیفۂ اول و دوم کی طرح ان کی اطاعت بھی قبول کر لی۔ انکے

حقوق ادا کئے، انہی کی سرکردگی میں جنگیں لڑیں، ان کے عطیات کو قبول کیا اور مجرموں کو شرعی سزائیں بھی دیں۔

پھر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد مجھے خیال پیدا ہوا کہ وہ دونوں خلیفہ کہ جن سے میں نے نماز کے سبب بیعت کی تھی وصال فرما چکے اور جن کے لئے مجھ سے وعدہ لیا گیا تھا وہ بھی رخصت ہو گئے۔ لہٰذا یہ سوچ کر میں نے بیعت لینی شروع کر دی۔ مکہ معظمہ و مدینہ طیبہ کے باشندوں نے اور کوفہ و بصرہ کے رہنے والوں نے میری بیعت کر لی۔ اب خلافت کے لئے میرے مقابل وہ شخص کھڑا ہوا ہے (یعنی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ) جو قرابت، علم اور سبقت اسلام میں میرے برابر نہیں اس لئے میں اس شخص کے مقابلہ میں خلافت کا زیادہ مستحق ہوں۔ (تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۲۱)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس تفصیلی بیان سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے بعد ان کو خلافت کے لئے نامزد نہیں فرمایا تھا اور نہ ان سے اس قسم کا کوئی وعدہ فرمایا تھا اسی لئے آپ نے خلفائے ثلاثہ کی بیعت سے انکار نہیں کیا اور نہ ان کی مخالفت کی بلکہ ہر طرح سے ان کا تعاون کیا اور ان کے عطیات کو قبول فرمایا۔

دراصل راز یہ ہے کہ اگر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بلا فصل خلیفہ منتخب ہو جاتے تو خلفائے ثلاثہ محبوب خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خلافت و نیابت کی نعمت سے سرفراز نہ ہو پاتے سب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد ہی میں انتقال کر جاتے حالانکہ علم الٰہی میں یہ مقدر ہو چکا تھا کہ وہ تینوں حضرات بھی حضور کی نیابت سے سرفراز ہوں گے۔ تو خدائے تعالیٰ نے صحابۂ کرام کے دلوں میں یہ بات ڈال دی کہ وہ اسی ترتیب سے خلیفہ منتخب کریں کہ جس ترتیب کے ساتھ وہ دنیا سے رخصت ہونے والے ہیں تاکہ ان میں سے کوئی حضور کی نیابت سے محروم نہ رہے۔

رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

آپ کا علم

حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ علم کے اعتبار سے بھی علمائے صحابہ میں بہت اونچا مقام رکھتے ہیں۔ سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بہت سی حدیثیں آپ سے مروی ہیں۔ آپ کے فتوے اور فیصلے اسلامی علوم کے انمول جواہر پارے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ ہم نے جب بھی آپ سے کسی مسئلہ کو دریافت کیا تو ہمیشہ درست ہی جواب پایا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سامنے جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکر ہوا تو آپؓ نے فرمایا کہ علی سے زیادہ مسائل شرعیہ کا جاننے والا کوئی اور نہیں ہے۔ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مدینہ طیبہ میں علم فرائض اور مقدمات کے فیصلہ کرنے میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے زیادہ علم رکھنے والا کوئی دوسرا نہیں تھا۔ اور حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صحابہ میں سوائے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کوئی یہ کہنے والا نہیں تھا کہ جو کچھ پوچھنا ہو مجھ سے پوچھ لو۔ اور حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ بھی مروی ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں کوئی مشکل مقدمہ پیش ہوتا اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ موجود نہ ہوتے تو وہ اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگا کرتے تھے کہ مقدمہ کا فیصلہ کہیں غلط نہ ہو جائے۔ (تاریخ الخلفاء)

مشہور ہے کہ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے ایک ایسی عورت پیش کی گئی کہ جسے زنا کا حمل تھا۔ ثبوت شرعی کے بعد آپ نے اس کے سنگسار کا حکم فرمایا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یاد دلایا کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ حاملہ عورت کو بچہ پیدا ہونے کے بعد سنگسار کیا جائے۔ اس لئے کہ زنا کرنے والی عورت اگرچہ گنہگار ہوتی ہے مگر اس کے پیٹ کا بچہ بے قصور ہوتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یاد دہانی کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے فیصلہ سے رجوع کر لیا

اور فرمایا لَوْلَا عَلِیٌّ لَهَلَكَ عُمَرُ یعنی اگر علی نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا۔ علی کی موجودگی نے عمر کو ہلاکت سے بچا لیا۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہما)

آپ کے فیصلے

برادرانِ ملّت! حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فیصلے ایسے عجیب وغریب اور نادر روزگار ہیں کہ جنھیں پڑھکر بڑے بڑے عقلمندوں اور دانشوروں کی عقلیں حیران ہیں۔ اور یہ سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دست مبارک اور ان کی دعا کی برکت ہے۔

خود حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے مجھے یمن کیا جب قاضی بنا کر بھیجنا چاہا تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں ابھی ناتجربہ کار جوان ہوں معاملات طے کرنا نہیں جانتا ہوں اور آپ مجھے یمن بھیجتے ہیں۔ یہ سن کر حضور نے میرے سینے پر ہاتھ مارا اور فرمایا الٰہ العالمین! اس کے قلب کو روشن فرما دے اور اس کی زبان میں تاثیر عطا فرما دے۔ قسم ہے اس ذات کی جو چھوٹے بیج سے بڑا درخت پیدا کرتا ہے اس دعا کے بعد سے پھر کبھی مجھے کسی مقدمہ کے فیصلہ میں کوئی تردد نہیں رہا بغیر کسی شک وشبہہ کے میں نے ہر مقدمہ کا تصفیہ کر دیا۔

اب آپ حضرات سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چند فیصلے ملاحظہ فرمائیں۔

آقا اور غلام

حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ یمن کے ایک شخص نے اپنے غلام کو اپنے لڑکے کے ساتھ کوفہ بھیجا۔ اتفاق سے راستہ میں دونوں نے آپس میں جھگڑا کیا۔ لڑکے نے غلام کو مارا اور غلام نے اسے گالیاں دیں۔ کوفہ پہنچ کر غلام نے دعویٰ کیا کہ یہ لڑکا میرا غلام ہے اور اسے بیچنا چاہا۔

یہ مقدمہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عدالت میں پہنچا۔ آپ نے خادم قنبر سے فرمایا کہ اس کمرہ کی دیوار میں دو بڑے بڑے سوراخ بناؤ اور ان دونوں سے کہو کہ اپنے اپنے سر ان سوراخوں سے باہر نکالیں۔ جب یہ سب ہو گیا تو آپ نے فرمایا اے قنبر! رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تلوار لاؤ۔ جب حضرت قنبر تلوار لے آئے تو آپ نے فرمایا فوراً غلام کا سر کاٹ لو۔ اتنا سنتے ہی غلام نے فوراً اپنا سر اندر کھینچ لیا اور دوسرا نوجوان اپنی حالت پر قائم رہا۔ اسطرح آپ کے اجلاس میں بغیر کسی گواہ و شہادت کے فیصلہ ہو گیا کہ آقا کون ہے اور غلام کون ہے۔ آپ نے غلام کو سزا دی اور اسے یمن بھیج دیا۔ (عشرۂ مبشرہ)

حقیقی ماں

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے ایک مرتبہ دو عورتیں ایک لڑکے کے متعلق جھگڑا کرتی ہوئی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئیں دونوں کا کہنا تھا کہ یہ لڑکا ہمارا ہے۔ آپ نے پہلے ان دونوں کو بہت سمجھایا لیکن جب ان کی ہنگامہ آرائی جاری رہی تو آپ نے حکم دیا آرہ لاؤ۔ انھوں نے پوچھا آرہ کس لئے منگا رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ اس لڑکے کے دو ٹکڑے کرکے دونوں کو آدھا آدھا دوں گا۔ حقیقت میں اس لڑکے کی جو ماں تھی یہ سن کر بیقرار ہو گئی اور اس کے چہرہ سے غمگینی ظاہر ہوئی۔ اس نے نہایت عاجزی سے عرض کیا یا امیر المؤمنین! میں اس لڑکے کو نہیں لینا چاہتی۔ یہ اسی عورت کا ہے آپ اسی کو دید یجئے مگر خدا کے واسطے اسکو قتل نہ کیجئے۔ آپ نے وہ لڑکا اسی بیقرار عورت کو دیدیا اور جو عورت خاموش کھڑی رہی آپ نے اس سے فرمایا کہ تم کو شرم آنی چاہئے کہ تم نے میرے اجلاس میں جھوٹا بیان دیا۔ یہانتک کہ اس عورت نے اپنے جرم کا اقرار کرلیا۔ (عشرۂ مبشرہ)

ایک شخص کی وصیت

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ ایک شخص نے مرتے وقت اپنے ایک دوست کو دس ہزار درہم دئے اور وصیت کی کہ جب تم سے اور میرے

لڑکے سے ملاقات ہو تو اس میں سے جو تم چاہو وہ اس کو دیدینا۔ اتفاق سے کچھ روز بعد اس کا لڑکا وطن میں آگیا۔ اس موقع پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس شخص سے پوچھا کہ بتاؤ تم مرحوم کے لڑکے کو کتنا دوگے؟ اس نے کہا ایک ہزار درہم۔ آپ نے فرمایا اب تم اس کو نو ہزار دو۔ اس لئے کہ جو تم نے چاہا وہ نو ہزار ہیں اور مرحوم نے یہ وصیت کی ہے کہ جو تم چاہو وہ اس کو دیدینا۔ (عشرۂ مبشرہ)

سترہ اونٹ

حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی خدمت میں تین شخص آئے۔ ان کے پاس سترہ اونٹ تھے۔ ان لوگوں نے آپ سے عرض کیا کہ ان اونٹوں کو آپ ہمارے درمیان تقسیم کر دیں۔ ہم میں ایک شخص آدھے کا حصہ دار ہے دوسرا تہائی کا اور تیسرا نویں حصہ کا۔ مگر شرط یہ ہے کہ پورے پورے اونٹ ہر شخص کو ملیں۔ کاٹ کر تقسیم نہ کریں اور نہ کسی سے کچھ پیسہ دلائیں۔

بڑے بڑے دانشور جو آپ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے انھوں نے آپس میں کہا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ پورے پورے اونٹ ہر شخص کو ملیں اور وہ کاٹے نہ جائیں نہ کسی سے کچھ پیسے دلائے جائیں۔ اس لئے کہ جو شخص آدھے کا حصہ دار ہے اسے سترہ میں ساڑھے آٹھ (۸ ½) ملے گا اور جو شخص تہائی کا حقدار ہے ۵ ⅔ ہی اونٹ پائے گا۔ سترہ میں سے پورا چھ اسے بھی نہیں ملے گا۔ اور جس کا حصہ نواں ہے سترہ میں سے وہ بھی دو سے کم ہی پائے گا۔ تو ایک دو نہیں بلکہ تین اونٹوں کو ذبح کئے بغیر سترہ اونٹوں کی تقسیم ان لوگوں کے درمیان ہرگز نہیں ہو سکتی۔

مگر قربان جائیے حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی عقل و دانائی اور ان کی قوت فیصلہ پر کہ آپ نے بلا تامل فوراً ان کے اونٹوں کو ایک لائن میں کھڑا کروا دیا اور اپنے خادم سے فرمایا کہ ہمارا ایک اونٹ اسی لائن کے آخر میں لاکر کھڑا کر دو۔ جب آپ کے اونٹ کو ملا کر کل اٹھارہ اونٹ ہو گئے۔ تو جو شخص آدھے کا حصہ دار تھا آپ نے اسے اٹھارہ میں سے نو دیا اور

تہائی حصہ والے کو اٹھارہ میں سے چھ۔ پھر نویں کے حصہ دار کو اٹھارہ میں سے دو دیا اور اپنے اونٹ کو پھر اپنی جگہ پر بھیج دیا۔

اس طرح آپ نے نہ تو کوئی اونٹ کاٹا اور نہ ہی کسی کو کچھ نقد پیسہ دلوایا اور سترہ اونٹوں کو ان کی شرط کے مطابق تقسیم فرمادیا جس پر کسی شخص کو کوئی اعتراض نہیں ہوا۔

آپ کے اس فیصلہ کو دیکھ کر سارے حاضرین دنگ ہو گئے اور سب بیک زبان پکار اٹھے کہ بیشک آپ کا سینہ فضل و کمال کا خزینہ، حکمت و عدالت کا سفینہ اور علم نبوت کا مدینہ ہے۔ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم

آٹھ روٹیاں

دو آدمی سفر میں ایک ساتھ کھانا کھانے کے لئے بیٹھے۔ ان میں سے ایک کی پانچ روٹیاں تھیں دوسرے کی تین۔ اتنے میں ایک شخص ادھر سے گذرا اس نے ان دونوں سے سلام کیا۔ انھوں نے اس کو بھی اپنے ساتھ کھانے پر بٹھالیا اور تینوں نے مل کر وہ سب روٹیاں کھائیں۔ کھانے سے فارغ ہو کر اس تیسرے شخص نے آٹھ درہم دئے اور کہا آپس میں بانٹ لینا۔ جب وہ شخص چلا گیا تو پانچ روٹیوں والے نے کہا کہ میں پانچ درہم لوں گا کہ میری پانچ روٹیاں تھیں، اور تم تین درہم لو کہ تمہاری تین ہی تھیں۔ تین روٹی والے نے کہا نہیں بلکہ آدھے درہم ہمارے ہیں اور آدھے تمہارے اسلئے کہ ہم دونوں نے مل کر روٹیاں کھائی ہیں۔ لہٰذا دونوں کا حصہ برابر چار چار درہم ہوگا۔

جب دونوں میں معاملہ طے نہ ہوا تو اس جھگڑے کا فیصلہ کرانے کے لئے دونوں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اجلاس میں پہنچے۔ آپ نے سارا واقعہ سننے کے بعد تین روٹی والے سے فرمایا کہ تمہارا ساتھی جو تین درہم تم کو دے رہا ہے لے لو۔ اس لئے کہ تمہاری روٹیاں کم تھیں تین روٹیوں والے نے کہا کہ میں اس غیر منصفانہ فیصلہ پر راضی نہیں ہوں۔ آپ نے فرمایا یہ غیر منصفانہ فیصلہ نہیں ہے۔ حساب سے تو تمہارا ایک ہی درہم ہوتا ہے۔ اس نے کہا آپ حساب ہمیں سمجھا دیجئے تو ہم ایک ہی درہم لے لیں گے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کان کھول کر سنو! تمہاری تین روٹیاں تھیں اور اس کی پانچ۔ کل آٹھ روٹیاں ہوئیں۔ اور کھانے والے کل تین تھے۔ تو ان آٹھ روٹیوں کے تین تین ٹکڑے کرو تو کل چوبیس ٹکڑے ہوئے۔ اب ان چوبیس ٹکڑوں کو تین کھانے والوں پر تقسیم کرو تو آٹھ آٹھ ٹکڑے سب کے حصے میں آئے۔ یعنی آٹھ ٹکڑے تم نے کھائے آٹھ تمہارے ساتھی نے اور آٹھ اس تیسرے شخص نے۔ اب غور سے سنو! تمہاری تین روٹیوں کے تین تین ٹکڑے کریں تو نو ٹکڑے بنتے ہیں اور تمہارے ساتھی کی پانچ روٹیوں کے تین تین ٹکڑے کریں تو پندرہ ٹکڑے بنتے ہیں۔ تو تم نے اپنے نو ٹکڑوں میں سے آٹھ ٹکڑے خود کھائے اور تمہارا صرف ایک ٹکڑا بچا جو اس تیسرے شخص نے کھایا لہٰذا تمہارا صرف ایک درہم ہوا۔ اور تمہارے ساتھی نے اپنے پندرہ ٹکڑوں میں سے آٹھ خود کھائے اور اس کے سات ٹکڑے اس تیسرے شخص نے کھائے لہٰذا سات درہم اس کے ہوئے۔ یہ فیصلہ سن کر تین روٹی والا حیران ہو گیا۔ مجبوراً اسے ایک ہی درہم لینا پڑا۔ اور دل میں کہنے لگا اے کاش! میں تین درہم لے لیا ہوتا تو اچھا تھا۔

ایک مرتبہ آپ حضرات پھر بلند آواز سے درود شریف کا نذرانہ اور ہدیہ پیش کریں
صلی اللہ علی النبی الامی الخ

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کرامتیں

برادران اسلام! امیر المومنین حضرت سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے بہت سی کرامتوں کا ظہور ہوا ہے جن میں سے چند کرامتوں کا ذکر آپ لوگوں کے سامنے کیا جاتا ہے۔

حضرت عبد الرحمٰن علامہ جامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں۔ کوفہ میں ایک روز

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صبح کی نماز پڑھنے کے بعد ایک شخص سے فرمایا کہ فلاں مقام پر جاؤ وہاں ایک مسجد ہے جس کے پہلو میں ایک مکان واقع ہے اس میں ایک مرد ایک عورت آپس میں لڑتے ہوئے ملیں گے انھیں ہمارے پاس لے آؤ۔ وہ شخص وہاں پہنچا تو دیکھا واقعی وہ دونوں آپس میں جھگڑا کر رہے ہیں۔ آپ کے حکم کے مطابق ان دونوں کو ساتھ لے آیا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا آج رات تم دونوں میں بہت لڑائی ہوئی۔ نوجوان نے کہا اے امیر المؤمنین! میں نے اس عورت سے نکاح کیا لیکن جب میں اس کے پاس آیا تو اسی صورت سے مجھے سخت نفرت ہوگئی۔ اگر میرا بس چلتا تو اس عورت کو میں اسی وقت اپنے پاس سے دور کر دیتا۔ اس نے مجھ سے جھگڑنا شروع کر دیا اور صبح تک لڑائی ہوتی رہی یہانتک کہ آپکا بھیجا ہوا آدمی ہمیں بلانے کے لئے پہنچا۔ حاضرین کو آپ نے جانے کا اشارہ فرمایا وہ چلے گئے اس کے بعد آپ نے اس عورت سے پوچھا تم اس جوان کو پہچانتی ہو؟ اس نے کہا نہیں۔ صرف اتنا جانتی ہوں کہ یہ کل سے میرا شوہر ہے۔ آپ نے فرمایا اب تو اچھی طرح جان لے گی مگر سچ سچ کہنا جھوٹ ہرگز نہیں بولنا۔ اس نے کہا میں وعدہ کرتی ہوں جھوٹ قطعی نہیں بولوں گی۔ آپنے فرمایا تم فلاں کی بیٹی فلاں ہو؟ اس نے کہا ہاں حضور! میں وہی ہوں۔ پھر آپ نے فرمایا تمہارا چچازاد بھائی تھا جو تم پر عاشق تھا اور تو بھی اس سے بہت محبت کرتی تھی۔ اس نے اس بات کا بھی اقرار کیا۔ پھر آپ نے فرمایا تو ایک دن کسی ضرورت سے رات کے وقت گھر سے باہر نکلی تو اس نے تجھے پکڑ کر تجھ سے زنا کیا اور تو حاملہ ہوگئی۔ اس بات کو تو نے اپنے باپ سے چھپا رکھا۔ اس نے کہا بیشک ایسا ہی ہوا تھا۔ آپ نے فرمایا مگر تیری ماں سارا واقعہ جانتی تھی۔ اور جب بچہ پیدا ہونے کا وقت آیا تو رات تھی۔ تیری ماں تجھے گھر سے باہر لے گئی تجھے لڑکا پیدا ہوا تو نے اسے ایک کپڑے میں لپیٹ کر دیوار کے پیچھے ڈال دیا اتفاق سے وہاں ایک کتا پہنچ گیا جس نے اسے سونگھا تو نے اس کتے کو ایک پتھر مارا جو بچے کے سر پر لگا جس سے وہ زخمی ہوگیا۔ تیری ماں نے اپنے ازار بند سے کچھ کپڑا پھاڑ کر اس کے سر کو باندھ دیا پھر تم دونوں

واپس چلی آئیں اور پھر تمہیں اس لڑکے کا کوئی پتہ نہ چلا۔ اس عورت نے جواب دیا ہاں حضور ایسا ہی ہوا تھا۔ مگر اے امیر المؤمنین! اس واقعہ کو میرے اور میری ماں کے علاوہ کوئی تیسرا نہیں جانتا تھا۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا جب صبح ہوئی تو فلاں قبیلہ اس لڑکے کو اٹھا کر لے گیا اور اس کی پرورش کی یہاں تک کہ وہ جوان ہوگیا کوفہ شہر میں آیا اور اب تجھ سے شادی کرلی۔ پھر آپ نے اس نوجوان سے کہا اپنا سر کھولو۔ اس نے اپنا سر کھولا تو زخم کا اثر ظاہر تھا۔ آپ نے فرمایا یہ تمہارا لڑکا ہے۔ خدائے عزوجل نے اسے حرام چیز سے محفوظ رکھا۔ فرمایا لے اسے اپنے ساتھ لے جا۔ تو اس کی بیوی نہیں ماں ہے اور یہ تیرا شوہر نہیں بیٹا ہے۔ (شواہد النبوۃ)

اس واقعہ سے صاف ظاہر ہے کہ اللہ کے محبوب بندے عام انسانوں کی طرح نہیں ہوتے بلکہ ان کے اندر ایسا کمال ہوتا ہے کہ وہ لوگوں کے سارے حالات جانتے ہیں۔ مولانا روم علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں۔ حال تو دانند یک مو بمو۔ زانکہ پرہستند از اسرار ہو۔ یعنی اللہ کے محبوب تمہارے ہر حال سے ذرہ ذرہ آگاہ ہیں اس لئے کہ ان کے اندر اسرار ربانی بھرے ہوئے ہیں۔

فرات میں طغیانی

کوفہ والوں نے آپ سے عرض کیا اے امیر المؤمنین! اس سال دریائے فرات کی طغیانی کے سبب ہماری کھیتیاں برباد ہو رہی ہیں کیا ہی اچھا ہو اگر آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ دریا کا پانی کم ہو جائے۔ آپ اٹھ کر مکان کے اندر تشریف لے گئے۔ لوگ گھر کے دروازہ پر آپ کا انتظار کر رہے تھے کہ اچانک آپ سرکارِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جبہ پہنے، عمامہ سر پر باندھے اور عصائے مبارک ہاتھ میں لئے ہوئے باہر تشریف لائے ایک گھوڑا منگا کر اس پر سوار ہوئے اور فرات کی طرف روانہ ہوئے عوام و خواص میں سے بہت لوگ آپ کے پیچھے پیچھے چلے۔ جب آپ فرات کے کنارے پہنچے تو گھوڑے سے اتر کر دو رکعت نماز پڑھی۔ پھر اٹھ کر عصائے مبارک ہاتھ میں لیا اور فرات کے پل پر آگئے اس وقت حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان کے ساتھ تھے آپ نے عصا سے پانی کی طرف

اشارہ کیا تو پانی کی سطح ایک ہاتھ کم ہوگئی۔ آپ نے فرمایا کیا اتنا کافی ہے؟ لوگوں نے کہا نہیں آپ نے پھر عصا سے پانی کی طرف اشارہ کیا پانی ایک ہاتھ پھر کم ہوگیا۔ اس طرح جب تین فٹ پانی کی سطح نیچے ہوگئی تو لوگوں نے کہا یا امیر المومنین! بس اتنا کافی ہے۔ (شواہد النبوۃ)

سچ فرمایا مولانا روم علیہ الرحمۃ والرضوان نے کہ

یاد او گر مونس جانت بود

ہر دو عالم زیر فرمانت بود

یعنی خدائے تعالیٰ کی یاد اگر تمہارے جان کی ساتھی بن جائے تو دونوں عالم تمہارے تابع فرمان ہو جائیں۔

پانی کا چشمہ

جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنگ صفین میں مشغول تھے آپ کے ساتھیوں کو پانی کی سخت ضرورت پڑی۔ لوگوں نے بہت دوڑ دھوپ کی مگر پانی دستیاب نہ ہوا۔ آپ نے فرمایا اور آگے چلو۔ کچھ دور چلے تو ایک گرجا نظر آیا۔ آپ نے اس گرجا میں رہنے والے سے پانی کے متعلق دریافت کیا۔ اس نے کہا یہاں سے چھ میل کے فاصلے پر پانی موجود ہے۔ آپ کے ساتھیوں نے کہا اے امیر المومنین! آپ ہمیں اجازت دیجئے شاید ہم اپنی قوت کے ختم ہونے سے پہلے پانی تک پہنچ جائیں۔ آپ نے فرمایا اس کی حاجت نہیں۔ پھر اپنی سواری کو پچھم کی طرف موڑا اور ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا یہاں سے زمین کھودو۔ ابھی تھوڑی ہی زمین کھودی گئی تھی کہ نیچے ایک بڑا پتھر ظاہر ہوا جسے ہٹانے کے لئے کوئی ہتھیار بھی کارگر نہ ہوسکا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا یہ پتھر پانی پر واقع ہے کسی طرح اسے ہٹاؤ۔ آپ کے ساتھیوں نے بہت کوشش کی مگر اسے اپنی جگہ سے ہلا نہ سکے۔ اب شیر خدا نے اپنی آستین چڑھا کر انگلیاں اس پتھر کے نیچے رکھ کر زور لگایا تو پتھر ہٹ گیا اور اس کے نیچے نہایت ٹھنڈا، میٹھا اور صاف پانی ظاہر ہوا جو اتنا اچھا تھا کہ پورے سفر میں انھوں نے ایسا پانی نہ پیا تھا۔ سب نے شکم سیر ہو کر پیا اور جتنا چاہا بھر لیا۔ پھر آپ نے اس پتھر کو اٹھا کر چشمہ پر رکھ دیا اور فرمایا اس پر

میں ڈال دو۔ جب راہب نے یہ دیکھا تو آپ کی خدمت میں کھڑے ہو کر نہایت ادب سے پوچھا کیا آپ پیغمبر ہیں؟ فرمایا نہیں۔ پوچھا کیا آپ فرشتۂ مقرب ہیں؟ فرمایا نہیں۔ پوچھا تو پھر آپ کون ہیں؟ فرمایا کہ میں سیدنا محمد رسول اللہ کا داماد اور ان کا خلیفہ ہوں۔ راہب نے کہا ہاتھ بڑھایئے تاکہ میں آپ کے ہاتھ پر اسلام قبول کروں۔ آپ نے ہاتھ بڑھایا تو راہب نے کہا اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔

آپ نے راہب سے دریافت فرمایا کیا وجہ ہے کہ تم مدت سے اپنے دین پر قائم تھے اور آج تم نے اسلام قبول کر لیا۔ اس نے کہا حضور! یہ گرجا اسی ہاتھ پر فتح ہونا تھا جو اس چٹان کو ہٹا کر چشمہ نکالے۔ اور ہماری کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ اس چٹان کا ہٹانے والا یا تو پیغمبر ہوگا اور یا تو پیغمبر کا داماد۔ جب میں نے دیکھا کہ آپ نے اس پتھر کو ہٹا دیا تو میری مراد پوری ہو گئی اور مجھے جس چیز کا انتظار تھا وہ مل گئی۔ جب راہب سے آپ نے یہ بات سنی تو اتنا روئے کہ آپ کی داڑھی کے بال تر ہو گئے۔ پھر فرمایا سب تعریف خدائے تعالیٰ کے لئے ہے کہ میں اس کے یہاں بھولا بسرا نہیں ہوں بلکہ میرا ذکر اس کی کتابوں میں موجود ہے۔ (شواہد النبوۃ)

اللہ تعالیٰ کے محبوب بندوں کو معلوم ہوتا ہے کہ زمین میں کہاں کیا چیز ہے۔ اور یہ درحقیقت علم غیب ہے جو سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدقے و طفیل میں انھیں حاصل ہوتا ہے

آپ کی خلافت

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد دوسرے روز حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے علاوہ مدینہ طیبہ کے سب رہنے والوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ آپ امیر المؤمنین ہو گئے۔ حضرت طلحہ، حضرت زبیر اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بصرہ پہنچ کر قاتلین حضرت عثمان غنی سے قصاص لینے کا مطالبہ آپ سے شروع کیا اور بہت سے لوگ اس مطالبہ میں شریک ہو گئے۔ جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس بات کی اطلاع ملی تو آپ بھی عراق تشریف لے گئے بصرہ راستے میں ہی پڑتا تھا یہاں ”جنگ جمل“ ہوئی جس میں حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما شہید

ہوگئے۔ ان کے علاوہ اور بھی دونوں طرف کے ہزاروں آدمی کام آئے۔ بصرہ میں آپ نے پندرہ روز قیام فرمایا اور پھر کوفہ تشریف لے گئے۔

آپ کے کوفہ پہنچنے کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ پر خروج کیا ان کے ساتھ شامی لشکر تھا۔ کوفہ سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی بڑھے اور صفین کے مقام پر کئی روز تک لڑائی کا سلسلہ جاری رہا۔ پھر یہ جنگ ایک معاہدہ پر ختم ہوئی۔ طرفین کے لوگ اپنے اپنے مقام کو واپس ہوگئے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ شام کو اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کوفہ واپس چلے آئے۔

جب آپ کوفہ تشریف لائے تو ایک جماعت جس کو "خارجی"، کہا جاتا ہے آپ کا ساتھ چھوڑ کر الگ ہوگئی اور آپ کی خلافت سے انکار کرکے لَا حُکْمَ اِلَّا لِلّٰہ کا نعرہ بلند کیا یہاں تک کہ آپ سے جنگ کرنے کے لئے لشکر تیار کرلیا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کا سر کچلنے کے لئے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی سرکردگی میں ایک لشکر روانہ فرمایا طرفین میں جنگ ہوئی خارجی شکست کھاکر کچھ تو علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لشکر میں شامل ہوگئے اور کچھ بھاگ کر نہروان چلے گئے اور وہاں پہنچ کر لوٹ مار شروع کردی۔ آخر شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہاں جاکر ان کو تہ تیغ کردیا۔ (تاریخ الخلفاء)

خارجیوں کی سازش

تین خارجی یعنی عبدالرحمٰن بن ملجم، برک بن عبداللہ اور عمرو بن بکیر مکہ معظمہ میں جمع ہوئے اور آپس میں یہ فیصلہ کیا کہ ہم تینوں آدمی تین افراد حضرت علی بن ابی طالب، معاویہ بن ابی سفیان اور عمرو بن العاص کو قتل کردیں۔ چنانچہ ابن ملجم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو، برک نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اور عمرو بن بکیر نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک ہی معین تاریخ پر قتل کرنے کا عہد کیا اور یہ تینوں بدبخت ان شہروں کو روانہ ہوگئے جہاں جہاں ان کو اپنے اپنے نامزد کردہ شخص کو قتل کرنا تھا۔ ان میں سب سے پہلے ابن ملجم کوفہ پہنچا وہاں خارجیوں سے رابطہ

قائم کرکے ان پر اپنا ارادہ ظاہر کیا کہ وہ ۱۷ رمضان سنہ ۴۰ھ کی رات میں حضرت علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو شہید کر دے گا۔

امام سُدّی فرماتے ہیں کہ ابن ملجم ایک خارجیہ عورت پر عاشق ہو گیا تھا جس کا نام قطام تھا اس نے اپنا مہر تین ہزار درہم، ایک غلام ایک باندی اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قتل رکھا تھا۔ فرزدق شاعر نے اپنے ان اشعار میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

فَلَمْ اَرَ مَهْرًا سَاقَهٗ ذُوْ سَمَاحَةٍ ۔۔۔ كَمَهْرِ قَطَامٍ بَيِّنٍ غَيْرِ مُعْجَمٍ

ثَلٰثَةُ اٰلَافٍ وَّعَبْدٌ وَّقَيْنَةٌ ۔۔۔ وَضَرْبُ عَلِيٍّ بِالْحُسَامِ الْمُصَمَّمِ

فَلَا مَهْرَ اَغْلٰى مِنْ عَلِيٍّ وَّاِنْ غَلَا ۔۔۔ وَلَا فَتْكَ اِلَّا دُوْنَ فَتْكِ ابْنِ مُلْجِمٍ

یعنی میں نے کسی سخاوت کرنے والے کو ایسا مہر دیتے نہیں دیکھا جیسا مہر کہ قطام کا مقرر ہوا تین ہزار درہم، ایک غلام، ایک باندی اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قتل۔ تو آپ کے قتل سے بڑھ کر کوئی مہر نہیں ہو سکتا۔ اور ابن ملجم نے جو آپ کو دھوکے سے قتل کیا تو اس سے بڑھ کر کوئی قتل نہیں ہو سکتا۔

آپ کی شہادت

حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے ۱۷ رمضان المبارک سنہ ۴۰ھ کو علی الصبح بیدار ہو کر اپنے بڑے صاحبزادے حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا آج رات خواب میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کی امت نے میرے ساتھ کجروی اختیار کی ہے اور سخت نزاع برپا کر دیا ہے۔ حضور نے فرمایا تم ظالموں کے لئے دعا کرو۔ تو میں نے اس طرح دعا کی یا اللہ العالمین! تو مجھے ان لوگوں سے بہتر لوگوں میں پہنچا دے۔ اور میری جگہ ان لوگوں پر ایسا شخص مسلط کر دے جو برا ہو۔ ابھی آپ یہ بیان ہی فرما رہے تھے کہ ابن نباح مؤذن نے آواز دی اَلصَّلٰوۃُ اَلصَّلٰوۃُ۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز پڑھانے کے لئے گھر سے چلے۔ راستے میں لوگوں کو نماز کے لئے آواز دے دے کر آپ جگاتے جاتے تھے کہ اتنے میں ابن ملجم آپ کے سامنے

آگیا اور اس نے اچانک آپ پر تلوار کا بھرپور وار کیا وار اتنا سخت تھا کہ آپ کی پیشانی کنپٹی تک کٹ گئی اور تلوار دماغ پر جا کر ٹھہری۔ شمشیر لگتے ہی آپ نے فرمایا فُزْتُ بِرَبِّ الْکَعْبَۃِ۔ یعنی رب کعبہ کی قسم میں کامیاب ہو گیا۔ آپ کے زخمی ہوتے ہی چاروں طرف سے لوگ دوڑ پڑے اور قاتل کو پکڑ لیا۔ (تاریخ الخلفاء)

آپ کی وصیت

حضرت عقبہ بن ابی صہبا کہتے ہیں کہ جب بدبخت ابن ملجم نے آپ پر تلوار کا وار کیا یعنی آپ زخمی ہو گئے تو حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ روتے ہوئے آپ کی خدمت میں آئے۔ آپ نے ان کو تسلی دی اور فرمایا بیٹے! میری چار باتوں کے ساتھ چار باتیں یاد رکھنا۔ حضرت امام حسن نے عرض کیا وہ کیا ہیں فرمایئے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا۔ اول سب سے بڑی تونگری عقل کی توانائی ہے۔ دوسرے بیوقوفی سے زیادہ کوئی مفلسی اور تنگدستی نہیں۔ تیسرے غرور و گھمنڈ سب سے سخت وحشت ہے۔ چوتھے سب سے عظیم خُلق کرم ہے۔

حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ دوسری چار باتیں بھی بیان فرمائیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اول احمق کی صحبت سے بچو۔ اس لئے کہ نفع پہنچانے کا ارادہ کرتا ہے لیکن نقصان پہنچ جاتا ہے۔ دوسرے جھوٹے سے پرہیز کرو۔ اس لئے کہ وہ دور کو نزدیک اور نزدیک کو دور کر دیتا ہے۔ تیسرے بخیل سے دور رہو۔ اس لئے کہ وہ تم سے ان چیزوں کو چھڑا دے گا جن کی تم کو حاجت ہے۔ چوتھے فاجر سے کنارہ کش رہو۔ اس لئے کہ وہ تمہیں تھوڑی سی چیز کے بدلے میں فروخت کر ڈالے گا۔ (تاریخ الخلفاء)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سخت زخمی ہونے کے باوجود جمعہ و سنیچر تک بقید حیات رہے لیکن اتوار کی رات میں آپ کی روح بارگاہ قدس میں پرواز کر گئی۔ اور یہ بھی روایت ہے کہ ۱۹ رمضان جمعہ کی شب میں آپ زخمی ہوئے اور ۲۱ رمضان شب یکشنبہ ۴۰ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ط

Scanned by CamScanner

چار برس آٹھ ماہ نو دن آپ نے امور خلافت کو انجام دیا اور ترسٹھ سال کی عمر میں آپ کا وصال ہوا۔ حضرت امام حسن، حضرت امام حسین اور حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے آپ کو غسل دیا اور آپ کی نماز جنازہ حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پڑھائی۔ آپ کے دفن سے فارغ ہونے کے بعد امیر المؤمنین کے قاتل عبدالرحمٰن بن ملجم کو حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قتل کر دیا پھر اس کے ہاتھ پیر کاٹ کر ایک ٹوکرے میں ڈال دیا اور اس میں آگ لگا دی جس سے اس کی لاش جل کر راکھ ہو گئی۔

آپ کا مزار

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رات کے وقت دفن کیا گیا اور ایک مصلحت سے آپ کا مزار لوگوں پر ظاہر نہیں کیا گیا اس لئے وہ کہاں ہے اس میں اقوال مختلف ہیں۔ ابوبکر بن عیاش کہتے ہیں کہ آپ کی قبر شریف کو اس لئے نہیں ظاہر کیا گیا تھا کہ خارجی بدبخت کہیں اس کی بھی بے حرمتی نہ کریں۔ شریک کہتے ہیں کہ آپ کے فرزند حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کے جسم مبارک کو دارالامارۃ کوفہ سے مدینہ طیبہ کی طرف منتقل کر دیا تھا۔ مبرد نے محمد بن حبیب کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ایک قبر سے دوسری قبر میں منتقل کی جانے والی پہلی نعش حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تھی۔ اور ابن عساکر سعید بن عبدالعزیز سے روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم شہید ہو گئے تو آپ کے جسم مبارک کو مدینہ منورہ لے جانے لگے تاکہ وہاں رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پہلوئے مبارک میں دفن کریں نعش ایک اونٹ پر رکھی ہوئی تھی رات کا وقت تھا وہ اونٹ راستہ میں کسی طرف کو بھاگ گیا اور اس کا پتہ نہیں چلا اسی لئے اہل عراق کہتے ہیں کہ آپ بادلوں میں تشریف فرما ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ تلاش و جستجو کے بعد وہ اونٹ سرزمین طے میں مل گیا اور آپ کے جسم مبارک کو اسی سرزمین میں دفن کر دیا گیا۔ (تاریخ الخلفاء ص۱۲۰)

آپ کی بیویاں اور اولاد

حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات کے بعد حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے مختلف وقتوں میں آٹھ عورتوں سے نکاح کیا۔ اس طرح آپ کی کل نو بیویاں ہوئیں جن سے پندرہ صاحبزادگان اور سترہ[17] صاحبزادیاں پیدا ہوئیں۔ ان سب کے اسمائے مبارکہ یہ ہیں۔

بیویاں ۔ سیدہ[1] فاطمہ، خولہ[2]، لیلہ[3]، ام البنین[4]، ام ولد[5]، اسماء[6]، ام حبیب[7]، امامہ[8]، ام سعد[9]۔

صاحبزادگان ۔ حسن[1]، حسین[2]، محسن[3]، محمد اکبر[4] المعروف محمد بن حنفیہ، عبد اللہ اکبر[5]، ابوبکر[6]، عباس اکبر[7]، عثمان[8]، جعفر[9]، عبد اللہ[10] اصغر، محمد اوسط[11]، یحیٰ[12]، عون[13]، عمر اکبر[14]، محمد اصغر[15]۔

صاحبزادیاں ۔ ام کلثوم[1]، زینب[2] الکبریٰ، رقیہ[3]، ام الحسن[4]، رملۃ الکبریٰ[5]، ام ہانی[6]، میمونہ[7]، رملۃ الصغریٰ[8]، ام کلثوم صغریٰ[9]، فاطمہ[10]، امامہ[11]، خدیجہ[12]، ام الخیر[13]، ام سلمہ[14]، ام جعفر[15]، جمانہ[16]، تقیہ[17]، رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

آپ کے اقوالِ زریں

آپ کے بہت سے اقوال ہیں جو آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔ ان میں سے چند یہاں پیش کئے جاتے ہیں۔

① علم مال سے بہتر ہے۔ علم تیری حفاظت کرتا ہے اور تو مال کی۔ علم حاکم ہے اور مال محکوم مال خرچ کرنے سے گھٹتا ہے اور علم خرچ کرنے سے بڑھتا ہے۔

② عالم وہی شخص ہے جو علم پر عمل بھی کرے اور اپنے عمل کو علم کے مطابق بنائے۔

③ حلال کی خواہش اسی شخص میں پیدا ہوتی ہے جو حرام کمائی چھوڑنے کی مکمل کوشش کرتا ہے۔

④ تقدیر بہت گہرا سمندر ہے اس میں غوطہ نہ لگاؤ۔

⑤ خوش اخلاقی بہترین دوست ہے اور ادب بہترین میراث ہے۔

⑥ جاہلوں کی دوستی سے بچو کہ بہت سے عقلمندوں کو انھوں نے تباہ کردیا ہے۔

⑦ اپنا راز کسی پر ظاہر نہ کرو کہ ہر خیر خواہ کے لئے کوئی خیر خواہ ہوتا ہے۔

فضائلِ اہلبیت

رضی اللہ تعالیٰ عنہم

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ نبینا سید المرسلین وعلیٰ ال الطیبین الطاھرین۔ اما بعد فقد قال اللہ تعالیٰ فی القراٰن المبین۔ اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا (پ۲۲ ع ۱) صدق اللہ مولانا العظیم وصدق رسولہ النبی الکریم و نحن علیٰ ذٰلك لمن الشاھدین والشاکرین والحمد للہ رب العلمین۔

ایک مرتبہ ہم اور آپ سب لوگ مل کر بلند آواز سے مکہ کے سرکار مدینہ کے تاجدار دونوں عالم کے مالک و مختار جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دربارِ دُرَربار میں درود و سلام کا نذرانہ اور ہدیہ پیش کریں: صلی اللہ علی النبی الامی و اٰلہ صلی اللہ علیہ وسلم صلاۃ و سلاما علیك یا رسول اللہ۔

برادرانِ اسلام! آج ہم اہلبیت کرام علیٰ نبینا و علیہم الصلاۃ والسلام کے متعلق بیان کرنے کی سعادت حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ لہٰذا حمد و صلاۃ اور آیت کریمہ و درود شریف پڑھنے کی برکت حاصل کرنے کے بعد ہم آپ کے سامنے اہلبیت کی شان میں اعلیٰ حضرت امام اہلسنت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے بھائی حضرت حسن خاں صاحب رحمۃ اللہ

تعالیٰ علیہ کی لکھی ہوئی ایک منقبت پیش کرتے ہیں اسے سماعت فرمائیں مگر اس سے پہلے ایک مرتبہ اور بلند آواز سے درود شریف پڑھیں.....

کس زباں سے ہو بیانِ مدح خوانِ اہلبیت
مدح گوئے مصطفےٰ ہے مدح خوانِ اہلبیت

ان کی پاکی کا خدائے پاک کرتا ہے بیاں
"آیۂ تطہیر" سے ظاہر ہے شانِ اہل بیت

ان کے گھر میں بے اجازت جبرئیل آتے نہیں
قدر والے جانتے ہیں عز و شانِ اہل بیت

رزم کا میداں بنا ہے جلوہ گاہِ حسن و عشق
کربلا میں ہو رہا ہے امتحان اہل بیت

پھول زخموں کے کھلائے ہیں ہوائے دوست نے
خون سے سینچا گیا ہے گلستان اہل بیت

حوریں کرتی ہیں عروسانِ شہادت کا سنگار
خوب رو دولہا بنا ہے ہر جوان اہل بیت

اے شباب فصل گل یہ چل گئی کیسی ہوا
کٹ رہا ہے لہلہاتا بوستان اہل بیت

کس شقی کی ہے حکومت ہائے کیا اندھیر ہے
دن دہاڑے لٹ رہا ہے کاروان اہلبیت

فاطمہ کے لاڈلے کا آخری دیدار ہے
حشر کا ہنگامہ برپا ہے میان اہل بیت

وقتِ رخصت کہہ رہا ہے خاک میں ملتا سہاگ
لو سلامِ آخری اے بیوگانِ اہلِ بیت

گھر لٹانا سر کٹانا کوئی تجھ سے سیکھ جائے
جانِ عالم ہو فدا اے خاندانِ اہلِ بیت

بے ادب گستاخ فرقے کو سنا دے اے حسن
یوں کہا کرتے ہیں سنی داستانِ اہلبیت

ایک مرتبہ پھر بلند آواز سے درود شریف پڑھیں۔ اللھم صل علیٰ سیدنا ومولانا محمد وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

برادرانِ ملت! شروع میں جس آیت کریمہ کے پڑھنے کا شرف ہم نے حاصل کیا ہے یعنی اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا۔ اس کا ترجمہ یہ ہے۔ اے اہلبیت یعنی اے نبی کے گھر والو! اللہ تعالیٰ تو یہی چاہتا ہے کہ تم سے ہر ناپاکی دور فرما دے اور تمہیں پاک کر کے خوب ستھرا کر دے۔

اس آیت کریمہ میں سرکار اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اہلبیت کرام کی عظمت و فضیلت اور ان کے درجات و مراتب کا واضح طور پر بیان ہے۔

حضرت امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس آیت کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اے آلِ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم) اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تم سے بری باتوں اور فحش چیزوں کو دور رکھے اور تمہیں گناہوں کے میل کچیل سے صاف رکھے[1]

اور حضرت سعید بن قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انھوں نے فرمایا کہ اس آیت کریمہ سے اہلبیت مراد ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے ہر برائی سے پاک رکھا اور اپنی

---

[1] برکات آلِ رسول ترجمہ الشرف المؤبد لآل محمد للعلامۃ النبہانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ صـ ۳۱

مخصوص رحمت سے نوازا[1]

حضرت علامہ ابن عطیہ فرماتے ہیں کہ آیت مبارکہ میں جو رجس کا لفظ ہے وہ گناہ، عذاب نجاستوں اور نقائص کے معانی پر بولا جاتا ہے۔ تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے یہ ساری چیزیں اپنے پیارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اہل بیت سے دور فرمادیں[2]

اور امام زہری نے فرمایا کہ رجس ناپسندیدہ چیز کو کہتے ہیں چاہے وہ عمل ہو یا غیر عمل۔ تو مطلب یہ ہوا کہ اللہ رب العزت نے اہل بیت کرام سے ہر قسم کی ناپسندیدہ چیزیں دور فرمادیں[3]

اس آیت کریمہ میں اہل بیت سے کون لوگ مراد ہیں؟ اس کے بارے میں مفسرین کرام کا اختلاف ہے۔ امام بغوی، خازن اور بہت سے دوسرے مفسرین کے مطابق ایک جماعت جنہیں صحابی رسول حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور تابعین میں سے حضرت مجاہد اور حضرت قتادہ وغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں اس طرف گئی ہے کہ اہلبیت سے مراد ہیں اہل عبا یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت امام حسن، حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم[4]

اور دوسری جماعت جس میں صحابی رسول حضرت ابن عباس اور حضرت عکرمہ جو تابعی ہیں ان کا موقف یہ ہے کہ اہلبیت سے امہات المؤمنین مراد ہیں۔ اس لئے کہ یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ سے اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِیْفًا خَبِیْرًا تک مسلسل سات آیتیں امہات المؤمنین سے متعلق ہیں تو بیچ میں ایسا کلام کیسے آجائے گا جو ان سے متعلق نہ ہو۔

جو لوگ کہ اَهْلَ الْبَیْتِ سے اہل عبا یعنی پنجتن پاک مراد لیتے ہیں وہ دوسری

---

[1] برکات آل رسول ص۳۱ [2] ایضاً [3] ایضاً ص۳۲ [4] ایضاً ص۳۲ [5] ایضاً ص۳۲

جماعت کو جواب دیتے ہیں کہ یہ جملہ معترضہ کے طور پر آیا ہے جو کلام عرب میں عام ہے۔ اور کہتے ہیں کہ متعدد صحیح طریقوں سے ثابت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس حال میں تشریف لائے کہ ان کے ساتھ حضرت علی مرتضیٰ، حضرت فاطمہ زہرا، اور حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہم تھے اور ہر ایک ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے کاشانہ اقدس میں تشریف لائے۔ حضرت علی مرتضیٰ اور حضرت فاطمہ زہرا، کو قریب کیا اور اپنے سامنے بٹھایا اور حسنین کریمین کو ایک ایک ران پر بٹھایا پھر ان پر اپنی چادر مبارک لپیٹی اور یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ یوں فرمایا اَللّٰھُمَّ ھٰؤُلَاءِ اَھْلُ بَیْتِیْ فَاَذْھِبْ عَنْھُمُ الرِّجْسَ وَطَھِّرْھُمْ تَطْھِیْرًا۔ یعنی یا الٰہی! یہ میرے اہل بیت ہیں ان سے ہر ناپاکی دور فرما اور انھیں پاک کرکے خوب ستھرا کردے۔ حضرت ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چادر اٹھائی تاکہ وہ بھی ان کے ساتھ داخل ہوجائیں تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے ہاتھ سے چادر کھینچ لی۔ انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں بھی آپ لوگوں کے ساتھ ہوں۔ حضور نے فرمایا اِنَّکِ مِنْ اَزْوَاجِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلٰی خَیْرٍ۔ یعنی تم نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ازواج میں سے ہو بھلائی پر ہو۔[1]

جو لوگ کہ اَھْلُ الْبَیْتِ سے پنجتن پاک مراد لیتے ہیں وہ اپنے دعویٰ کی دلیل میں یہ بھی پیش کرتے ہیں کہ حسن اور صحیح طریقوں سے مروی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس آیت مبارکہ کے نازل ہونے کے بعد جب فجر کی نماز کے لئے تشریف لے جاتے تو حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مکان کے

---

[1] برکات آل رسول صد ۳۲

پاس سے گذرتے ہوئے فرماتے اَلصَّلٰوۃَ اَھْلَ الْبَیْتِ یعنی اے اہلبیت! نماز پڑھو۔ پھر آیت کریمہ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ آخر تک تلاوت فرماتے۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس آیت کے نازل ہونے کے بعد چالیس روز تک صبح کے وقت حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دروازہ پر تشریف لائے۔ اور فرمایا اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ اَھْلَ الْبَیْتِ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ۔ اَلصَّلٰوۃَ رَحِمَکُمُ اللّٰہُ یعنی اے اہلبیت! تم پر خدائے تعالیٰ کی سلامتی رحمت اور برکت ہو۔ نماز پڑھو تم لوگوں پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے۔ پھر آیت کریمہ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ الخ تلاوت فرمائی۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضور کا یہ طریقہ سات مہینے تک جاری رہا اور ایک روایت میں ہے کہ آٹھ مہینے تک۔ اور یہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جانب سے تصریح ہو گئی کہ آیت مبارکہ میں اہلبیت سے مراد پنجتن پاک ہیں [1]

بہرحال اَھْلَ الْبَیْتِ سے امہات المؤمنین مراد لینے والے اور پنجتن پاک مراد لینے والے دونوں گروہ کے پاس دلائل ہیں۔ لہٰذا جمہور علمائے امت نے فرمایا کہ آیت مبارکہ میں اَھْلَ الْبَیْتِ سے امہات المؤمنین اور پنجتن پاک دونوں مراد ہیں۔ اور یہ انھوں نے اس لئے فرمایا تاکہ سارے دلائل پر عمل ہو جائے۔

• اس سلسلے میں حضرت صدر الافاضل مولانا محمد نعیم الدین صاحب مراد آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے سوانح کربلا میں بہت خوب لکھا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ دولت سرائے اقدس میں سکونت رکھنے والے اس میں داخل ہیں کیونکہ وہی اس کے مخاطب ہیں۔ چونکہ اہلبیت نسب کا مراد ہونا مخفی تھا اس لئے آں سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے اس فعل مبارک

---

[1] برکات آل رسول ص ۲۵

سے (یعنی چادر میں لپٹا کر) بیان فرمادیا کہ مراد اہل بیت سے عام ہیں خواہ بیت مسکن کے اہل ہوں جیسے کہ ازواج یا بیت نسب کے اہل بنی ہاشم و مطلب۔ اھ

چنانچہ امام ثعلبی نے فرمایا کہ بعض حضرات نے کہا اَھْلَ الْبَیْتِ سے مراد بنی ہاشم ہیں۔ اس لئے کہ بیت سے مراد بیت نسب ہے۔ لہٰذا حضرت عباس، حضور کے دوسرے مسلمان چچا اور چچا زاد بھائی سب اہل بیت میں سے ہوں گے۔ یہ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے جیسا کہ تفسیر خازن وغیرہ میں ہے[1]

اور علامہ خطیب نے اپنی تفسیر میں اس سے بھی زیادہ عام فرمایا۔ وہ لکھتے ہیں کہ اہلبیت میں اختلاف ہے اور بہتر وہ ہے جو امام بقاعی نے فرمایا کہ اہلبیت وہ سب حضرات ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے خاص وابستگی رکھتے ہیں۔ مرد، عورتیں ازواج مطہرات کنیزیں اور قریبی رشتے دار۔ ان میں سے جو شخص زیادہ قریب ہوگا اور رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے خاص تعلق رکھنے والا ہوگا وہ مراد ہونے کے زیادہ لائق ہے[2]

حضرت امام بقاعی کے قول کی تائید حدیث شریف سے بھی ہوتی ہے اس لئے کہ طبرانی وغیرہ کئی محدثین کی روایت میں یوں ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے چادر اٹھا کر اپنا سر اندر داخل کر لیا اور عرض کیا یا رسول اللہ! میں بھی آپ لوگوں کے ساتھ ہوں تو حضور نے دو مرتبہ فرمایا اِنَّکِ عَلٰی خَیْرٍ یعنی تم بھلائی پر ہو[3]

اور بیہقی وغیرہ کی روایت میں ہے کہ جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت علی حضرت فاطمہ اور حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو اپنی کالی کملی میں لپٹایا اور آیت تطہیر تلاوت فرمائی تو حضرت واثلہ بن الاسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو اصحاب صفہ میں سے ہیں انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں بھی آپ کے اہل میں سے ہوں تو حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

---

[1] برکات آل رسول ص۲۱ [2] ایضاً ص۲۱ [3] ایضاً ص۲۸

نے فرمایا وَاَنْتَ مِنْ اَھْلِیْ ۔یعنی ہاں تم بھی میرے اہل میں سے ہو۔ اور ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا سَلْمَانُ مِنَّا اَھْلِ الْبَیْتِ یعنی سلمان ہم میں سے اہل بیت میں سے ہیں [۱]

اور اسی لئے امام العارفین شیخ اکبر محی الدین بن عربی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فتوحات مکیہ کے انیسویں باب میں تحریر فرماتے ہیں کہ قیامت تک سادات کرام، حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اولاد اور جو اہل بیت میں سے ہیں مثلاً حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سب اس آیت کے حکم میں داخل ہیں۔

حضرت علامہ نبہانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ شیخ اکبر صوفیہ کے امام ہیں ان کا ارشاد حجت کی حیثیت رکھتا ہے [۲]

ایک بار ہم سب مل کر بلند آواز سے رحمت عالم نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ بیکس پناہ میں درود و سلام کا نذرانہ اور ہدیہ پیش کریں ۔صلی اللہ علی النبی الامی الخ

حضرات! سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سارے اہل بیت چاہے اہل بیت نسب ہوں یا اہل بیت سکنیٰ یا اہل بیت ولادت یا اور کسی کو اہل بیت میں شامل کر لیا گیا ہو سب عزت و عظمت والے ہیں لیکن حضور رحمن کو ہر خاص موقع پر علیحدہ کر کے فرماتے ہیں وہ یہی چار نفوس قدسیہ حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسن اور حضرت حسین ہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ اسی لئے اہل بیت کا لفظ انہی چار حضرات کے لئے شائع و مشہور ہے [۳]

اب آپ حضرات ایک آیت کریمہ اور ملاحظہ فرمائیں جس سے اہل بیت کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی فضیلت و منزلت ظاہر ہوتی ہے۔ پارہ ۳ رکوع ۱۴ میں ہے فَمَنْ

---

[۱] برکات آل رسول [۲] الشرف المؤبد لآل محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) صـ۱۳ صـ۴۲

[۳] اشعۃ اللمعات صـ۶۸۱ ج ۴ میں ہے اطلاق اہلبیت برین چہار تن پاک شائع و مشہور ست ۱۲

حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ۔ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ۔یعنی اے محبوب! پھر جو لوگ تم سے عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں جھگڑا کریں بعد اس کے کہ تمہارے پاس اس کا علم آچکا ہے تو ان سے فرمادو کہ آؤ۔ ہم بلائیں اپنے بیٹوں کو اور تمہارے بیٹوں کو۔ اور اپنی عورتوں کو اور تمہاری عورتوں کو۔ اور اپنی جانوں کو اور تمہاری جانوں کو۔ پھر ہم مباہلہ کریں یعنی گڑگڑا کر دعا مانگیں تو جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ڈالیں۔

اس آیت مبارکہ کا شان نزول یہ ہے کہ نجران کے عیسائیوں کا ایک وفد رسول کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مناظرہ کرنے کے لئے مدینہ طیبہ آیا اور حضور سے کہا کہ آپ گمان کرتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے ہیں۔ آپ نے فرمایا ہاں بیشک وہ اللہ کے بندے، اس کے رسول اور اس کے کلمے ہیں جو کنواری مریم کی طرف القاء کئے گئے۔ یہ سن کر عیسائی بہت غصہ میں ہوئے اور کہنے لگے کہ اے محمد! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کیا آپ نے کبھی بے باپ کا انسان دیکھا ہے؟ اس سے ان کا مطلب یہ تھا کہ حضرت عیسیٰ اللہ کے بیٹے ہیں (معاذ اللہ) حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا کہ حضرت عیسیٰ تو صرف بغیر باپ ہی کے پیدا کئے گئے اور حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام تو ماں اور باپ دونوں کے بغیر پیدا کئے گئے تو جب انھیں اللہ رب العزت کا بندہ مانتے ہو تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بندہ ماننے میں کیا تعجب ہے۔؟

سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے واضح دلیل کے ساتھ حق کو بیان فرمایا مگر عیسائی برابر جھگڑتے رہے اور اپنی معاندانہ روش سے باز نہ آئے تو اللہ رب العزت نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حکم فرمایا کہ عیسائیوں کو مباہلہ کی دعوت دو۔

جب رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اللہ رب العزت کے فرمان کے مطابق نجران کے عیسائیوں کو مباہلہ کی دعوت دی اور آیت کریمہ پڑھکر سنائی تو عیسائی کہنے لگے کہ ہم غور اور مشورہ کرلیں پھر کل آپ کو جواب دیں گے۔ جب وہ لوگ جمع ہوئے تو انھوں نے اپنے سب سے بڑے پادری اور صاحب الرائے شخص عاقب سے کہا کہ اے عبدالمسیح! اس معاملہ میں آپ کی کیا رائے ہے؟ اس نے کہا کہ اے جماعت نصاریٰ! تم پہچان چکے ہو کہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نبی مرسل ضرور ہیں تو اگر تم نے ان سے مباہلہ کیا تو سب ہلاک ہو جاؤ گے۔ اب اگر عیسائیت پر قائم رہنا چاہتے ہو تو انھیں چھوڑ دو اور گھر کو لوٹ چلو۔

یہ مشورہ کرنے کے بعد عیسائی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انھوں نے دیکھا کہ حضور کی گود میں امام حسین ہیں اور دست مبارک میں امام حسن کا ہاتھ ہے اور حضرت علی و حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضور کے پیچھے ہیں اور حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان لوگوں سے فرما رہے ہیں کہ جب میں دعا کروں تو تم سب آمین کہنا۔ نجران کے سب سے بڑے پادری عبدالمسیح نے جب ان حضرات کو دیکھا تو کہنے لگا اے جماعت نصاریٰ إِنِّيْ لَأَرٰى وُجُوْهًا لَوْ سَأَلُوا اللّٰهَ أَنْ يُّزِيْلَ جَبَلًا مِّنْ مَّكَانِهٖ لَأَزَالَهٗ یعنی بیشک میں ایسے چہرے دیکھ رہا ہوں کہ اگر یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے پہاڑ کو ہٹانے کی دعا کریں تو اللہ تعالیٰ پہاڑ کو اس کی جگہ سے ہٹا دے[1]

پھر پادری نے کہا کہ اگر ان سے مباہلہ کرو گے تو ہلاک ہو جاؤ گے اور قیامت تک روئے زمین پر کوئی عیسائی باقی نہ رہے گا۔

عیسائیوں نے پادری کی بات مان لی اور جزیہ دینا منظور کیا مگر مباہلہ کے لئے ہرگز تیار نہیں ہوئے۔ رسول کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی کہ

---

[1] تفسیر خازن صفحہ ۳۶۰ ج ۱

جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہ نجران والوں پر عذاب بالکل قریب آچکا تھا۔ اگر وہ ہم سے مباہلہ کرتے تو بندروں اور سوّروں کی صورت میں مسخ کردئے جاتے اور عذاب الٰہی کی آگ سے جنگل جل جاتے۔ نجران اور وہاں کے رہنے والے چرند و پرند تک نیست و نابود ہوجاتے اور ایک سال کی مدت میں تمام روئے زمین کے عیسائی ہلاک و برباد ہوجاتے

(تفسیر خزائن العرفان)

برادرانِ اسلام! غور کیجئے کہ فرمان خداوندی کے مطابق عیسائیوں سے طے یہ ہوا تھا کہ تم اپنے بیٹوں کو لیکر نکلو اور ہم اپنے بیٹوں کو۔ تم اپنی عورتوں کو لیکر میدان میں آؤ اور ہم اپنی عورتوں کو اور تم خود بھی آؤ اور ہم بھی آئیں۔ اس موقع پر سرکار اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پوری دنیائے اسلام میں سے جن پاک اور برگزیدہ ہستیوں کا انتخاب فرمایا وہ حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین ہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

ترمذی شریف کی حدیث ہے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت امام حسن و حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بارے میں ارشاد فرمایا ھٰذَانِ اِبْنَایَ یعنی یہ دونوں میرے بیٹے ہیں [1]

یہی وجہ ہے کہ جب مباہلہ کے لئے اپنے بیٹوں کو لیکر میدان میں نکلنا ہوا تو حسنین کریمین کو لے کر آئے اور اسی سبب سے حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما آج تک ابن رسول اللہ کہے جاتے ہیں اور قیامت تک ایسے ہی کہے جائیں گے۔

مسلم شریف کی حدیث ہے حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو عشرۂ مبشرہ میں سے ہیں ان کا بیان ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب ان حضرات کو ہمراہ لے کر مباہلہ

---

[1] مشکوٰۃ شریف صہ٥٧٠

کے لئے مکان سے باہر نکلے تو یہ فرمایا اَللّٰھُمَّ ھٰؤُلَآءِ اَھْلُ بَیْتِیْ۔ یعنی اے اللہ! یہ لوگ میرے اہل بیت ہیں۔ [1]

ایک مرتبہ پھر آپ حضرات نہایت خلوص و محبت کے ساتھ سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ان کی آل و اصحاب اور اہل بیت کرام پر بلند آواز سے درود و سلام کا نذرانہ پیش کریں۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَاَھْلِ بَیْتِہٖ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ۔

بِرَادَرَانِ اِسْلَامْ! اہل بیت کرام کی شان میں اور بھی آیات مبارکہ نازل ہوئی ہیں تفسیر خازن اور معالم التنزیل وغیرہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیمار ہوئے تو سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام عیادت کے لئے گئے۔ کسی نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ مشورہ دیا کہ آپ نذر مانیں اگر خدائے تعالیٰ ان کو شفا عطا فرمائے تو نذر پوری کریں۔ حضرت علی نے تین روزے رکھنے کی منت مانی۔ اسی طرح حضرت سیدہ فاطمہ اور آپ کی کنیز فضہ نے بھی تین تین روزے رکھنے کی نذر مانی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ خدائے عزوجل نے حضرات حسنین کو شفا عطا فرمائی۔ اب نذر پوری کرنے کا وقت آیا۔ سب لوگوں نے روزے رکھے مگر کاشانۂ حیدری میں کوئی چیز روزہ افطار کرنے کے لئے نہ تھی۔ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم ایک یہودی کے یہاں سے تھوڑا جو قرض کے طور پر یا بعوض اجرت لائے۔ جو کا ایک تہائی حصہ پیسا گیا اور شام کے وقت روٹیاں تیار کی گئیں۔ جب افطار کا وقت آیا اور روٹیاں کھانے کے لئے سامنے رکھی گئیں تو اچانک دروازہ پر ایک شخص نے آواز دی کہ اے اہل بیت رسول اللہ! میں مسکین ہوں بھوکا ہوں کچھ اللہ کے نام پر دیجئے۔ تو سب روٹیاں اسے دیدی گئیں اور خود سادہ پانی پی کر سب

---

[1] مشکوٰۃ شریف صفحہ ۵۶۸

لوگوں نے روزہ افطار کیا۔ پھر دوسرے روز ایک تہائی جو کی روٹیاں بنائی گئیں اور جب اہلبیتِ کرام افطار کے لئے بیٹھے تو پھر دروازہ پر دستک ہوئی۔ آواز آئی کہ اے رسول اللہ کے گھرانے والو! میں بھوکا ہوں یتیم ہوں۔ تو دوسرے روز بھی سب روٹیاں اٹھا کر اسے دیدی گئیں اور صرف پانی سے روزہ افطار کرلیا گیا۔ تیسرے دن پھر روزہ رکھا گیا! اور سابق تہائی جو کی روٹیاں بنائی گئیں اور جب افطار کے وقت سب لوگ کھانے کے لئے بیٹھے تو پھر ایک سائل نے آواز دی کہ اے اہل بیت کرام! میں اسیر ہوں بھوکا ہوں تو تیسرے دن بھی جب کل روٹیاں اسے دیدی گئیں اور سادہ پانی پی کر روزہ افطار کیا گیا تو اہل بیت رسول اللہ کی شان میں یہ آیات مبارکہ نازل ہوئیں وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا۔ إِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللَّهِ لَا نُرِيدُ مِنكُمْ جَزَاءً وَلَا شُكُورًا۔ یعنی اور وہ لوگ کھانا کھلاتے ہیں اس کی محبت پر مسکین، یتیم اور قیدی کو۔ اور ان سے کہتے ہیں کہ ہم تمہیں اللہ کی رضا و خوشنودی کے لئے کھلاتے ہیں۔ نہ ہم تم سے کوئی بدلہ چاہتے ہیں اور نہ شکریہ۔ (پ ۲۹ ع ۱۹)

اللہ اللہ! یہ ہے سخاوت اہل بیت رسول اللہ کی جس کی مثال دنیا میں نہیں ملتی کہ تین دن مسلسل صرف پانی پی کر روزہ افطار کرتے ہیں مگر سائلوں کو اپنے دروازہ سے محروم نہیں فرماتے اور ان پر یہ بات بھی واضح کر دیتے ہیں کہ اس بھلائی کا وہ ان سے کوئی بدلہ نہیں طلب کریں گے بلکہ وہ یہ بھی نہیں چاہتے کہ ان کا شکریہ ادا کیا جائے اور لوگوں کے سامنے ان کی سخاوت کا چرچا کیا جائے اس لئے کہ یہ کام انھوں نے خالصًا لوجہ اللہ صرف اپنے رب کریم کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کے لئے کیا ہے۔

اہل بیت اور احادیث کریمہ

برادرانِ ملت! اہل بیت کرام کی تعریف و توصیف اور ان کی مدح و ستائش میں سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بہت سی احادیث وارد ہیں مسلم شریف میں ہے۔ صحابی رسول حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ کے درمیان (مقام جحفہ میں) غدیر خم[1] کے پاس کھڑے ہو کر خطبہ فرمایا تو پہلے آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی۔ پھر آپ نے ہم لوگوں کو وعظ و نصیحت فرمائی اس کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا۔

اے لوگو! میں انسان ہوں قریب ہے کہ میرے رب کا بھیجا ہوا فرشتہ یعنی ملک الموت میرے پاس آئے تو میں خدائے تعالیٰ کے حکم کو قبول کر لوں وَاَنَا تَارِكٌ فِيكُمُ الثَّقَلَيْنِ اور میں تم میں دو نفیس اور گراں قدر چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں اَوَّلُهُمَا كِتَابُ اللّٰهِ فِيهِ الْهُدٰى وَالنُّورُ۔ ان میں سے پہلی چیز اللہ تعالیٰ کی کتاب یعنی قرآن مجید ہے جس میں ہدایت اور نور ہے تو خدائے تعالیٰ کی کتاب پر عمل کرو اور اسے مضبوطی سے تھام لو۔

راوی حدیث حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قرآن پاک کے بارے میں لوگوں کو ابھارا اور رغبت دلائی پھر اس کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا وَاَهْلُ بَيْتِي اُذَكِّرُكُمُ اللّٰهَ فِي اَهْلِ بَيْتِي۔ اُذَكِّرُكُمُ اللّٰهَ فِي اَهْلِ بَيْتِي[2] یعنی اور دوسری گراں قدر چیز میرے اہل بیت ہیں میں تمہیں اپنے اہل بیت کے بارے میں اللہ کی یاد دلاتا ہوں اور اس سے ڈراتا ہوں، اور

---

[1] اشعۃ اللمعات جلد ۴ صفحہ ۶۸۵ میں ہے کہ غدیر حوض آب و خم نام آں موضع ست [2] مشکوٰۃ شریف صفحہ ۵۶۸

اس جملہ کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دو بار فرمایا۔ مطلب یہ ہے کہ میں تاکید کے ساتھ تم لوگوں کو وصیت کرتا ہوں کہ میرے اہل بیت کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو ان کے حق کی ادائگی میں ہرگز کوتاہی نہ کرو۔

اور ترمذی شریف میں ہے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حجۃ الوداع میں عرفہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس حال میں دیکھا کہ آپ اونٹنی پر سوار تھے اور خطبہ دے رہے تھے میں نے سنا آپ یہ فرما رہے تھے یٰاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ تَرَکْتُ فِیْکُمْ مَا اِنْ اَخَذْتُمْ بِہٖ لَنْ تَضِلُّوْا کِتَابَ اللہِ وَعِتْرَتِیْ اَھْلَ بَیْتِیْ۔ یعنی اے لوگو! میں نے تمہارے درمیان وہ چیز چھوڑی ہے کہ اگر تم اس کو پکڑے رہوگے تو کبھی گمراہ نہ ہوگے۔ اور وہ چیز ایک تو اللہ کی کتاب ہے اور دوسرے میری اولاد و ذریت میرے اہلبیت [1]

اور طبرانی شریف میں ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا لَا یُؤْمِنُ عَبْدٌ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ نَّفْسِہٖ وَتَکُوْنَ عِتْرَتِیْ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ عِتْرَتِہٖ وَاَھْلِیْ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ اَھْلِہٖ وَذَاتِیْ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ ذَاتِہٖ۔ یعنی کوئی بندہ مومن کامل نہیں ہوسکتا جب تک کہ مجھے اپنی جان سے، میری اولاد (حسنین وغیرہ) کو اپنی اولاد سے، میرے اہل کو اپنے اہل سے اور میری ذات کو اپنی ذات سے زیادہ محبوب نہ رکھے [2]

اور امام احمد روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ہاتھوں کو پکڑ کر فرمایا مَنْ اَحَبَّنِیْ وَاَحَبَّ ھٰذَیْنِ وَ اُمَّھُمَا وَاَبَاھُمَا کَانَ مَعِیْ فِیْ دَرَجَتِیْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ۔ یعنی جس نے مجھ سے محبت رکھی اور ان دونوں سے اور ان کے والدین سے محبت رکھی تو وہ قیامت کے دن میرے

---

[1] مشکوۃ شریف ص ۵۶۹ [2] الشرف المؤبد ص ۸۵

ساتھ میرے درجہ میں ہوگا۔[1]

یعنی پنجتن پاک سے محبت رکھنے والا بصورت خدمتگار حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمرہ میں دکھائی دے گا۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ اس کا مقام بھی وہی ہوگا۔

اور حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کعبہ شریف کا دروازہ پکڑ کر فرمایا کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اَلَا اِنَّ مَثَلَ اَھْلِ بَیْتِیْ فِیْکُمْ مَثَلُ سَفِیْنَۃِ نُوْحٍ مَنْ رَکِبَھَا نَجَا وَمَنْ تَخَلَّفَ عَنْھَا ھَلَکَ[2]

یعنی آگاہ ہو جاؤ کہ میرے اہل بیت تم لوگوں کے لئے نوح (علیہ السلام) کی کشتی کے مانند ہیں۔ جو شخص کشتی میں سوار ہوا اس نے نجات پائی اور جو کشتی میں سوار ہونے سے پیچھے رہ گیا وہ ہلاک ہوا۔

اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ فَبِاَیِّھِمُ اقْتَدَیْتُمْ اِھْتَدَیْتُمْ یعنی میرے صحابہ ستاروں کے مانند ہیں تو ان میں سے تم جس کی اقتدا کروگے ہدایت پاؤگے[3]

حضرت علامہ امام فخر الدین رازی علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں کہ بحمد اللہ تعالیٰ ہم اہل سنت وجماعت محبت اہل بیت کی کشتی پر سوار ہیں اور ہدایت کے چمکتے ہوئے ستارے صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے ہدایت پائے۔ لہٰذا ہم لوگ قیامت کی ہولناکیوں سے اور جہنم کے عذاب سے محفوظ رہیں گے[4]

مطلب یہ ہے کہ جو لوگ محبت اہل بیت کی کشتی پر سوار نہیں ہوئے جیسے خارجی کہ انھوں نے محبت کے بجائے اہل بیت سے دشمنی کی تو وہ ہلاک ہوگئے اور رافضی جو اس کشتی میں سوار تو ہوئے مگر ہدایت کے ستارے صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ہدایت نہیں حاصل کئے تو

---

[1] الشرف المؤبد ص۸۶ [2] مشکوۃ شریف ص۵۷۳ [3] مشکوۃ شریف ص۵۵۴ [4] مرقاۃ شرح مشکوۃ ص۶۱۰ ج ۵

وہ بھی کفر وضلالت کی تاریکی میں کھو گئے۔

اور حدیث صحیح میں ہے جسے بہت سے اہل سنن نے روایت کیا ہے کہ جب ابو لہب کی صاحبزادی مکہ معظمہ سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لائیں تو کچھ لوگوں نے ان سے کہا کہ تمہاری ہجرت تمہیں بے نیاز نہیں کرے گی۔ اس لئے کہ تم جہنم کے ایندھن کی بیٹی ہو۔ انھوں نے یہ بات رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بیان کی تو آپ بہت سخت ناراض ہوئے پھر منبر پر رونق افروز ہوئے اور فرمایا مَا بَالُ اَقْوَامٍ یُؤْذِیْنِیْ فِیْ نَسَبِیْ وَذَوِیْ رَحِمِیْ اَلَا وَمَنْ اٰذٰی نَسَبِیْ وَذَوِیْ رَحِمِیْ فَقَدْ اٰذَانِیْ وَمَنْ اٰذَانِیْ فَقَدْ اٰذَی اللہَ یعنی ان لوگوں کا کیا حال ہے جو مجھے میرے نسب اور رشتہ داروں کے بارے میں اذیت دیتے ہیں خبردار جس نے میرے نسب اور رشتہ داروں کو اذیت دی اس نے مجھے اذیت دی اور جس نے مجھے اذیت دی اس نے اللہ تعالیٰ کو اذیت دی [1]

اور طبرانی وحاکم حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا لَوْ اَنَّ رَجُلًا صَفَدَ بَیْنَ الرُّکْنِ وَالْمَقَامِ فَصَلّٰی وَصَامَ ثُمَّ مَاتَ وَھُوَ مُبْغِضٌ لِاَھْلِ بَیْتِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ دَخَلَ النَّارَ۔ یعنی اگر کوئی شخص بیت اللہ شریف کے ایک گوشہ اور مقام ابراہیم کے درمیان چلا جائے اور نماز پڑھے اور روزے رکھے پھر وہ اہل بیت کی دشمنی پر مر جائے تو وہ جہنم میں جائے گا۔ [2]

اہلبیت کی دشمنی سے خدا کی پناہ کہ بیت اللہ شریف کے سایہ میں مقام ابراہیم جیسی متبرک جگہ پر نمازیں پڑھنے والا اور روزہ رکھنے والا بھی اگر اہل بیت رسول اللہ سے دشمنی رکھتا ہے تو وہ بھی جہنم کا ایندھن بنے گا اور کوئی بھی نیک عمل اسے عذاب الٰہی سے نہیں بچا سکے گا۔

---

[1] برکات آل رسول ص ۲۵۷ [2] الشرف المؤبد ص ۹۲

العیاذ باللہ تعالیٰ۔

ایک مرتبہ پھر آپ حضرات نہایت عقیدت و محبت کے ساتھ آقائے دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ان کی آل و اصحاب اور اہل بیت پر درود و سلام کی ڈالیاں نچھاور کریں۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَاَھْلِ بَیْتِہٖ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ

اہلبیت اور اکابرین سلف وخلف کے ارشادات

برادرانِ اسلام! اکابرین سلف و خلف رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اہلبیت رسول اللہ کی تعریف و توصیف میں ہمیشہ رطب اللسان رہے۔ لوگوں کو ان سے محبت رکھنے کی تاکید فرماتے رہے اور خود ان سے بے انتہا محبت رکھتے تھے۔

اس امت کے سید الاکابرین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں صِلَۃُ قَرَابَۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ صِلَۃِ قَرَابَتِیْ۔ یعنی رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے رشتہ داروں کی خدمت کرنا مجھے اپنے رشتہ داروں کی صلہ رحمی سے زیادہ محبوب ہے [1]

اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو جلیل القدر صحابی اور سابقین اولین میں سے ہیں وہ فرماتے ہیں حُبُّ اٰلِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَیْرٌ مِّنْ عِبَادَۃِ سَنَۃٍ۔ یعنی آل رسول کی ایک دن کی محبت ایک سال کی عبادت سے بہتر ہے [2]

صحابی رسول کے اس قول سے معلوم ہوا کہ جو شخص پوری زندگی اہلبیت کی محبت میں گزارے گا وہ قیامت کے دن عظیم خوبیوں والا ہوگا۔

---

[1] الشرف المؤبد ص۸۵ [2] ایضاً ص۸۵

حضرت علامہ یوسف بن اسمٰعیل نبہانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت ابراہیم بن عبداللہ محض بن حسن مثنیٰ بن حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی حمایت کی اور لوگوں کو فتویٰ دیا کہ لازمی طور پر ان کے ساتھ اور ان کے بھائی محمد کے ساتھ رہیں۔ کہتے ہیں کہ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قید و بند اصل میں اسی بنا پر تھی اگرچہ ظاہر میں سبب یہ تھا کہ انھوں نے قاضی کا منصب قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا[1]

اور روایت ہے کہ جعفر بن سلیمان نے جب امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کوڑے لگوائے اور جو سزا دینی تھی دی اور انھیں بیہوشی کی حالت میں اٹھا کر لے جایا گیا لوگ آپ کے پاس آئے۔ جب افاقہ ہوا تو فرمایا میں آپ لوگوں کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے مارنے والے کو معاف کر دیا۔ بعد میں آپ سے اس کا سبب پوچھا گیا تو فرمایا مجھے خوف ہے کہ مرنے کے بعد بارگاہ رسالت میں حاضری ہوگی تو مجھے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے حیا آئے گی کہ میری وجہ سے آپ کی آل کے ایک فرد سے مواخذہ ہو۔

کہتے ہیں کہ خلیفہ منصور نے حضرت امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ میں جعفر سے آپکا بدلہ دلواتا ہوں۔ تو امام نے فرمایا خدا کی پناہ۔ ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا۔ خدا کی قسم جب چابک میرے جسم سے اٹھتا تھا تو میں انھیں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قرابت کے سبب معاف کر دیتا تھا[2]

اور حضرت علامہ نبہانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آل پاک سے بہت محبت کرنے کے سبب اس حال میں بغداد لے جائے گئے کہ ان کے پیروں میں بیڑیاں پڑی تھیں۔ بلکہ اہلبیت رسول اللہ سے ان کی محبت یہاں تک پہنچی کہ کچھ لوگوں نے انھیں رافضی کہہ دیا تو آپ نے ان کو جواب

---

[1] الشرف المؤبد ص۸۸ [2] برکات آل رسول ص۲۶۲

دیتے ہوئے فرمایا۔

لَوْ کَانَ رِفْضًا حُبُّ آلِ مُحَمَّدٍ
فَلْیَشْھَدِ الثَّقَلَانِ اَنِّیْ رَافِضِی

یعنی اگر آلِ رسول کی محبت ہی کا نام رافضی ہونا ہے تو جن و انسان گواہ ہو جائیں کہ اس معنیٰ میں بیشک میں ،، رافضی ،، ہوں۔

اور جوش عقیدت و جذبہ محبت میں اہل بیت رسالت کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں

یَا اَھْلَ بَیْتِ رَسُوْلِ اللّٰہِ حُبُّکُمْ
فَرْضٌ مِّنَ اللّٰہِ فِی الْقُرْاٰنِ اَنْزَلَہٗ

یعنی اے رسول اللہ کے اہل بیت! آپ لوگوں کی محبت اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرض ہے اور یہ حکم خدائے ذوالجلال نے قرآن مجید میں نازل فرمادیا ہے اور وہ آیت کریمہ یہ ہے قُلْ لَّآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّۃَ فِی الْقُرْبٰی یعنی اے محبوب! تم فرماؤ کہ میں اس پر تم لوگوں سے کچھ اجرت نہیں مانگتا مگر قرابت کی محبت۔ (پ۲۵ ع ۳)

آلِ رسول کی عظمت و بزرگی ظاہر کرتے ہوئے امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور فرماتے ہیں

یَکْفِیْکُمْ مِنْ عَظِیْمِ الْفَخْرِ اَنَّکُمْ
مَنْ لَّمْ یُصَلِّ عَلَیْکُمْ لَا صَلٰوۃَ لَہٗ

یعنی اے آلِ رسول! آپ لوگوں کے لئے یہ عظیم فخر کافی ہے کہ جو شخص آپ پر درود نہیں بھیجتا اس کی نماز نہیں ہوتی۔

علامہ صبان نے فرمایا مطلب یہ ہے کہ آلِ رسول پر درود نہ پڑھنے والے کی نماز کامل نہیں ہوتی اور امام شافعی کے مرجوح قول کے مطابق نماز صحیح نہیں ہوتی [1]

---

[1] الشرف المؤبد ص۸۸

اور حضرت عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ منن کبریٰ میں فرماتے ہیں کہ مجھ پر اللہ تعالیٰ کے احسانات میں سے ایک یہ ہے کہ میں سادات کرام کی بے حد تعظیم کرتا ہوں اگرچہ لوگ ان کے نسب میں طعن کرتے ہوں۔ میں اس تعظیم کو اپنے اوپر ان کا حق تصور کرتا ہوں۔ اسی طرح علما اولیار کی اولاد کی تعظیم شرعی طریقے سے کرتا ہوں۔ پھر میں سادات کی کم از کم اتنی تعظیم و تکریم کرتا ہوں جتنی والی مصر کے کسی بھی نائب یا لشکر کے قاضی کی ہو سکتی ہے۔

سادات کرام کے آداب میں سے یہ ہے کہ ہم ان سے عمدہ بستر، اعلیٰ مرتبے اور بہتر طریقے پر نہ بیٹھیں۔ ان کی مطلقہ یا بیوہ عورت سے نکاح نہ کریں۔ اسی طرح کسی سید زادی سے نکاح نہ کریں ہاں اگر ہم میں سے کوئی شخص یہ سمجھتا ہے کہ ہم ان کی تعظیم کا حق واجب ادا کر سکتے ہیں اور ان کی مرضی کے مطابق عمل کر سکتے ہیں تو پھر ان سے نکاح کر سکتا ہے [1]

اور یہی حضرت علامہ عبدالوہاب شعرانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ "البحر المورود فی المواثیق والعہود" میں فرماتے ہیں۔ ہم سے عہد لیا گیا ہے کہ ہم ہرگز سید زادی سے نکاح نہ کریں مگر اس وقت کہ ہم اپنے آپ کو ان کا خادم تصور کریں کیونکہ وہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی لخت جگر ہیں۔ جو شخص اپنے آپ کو ان کا غلام تصور کرے اور یہ عقیدہ رکھے کہ اگر میں ان کی نافرمانی کروں گا تو میں نافرمان غلام اور گنہگار ہوں گا تو وہ نکاح کرے ورنہ اسے لائق نہیں ہے۔ جو شخص تبرک کے لئے ان سے نکاح کرے اسے کہا جائے گا کہ سلامتی غنیمت سے مقدم ہے یعنی یہ خطرہ بہر حال باقی رہے گا کہ ممکن ہے ان کی تعظیم کما حقہ ادا نہ ہو سکے اس لئے اجتناب ہی بہتر ہے۔ رہی برکت کی بات تو وہ نکاح کے بغیر ان کی خدمت کرنے سے بھی حاصل ہو سکتی ہے۔

اور فرماتے ہیں کہ ہم سے عہد لیا گیا ہے کہ اگر ہماری بیٹی یا بہن کا جہیز بے شمار ہو اور کوئی ایسے سید اس کے نکاح کا پیغام دیں جن کے پاس اس کے مہر اور صبح و شام کھانے کے علاوہ کچھ نہ ہو

---

[1] برکات آل رسول ص ۲۵۳

توہم ان سے نکاح کر دیں اور انھیں مایوس نہ کریں کیونکہ فقر عیب نہیں ہے جس کی بنا پر پیغام نکاح رد کر دیا جائے بلکہ یہ تو شرافت ہے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کی آرزو کی ہے بلکہ اپنے رب کریم جل مجدہ سے دعا کی ہے کہ آپ کو قیامت کے دن فقرا و مساکین کے گروہ میں اٹھائے۔ اور دعا کی ہے کہ اے اللہ! میرے اہل کا قوت بنا یعنی اتنا کھانا عطا فرما کہ صبح و شام اس سے کچھ نہ بچے۔

توجس چیز کو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی اولاد اور اہل بیت کے لئے پسند فرمایا ہے وہ انتہائی فضیلت والی ہے۔ لہٰذا جو شخص نادار سید کو اپنی بیٹی کا رشتہ دینے سے انکار کرے اس پر خدائے عزوجل کی ناراضگی کا خوف ہے۔

اور علامہ شعرانی فرماتے ہیں کہ اسی طرح ہم سے عہد لیا گیا ہے کہ جب ہم راستے میں کسی سید یا سیدہ کے پاس سے گزریں جو لوگوں سے سوال کر رہے ہوں تو ہم انھیں اپنی طاقت کے مطابق پیسے، کھانا یا کپڑے پیش کریں۔ یا ان سے عرض کریں کہ ہمارے پاس قیام کیجیے تاکہ حسب استطاعت آپ کی ضروریات شرعیہ پوری کی جائیں۔ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت کا دعویٰ رکھتا ہے اس کے لئے یہ بات کس قدر بری ہے کہ وہ آپ کی اولاد کے پاس سے گزرے اور وہ راستے میں سوال کر رہے ہوں مگر یہ شخص انھیں کچھ پیش نہ کرے[1]

ایک مرتبہ آپ حضرات پھر بلند آواز سے تمام عالم کے محسن اعظم، رحمت عالم، نور مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ان کی آل و اصحاب اور اہل بیت پر درود و سلام کی ڈالیاں پیش کریں۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ الخ

---

[1] برکات آل رسول ص۲۵۶

خصوصیاتِ اہلِ بیت

برادرانِ اسلام! اب آپ حضرات اہلِ بیت رسول اللہ کی وہ خصوصیات ملاحظہ فرمائیں جو ان کے علاوہ کسی دوسرے میں ہرگز نہیں پائی جاتی ہیں۔

پہلی خصوصیت ہے زکاۃ کا حرام ہونا یعنی اہلِ بیت کرام کو زکاۃ اور صدقۂ واجبہ دینا اور لینا حرام ہے اگرچہ وہ مالک نصاب نہ ہوں۔ مسلم شریف میں حضرت عبد المطلب بن ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اِنَّ هٰذِهِ الصَّدَقَاتِ اِنَّمَا هِیَ اَوْسَاخُ النَّاسِ وَاِنَّهَا لَا تَحِلُّ لِمُحَمَّدٍ وَلَا لِاٰلِ مُحَمَّدٍ۔ یعنی زکاۃ کے مال لوگوں کی میل ہیں اور وہ محمد اور آل محمد بنی ہاشم کے لئے جائز نہیں۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و رضی اللہ تعالیٰ عنہم[1]

حضور کے اس کلام میں بہترین تشبیہ ہے کہ آپ نے زکاۃ کو اَوْسَاخُ النَّاس۔ یعنی لوگوں کی میل اس لئے کہ فرمایا وہ ان کی آلودگیوں کو پاک کرتی ہے اور ان کے اموال و نفوس کو صاف کرتی ہے۔ خداوند قدوس کا ارشاد ہے خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا۔ یعنی اے محبوب! ان کے مال میں سے زکاۃ لو۔ اس زکاۃ کے ذریعہ انھیں پاک و صاف کرو (پ ۱۱ ع ۲)

اور بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دن حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زکاۃ کی ایک کھجور اٹھائی اور منہ میں رکھ لی تو رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کخ کخ۔ یعنی چھی چھی اسے پھینک دو۔ اس کے بعد فرمایا اَمَا شَعَرْتَ

---

[1] مشکوٰۃ شریف ص ۱۶۱

اَنَّا لَانَاکُلُ الصَّدَقَۃَ۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ ہم لوگ زکاۃ نہیں کھایا کرتے۔ [1]

اور ولی کبیر حضرت شیخ عبدالوہاب شعرانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ "البحر المورود" میں تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت فضل بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ مجھے زکاۃ وصول کرنے پر مقرر فرمادیں تو حضور نے ان سے فرمایا مَعَاذَ اللّٰہِ اَنْ اَسْتَعْمِلَکَ عَلٰی غُسَالَۃِ ذُنُوْبِ النَّاسِ۔ یعنی خدا کی پناہ کہ میں تمہیں لوگوں کے گناہوں کے دھوون وصول کرنے پر مقرر کردوں۔ [2]

اور ترمذی وابوداؤد میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام حضرت ابورافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نے بنو مخزوم کے ایک شخص کو زکاۃ وصول کرنے کیلئے مقرر فرماکے بھیجا تو انھوں نے ابورافع سے کہا کہ آپ بھی میرے ساتھ چلیں تاکہ آپ کو بھی زکاۃ میں سے کچھ حصہ حق المحنت مل جائے۔ حضرت ابورافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جب تک میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر ان سے دریافت نہ کرلوں گا آپ کے ہمراہ اس کام کے لئے نہ جاؤں گا۔

اس گفتگو کے بعد حضرت ابورافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور س شخص کے ساتھ زکاۃ وصول کرنے کے لئے جانے کی اجازت طلب کی تو حضور نے فرمایا اِنَّ الصَّدَقَۃَ لَا تَحِلُّ لَنَا وَاِنَّ مَوَالِی الْقَوْمِ مِنْ اَنْفُسِھِمْ [3] یعنی زکاۃ ہم بنی ہاشم کے لئے جائز نہیں۔ اور بنی ہاشم کا آزاد کردہ غلام بنی ہاشم ہی کے حکم میں ہے۔ جب ہمارے لئے زکاۃ جائز نہیں تو ہمارے آزاد کردہ غلام کے لئے بھی جائز نہیں۔

اسی لئے فقہ حنفی کی کتابوں میں ہے کہ بنی ہاشم کو زکاۃ نہیں دے سکتے۔ نہ دوسرا کوئی شخص انھیں دے سکتا ہے نہ ایک ہاشمی دوسرے ہاشمی کو۔ یہاں تک کہ بنی ہاشم کے آزاد کئے ہوئے

---

[1] مشکوٰۃ شریف ص۱۶۱ [2] الشرف المؤبد ص۳۵ [3] مشکوٰۃ شریف ص۱۶۱

غلام کو بھی نہیں دے سکتے۔ بنی ہاشم سے مراد ہیں حضرت علی، حضرت جعفر، حضرت عقیل اور حضرت عباس و حارث بن عبد المطلب کی اولاد۔ یعنی ان سب کی اولاد کو زکاۃ اور صدقہ واجبہ دینا جائز نہیں۔ البتہ صدقہ نافلہ اور اوقاف کی آمدنی ان کو دینا جائز ہے۔

دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اہل بیت حسب و نسب میں سارے انسانوں سے افضل واعلیٰ ہیں۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے قبیلۂ کنانہ کو منتخب فرمایا۔ کنانہ میں سے قریش کو اور قریش میں سے بنی ہاشم کو اور بنی ہاشم میں سے مجھے منتخب فرمایا[1]

اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مرفوعاً روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق پیدا فرمائی تو اس میں سے بنی آدم کو منتخب فرمایا پھر بنی آدم میں سے عرب کو، عرب میں سے مضر کو، مضر میں سے قریش کو۔ قریش میں سے بنی ہاشم کو پھر بنی ہاشم میں سے مجھے منتخب فرمایا۔ تو میں بہترین لوگوں سے بہترین لوگوں کی طرف منتقل ہوتا رہا[2]

اور امام احمد ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جبریل امین نے مجھ سے کہا کہ میں نے زمین کے مشرق و مغرب الٹ ڈالے لیکن میں نے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے افضل کسی کو نہ پایا۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں۔

یہی بولے سدرہ والے چمن جہاں کے تھالے
سبھی میں نے چھان ڈالے ترے پایہ کا نہ پایا۔ تجھے یک نے یک بنایا

اور حضرت جبریل نے کہا کہ میں نے زمین کے مشرق و مغرب چھان ڈالے مگر مجھے بنی ہاشم

---

[1] برکات آل رسول صـ۹۱ [2] ایضاً صـ۹۱

سے زیادہ فضیلت والے کسی باپ کے بیٹے نہیں ملے [1]

اور حضرت جعفر صادق اپنے والد ماجد حضرت محمد باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے پاس جبریل امین آئے اور کہا یا رسول اللہ! مجھے اللہ تعالیٰ نے بھیجا۔ میں نے زمین کے مشرق و مغرب، نرم زمین اور پہاڑوں میں پھرا تو میں عرب سے افضل کوئی خاندان نہیں پایا۔ پھر مجھے حکم فرمایا تو میں عرب میں پھرا مجھے مضر سے افضل کوئی قبیلہ نہیں ملا۔ پھر مجھے حکم دیا میں مضر میں پھرا تو میں کنانہ سے افضل کوئی قبیلہ نہیں پایا۔ پھر مجھے حکم فرمایا میں کنانہ میں پھرا تو میں نے قریش سے بہتر کوئی قبیلہ نہ پایا۔ پھر مجھے حکم دیا میں قریش میں پھرا تو میں نے بنی ہاشم سے افضل کوئی قبیلہ نہ پایا۔ پھر مجھے ان میں سے کسی کے منتخب کرنے کا حکم دیا تو میں نے آپ سے افضل کسی کو نہ پایا [2]

اور طبرانی و دار قطنی میں ہے سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن میں اپنی امت میں سب سے پہلے اپنے اہل بیت کی شفاعت کروں گا پھر دوسرے لوگوں کی۔ اور میں جس کی پہلے شفاعت کروں گا وہ زیادہ فضیلت والا ہے مَنْ اَشْفَعُ لَهٗ اَوَّلًا فَهُوَ اَفْضَلُ [3]

یہ تمام حدیثیں واضح طور پر دلالت کر رہی ہیں کہ اہل بیت کرام حسب و نسب میں سب سے افضل و اعلیٰ ہیں۔ اور اسی لئے دوسرے لوگ نکاح میں ان کے کفو نہیں۔ حضرت علامہ سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ خصائص کبریٰ میں تحریر فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ کوئی مخلوق نکاح میں آپ کے اہل بیت کا ہمسر نہیں ہے [4]

تیسری خصوصیت

یہ ہے کہ سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رشتہ داری اور نسب کے علاوہ قیامت کے دن ہر رشتہ داری اور نسب منقطع ہو جائے گا۔ حدیث شریف ہے كُلُّ سَبَبٍ وَّنَسَبٍ يَنْقَطِعُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

---

[1] برکات آل رسول ص۹۱ [2] ایضاً ص۹۲ [3] الشرف المؤبد ص۳۹ [4] برکات آل رسول ص۹۳

اِلَّا سَبَبِیْ وَنَسَبِیْ [1]

روایت صحیحہ سے ثابت ہے کہ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے لئے حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کو حضرت ام کلثوم بنت حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی نکاح کا پیغام دیا۔ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے ان کی کم سنی کا عذر پیش کیا اور یہ فرمایا کہ میں ان کا نکاح اپنے بھائی حضرت جعفر کے صاحبزادے کے ساتھ کرنا چاہتا ہوں۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اصرار کیا پھر منبر پر رونق افروز ہوئے اور فرمایا۔

اے لوگو! میں نے حضرت علی سے ان کی صاحبزادی کے بارے میں اس لئے اصرار کیا ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا ہے وہ فرماتے تھے کُلُّ سَبَبٍ وَّنَسَبٍ وَّ صِهْرٍ یَنْقَطِعُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ اِلَّا سَبَبِیْ وَنَسَبِیْ وَصِهْرِیْ۔ یعنی قیامت کے دن میرے تعلق، نسب اور رشتے کے علاوہ ہر تعلق، نسب اور رشتہ منقطع ہو جائے گا۔

تو حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح حضرت فاروق اعظم سے کر دیا ان سے حضرت زید پیدا ہوئے جو جوان ہو کر انتقال کئے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ [2]

اس حدیث اور اس طرح کی دوسری حدیثوں سے معلوم ہوا کہ رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اہل بیت سے رشتہ قائم کرنے میں بہت فائدہ ہے۔

ایک شبہہ اور اس کا جواب

اگر کوئی شخص کہے کہ بخاری و مسلم کی حدیث ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے چچا حضرت عباس، اپنی پھوپھی حضرت صفیہ اور دیگر عزیز و اقارب سے فرمایا لَا اُغْنِیْ عَنْكُمْ مِنَ اللّٰهِ شَیْئًا۔ یعنی میں تمہیں خدا کے عذاب سے کچھ بے نیاز نہیں کر سکتا۔ یہاں تک کہ اپنی لخت جگر نور نظر حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا یَا فَاطِمَةُ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَلِیْنِیْ مَا شِئْتِ مِنْ مَّالِیْ لَا اُغْنِیْ عَنْكِ مِنَ اللّٰهِ شَیْئًا۔ یعنی اے فاطمہ بنت محمد صلی اللہ

---

[1] الشرف المؤبد صـ ۲۲ [2] ایضاً صـ ۳۹

تعالیٰ علیہ وسلم) میرے مال میں سے جو تم چاہو مانگ لو لیکن خدائے تعالیٰ کا عذاب اور اس کی گرفت ہو تو میں تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا [1]

اس حدیث شریف کا خلاصہ یہ ہوا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے اہل بیت کے کام نہیں آسکتے۔ اور جب حضور اپنے اہل بیت کے کام نہیں آسکتے تو اہل بیت کی رشتہ داری دوسروں کے کیا کام آسکتی ہے؟

اس شبہہ کے جواب میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ کلام خدائے تعالیٰ سے خوف دلانے اور ڈرانے میں انتہائی مبالغہ ہے اس لئے کہ اہل بیت کی فضیلت و بزرگی، ان کے لئے حضور کی شفاعت اور ان کا جنتی ہونا احادیث صحیحہ سے ثابت ہے [2]

اور محب طبری نے یہ جواب دیا ہے کہ حضور پر نور شافع یوم النشور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم از خود کسی کے نفع و ضرر کے مالک نہیں لیکن اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے اہل بیت اور عزیز و اقارب بلکہ تمام امت کو شفاعت عامہ اور خاصہ سے نفع پہنچانے کا مالک بنا دے گا [3]

اور بعض علماء نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ خطاب اس وقت کا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ابھی اس بات سے آگاہ نہیں فرمایا تھا کہ آپ کی نسبت فائدہ دینے والی ہے۔

ایک مرتبہ پھر آپ لوگ حضور پر نور شافع یوم النشور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ان کی آل واصحاب اور اہل بیت کرام پر نہایت عقیدت و محبت کے ساتھ بلند آواز سے درود و سلام کی ڈالیاں پیش کریں۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ وَاَهْلِ بَيْتِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ۔

حضرت علامہ نبہانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نسب اور

---

[1] مشکوٰۃ شریف صفحہ ۴۶۰ [2] اشعۃ اللمعات صفحہ ۲۷۲ ج ۴

ان کی رشتہ داری کا فائدہ بیان کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ جو شخص نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کی طرف منسوب ہو اسے مناسب نہیں کہ جو کچھ ذکر ہوا اس پر کلی اعتماد کرے اور علم وعمل کی ضرورت محسوس نہ کرے اس لئے کہ یہ ساری باتیں اس کے لئے ہیں جو واقعی رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے تعلق رکھتا ہو اور آپ کے اہل بیت میں سے ہو۔ اور اس کا یقین کیسے ہو سکتا ہے؟ اس لئے کہ ممکن ہے کچھ عورتوں سے لغزش ہوئی ہو۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آبا واجداد میں سے کسی شخص نے منسوب ہونے میں غلط بیانی کی ہو اگرچہ یہ احتمال ظاہر کے خلاف ہے لیکن اسے بالکل نظر انداز بھی نہیں کیا جا سکتا۔ علاوہ ازیں اہل بیت کے اکابر سے منقول ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی شدید خشیت، اس کے عذاب کے عظیم خوف اور معمولی سی کوتاہی پر بہت زیادہ افسوس کرنے کے خوگر تھے[1]

اور علامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ تمام لوگوں پر عموماً اور اہل بیت پر خصوصاً چند امور کی رعایت لازم ہے۔ اوّل علوم شرعیہ کے حاصل کرنے کا اہتمام کرنا اس لئے کہ علم کے بغیر نسب کا کامل فائدہ نہیں ہے۔ دوم باپ دادا پر فخر نہ کرنا اور تقویٰ و پرہیزگاری کے بغیر محض ان پر اعتماد نہ کرنا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ[2] یعنی تم میں سے بارگاہ الٰہی میں زیادہ معزز وہ ہے جو زیادہ متقی ہو[3]

چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے زمانے میں اصطلاح یہ تھی کہ اشراف کا لفظ صرف اہل بیت پر بولا جاتا تھا دوسروں پر نہیں۔ پھر یہ لقب حسنی اور حسینی سادات کے لئے مخصوص ہو گیا۔ حضرت علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ رسالہ زینبیہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ صحابۂ کرام کے زمانے میں شریف (سید) کا لفظ ہر اس فرد پر بولا جاتا تھا جو اہل بیت رسالت سے ہو۔ چاہے وہ حسنی حسینی ہو یا علوی، حضرت محمد بن حنفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی اولاد میں سے ہو یا حضرت علی۔

---

[1] الشرف المؤبد ص۹۲ [2] پ۲۶ ع ۱۴ [3] برکات آل رسول بحوالہ الصواعق المحرقہ ص۱۸۱

کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کی دیگر اولاد سے ۔ اور حضرت جعفر یا حضرت عقیل کی اولاد سے ہو یا حضرت عباس کی ۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ۔ پھر جب مصر میں فاطمی حضرات تخت وخلافت کے مالک ہوئے تو انھوں نے شریف (سید) کا لفظ حضرت حسن و حضرت حسین کی اولاد کے ساتھ خاص کر دیا اور مصر میں آج تک یہ اصطلاح جاری ہے [۱]

حضرت علامہ نبہانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ اس وقت یہ اصطلاح مشرق و مغرب کے اسلامی شہروں میں مشہور ہے ۔ جب عربی میں شریف کا لفظ بولا جائے گا تو اس سے حسنی یا حسینی سید مراد ہوں گے ۔ بہت سے شہروں میں یہ اصطلاح بھی عام ہے کہ سید کا لفظ صرف حسنی اور حسینی سادات پر بولا جاتا ہے ۔ جب یہ لفظ بولا جائے گا تو ان کے سوا کوئی دوسرا مراد نہیں ہوگا ۔ یہ اہل حجاز کے ماسوا کی اصطلاح ہے ۔ اہل حجاز کی اصطلاح یہ ہے کہ شریف کا استعمال حسنی سادات کے لئے اور سید کا استعمال حسینی سادات کے لئے کرتے ہیں تاکہ دونوں میں واضح فرق ہو جائے [۲]

حضرت علامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ اگر کوئی چیز اشراف کے لئے وقف کی گئی یا ان کے لئے وصیت کی گئی تو حضرات حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی اولاد کے علاوہ دوسرا کوئی ان میں داخل نہ ہوگا اس لئے کہ وقف اور وصیت کا دار و مدار شہر کے عرف پر ہے [۳]

حضرت علامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا یہ بیان حق ہے مگر اب شہروں کا عرف بدل رہا ہے ۔ حضرت علامہ نبہانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ قسطنطنیہ میں سید کا لفظ اشراف کے ساتھ خاص نہیں ہے ۔ اس شہر کے صرافہ بازار میں جا کر دیکھئے تو شاید ہی کوئی ایسی مہر نظر آئے کہ جس پر سید نہ لکھا ہو سوائے اس شخص کے جو سید صحیح النسب ہو یا دیندار و باحیا آدمی ہو ۔ اشراف اپنی مہروں میں لفظ سید نہیں لکھتے اس خوف سے کہ ان کے نسب میں لوگوں کو شبہہ نہ ہو جائے ۔

---

[۱] الشرف المؤبد ص۴۲ [۲] ایضاً ص۴۱ [۳] ایضاً ص۴۱ [۴] ایضاً ص۴۳

یہی حال عنقریب اس ملک میں بھی ہونے والا ہے کہ جو سید صحیح النسب ہوگا وہ اپنے نام کے ساتھ سید نہیں لکھے گا اس لئے کہ اب بہت سے دوسرے لوگ اپنے کو سید لکھنے لگے ہیں تو وہ اپنے نسب کو اشتباہ سے بچانے کے لئے اپنے نام کے ساتھ سید لکھنے سے پرہیز کریں گے جیسے کہ بہت سے لوگوں نے جب اپنے نام کے ساتھ انصاری لکھنا شروع کر دیا تو مدینہ طیبہ کا انصاری خاندان جو اس ملک میں ہے اس نے انصاری لکھنا چھوڑ دیا۔

جو لوگ اپنا نسب غلط بتاتے ہیں وہ اس حدیث شریف سے نصیحت حاصل کریں جو بخاری مسلم، ابوداؤد، ترمذی اور نسائی وغیرہم نے حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے روایت کی ہے کہ سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مَنِ ادَّعٰی اِلٰی غَیْرِ اَبِیْهِ فَعَلَیْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ۔ لَا یَقْبَلُ اللّٰهُ مِنْهُ صَرْفًا وَّلَا عَدْلًا۔ یعنی جو اپنے باپ کے علاوہ دوسرے کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرے اس پر خدا اور سب فرشتوں اور آدمیوں کی لعنت ہے۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کا نہ فرض قبول کرے گا اور نہ نفل [1]

پانچویں خصوصیت

یہ ہے کہ اہل بیت میں سے جو بے عمل ہوں ان کی بھی تعظیم کا حکم ہے مفتی اعظم ہند حضرت علامہ مصطفیٰ رضا خاں علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں کہ "سید سے جب تک کفر نہ صادر ہو واجب التعظیم ہے" [2]

اور یہ اس لئے کہ ان کا گناہ بخشا جائے گا اور خدائے عزوجل ان کی غلطیوں سے درگزر فرمائیگا اگرچہ اس طرح کہ انھیں موت سے پہلے توبہ کی توفیق عطا فرمائے۔ ارشاد خداوندی ہے اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَیُطَهِّرَكُمْ تَطْهِیْرًا۔ یعنی اے اہل بیت! اللہ تعالیٰ تو یہی چاہتا ہے کہ تم سے ہر ناپاکی دور فرمادے اور تمہیں (ہر قسم کے گناہوں سے) پاک کرکے خوب ستھرا کردے [3]

---

[1] فتاویٰ رضویہ ص ۴۴۶ ج ۵ [2] جذواہرہ ص ۱۱ [3] پ ۲۲ ع ۱

اور سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اِنَّ فَاطِمَۃَ اَحْصَنَتْ فَرْجَھَا فَحَرَّمَھَا اللّٰہُ وَذُرِّیَّتَھَا عَلَی النَّارِ یعنی بیشک فاطمہ نے اپنی پاکدامنی کی حفاظت کی تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے انھیں اور ان کی اولاد کو جہنم پر حرام فرما دیا[۱]

اہل بیت کے فاسق کی عزت ان کے فسق اور بے عملی کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ انکی مبارک نسبت کی بنا پر ہے۔ اور یہ خوبی جیسے کہ ان کے نیک لوگوں میں ہے ویسے ہی ان کے فاسق میں بھی موجود ہے یعنی کسی کا فاسق ہونا اسے اہل بیت نبوت سے خارج نہیں کر دے گا اس لئے کہ اہل بیت کے لئے معصوم ہونا شرط نہیں۔ لہٰذا فسق ان کے نسب میں خلل انداز نہیں ہو گا البتہ صالحین کے درمیان ان کے مقام کو کم کر دیتا ہے۔

حضرت ابو محمد فاسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بیان فرماتے ہیں کہ میں مدینہ طیبہ کے بعض حسینی سیدوں سے بغض رکھتا تھا کیونکہ مجھے معلوم تھا کہ وہ خلاف سنت افعال کے مرتکب ہیں۔ میں ایک دن مسجد نبوی میں روضۂ مبارکہ کے سامنے سو گیا۔ مجھے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی۔ حضور نے مجھ سے میرا نام لے کر فرمایا کیا بات ہے میں دیکھتا ہوں کہ میری اولاد سے بغض رکھتے ہو؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! خدا کی پناہ میں انھیں ناپسند نہیں رکھتا۔ مجھے سنت کے خلاف ان کا عمل ناپسند ہے۔ حضور نے فرمایا کیا یہ فقہی مسئلہ نہیں ہے کہ نافرمان اولاد نسب سے وابستہ رہتی ہے؟ میں نے عرض کیا ہاں۔ فرمایا یہ نافرمان اولاد ہے۔ حضرت ابو محمد فاسی فرماتے ہیں کہ جب میں بیدار ہوا تو میرے دل سے ان کی عداوت دور ہو چکی تھی۔ پھر تو میں ان میں سے جس کسی سے بھی ملتا ان کی خوب تعظیم و تکریم کرتا[۲]

سید حضرات ملاحظہ فرمائیں کہ رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سنت کے خلاف عمل کرنے والے کو نافرمان اولاد فرمایا۔ اور جبکہ عام والدین کی نافرمانی گناہ کبیرہ ہے تو سادات کا اپنے جد کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کی نافرمانی پر کیا حال ہو گا۔

---

[۱] الشرف المؤبد ص۲۵ [۲] برکات آل رسول ص۱۰۲

حضرت علامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے فتاویٰ کے خاتمہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ جس شخص کی نسبت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اہل بیت اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خانوادے سے قائم ہو اس کا بڑا جرم اور دیانت و پرہیزگاری سے عاری ہونا اسے نسب عالی سے خارج نہیں کر دے گا۔ اسی لئے بعض محققین نے فرمایا کہ (خدانخواستہ) اگر کسی سید سے زنا، شراب نوشی یا چوری سرزد ہو جائے اور ہم اس پر حد جاری کریں۔ تو اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کسی امیر یا بادشاہ کے پاؤں کو غلاظت لگ جائے اور اس کا کوئی خادم اسے دھو ڈالے۔[۱]

خلاصہ یہ ہے کہ جس شخص کی سیادت یقینی ہو اور اس کا نسب ثابت ہو تو سیادت کے پیش نظر اس کی تعظیم و تکریم کی جائے گی اور اس کے غلط کاموں پر ناپسندیدگی ظاہر کی جائے گی اور اگر اس کا نسب ثابت نہیں ہے مگر وہ اس نسب کا دعویدار ہے اور اس کا جھوٹ ہونا معلوم نہیں ہے تو اس کی تکذیب میں توقف کیا جائے گا کہ ہر شخص اپنے نسب کا ذمہ دار ہے اگر جھوٹ بولتا ہے تو مستحق لعنت ہے مگر دوسرے لوگ اسے بغیر ثبوت جھوٹا نہیں کہہ سکتے۔

چھٹی خصوصیت

یہ ہے کہ وہ حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اولاد ہونے کے باوجود رسول کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کی اولاد کہلاتے ہیں اور صحیح نسب کے ساتھ آپ ہی کی طرف منسوب ہیں۔ امام طبرانی نے حدیث بیان کی ہے کہ سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اِنَّ اللّٰہَ عَزَّوَجَلَّ جَعَلَ ذُرِّیَّۃَ کُلِّ نَبِیٍّ فِیْ صُلْبِہٖ وَاِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی جَعَلَ ذُرِّیَّتِیْ فِیْ صُلْبِ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کی اولاد ان کی پشت میں رکھی اور میری اولاد علی بن ابی طالب کی پشت میں رکھی۔[۲]

اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہر ماں کی اولاد اپنے پدری رشتہ داروں

---

[۱] برکات آل رسول ص۱۰۵ [۲] الشرف المؤبد ص۴۸

کی طرف منسوب ہوتی ہے ماسوا اولاد فاطمہ کے کہ میں ان کا ولی ہوں اور ان کا عصبہ ہوں [1]

اسعاف الراغبین میں ہے کہ یہ خصوصیت صرف حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اولاد کے لئے ہے۔ دوسری صاحبزادیوں کی اولاد کے لئے نہیں ہے (یعنی اگر ان کی اولاد زندہ رہتی تو) ان کے بارے میں یہ نہیں کہا جاتا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کے باپ ہیں اور وہ آپ کے بیٹے ہیں جس طرح کہ یہ بات حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اولاد کے لئے کہی جاتی ہے [2]

ساتویں خصوصیت

یہ ہے کہ اہل بیت کا زمین میں موجود ہونا زمین والوں کے لئے باعث امن ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اَلنُّجُوْمُ اَمَانٌ لِاَھْلِ السَّمَاءِ وَاَھْلُ بَیْتِیْ اَمَانٌ لِاَھْلِ الْاَرْضِ۔ یعنی ستارے آسمان والوں کیلئے باعث امن ہیں اور میرے اہل بیت زمین والوں کے لئے باعث امن ہیں۔ اور ایک روایت میں ہے اَمَانٌ لِاُمَّتِیْ (یعنی میرے اہلبیت میری امت کے لئے باعث امن ہیں [3]

آٹھویں خصوصیت

یہ ہے کہ وہ پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔ امام ثعلبی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ انھوں نے فرمایا کہ میں نے بارگاہ رسالت میں لوگوں کے حسد کی شکایت کی تو حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا "کیا تم اس بات پر راضی نہیں کہ تم چار میں سے چوتھے ہو؟ سب سے پہلے جنت میں میں، تم اور حسنین کریمین داخل ہوں گے، ہماری ازواج مطہرات ہمارے دائیں اور بائیں ہوں گی اور ہماری اولاد ہماری ازواج کے پیچھے ہوگی [4]

نویں خصوصیت

علامہ صبان نے ان کی یہ خصوصیت شمار کی ہے کہ جو شخص ان میں سے کسی پر احسان کرے گا نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

---

[1] برکات آل رسول صفحہ ۱۱۱ [2] ایضاً صفحہ ۱۱۱ [3] الشرف المؤبد صفحہ ۳۶ [4] برکات آل رسول صفحہ ۱۰۹

قیامت کے دن اسے بدلہ عطا فرمائیں گے جیسا کہ حضور نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص وسیلہ حاصل کرنا چاہتا ہے اور یہ چاہتا ہے کہ میری بارگاہ میں اس کی کوئی خدمت ہو جس کے سبب میں قیامت کے دن اس کی شفاعت کروں اسے چاہئے کہ میرے اہل بیت کی خدمت کرے اور انھیں خوش کرے [۱]

دسویں خصوصیت

علامہ صبان نے فرمایا ان کی خصوصیت یہ ہے کہ ان کی محبت درازی عمر اور قیامت کے دن چہرہ سفید ہونے کا سبب ہے اور ان کا بغض اس کے برعکس اثر رکھتا ہے جیسا کہ صواعق محرقہ میں حدیث شریف نقل کی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص پسند کرتا ہو کہ اس کی عمر دراز ہو اور اپنی آرزوؤں سے بہرہ ور ہو اسے میرے بعد میرے اہل بیت سے اچھی طرح پیش آنا چاہئے۔ اور جو میرے بعد ان سے اچھی طرح پیش نہیں آئے گا اس کی عمر قطع کر دی جائے گی اور قیامت کے دن اس حالت میں میرے پاس آئے گا کہ اس کا چہرہ سیاہ ہوگا [۲]

دعا ہے کہ خدائے عزوجل ہم سب لوگوں کو محبین اہل بیت کے گروہ میں شامل فرمائے اور ان کے جد کریم علیہ افضل الصلوات واکمل التسلیم کی شفاعت نصیب فرمائے۔ آمین

پارہائے صحف غنچہائے قدس — اہلبیتِ نبوت پہ لاکھوں سلام
آب تطہیر سے جس میں پودے جمے — اس ریاضِ نجابت پہ لاکھوں سلام
خون خیر الرسل سے ہے جن کا خمیر — ان کی بے لوث طینت پہ لاکھوں سلام

وَصَلَّى اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى وَسَلَّمَ عَلَى النَّبِيِّ الْكَرِيْمِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَاَهْلِ بَيْتِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔ بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ۔

---

[۱] برکات آل رسول ص۱۱۱ [۲] صواعق محرقہ ص۱۰۲ برکات آل رسول ص۱۱۱

مناقب اہلبیت

رضی اللہ تعالیٰ عنہم

الحمد للہ وکفیٰ والصلوۃ والسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ خصوصًا علیٰ سید الوریٰ نبینا محمد المجتبیٰ وعلیٰ الہ واصحابہ ذوی الدرجات العلیٰ۔ اما بعد! فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ قُل لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰی (پ ۲۵ ع ۴) صدق اللہ العلی العظیم وصدق رسولہ الامین الکریم۔ ونحن علیٰ ذٰلک لمن الشاھدین والشاکرین والحمد للہ رب العٰلمین۔

ایک مرتبہ ہم اور آپ سب لوگ مل کر انتہائی خلوص و محبت کے ساتھ تمام عالم کے محسن اعظم، رحمت عالم، نور مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دربار گہربار میں درود و سلام کی ڈالیاں پیش کریں۔ صلی اللہ علی النبی الامی وآلہ صلی اللہ علیہ وسلم صلاۃ وسلاما علیک یارسول اللہ۔

برادران ملت! خطبہ کے بعد جس آیت مبارکہ کے پڑھنے کا شرف ہم نے حاصل کیا ہے آپ حضرات پہلے اس کا ترجمہ سماعت فرمائیں۔ خداوند قدوس کا ارشاد ہے اے محبوب قُل لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا۔ تم فرماؤ کہ میں اس پر یعنی تبلیغ رسالت اور ارشاد وہدایت پر تم سے کچھ اجر نہیں مانگتا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰی۔ مگر قرابت کی محبت یعنی

میں تم سے قرابت کی محبت کا مطالبہ کرتا ہوں۔ (پ ۲۵ ع ۴)

حضرت صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین صاحب مراد آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ اس آیت کریمہ کا شان نزول حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اس طرح مروی ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ طیبہ میں رونق افروز ہوئے اور انصار نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذمہ مصارف بہت ہیں اور مال کچھ بھی نہیں ہے تو انھوں نے آپس میں مشورہ کیا اور حضور کے حقوق و احسانات یاد کر کے آپ کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے بہت سا مال جمع کیا اور اس کو لے کر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضور کی بدولت ہمیں ہدایت ہوئی اور ہم نے گمراہی سے نجات پائی ہم دیکھتے ہیں کہ حضور کے مصارف بہت زیادہ ہیں اس لئے ہم یہ مال خدام آستانہ کی خدمت میں نذر کے لئے لائے ہیں قبول فرما کر ہماری عزت افزائی کی جائے۔ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وہ اموال واپس فرما دیئے۔ (تفسیر خزائن العرفان)

اور حضرت علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی مشہور تصنیف در منثور میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یوں مروی ہے۔ انصاری صحابہ فرماتے ہیں کہ اہل بیت نبوت نے ہم لوگوں کے قول و فعل سے فخر محسوس کیا تو حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ہمیں تم لوگوں پر فضیلت حاصل ہے۔ جب یہ بات رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپ ان لوگوں کی مجلس میں تشریف لے گئے اور فرمایا اے گروہ انصار کیا تم لوگ بے عزت نہیں تھے تو اللہ تعالیٰ نے تمہیں میرے ذریعہ عزت عطا فرمائی؟ انصار نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ! حضور نے فرمایا کیا تم مجھے جواب نہیں دیتے؟ انصار نے عرض کیا حضور ہم کیا کہیں؟ فرمایا کیا تم لوگ یہ نہیں کہتے کہ کیا آپ کی قوم نے آپ کو نہیں نکال دیا تھا تو ہم نے آپ کو پناہ دی؟ کیا انھوں نے آپ کو نہیں جھٹلایا تھا تو ہم نے آپ کی تصدیق کی؟ کیا انھوں نے آپ کو نہیں چھوڑ دیا تھا تو ہم نے آپ کی امداد کی؟ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اسی طرح فرماتے رہے یہاں تک کہ انصار گھٹنوں کے بل کھڑے ہو گئے اور

Scanned by CamScanner

عرض کیا اَمْوَالُنَا وَمَا فِیْ اَیْدِیْنَا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ۔ یعنی ہمارے مال اور ہماری سب ملکیت اللہ اور اس کے رسول کے لئے ہے تو یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی قُلْ لَّاۤ اَسْئَلُكُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰی [1]

حضرت طاؤس فرماتے ہیں کہ اس کے بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا اس سے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے رشتہ دار مراد ہیں۔ اور مقریزی نے فرمایا مفسرین کی ایک جماعت نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا "اے حبیب! اپنے پیروکار مومنوں کو فرمادو کہ میں تبلیغ دین پر تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا سوائے اس کے کہ تم میرے رشتہ داروں سے محبت رکھو۔ اور حضرت ابو العالیہ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰی یہ نبی اکرم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے رشتہ دار ہیں۔ اور ابو اسحاق فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرو بن شعیب سے اس آیت کریمہ کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے فرمایا "قربیٰ سے مراد نبی اکرم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے رشتہ دار ہیں [2]

رہا یہ سوال کہ رشتہ دار سے کون سے رشتہ دار مراد ہیں تو علامہ جلال الدین سیوطی نے درمنثور میں اور بہت سے دیگر مفسرین نے اس آیت مبارکہ کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نقل کیا کہ صحابۂ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کے وہ کون سے رشتے دار ہیں جن کی محبت ہم پر واجب ہے؟ فرمایا علی، فاطمہ اور ان کی اولاد رضی اللہ تعالیٰ عنہم [3]

ایک اعتراض اور اس کا جواب

اگر کوئی شخص کہے کہ تبلیغ وحی پر قوم سے معاوضہ طلب کرنا جائز نہیں اسی لئے پارہ ۱۹ سورۂ شعراء میں کئی جگہوں پر مختلف انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام

---

[1] الشرف المؤبد صـ۸ [2] برکات آل رسول صـ۲۲ [3] الشرف المؤبد صـ۸

کا یہ اعلان مذکور ہے کہ مَآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ مِنْ اَجْرٍ یعنی انھوں نے اپنی قوموں سے فرمایا کہ میں تبلیغ وحی اور ارشاد و ہدایت پر تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا۔ اور جب دیگر انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام نے اپنی قوموں سے کسی اجرت کا مطالبہ نہیں کیا اور نہ کسی فائدہ کی خواہش کی تو سید الانبیاء جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جو تمام نبیوں اور رسولوں سے افضل ہیں انھیں تبلیغ دین پر بدرجۂ اولیٰ اجرت نہیں طلب کرنی چاہئے۔

اور پھر تبلیغ آپ پر واجب تھی جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ یعنی جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا اسکی تبلیغ کرو (پ۶ ع ۱۴) اور واجب کے ادا کرنے پر اجرت کا طلب کرنا مناسب نہیں۔

اور پھر یہودی اور عیسائی وغیرہ ہمیں طعنہ دے سکتے ہیں کہ ہمارے رہنماؤں نے تو یہ اعلان کیا مَآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ مِنْ اَجْرٍ۔ میں تبلیغ دین پر تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا۔ اور تمہارے رسول نے رشتہ داروں کی محبت کا مطالبہ کر کے اپنی محنت و مشقت کا معاوضہ طلب کیا جیسا کہ آیت کریمہ قُلْ لَّآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّۃَ فِی الْقُرْبٰی سے ظاہر ہوتا ہے۔

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ بیشک تبلیغ وحی پر اجر طلب کرنا جائز نہیں اور ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھی ارشاد و ہدایت پر اپنی قوم سے کسی معاوضہ کو طلب نہیں کیا اور نہ ان سے کسی فائدہ کی خواہش کی جیسا کہ پ۲۳ ع ۴ کی آیت مبارکہ ہے قُلْ مَآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ مِنْ اَجْرٍ وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَکَلِّفِیْنَ یعنی تم فرما دو کہ میں تبلیغ دین پر تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا اور نہ میں تکلف کرنے والوں میں سے ہوں۔ رہا آیت مبارکہ میں اِلَّا الْمَوَدَّۃَ فِی الْقُرْبٰی تو حضرت علامہ امام رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ اس قبیل سے ہے جو کسی کہنے والے نے کہا ہے

لَا عَیْبَ فِیْھِمْ غَیْرَ اَنَّ سُیُوْفَھُمْ
بِھَا مِنْ قِرَاعِ الدَّارِعِیْنَ فُلُوْلٗ

یعنی ان لوگوں میں علاوہ اس کے اور کوئی عیب نہیں ہے کہ ان کی تلواروں میں زرہ پوش دشمنوں سے ٹکرانے کے سبب دندانے ہیں (یعنی جبکہ یہ ان کا عیب ہے تو عیب نہیں ہے بلکہ خوبی ہے) اسی طرح آیت مبارکہ کا مطلب یہ ہے کہ میں تم سے اس کے سوا کچھ اجر نہیں چاہتا اور یہ حقیقت میں اجر نہیں ہے اس لئے کہ مسلمانوں کے درمیان محبت واجب ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاۤءُ بَعْضٍ یعنی ایمان والے مرد اور ایمان والی عورتیں ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ (پ۱۰ ع ۱۵) اور سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیث شریف ہے وَالْمُؤْمِنُوْنَ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهُمْ بَعْضًا یعنی مسلمان ایک عمارت کی طرح ہیں جس کا ہر ایک حصہ دوسرے حصہ کو طاقت و قوت دیتا ہے اور مدد پہنچاتا ہے۔ اور جب مسلمانوں میں باہمی محبت واجب ہوئی تو اشرف المسلمین اور ان کے اکابر یعنی اہل بیت کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی محبت بدرجۂ اولیٰ واجب ہے [1]

خلاصہ یہ ہوا کہ میں ہدایت وارشاد پر کوئی معاوضہ نہیں طلب کرتا لیکن میرے رشتہ داروں کی محبت جو تم پر واجب ہے اس کا خیال رکھنا۔

اور دوسرا جواب یہ ہے کہ آیت کریمہ میں استثنا منقطع ہے یعنی قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا۔ پر کلام پورا ہو گیا اس کے بعد فرمایا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِى الْقُرْبٰى لیکن میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ میرے رشتہ داروں سے محبت کرو [2]

امام سُدّی ابوالدیلم سے روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت امام زین العابدین علی بن حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو گرفتار کر کے لایا گیا اور انہیں دمشق کے راستے میں کھڑا کیا گیا تو وہاں کا ایک باشندہ آیا اور کہنے لگا۔ خدا کا شکر ہے جس نے تمہیں قتل کیا، تمہارا استیصال و خاتمہ کیا اور فتنے کی سینگ کاٹ دی۔ حضرت امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سے

---

[1] تفسیر کبیر صفحہ ۱۶۹ ج ۷ ، [2] تفسیر خازن صفحہ ۱۲۲ ج ۶

فرمایا کیا تونے قرآن پاک پڑھا ہے؟ اس نے کہا ہاں۔ آپ نے فرمایا تو نے آل حٰم پڑھی ہے؟ اس نے کہا میں نے قرآن پڑھا ہے لیکن آل حٰم نہیں پڑھی۔ آپ نے فرمایا تم نے آیت قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰی نہیں پڑھی؟ اس نے کہا وہ لوگ آپ ہی ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں۔

حضرت علامہ نبہانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس واقعہ کو لکھنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ میں اس شخص کو ایمان والا نہیں سمجھتا۔ ہاں اس کا ایمان بتوں اور مصنوعی خداؤں پر تھا اس لئے کہ اللہ اور اس کے رسول جل جلالہ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایمان رکھنے والوں کی زبان سے ایسی بکواس صادر نہیں ہو سکتی۔ اس شخص کے دل میں ایمان کیسے ٹھہر سکتا ہے جو اہل بیت مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے شہید کئے جانے پر خدا کا شکر ادا کرے۔ میں اللہ و رسول کا اس ملحد سے زیادہ دشمن ابوجہل کو نہیں سمجھتا[۱]

ہم کہتے ہیں کہ اس زمانے میں بھی ایسے لوگ بہت ہیں جو اہل بیت نبوت و خاندان رسالت سے نفرت کرتے ہیں، ان کے فضائل و مناقب نہیں سن سکتے۔ اگر کوئی محبت والا ان حضرات کی تعریف و توصیف بیان کرتا ہے تو ان کی پیشانیوں میں بل پڑ جاتے ہیں، چہرے کا رنگ بدل جاتا ہے اور فوراً یزید خبیث کی حمایت کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں، اسے حق پر بتاتے ہیں اور امیر المؤمنین و رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ اسے یاد کرتے ہیں اور نواسۂ رسول حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر اقتدار کی ہوس کا الزام لگاتے ہیں اور انھیں باغی قرار دیتے ہیں (العیاذ باللہ تعالیٰ)

اور وہ لوگ ایسے ہیں جو اللہ کے پیارے محبوب دانائے خفایا و غیوب جناب احمد مجتبےٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی و بے ادبی کرتے ہیں، ان کے علم کو بچوں، پاگلوں اور جانوروں کے علم کے برابر بتاتے ہیں[۲]

---

[۱] الشرف المؤبد ص۲۳ [۲] حفظ الایمان ص۸

اور شیطان و ملک الموت سے حضور کا علم کم ٹھہراتے ہیں [1]

تو ایسے لوگ اگر حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر اقتدار کی ہوس کا الزام لگائیں اور ان کو باغی قرار دیں تو کوئی تعجب نہیں کہ اللہ کے پیاروں کی توہین و گستاخی یہی انکا مذہب ہے۔ حضور اور ان کے اہل بیت کی محبت جو مدار ایمان ہے اس سے ان کے قلوب خالی ہیں، ان کے دلوں میں ایمان نہیں کہ ایمان والے کبھی ایسی بکواس نہیں کر سکتے۔

خدائے عزوجل ان کو ایمان عطا فرمائے، یزید پلید جیسے فاسق و فاجر کی محبت اور حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بغض و عداوت سے ان کے دلوں کو پاک فرمائے اور امام عالی مقام کی محبت ان کو نصیب فرمائے تاکہ ان کی سمجھ میں آجائے کہ

تیغ بہرِ عزتِ دین ست و بس
مقصدِ او حفظِ آئین ست و بس

بہرِ حق در خاک و خوں غلطیدہ است
پس بنائے لا الٰہ گردیدہ است

(ڈاکٹر اقبال)

ایک مرتبہ پھر آپ حضرات بلند آواز سے رحمت عالم، نور مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ان کی آل و اصحاب پر درود و سلام کا نذرانہ پیش کریں۔ اللّٰھم صل علیٰ سیدنا محمد وعلیٰ الہ واصحابہ وبارك وسلم۔

آیت کریمہ قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى کی تفسیر میں حضرت علامہ امام رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تفسیر کشاف سے ایک طویل حدیث نقل کرتے ہیں کہ سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا مَنْ مَّاتَ عَلٰى حُبِّ اٰلِ مُحَمَّدٍ مَاتَ شَهِيْدًا۔ جو اہل بیت کی محبت پر فوت ہوا اس نے شہادت کی

---

[1] براہین قاطعہ ص۵۱

موت پائی۔ اور فرمایا اَلَا وَمَنْ مَّاتَ عَلٰی حُبِّ اٰلِ مُحَمَّدٍ مَاتَ مَغْفُوْرًا لَّہٗ، آگاہ ہو جاؤ! جو شخص اہل بیت کی محبت میں فوت ہوا وہ اس حال میں فوت ہوا کہ اس کے گناہ بخش دئے گئے۔ پھر فرمایا اَلَا وَمَنْ مَّاتَ عَلٰی حُبِّ اٰلِ مُحَمَّدٍ مَاتَ تَائِبًا۔ سن لو! جو شخص اہل بیت کی محبت پر فوت ہوا وہ تائب ہو کر فوت ہوا۔ اور فرمایا اَلَا وَمَنْ مَّاتَ عَلٰی حُبِّ اٰلِ مُحَمَّدٍ مَاتَ مُؤْمِنًا مُّسْتَکْمِلَ الْاِیْمَانِ۔ خبردار ہو کر سن لو! جو شخص اہل بیت کی محبت پر فوت ہوگا وہ مکمل ایمان کے ساتھ فوت ہوگا۔ پھر فرمایا اَلَا وَمَنْ مَّاتَ عَلٰی حُبِّ اٰلِ مُحَمَّدٍ بَشَّرَہٗ مَلَکُ الْمَوْتِ بِالْجَنَّۃِ ثُمَّ مُنْکَرٌ وَّ نَکِیْرٌ۔ کان کھول کر سن لو! جو شخص اہل بیت کی محبت پر فوت ہوا اسے حضرت عزرائیل علیہ السلام اور پھر منکر نکیر جنت کی بشارت دیتے ہیں۔ اور فرمایا اَلَا وَمَنْ مَّاتَ عَلٰی حُبِّ اٰلِ مُحَمَّدٍ یُزَفُّ اِلَی الْجَنَّۃِ کَمَا تُزَفُّ الْعُرُوْسُ اِلٰی بَیْتِ زَوْجِھَا آگاہ ہو جاؤ! جو شخص اہل بیت کی محبت پر فوت ہوا اسے ایسی عزت کے ساتھ جنت روانہ کیا جاتا ہے جیسے دولہن دولہا کے گھر بھیجی جاتی ہے۔ پھر فرمایا اَلَا وَمَنْ مَّاتَ عَلٰی حُبِّ اٰلِ مُحَمَّدٍ فُتِحَ لَہٗ فِیْ قَبْرِہٖ بَابَانِ اِلَی الْجَنَّۃِ۔ جان لو! جو شخص اہل بیت کی محبت پر فوت ہوا اس کی قبر میں جنت کے دو دروازے کھول دئے جاتے ہیں۔ اور فرمایا اَلَا وَمَنْ مَّاتَ عَلٰی حُبِّ اٰلِ مُحَمَّدٍ جَعَلَ اللّٰہُ قَبْرَہٗ مَزَارَ مَلٰٓئِکَۃِ الرَّحْمَۃِ آگاہ ہو جاؤ! جو شخص اہل بیت کی محبت پر فوت ہوا اللہ تعالیٰ اس کی قبر کو ملائکۂ رحمت کی زیارت گاہ بنا دیتا ہے۔ پھر اس کے بعد آقائے دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اَلَا وَمَنْ مَّاتَ عَلٰی حُبِّ اٰلِ مُحَمَّدٍ مَاتَ عَلَی السُّنَّۃِ وَالْجَمَاعَۃِ۔ خبردار ہو کر سن لو! جو شخص اہل بیت کی محبت پر فوت ہوا وہ مسلک اہل سنت وجماعت پر فوت ہوا[1]

---

[1] تفسیر کبیر صفحہ ۳۹۰ ج ۷

یہ ساری خوش خبریاں اور بشارتیں ان لوگوں کے لئے ہیں جو اہل بیت نبوت وخاندان رسالت سے محبت رکھتے ہیں۔ اور جو لوگ کہ ان حضرات سے دشمنی اور بغض وعداوت رکھتے ہیں ان کا حال کیا ہوگا اس کے بارے میں سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ اَلَا وَمَنْ مَّاتَ عَلٰی بُغْضِ اٰلِ مُحَمَّدٍ جَآءَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ مَکْتُوْبًا بَیْنَ عَیْنَیْہِ اٰیِسٌ مِّنْ رَّحْمَۃِ اللّٰہِ۔ اَلَا وَمَنْ مَّاتَ عَلٰی بُغْضِ اٰلِ مُحَمَّدٍ مَاتَ کَافِرًا اَلَا وَمَنْ مَّاتَ عَلٰی بُغْضِ اٰلِ مُحَمَّدٍ لَمْ یَشُمَّ رَائِحَۃَ الْجَنَّۃِ۔ یعنی خبردار ہوکر سن لو۔ جو شخص اہل بیت کی بغض وعداوت پر مرا وہ قیامت کے دن اس حال میں آئیگا کہ اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان لکھا ہوگا "اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید" اور آگاہ ہو جاؤ! جو شخص اہل بیت کے بغض وعداوت پر مرا وہ کافر مرا۔ اور کان کھول کر سن لو! جو شخص اہل بیت کی بغض وعداوت پر مرا وہ جنت کی خوشبو سے محروم کر دیا جائے گا۔[1]

پوری حدیث شریف میں آل محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کا ترجمہ اہل بیت اسلئے کیا گیا کہ اہل بیت کے آل رسول ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں اور دوسروں کا آل رسول ہونا اختلافی ہے۔

حضرت علامہ امام رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں۔ بعض لوگوں نے کہا کہ آل سے مراد آپ کے قریبی رشتہ دار ہیں اور بعض لوگوں نے کہا کہ وہ آپ کی امت ہیں۔ اگر ہم آل کو قریبی رشتہ داروں پر محمول کریں تو اہل بیت ہی آل رسول ہیں اور اگر اس امت پر محمول کریں جس نے آپ کی دعوت وتبلیغ کو قبول کیا تو بھی اہل بیت آل رسول میں داخل ہیں۔ ثابت ہوا کہ وہ بہر صورت آل رسول ہیں اور دوسروں کا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آل میں داخل ہونا اختلافی ہے۔[2]

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اہل بیت کرام کی محبت میں فوت ہونے والا اللہ ورسول کا

---

[1] تفسیر کبیر صفحہ ۳۹۰ ج ۷، [2] ایضاً

پیارا ہے اور ان کی دشمنی میں مرنے والا اللہ و رسول کا دشمن ہے۔ جل جلالہٗ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

اہل بیت نبوت میں سے حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کا مفصل بیان پہلے ہو چکا ہے۔ اب حضرت فاطمہ زہرا اور حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے کچھ فضائل اور حالات الگ الگ ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

نام ولقب اور سال پیدائش

آپ کا نام "فاطمہ" اور لقب "زہرا و بتول" ہے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں میں سب سے چھوٹی لیکن سب سے زیادہ پیاری اور لاڈلی ہیں۔ آپ کی پیدائش کے سال میں اختلاف ہے۔ بعض لوگوں نے کہا کہ جب نبی کریم علیہ افضل الصلوات واکمل التسلیم کی عمر شریف اکتالیس برس کی تھی، آپ پیدا ہوئیں اور کچھ لوگوں نے لکھا ہے کہ اعلان نبوت سے ایک سال قبل ان کی ولادت ہوئی۔ اور علامہ ابن جوزی نے تحریر فرمایا ہے کہ اعلان نبوت سے پانچ سال پہلے جبکہ خانۂ کعبہ کی تعمیر ہو رہی تھی آپ پیدا ہوئیں۔

آپ کا نکاح

مشہور روایت کے مطابق ۱۸ سال اور بعض روایتوں کے مطابق ساڑھے پندرہ سال کی عمر سنہ ۲ھ میں ان کا نکاح شیر خدا علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ہوا۔

امام نسائی کی روایت ہے کہ پہلے حضرت ابوبکر صدیق اور پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح کرنے کے بارے میں پیغام بھیجا مگر

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے منظور نہیں فرمایا۔ پھر حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے پیام بھیجا تو حضور نے ان کا نکاح حضرت علی سے کر دیا[1]

مہر کہ جس پر عقد اقدس ہوا چار سو مثقال چاندی تھی یعنی پورے ایک سو ساٹھ روپئے بھر[2]

آپ کا جہیز

شہنشاہ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی پیاری اور لاڈلی بیٹی کو جو جہیز دیا وہ بان کی ایک چارپائی تھی اور چمڑے کا ایک گدا جس میں روئی کی جگہ پر کھجور کے پتے بھرے ہوئے تھے اور ایک چھاگل، ایک مشک دو چکیاں اور مٹی کے دو گھڑے[3]

ابتک حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس رہتے تھے شادی کے بعد الگ گھر کی ضرورت ہوئی تو حضرت حارثہ بن نعمان انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا ایک مکان ان کو دیدیا۔

جب حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس نئے گھر میں گئیں تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کے یہاں تشریف لے گئے۔ دروازہ پر کھڑے ہو کر اجازت طلب کی پھر اندر گئے۔ ایک برتن میں پانی منگوا کر دونوں ہاتھ اس میں ڈالا اور وہ پانی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سینہ اور بازو پر چھڑکا۔ پھر حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بلا کر ان پر بھی چھڑکا اور فرمایا کہ میرے خاندان میں جو شخص سب سے بہتر ہے میں نے اس کے ساتھ تمہارا نکاح کیا ہے

(زرقانی وغیرہ)

آپ کی گھریلو زندگی

شہنشاہ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صاحبزادی ہونے کے باوجود حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے گھر کا کاروبار خود کرتی تھیں، جھاڑو اپنے ہاتھ سے دیتی تھیں، خود کھانا پکاتی تھیں

---

[1] مشکوٰۃ شریف صفحہ ۵۶۵ [2] فتاوی رضویہ جلد ۵ صفحہ ۳۲۵ [3] سیر الصحابیات صفحہ ۱۰

بلکہ چکی بھی اپنے ہاتھ سے پیستی تھیں اور مشک میں پانی بھر کر لایا کرتی تھیں جس سے ہاتھ پر چھالے اور بدن پر گھٹے پڑ گئے تھے۔ ایک بار مال غنیمت میں کچھ باندی و غلام آئے ہوئے تھے۔ آپ نے ڈرتے ڈرتے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے گھریلو کاروبار کے لئے ایک لونڈی مانگی اور ہاتھ کے چھالے دکھائے تو حضور نے فرمایا جان پدر! بدر کے یتیم بچے تم سے پہلے اس کے مستحق ہیں۔ (سیرت الصحابیات)

اور ایک روایت میں یوں ہے کہ آپ نے غلام طلب کیا تو حضور نے فرمایا بخدا ایسا نہیں ہوسکتا کہ میں تمہیں غلام عطا کر دوں اور اہل صفہ بھوک کے سبب پیٹ پر پتھر باندھ رہے ہوں (برکات آل رسول)

آپ کے فضائل

حضرت سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے فضائل میں بے شمار حدیثیں وارد ہیں جن میں سے چند روایتیں ملاحظہ ہوں۔

بخاری اور مسلم کی روایت ہے کہ سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا فَاطِمَۃُ بَضْعَۃٌ مِّنِّیْ فَمَنْ اَغْضَبَھَا اَغْضَبَنِیْ وَفِیْ رِوَایَۃٍ یُرِیْبُنِیْ مَا اَرَابَھَا وَیُؤْذِیْنِیْ مَا اٰذَاھَا یعنی فاطمہ میرے گوشت کا ایک ٹکڑا ہے۔ تو جس شخص نے اسے غضبناک کیا اس نے مجھے غضبناک کیا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ ناراض کرتی ہے مجھ کو وہ چیز جو فاطمہ کو ناراض کرتی ہے اور اذیت دیتی ہے مجھ کو وہ چیز جو فاطمہ کو اذیت دیتی ہے[1]

لہٰذا جس نے حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو زہر دیا اور جن لوگوں نے حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کربلا کے ریگستان میں شہید کیا۔ ان لوگوں نے بیشک حضرت فاطمہ کو اور حضور کو اذیت دی۔ اور حضور کو اذیت دینا اللہ کو اذیت دینا ہے۔ اور اللہ و رسول کو اذیت دینے والے پر دنیا و آخرت میں اللہ کی لعنت ہے۔ ارشاد خداوندی

---

[1] مشکوٰۃ شریف صفحہ ۵۶۸

ہے اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ لَعَنَھُمُ اللّٰہُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَاَعَدَّ لَھُمْ عَذَابًا مُّھِیْنًا۔ یعنی بیشک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو اذیت دیتے ہیں دنیا و آخرت میں ان لوگوں پر اللہ کی لعنت ہے اور ان کے لئے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ (پ۲۲ ع ۴)

اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں فَاطِمَۃُ سَیِّدَۃُ نِسَاءِ اَھْلِ الْجَنَّۃِ۔ یعنی حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا جنتی عورتوں کی سردار ہیں [۱]

اور ابن عبد البر روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم علیہ افضل الصلوات واکمل التسلیم نے حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا یَا بُنَیَّۃُ اَلَا تَرْضِیْنَ اَنَّکِ سَیِّدَۃُ نِسَاءِ الْعَالَمِیْنَ۔ یعنی اے بیٹی! کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ تم سارے جہان کی عورتوں کی سردار ہو؟ حضرت فاطمہ نے عرض کیا یَا اَبَتِ فَاَیْنَ مَرْیَمُ۔ ابا جان پھر حضرت مریم کا کیا مقام ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تِلْکَ سَیِّدَۃُ نِسَاءِ عَالَمِھَا۔ وہ اپنے زمانے کی عورتوں کی سردار ہیں۔ [۲]

علامہ نبہانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ بہت سے محققین جن میں علامہ تقی الدین سبکی، علامہ جلال الدین سیوطی، علامہ بدر الدین زرکشی اور علامہ تقی الدین مقریزی شامل ہیں۔ تصریح فرماتے ہیں کہ حضرت فاطمہ جہان کی تمام عورتوں سے یہانتک کہ حضرت مریم سے بھی افضل ہیں [۳]

اور علامہ ابن ابو داؤد سے جب اس کے بارے میں سوال کیا گیا تو انھوں نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اپنے جسم کا ٹکڑا فرمایا ہے تو میں کسی کو حضور کے پارۂ جسم کے برابر نہیں قرار دے سکتا [۴]

ڈاکٹر اقبال نے بہت خوب کہا ہے۔

---

[۱] بخاری شریف صفحہ ۵۳۲ ج ۱ [۲] الشرف المؤبد صفحہ ۵۴ [۳] ایضاً صفحہ ۵۴ [۴] برکات آل رسول صفحہ ۱۲۲

مریم از یک نسبتِ عیسیٰ عزیز — وز سہ نسبت حضرت زہرا عزیز
نورِ چشمِ رحمۃ للعالمیں — آں امامِ اولین و آخریں
بانوے آں تاجدارِ ھَلْ اَتیٰ — مرتضیٰ، مشکل کشا، شیرِ خدا
مادرِ آں مرکزِ پرکارِ عشق — مادرِ آں قافلہ سالارِ عشق

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے عرض کیا یارسول اللہ! اَیُّنَا اَحَبُّ اِلَیْكَ اَنَا اَمْ فَاطِمَۃُ؟ ہم میں سے کون آپ کو زیادہ محبوب ہے۔ میں یا فاطمہ؟ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا فَاطِمَۃُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْكَ وَاَنْتَ اَعَزُّ عَلَیَّ مِنْهَا۔ فاطمہ مجھے تم سے زیادہ محبوب ہے اور تم میرے نزدیک ان سے زیادہ عزت والے ہو[۱]

اور حضرت ابوایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ قیامت کے دن ایک ندا کرنے والا باطن عرش سے ندا کرے گا یَا اَهْلَ الْجَمْعِ نَكِّسُوْا رُءُوْسَكُمْ وَغُضُّوْا اَبْصَارَكُمْ حَتّٰی تَمُرَّ فَاطِمَۃُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ عَلَی الصِّرَاطِ یعنی اے محشر والو! اپنے سروں کو جھکالو۔ اور اپنی آنکھوں کو بند کرلو تاکہ فاطمہ بنت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہا وسلم پل صراط سے گذر جائیں۔ فَتَمُرُّ مَعَ سَبْعِیْنَ اَلْفَ جَارِیَۃٍ مِنَ الْحُوْرِ الْعِیْنِ كَمَرِّ الْبَرْقِ۔ تو حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا ستر ہزار حوروں کے جھرمٹ میں بجلی کوندنے کی طرح پل صراط سے گذر جائیں گی[۲]

اور امام نسائی فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اِنَّ ابْنَتِیْ فَاطِمَۃَ حَوْرَاءُ اٰدَمِیَّۃٌ لَمْ تَحِضْ وَلَمْ تَطْمُثْ یعنی میری بیٹی فاطمہ انسانی حور ہے جسے کبھی حیض نہیں آیا[۳]

حضرت علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ خصائص کبریٰ میں تحریر فرماتے ہیں!

---

[۱] الشرف المؤبد ص۵۳ [۲] صواعق محرقہ ص۱۱۶ [۳] الشرف المؤبد ص۵۴

حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خصوصیت یہ ہے کہ انھیں کبھی حیض نہیں آتا تھا جب انکے یہاں بچہ پیدا ہوتا تو ایک گھڑی کے بعد نفاس سے پاک ہو جاتیں یہانتک کہ ان کی نماز قضا نہ ہوتی۔ اسی لئے ان کا نام زہرا رکھا گیا۔ اور جب انھیں بھوک محسوس ہوئی تو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انکے سینے پر دست مبارک رکھا تو اس کے بعد انھیں بھوک کبھی محسوس نہیں ہوئی۔ جب ان کے وصال کا وقت قریب آیا تو انھوں نے خود غسل کیا اور وصیت کی کہ کوئی انھیں منکشف نہ کرے۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انھیں اسی غسل کے ساتھ دفن کر دیا [۱]

آپ کی وفات

سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال فرمانے کا آپکو ایسا سخت صدمہ ہوا کہ اس واقعہ کے بعد کبھی آپ ہنستی ہوئی نہیں دیکھی گئیں یہانتک کہ چھ ماہ بعد ۳ رمضان المبارک سنہ ۱۱ھ منگل کی رات میں آپ نے وفات پائی اس طرح اللہ کے محبوب دانائے خفایا و غیوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیشین گوئی پوری ہوئی کہ میرے خاندان میں سب سے پہلے تم ہی آکر مجھ سے ملوگی۔

حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تجہیز و تکفین میں ایک خاص قسم کی جدت کی گئی اس لئے کہ اس زمانہ میں رواج یہ تھا کہ مردوں کی طرح عورتوں کا جنازہ بھی بے پردہ نکالا جاتا تھا مگر حضرت سیدہ کے مزاج اقدس میں چونکہ انتہائی شرم و حیا تھی اس لئے انھوں نے قبل وفات حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی حضرت اسما بنت عمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا کہ کھلے ہوئے جنازہ میں عورتوں کی بے پردگی ہوتی ہے جسے میں ناپسند کرتی ہوں تو انھوں نے حضرت سیدہ کے لئے لکڑیوں کا ایک گہوارہ بنایا جسے دیکھ کر آپ بہت خوش ہوئیں۔ عورتوں کے جنازہ پر آجکل جو پردہ لگانے کا دستور ہے اس کی ابتدا آپ ہی سے ہوئی۔ حضرت علی یا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی اور صحیح

---

[۱] برکات آل رسول صہ ۱۲۳ لیکن فتاوی رضویہ جلد ۴ صہ ۴ پر ہے کہ آپ کو غسل دیا گیا۔

ومختار قول یہی ہے کہ آپ جنت البقیع میں مدفون ہوئیں۔ (مدارج النبوۃ وغیرہ)

آپ کی اولاد

حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے چھ اولاد ہوئیں۔ تین صاحبزادے حضرت حسن، حضرت حسین، حضرت محسن اور تین صاحبزادیاں حضرت ام کلثوم، حضرت زینب اور حضرت رقیہ۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ حضرت محسن اور حضرت رقیہ تو بچپن ہی میں انتقال کر گئے۔ حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوا جن سے ایک صاحبزادے حضرت زید اور ایک صاحبزادی حضرت رقیہ پیدا ہوئیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ اور تیسری صاحبزادی جو حضرت زینب تھیں ان کا نکاح حضرت عبداللہ بن جعفر سے ہوا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہما

سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اولاد کا سلسلہ قیامت تک حضرت سیدہ فاطمہ ہی کے صاحبزادگان سے جاری رہے گا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم

اس بتولِ جگر پارۂ مصطفےٰ حجلہ آرائے عفت پہ لاکھوں سلام

جس کا آنچل نہ دیکھا مہ و مہر نے اس ردائے نزاہت پہ لاکھوں سلام

سیدہ زاہرہ طیبہ طاہرہ جانِ احمد کی راحت پہ لاکھوں سلام

اب قبل اس کے کہ میں نواسۂ رسول حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکر جمیل کروں آپ سب حضرات سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ان کی آل و اصحاب اور اہل بیت کرام پر نہایت عقیدت و محبت کے ساتھ ایک بار بلند آواز سے درود شریف کا نذرانہ پیش کریں۔ اللھم صل علیٰ سیدنا و مولانا محمد و علیٰ آلہ و اصحابہ واھل بیتہ وبارک وسلم۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

آپ ۱۵ رمضان المبارک ۳ھ میں پیدا ہوئے۔ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ اس بچہ کا نام رکھو۔ انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس کا نام آپ رکھیں۔ حضور نے فرمایا میں اس بچہ کا وہ نام رکھوں گا جو خدائے تعالیٰ فرمائے گا۔ تو حضرت جبریل علیہ السلام نازل ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ خدائے عزوجل اس صاحبزادہ کی پیدائش پر آپ کو مبارکباد پیش کرتا ہے اور فرماتا ہے کہ اس کا نام حضرت ہارون علیہ السلام کے صاحبزادہ شبر کا نام رکھو جس کے معنی ہیں حسن تو حضور نے آپ کا نام حسن رکھا اور کنیت ابو محمد۔ پھر پیدائش کے ساتویں دن آپ کا عقیقہ کیا، بال منڈوائے اور حکم فرمایا کہ بالوں کے وزن برابر چاندی صدقہ کی جائے۔

(نزہۃ المجالس وغیرہ)

جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو اس وقت آپ کی عمر صرف ساڑھے سات سال کی تھی اس کے باوجود آپ سے متعدد حدیثیں مروی ہیں۔ صاحب تلقیح نے آپ کا ذکر ان صحابہ میں کیا ہے کہ جن سے تیرہ حدیثیں روایت کی گئی ہیں۔ ساڑھے سات سال کی عمر ہی کیا ہوتی ہے اس وقت کی اتنی حدیثوں کا یاد رکھنا اور نقل کرنا آپ کے حافظہ کا کمال ہے۔

آپ شکل و صورت میں اپنے نانا جان پیارے مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بہت مشابہ تھے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں اَلْحَسَنُ اَشْبَهُ رَسُوْلَ اللّٰہِ

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا بَیْنَ الصَّدْرِ اِلَی الرَّاْسِ ۔ یعنی حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سر سے لیکر سینہ تک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بہت مشابہ ہیں وَالْحُسَیْنُ اَشْبَہُ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا کَانَ اَسْفَلَ مِنْ ذٰلِکَ ۔ اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسم اقدس کے زیریں حصہ سے بہت مشابہ ہیں ۔ اعلیٰحضرت علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں ۔

ایک سینہ تک مشابہ اک وہاں سے پاؤں تک
حُسنِ سبطین ان کے جاموں میں ہے نیما نور کا

صاف شکلِ پاک ہے دونوں کے ملنے سے عیاں
خطِ تو ام میں لکھا ہے یہ دو ورقہ نور کا

اور ارشاد فرماتے ہیں

معدوم نہ تھا سایۂ شاہِ ثقلین ٭ اس نور کی جلوہ گاہ تھی ذاتِ حسنین
تمثیل نے اس سایہ کے دو حصے کئے ٭ آدھے سے حسن بنے ہیں آدھے سے حسین

آپ کے فضائل

حضرت امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل میں بہت سی حدیثیں مروی ہیں جن میں سے کچھ پیش کی جاتی ہیں ۔

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے ۔ انھوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ منبر پر رونق افروز ہیں اور حضرت حسن آپ کے پہلو میں ہیں ۔ آپ کبھی صحابہ کی طرف توجہ فرماتے اور کبھی ان کی طرف ۔ اور فرمایا اِبْنِیْ ھٰذَا سَیِّدٌ وَلَعَلَّ اللّٰہَ اَنْ یُّصْلِحَ بِہٖ بَیْنَ فِئَتَیْنِ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ۔ میرا بیٹا سردار ہے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ مسلمانوں کے دو گروہوں کے درمیان مصالحت کرادیگا[1]

اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ میں نے دیکھا رسول اللہ

---

[1] بخاری شریف صفحہ ۵۳۰ ج ۱

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سجدے میں ہوتے اور حضرت حسن آتے تو آپ کی گردن مبارک یا پشت مبارک پر سوار ہو جاتے تو آپ انھیں اتارتے نہیں تھے وہ خود ہی اتر جاتے تھے۔ اور میں نے دیکھا کہ آپ رکوع کی حالت میں ہوتے تو آپ انھیں اتارتے نہیں تھے وہ خود ہی اتر جاتے تھے۔ اور میں نے دیکھا کہ آپ رکوع کی حالت میں ہوتے تو اپنے پیروں کے درمیان اتنا فاصلہ کر دیتے کہ حضرت حسن ان کے درمیان سے دوسری طرف گزر جاتے [۱]

اور حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے کندھے پر بٹھائے ہوئے ہیں اور دعا فرما رہے ہیں اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُحِبُّہٗ فَاَحِبَّہٗ یعنی اے اللہ! میں اس سے محبت رکھتا ہوں تو بھی اس سے محبت رکھ [۲]

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم علیہ افضل الصلوات واکمل التسلیم حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے کندھے پر بٹھائے ہوئے تھے کسی صحابی نے کہا نِعْمَ الْمَرْکَبُ رَکِبْتَ یَا غُلَامُ۔ اے صاحبزادے تیری سواری بہت اچھی ہے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا وَنِعْمَ الرَّاکِبُ ھُوَ۔ اور سوار بھی تو بہت اچھا ہے [۳] یعنی اے صحابی! یہ تو تو نے دیکھا کہ سواری کتنی اچھی ہے لیکن یہ بھی تو دیکھ کہ سوار کتنا اچھا ہے۔

ایک دن حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس قریش اور دیگر قبیلوں کے بڑے بڑے لوگ جمع تھے۔ انھوں نے فرمایا مجھے بتاؤ ماں اور باپ، چچا اور پھوپھی، خالہ اور ماموں نانا اور نانی کے اعتبار سے سب سے زیادہ معزز کون شخص ہے؟ حضرت مالک بن عجلان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہوئے اور حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا یہ سب سے افضل ہیں۔ ان کے والد امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالب ہیں۔ ان کی

---

[۱] الشرف المؤبد صفحہ ۶۷ [۲] بخاری شریف صفحہ ۵۳۰ ج ۱ [۳] مشکوٰۃ شریف صفحہ ۵۷۰

والدہ سیدۃ النساء حضرت فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔ ان کی نانی ام المؤمنین حضرت خدیجہ بنت خویلد ہیں اور نانا نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔ ان کے چچا حضرت جعفر ہیں جو جنت میں پرواز کرتے ہیں اور پھوپھی حضرت ام ہانی بنت ابی طالب ہیں اور ان کے ماموں اور خالائیں رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صاحبزادے اور صاحبزادیاں ہیں۔ پھر مالک بن عجلان نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کیا میں نے صحیح کہا ہے؟ انھوں نے فرمایا ہاں۔ اے اللہ! یہ سچ ہے[1]

حاکم کی روایت ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بغیر سواری کے پیدل پچیس ۲۵ حج ادا فرمائے حالانکہ اعلیٰ قسم کے اونٹ آپ کے ہمراہ ہوتے تھے لیکن آپ ان پر سوار نہیں ہوتے تھے اور پاپیادہ راستہ طے فرماتے تھے۔ (تاریخ الخلفاء)

آپ سخاوت میں بے مثال تھے کہ بسا اوقات ایک ایک شخص کو ایک ایک لاکھ درہم عطا فرما دیتے تھے۔ ابن سعد علی بن زید سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تین بار آدھا آدھا مال خدا کی راہ میں دیدیا اور دو مرتبہ اپنا پورا مال اللہ کے راستے میں خرچ کر دیا۔ (تاریخ الخلفاء)

آپ بہت بڑے بردبار اور حلیم الطبع تھے۔ ابن سعد روایت کرتے ہیں کہ مروان جب مدینہ منورہ میں حاکم تھا تو وہ منبر پر علی الاعلان حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو برا بھلا کہتا تھا اور حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کمال تحمل کے ساتھ اس کی گستاخیوں کو برداشت کر لیتے تھے۔ اور حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور مروان کے درمیان گفتگو ہو رہی تھی کہ اس گستاخ نے آپ کے سامنے ہی آپ کو برا بھلا کہنا شروع کر دیا مگر آپ خاموش رہے۔ اسی درمیان مروان نے اپنے داہنے ہاتھ سے ناک صاف کی تو حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سے فرمایا افسوس تجھے اتنا بھی نہیں معلوم کہ داہنا ہاتھ اس کام کے لئے نہیں ہے بائیں

---

[1] برکات آل رسول ص ۱۴۲

ہاتھ سے ناک صاف کرنا چاہیئے۔ یہ سن کر مروان خاموش رہا۔ (تاریخ الخلفاء)

اپنی برائی سن کر تو آپ خاموش رہے لیکن جب غلط بات آپ نے دیکھی تو فوراً تنبیہ فرمائی۔ یہ آپ کی حق گوئی ہے عیب جوئی نہیں۔ بعض مدعیان علم جو طرح طرح کی برائیوں میں مبتلا ہیں اس قسم کی تنبیہ کو عیب جوئی قرار دیتے ہیں۔ خدائے عزوجل انھیں حق گوئی اور عیب جوئی کا فرق سمجھنے کی توفیق رفیق بخشے۔ آمین

خلافت اور اس سے دست برداری

حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی شہادت کے بعد حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسند خلافت پر جلوہ افروز ہوئے۔ چالیس ہزار اہالیان کوفہ نے آپ کے دست حق پرست پر بیعت کی۔ آپ چھ ماہ تک منصب خلافت پر فائز رہے اس کے بعد جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کے پاس کوفہ آئے تو مندرجہ ذیل تین شرطوں کے ساتھ آپ نے خلافت ان کے سپرد کرنا منظور فرمایا۔

(۱) بروقت امیر معاویہ خلیفہ بنائے جاتے ہیں لیکن ان کے انتقال کے بعد امام حسن خلیفۃ المسلمین ہوں گے۔

(۲) مدینہ شریف اور حجاز و عراق وغیرہ کے لوگوں سے حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کے زمانہ کے متعلق کوئی مواخذہ اور مطالبہ نہیں کیا جائے گا۔

(۳) حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذمہ جو دیون ہیں ان سب کی ادائگی حضرت امیر معاویہ کریں گے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ان تمام شرطوں کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قبول کیا تو آپس میں صلح ہوگئی اور اللہ کے محبوب دانائے خفایا و غیوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وہ معجزہ ظاہر ہوا جو آپ نے فرمایا تھا کہ میرا یہ فرزند ارجمند مسلمانوں کی دو جماعتوں میں صلح کرائے گا۔

حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس صلح کے بعد تخت خلافت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے خالی کر دیا۔ دستبرداری کا یہ واقعہ ربیع الاول ۴۱ھ میں

ہوا۔ (تاریخ الخلفاء)

خلافت سے دستبردار ہونا آپ کے بہت سے ہم نواؤں کو ناگوار ہوا انھوں نے طرح طرح سے آپ پر ناراضگی کا اظہار کیا یہاں تک کہ بعض لوگ آپ کو "عارالمسلمین" کہہ کر پکارتے تو آپ ان سے فرماتے اَلْعَارُ خَیْرٌ مِّنَ النَّارِ۔ عار نار سے بہتر ہے۔

امر خلافت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سپرد کرنے کے بعد آپ کوفہ سے مدینہ طیبہ چلے گئے اور وہیں قیام پذیر رہے۔ جُبیر بن نفیر کہتے ہیں کہ ایک روز میں نے حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کیا کہ لوگ کہتے ہیں آپ پھر خلافت کے خواستگار ہیں آپ نے ارشاد فرمایا کہ جس وقت عربوں کے سر میرے ہاتھوں میں تھے یعنی اپنی جانیں قربان کرنے کے لئے وہ مجھ سے بیعت کر چکے تھے اس زمانہ میں ہم جس سے چاہتے ان کو لڑا دیتے لیکن میں اس وقت محض اللہ کی رضامندی حاصل کرنے کیلئے خلافت سے دستبردار ہوگیا اور امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلاۃ والتحیہ کا خون نہیں بہنے دیا۔ تو جس خلافت سے میں صرف اللہ کی رضامندی حاصل کرنے کے لئے دست بردار ہوگیا ہوں اب لوگوں کی خوشی کے لئے میں اسے دوبارہ نہیں حاصل کرسکتا۔ (تاریخ الخلفاء)

آپ کی کرامتیں

آپ کی بہت سی کرامتوں میں سے ایک کرامت یہ ہے کہ آپ حج کے لئے پیدل سفر کر رہے تھے کہ آپ کے پیروں میں ورم آگیا۔ آپ کے کسی غلام نے عرض کیا کاش آپ کسی سواری پر سوار ہو جائیں تاکہ ورم کم ہو جائے آپ نے اس کی درخواست قبول نہ کی اور فرمایا جب تم منزل پر پہنچو گے تو تمہیں ایک حبشی ملے گا جس کے پاس کچھ تیل ہوگا تم اس سے خرید لینا۔

جب منزل پر پہنچے تو حبشی دکھائی دیا حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے غلام سے فرمایا یہ ہے وہ حبشی جس کے متعلق میں نے بتایا تھا۔ جاؤ اور اس سے تیل خرید لاؤ اور قیمت ادا کر آؤ۔ جیسے ہی وہ غلام حبشی کے پاس گیا اور اس سے تیل طلب کیا تو اس نے پوچھا یہ تیل کس کے لئے خرید رہے ہو؟ غلام نے کہا حضرت حسن کے لئے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اس نے کہا مجھے ان کے پاس لے چلو میں ان کا غلام ہوں۔ جب وہ حبشی آپ کی خدمت میں پہنچا تو کہا میں آپ کا غلام ہوں تیل کی قیمت نہیں لوں گا۔ آپ بس میری بیوی کے لئے جو دردِ زِہ میں مبتلا ہے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اسے ایک صحیح الاعضا بچہ عطا فرمائے۔ آپ نے فرمایا اپنے گھر جاؤ اللہ تعالیٰ تمہیں ایسا ہی بیٹا عطا فرمائے گا جیسا تم چاہتے ہو۔ وہ ہمارا پیروکار ہوگا حبشی گھر گیا تو آپ کے فرمانے کے مطابق بچہ پیدا ہوا۔ (شواہد النبوۃ صـ۳۰۲)

آپ کی دوسری مشہور کرامت یہ ہے کہ ایک بار آپ حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک فرزند کے ساتھ سفر کر رہے تھے کہ آپ کا گزر کھجوروں کے ایک ایسے باغ میں ہوا کہ جس کے سب درخت خشک ہو گئے تھے آپ نے اسی باغ میں ڈیرا ڈال دیا۔ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے باغ کے ایک درخت کی جڑ میں اور ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے لئے دوسرے درخت کی جڑ میں فرش بچھایا گیا۔ حضرت ابن زبیر نے فرمایا اے کاش! اس نخلستان میں تازہ کھجوریں ہوتیں جنہیں ہم کھاتے۔ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کیا تازہ کھجوریں چاہتے ہو؟ حضرت ابن زبیر نے کہا ہاں۔ آپ نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھایا اور زیرِ لب کچھ کہا جو کسی کو معلوم نہ ہوا۔ فوراً کھجور کا ایک درخت تروتازہ اور بار آور ہو گیا اس میں تازہ کھجوریں لگ گئیں۔ ان کا ساتھی شتربان بولا واللہ یہ جادو ہے۔ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا یہ جادو نہیں ہے۔ بلکہ فرزند رسول اللہ کی دعائے مستجاب کا اثر ہے۔ پھر لوگوں نے کھجوروں کو درخت سے توڑا اور سب نے خوب شکم سیر ہو کر کھایا۔ (شواہد النبوۃ صـ۳۰۳)

آپ کی شہادت

ابن سعد حضرت عمران بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خواب دیکھا کہ ان کی دونوں آنکھوں کے درمیان "قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ" لکھا ہوا ہے۔ جب آپ نے یہ خواب بیان فرمایا تو اہل بیت بہت خوش ہوئے لیکن جب حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے یہ خواب بیان کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ اگر آپ کا

یہ خواب سچا ہے تو آپ کی زندگی کے صرف چند روز اور باقی رہ گئے ہیں۔ یہ تعبیر صحیح واقع ہوئی کہ ایسا خواب دیکھنے کے بعد آپ صرف چند روز بقید حیات رہے پھر زہر دے کر شہید کر دیئے گئے۔ (تاریخ الخلفاء)

زہر خورانی کی تفصیل یوں بیان کی جاتی ہے کہ پہلے آپ کو شہد میں ملا کر زہر دیا گیا جس سے آپ کے شکم مبارک میں درد پیدا ہوا رات بھر آپ ماہیِ بے آب کی طرح تڑپتے رہے صبح اپنے جد امجد پیارے مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضۂ منورہ پر حاضر ہوئے دعا فرمائی تو خدائے عزوجل نے انھیں شفائے کلی عطا فرمائی۔

دوسری بار آپ کو زہر آلود کھجوریں کھلائی گئیں۔ چھ سات کھجوریں کھاتے ہی آپ کو سخت گھبراہٹ پیدا ہوئی اپنے بھائی حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکان پر تشریف لائے اور رات بھر بیقرار رہے۔ سویرے پھر اپنے نانا جان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضۂ مقدسہ پر حاضر ہوئے اور دعا فرمائی تو اس بار بھی خدائے تعالیٰ کی رحمت اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی برکت سے زہر کا اثر جاتا رہا۔

بیان کیا جاتا ہے کہ اسی طرح آپ کو پانچ بار زہر ہلاہل دیا گیا مگر ہر بار اس کا اثر زائل ہوتا رہا چھٹی بار ہیرے کی کنی پیسی ہوئی آپ کی صراحی میں ڈالی گئی جس کا پانی پیتے ہی ایسا معلوم ہوا کہ حلق سے ناف تک پھٹ گیا اور دل ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ آپ بے قراری میں مرغ بسمل کی طرح تڑپنے لگے مسلسل قے ہونے لگی اور دست بھی جاری ہوا جس کے ساتھ جگر اور انتڑیوں کے ٹکڑے کٹ کر گرنے لگے۔

وفات کے قریب آپ کے بھائی حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پوچھا کہ آپ کو زہر کس نے دیا ہے؟ آپ نے فرمایا کیا تم اسے قتل کرو گے؟ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا بیشک میں اسے قتل کروں گا۔ آپ نے فرمایا جس کے بارے میں میرا گمان ہے اگر حقیقت میں وہی زہر دینے والا ہے تو خدائے ذوالجلال منتقم حقیقی ہے اور اس کی گرفت بہت سخت ہے۔ اور جس کے بارے میں میرا گمان

ہے اگر وہ زہر دینے والا نہیں ہے تو میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے کوئی بے گناہ قتل کیا جائے۔

سبحان اللہ۔ حضرت امام عالی مقام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فضل و کمال کتنا بلند و بالا ہے آپ سخت تکلیف میں مبتلا ہیں اسہال کبدی لاحق ہے آنتوں کے ٹکڑے کٹ کٹ کر نکل رہے ہیں اور نزع کی حالت ہے مگر اس وقت بھی انصاف کا بادشاہ اپنے انصاف و عدالت کا نہ مٹنے والا نقش صفحۂ تاریخ پر ثبت فرماتا ہے اور اس کی احتیاط اجازت نہیں دیتی کہ جس کے بارے میں گمان ہے اس کا نام لینا گوارا کیا جائے۔

وفات کے قریب حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیکھا کہ حضرت امام حسن کو بے قراری اور گھبراہٹ زیادہ ہے تو آپ نے ان کی تسلی کے لئے عرض کیا کہ اے برادر محترم یہ گھبراہٹ اور بے قراری کیسی ہے؟ آپ تو اپنے نانا جان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور اپنے بابا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس جا رہے ہیں۔ اپنی جدۂ کریمہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ اور والدۂ محترمہ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ملاقات کریں گے اور اپنے چچا حضرت حمزہ اور حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ملیں گے اور اپنے ماموں حضرت قاسم و حضرت طاہر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی ملاقات کریں گے۔

حضرت امام حسن نے فرمایا اے برادر عزیز! میں ایسے امر میں داخل ہونے والا ہوں کہ جس کی مثل میں ابتک نہیں داخل ہوا تھا اور میں اللہ کی مخلوق میں سے ایسی مخلوق دیکھ رہا ہوں کہ جس کی مثل کبھی نہیں دیکھا۔ (تاریخ الخلفاء)

پینتالیس ۴۵ سال چھ ماہ چند روز کی عمر میں بمقام مدینہ طیبہ ۵ ربیع الاول ۴۹ھ میں آپ نے وفات پائی اور جنت البقیع میں حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پہلو میں مدفون ہوئے ـــــ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

وہ حسن مجتبیٰ سید الاسخیا ❊ راکب دوش عزت پہ لاکھوں سلام
شہد خوار لعاب زبان نبی ❊ چاشنی گیر عصمت پہ لاکھوں سلام

زہر کس نے دیا

بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی نے آپ کو زہر دیا تھا مگر یہ لکھنا صحیح ہے یا نہیں۔

اس کے بارے میں حضرت صدر الافاضل مولانا محمد نعیم الدین صاحب مراد آبادی علیہ الرحمۃ والرضوان نے جو محققانہ مضمون تحریر فرمایا ہے وہ ملاحظہ فرمائیں۔ آپ لکھتے ہیں کہ مؤرخین نے زہر خورانی کی نسبت جعدہ بنت اشعث بن قیس کی طرف کی ہے اور اس کو حضرت امام کی زوجہ بتایا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ یہ زہر خورانی باغوائے یزید ہوئی ہے اور یزید نے اس سے نکاح کا وعدہ کیا تھا اس طمع میں آکر اس نے حضرت امام کو زہر دیا۔ لیکن اس روایت کی کوئی صحیح سند دستیاب نہیں ہوئی اور بغیر کسی سند صحیح کے کسی مسلمان پر قتل کا الزام اور ایسے عظیم الشان قتل کا الزام کس طرح جائز ہو سکتا ہے۔ قطع نظر اس بات کے کہ روایت کے لئے کوئی سند نہیں ہے اور مورخین نے بغیر کسی معتبر ذریعہ یا معتمد حوالہ کے لکھ دیا ہے یہ خبر واقعات کے لحاظ سے بھی ناقابل اطمینان معلوم ہوتی ہے۔ واقعات کی تحقیق خود واقعات کے زمانہ میں جیسی ہو سکتی ہے مشکل ہے کہ بعد کو ویسی تحقیق ہو خاص کر جبکہ واقعہ اتنا اہم ہو۔ مگر حیرت ہے کہ اہل بیت اطہار کے اس امام جلیل کا قتل اس قاتل کی خبر غیر کو تو کیا ہوتی خود حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پتہ نہیں ہے۔ یہی تاریخیں بتاتی ہیں کہ وہ اپنے برادر معظم سے زہر دہندہ کا نام دریافت فرماتے ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو زہر دینے والے کا علم نہ تھا اب رہی یہ بات کہ حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کسی کا نام لیتے انھوں نے ایسا نہیں کیا تو اب جعدہ کو قاتل ہونے کے لئے معین کرنے والا کون ہے۔ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یا امامین کے صاحبزادوں میں سے کسی صاحب کو اپنی آخر حیات تک جعدہ کی زہر خورانی کا کوئی ثبوت نہ پہنچا نہ ان میں سے کسی نے اس پر شرعی مواخذہ کیا۔

ایک اور پہلو اس واقعہ کا خاص طور پر قابل لحاظ ہے وہ یہ ہے کہ حضرت امام کی بیوی کو غیر کے ساتھ ساز باز کرنے کی شنیع تہمت کے ساتھ متہم کیا جاتا ہے یہ ایک بد ترین تبرا ہے

عجب نہیں ہے کہ اس حکایت کی بنیاد خارجیوں کے افتراءات ہوں جبکہ صحیح اور معتبر ذرائع سے یہ معلوم ہے کہ حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کثیر التزوج تھے اور آپ نے سو کے قریب نکاح کیے اور طلاقیں دیں۔ اکثر ایک دو شب ہی کے بعد طلاق دیدیتے تھے۔ اور حضرت امیر المؤمنین علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم بار بار اعلان فرماتے تھے کہ امام حسن کی عادت ہے یہ طلاق دیدیا کرتے ہیں کوئی اپنی لڑکی ان کے ساتھ نہ بیاہے۔ مگر مسلمان بیبیاں اور ان کے والدین یہ تمنا کرتے تھے کہ کنیز ہونے کا شرف حاصل ہو جائے۔ اسی کا اثر تھا کہ حضرت امام حسن جن عورتوں کو طلاق دیدیتے تھے وہ اپنی باقی زندگی حضرت امام کی محبت میں شیدانہ گذار دیتی تھیں اور ان کی حیات کا لمحہ لمحہ حضرت امام کی یاد اور محبت میں گذرتا تھا۔ ایسی حالت میں یہ بات بہت بعید ہے کہ امام کی بیوی حضرت امام کے فیض صحبت کی قدر نہ کرے اور یزید پلید کی ایک طمع فاسد سے امام جلیل کے قتل جیسے سخت جرم کا ارتکاب کرے۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال (سوانح کربلا)

عیب یا خوبی

حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اکثر ایک دو شب ہی کے بعد طلاق دیدینا عیب نہیں تھا۔ اگر عیب ہوتا تو پھر کوئی عورت ان کے نکاح میں آنے کو قبول نہ کرتی اور نہ کسی عورت کے خاندان والے اس پر راضی ہوتے بلکہ یہ حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خوبی تھی کہ وہ لوگوں کو اپنے ذریعہ حضور پرنور شافع یوم النشور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رشتہ داری سے مشرف فرماتے تھے اور مسلمان بیبیوں کو خاتون جنت حضرت سیدہ فاطمہ زہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بہو ہونے کی عزت بخشتے تھے تاکہ یہ رشتہ انھیں قیامت کے دن کام آئے اور ان کی بخشش کا ذریعہ بن جائے۔ چنانچہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کثرت تزوج کا سبب دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا میں چاہتا ہوں کہ بہت سے لوگوں کو میری وجہ سے پیغمبر خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے رشتہ ہو جائے جو قیامت کے دن انھیں کام

آئے لے

اور مسلمان بھی اسی لالچ سے اپنی لڑکیاں ان کے نکاح میں دیتے تھے۔ ابن سعد نے لکھا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اعلان فرمایا کہ اے کوفہ والو! حسن کے ساتھ اپنی بیٹی کی شادی مت کرو کہ وہ طلاق دینے کے عادی ہیں۔ یہ سن کر ایک ہمدانی نے کہا خدا کی قسم ہم ان سے اپنی بیٹیوں کی شادی ضرور کریں گے جسے وہ چاہیں رکھیں اور جسے چاہیں طلاق دیدیں ٢ے

ایک مرتبہ پھر ہم اور آپ سب لوگ مل کر رسول کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ان کی آل و اصحاب پر جھوم جھوم کر درود و سلام کی ڈالیاں نچھاور کریں۔ اللھم صل علی سیدنا و مولانا محمد و علی آلہ و اصحابہ و بارک وسلم۔

تعظیم اہل بیت کے چند واقعات

حضرات! اب ہم اہل بیت نبوت کے چند واقعات آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں جن سے ظاہر ہوگا کہ صحابۂ کرام اور دیگر سلف صالحین و بزرگان دین اہل بیت نبوت کی کیسی تعظیم و تکریم کرتے تھے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اصابہ میں فرمایا۔ یحیٰ ابن سعید انصاری عبید بن حنین سے روایت کرتے ہیں کہ مجھ سے حضرت امام حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان کیا کہ میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گیا۔ وہ منبر پر خطبہ دے رہے تھے۔ میں منبر پر چڑھ گیا اور کہا اِنْزِلْ عَنْ مِنْبَرِ اَبِیْ وَاذْهَبْ اِلٰی مِنْبَرِ اَبِیْكَ۔ یعنے

لے فتاویٰ عزیزیہ جلد اول ص۹۷

٢ے تاریخ الخلفاء ص۱۲۹

میرے باپ کے منبر سے اترئے اور اپنے باپ کے منبر پر جائیے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ لَمْ یَکُنْ لِاَبِیْ مِنْبَرٌ۔ میرے باپ کا منبر نہیں تھا۔ اور مجھے پکڑ کر اپنے پاس بٹھالیا۔ میں اپنے پاس پڑی ہوئی کنکریوں سے کھیلتا رہا۔ جب آپ منبر سے اترے تو مجھے اپنے گھر لے گئے پھر مجھ سے فرمایا کتنا اچھا ہو اگر آپ کبھی کبھی تشریف لاتے رہیں۔ [1]

اور حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں ان کے پاس گیا آپ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے تنہائی میں باتیں کر رہے تھے اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما دروازے پر کھڑے تھے۔ ابن عمر واپس ہوئے تو میں بھی ان کے ساتھ واپس ہوگیا۔ بعد میں جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملاقات ہوئی تو انھوں نے فرمایا کیا بات ہے میں نے آپ کو نہیں دیکھا۔ میں نے کہا امیر المومنین! میں آیا تھا آپ حضرت معاویہ سے گفتگو فرمارہے تھے تو میں عبداللہ بن عمر کے ساتھ واپس آگیا۔ انھوں نے فرمایا آپ ابن عمر سے زیادہ حقدار ہیں ہمارے سروں کے بال اللہ تعالیٰ نے آپ کی برکت سے اگائے ہیں۔ [2]

ابوالفرج اصفہانی عبیداللہ بن عمر قواریری سے روایت کرتے ہیں کہ ہم سے یحییٰ ابن سعید نے سعید بن ابان قرشی سے روایت کی کہ حضرت عبداللہ بن حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہم حضرت عمر بن عبدالعزیز کے پاس تشریف لے گئے وہ نو عمر تھے ان کی بڑی بڑی زلفیں تھیں حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انھیں اونچی جگہ بٹھایا ان کی طرف متوجہ ہوئے اور ان کی ضرورتیں پوری کیں۔ جب وہ تشریف لے گئے تو حضرت عمر بن عبدالعزیز کی قوم نے ان کی ملامت کی اور کہا کہ آپ نے ایک نو عمر بچے کے ساتھ ایسا ایسا سلوک کیا۔ انھوں نے فرمایا مجھ سے معتبر آدمی نے بیان کیا گویا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زبان سے سن رہا ہوں آپ نے فرمایا اِنَّمَا فَاطِمَۃُ بَضْعَۃٌ مِّنِّیْ یَسُرُّنِیْ

---

[1] الشرف المؤبد ص۹۳ [2] برکات آل رسول ص۲۶۶

مَا یَسُرُّھَا۔ یعنی فاطمہ میری لخت جگر ہیں ان کی خوشی کا سبب میری خوشی کا باعث ہے۔
اور میں جانتا ہوں کہ اگر حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا تشریف فرما ہوتیں تو میں نے
جو کچھ ان کے بیٹے کے ساتھ کیا ہے اس سے ضرور خوش ہوتیں [1]

شیخ اکبر سیدی محی الدین ابن عربی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی تصنیف "مسامرات الاخیار"
میں اپنی سند متصل سے حضرت عبد اللہ بن مبارک سے روایت کرتے ہیں کہ بعض متقدمین
کو حج کی بڑی آرزو تھی انھوں نے فرمایا مجھے ایک سال بتایا گیا کہ حاجیوں کا ایک قافلہ
بغداد شریف میں آیا ہے۔ میں نے ان کے ساتھ حج کے لئے جانے کا ارادہ کیا پانچ سو
دینار لے کر میں بازار کی طرف نکلا تاکہ حج کی ضروریات خرید لاؤں۔ میں ایک راستے پر جا رہا
تھا کہ ایک عورت میرے سامنے آئی۔ اس نے کہا اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے میں سید زادی
ہوں میری بچیوں کے لئے تن ڈھانپنے کا کپڑا نہیں ہے اور آج چوتھا دن ہے کہ میں نے
کچھ نہیں کھایا ہے۔ اس کی گفتگو میرے دل میں اتر گئی میں نے وہ پانچ سو دینار اسکے
دامن میں ڈال دئے اور ان سے کہا کہ آپ اپنے گھر جائیں اور ان دیناروں سے اپنی ضروریات
پوری کریں۔ میں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ اس نے مجھ کو ایک سید زادی کی امداد کی
توفیق عطا فرمائی اور واپس آگیا۔ میں کئی سال حج کر چکا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس بار حج پر
جانے کا شوق میرے دل سے نکال دیا۔ دوسرے لوگ چلے گئے حج کیا اور واپس چلے آئے
میں نے سوچا کہ دوستوں سے ملاقات کر آؤں اور انھیں مبارکباد پیش کر دوں چنانچہ میں
گیا جس دوست سے ملتا اسے سلام کرتا اور کہتا کہ اللہ تعالیٰ تمہارا حج قبول فرمائے اور تمہاری
کوشش کی بہترین جزا عطا فرمائے تو وہ مجھ سے کہتا کہ اللہ تعالیٰ تمہارا بھی حج قبول فرمائے۔
کئی دوستوں نے اسی طرح کہا اور جب رات کو سویا تو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی
زیارت ہوئی۔ آپ نے فرمایا لوگ تمہیں حج کی جو مبارکباد پیش کر رہے ہیں اس پر تعجب

---

[1] برکات آل رسول ص ۲۶۱

نہ کرو تم نے میری ایک کمزور اور ضرورت مند بیٹی کی امداد کی تو میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اس نے ہو بہو تجھ جیسا ایک فرشتہ پیدا فرمایا جو ہر سال تمہاری طرف سے حج کرتا رہیگا۔[1]

شیخ عدوی نے اپنی کتاب مشارق الانوار میں ابن جوزی کی تصنیف ملتقط سے نقل کیا کہ بلخ میں ایک علوی قیام پذیر تھا اس کی بیوی اور چند بیٹیاں تھیں۔ قضاء الٰہی سے وہ شخص فوت ہو گیا۔ ان کی بیوی کہتی ہیں کہ میں شماتت اعداء کے خوف سے سمرقند چلی گئی۔ میں وہاں سخت سردی میں پہنچی۔ میں نے اپنی بیٹیوں کو مسجد میں لے جا کر بیٹھا دیا اور خود خوراک کی تلاش میں نکل پڑی۔ میں نے دیکھا کہ لوگ ایک شخص کے گرد جمع ہیں۔ میں نے اس کے بارے میں دریافت کیا تو لوگوں نے بتایا کہ یہ رئیس شہر ہے۔ میں اسکے پاس پہنچی اور اپنا حالِ زار بیان کیا۔ اس نے کہا اپنے علوی ہونے پر گواہ پیش کرو۔ اس نے میری طرف کوئی توجہ نہیں کی۔ میں مسجد کی طرف واپس چل پڑی۔ میں نے راستے میں بلند جگہ پر ایک بڈھا بیٹھا ہوا دیکھا جس کے گرد کچھ لوگ جمع تھے۔ میں نے پوچھا یہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا یہ محافظ شہر ہے اور مجوسی ہے۔ میں نے سوچا ممکن ہے اس سے کچھ فائدہ حاصل ہو جائے چنانچہ میں اس کے پاس پہنچی اپنی سرگزشت بیان کی اور رئیس شہر کے ساتھ جو واقعہ پیش آیا تھا اسے بھی بیان کیا اور اسے بتایا کہ میری بچیاں مسجد میں ہیں اور ان کے کھانے پینے کیلئے کوئی چیز نہیں ہے۔ اس نے اپنے غلام کو بلایا اور کہا اپنی مالکہ (یعنی میری بیوی) سے کہہ کہ وہ کپڑے پہن کر اور تیار ہو کر آجائے چنانچہ وہ آگئی اور اس کے ساتھ چند کنیزیں بھی تھیں بوڑھے نے اپنی بیوی سے کہا اس عورت کے ساتھ فلاں مسجد میں چلی جا اور اس کی بیٹیوں کو اپنے گھر لے آ۔ وہ میرے ساتھ گئی اور بچیوں کو اپنے گھر لے آئی۔ شیخ نے اپنے گھر میں ہمارے لئے الگ رہائش گاہ مقرر کیا ہمیں غسل کا انتظام کیا ہمیں بہترین کپڑے پہنائے۔ اور طرح طرح کے کھانے کھلائے۔

---

[1] برکات آلِ رسول صفحہ ۲۶۳

جب آدھی رات ہوئی تو رئیس شہر نے خواب میں دیکھا کہ قیامت قائم ہو گئی ہے اور لواء الحمد رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سر انور پر لہرا رہا ہے۔ آپ نے اس رئیس سے اعراض فرمایا اس نے عرض کیا حضور آپ مجھ سے اعراض فرما رہے ہیں حالانکہ میں مسلمان ہوں۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اَقِمِ الْبَیِّنَۃَ عِنْدِیْ اَنَّکَ مُسْلِمٌ۔ اپنے مسلمان ہونے پر گواہ پیش کرو۔ وہ شخص حیرت زدہ رہ گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تو نے اس علوی عورت سے جو کچھ کہا تھا اسے بھول گیا۔ یہ محل جو تمہاری نگاہوں کے سامنے ہے یہ اس شیخ کا ہے جس کے گھر میں اس وقت وہ عورت ہے۔

رئیس بیدار ہوا تو رو رہا تھا اور اپنے منہ پر طمانچے مار رہا تھا اس نے اپنے غلاموں کو اس عورت کی تلاش میں بھیجا اور خود بھی تلاش میں نکلا۔ اسے بتایا گیا کہ وہ عورت مجوسی کے گھر میں قیام پذیر ہے۔ یہ رئیس اس مجوسی کے پاس گیا اور کہا وہ علوی عورت کہاں ہے؟ اس نے کہا میرے گھر میں ہے۔ رئیس نے کہا اسے میرے یہاں بھیج دو۔ شیخ نے کہا یہ نہیں ہو سکتا۔ رئیس نے کہا مجھ سے یہ ہزار دینار لے لو۔ اور اسے میرے یہاں بھیج دو۔ شیخ نے کہا لَا وَاللّٰہِ وَلَا بِمِائَۃِ اَلْفِ دِیْنَارٍ۔ بقسم خدا کی ایسا نہیں ہو سکتا اگرچہ تم لاکھ دینار بھی دو۔ جب رئیس نے زیادہ اصرار کیا تو شیخ نے اس سے کہا جو خواب تم نے دیکھا ہے میں نے بھی دیکھا ہے اور جو محل تم نے دیکھا ہے وہ واقعی میرا ہے تم اس لئے مجھ پر فخر کر رہے ہو کہ تم مسلمان ہو۔ بخدا وہ علوی خاتون جیسے ہی ہمارے گھر میں آئیں ہم سب ان کے ہاتھ پر مسلمان ہو گئے۔ ان کی برکتیں ہمیں حاصل ہو چکی ہیں۔ مجھے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی تو آپ نے مجھ سے فرمایا ھٰذَا الْقَصْرُ لَکَ وَلِاَھْلِکَ بِمَا فَعَلْتَ مَعَ الْعَلَوِیَّۃِ وَاَنْتُمْ مِنْ اَھْلِ الْجَنَّۃِ۔ چونکہ تم نے اس علوی خاتون کی تعظیم و تکریم کی ہے اس لئے یہ محل تمہارے لئے اور تمہارے گھر والوں کے لئے ہے

اور تم جنتی ہو۔ [1]

سیدی عبدالوہاب شعرانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ سید شریف نے حضرت خطاب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خانقاہ میں بیان کیا کہ کاشف البحیرہ نے ایک سید کو مارا تو اسی رات خواب میں اسے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اس حال میں زیارت ہوئی کہ آپ اس سے اعراض فرما رہے ہیں۔ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرا کیا گناہ ہے؟ فرمایا تَضْرِبُنِیْ وَاَنَا شَفِیْعُكَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ۔ تو مجھے مارتا ہے حالانکہ میں قیامت کے دن تیرا شفیع ہوں۔ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے یاد نہیں کہ میں نے آپ کو مارا ہو۔ آپ نے فرمایا اَمَا ضَرَبْتَ وَلَدِیْ۔ کیا تو نے میری اولاد کو نہیں مارا؟ اس نے عرض کیا ہاں۔ فرمایا مَا وَقَعَتْ ضَرْبَتُكَ اِلَّا عَلٰی ذِرَاعِیْ هٰذَا۔ تیری ضرب میری ہی کلائی پر پڑی ہے۔ پھر آپ نے اپنی کلائی نکال کر دکھائی جس پر ورم تھا جیسے کہ شہد کی مکھی نے ڈنک مارا ہو۔ [2]

علامہ مقریزی فرماتے ہیں مجھ سے رئیس شمس الدین محمد بن عبداللہ عمری نے بیان کیا کہ میں ایک دن قاضی جمال الدین محمود عجمی کی خدمت میں حاضر ہوا جو قاہرہ کے گورنر تھے وہ اپنے نائبوں اور خادموں کے ہمراہ سید عبدالرحمٰن طباطبی مؤذن کے گھر تشریف لے گئے ان سے اجازت طلب کی وہ اپنے گھر سے باہر آئے تو انھیں گورنر کے اپنے یہاں آنے پر سخت حیرت ہوئی۔ وہ انھیں اندر لے گئے۔ ہم بھی ان کے ساتھ اندر چلے گئے اور سید عبدالرحمٰن کے سامنے اپنے اپنے مرتبے کے مطابق بیٹھے۔ سب لوگ جب اطمینان سے بیٹھ گئے تو گورنر نے سید صاحب سے کہا کہ حضرت مجھے معاف فرما دیجئے۔ انھوں نے کہا جناب کیا چیز معاف کر دوں؟ انھوں نے کہا کل رات میں قلعہ پر گیا اور بادشاہ یعنی ملک ظاہر برقوق کے سامنے بیٹھا تو آپ تشریف لائے اور مجھ سے بلند جگہ پر بیٹھ گئے۔ میں نے اپنے دل

---

[1] برکات آل رسول ص ۲۶۷ [2] ایضاً ص ۲۶۸

میں کہا یہ بادشاہ کی مجلس میں مجھ سے اونچے کیوں بیٹھے ہیں؟ رات کو میں سویا تو مجھے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی۔ آپ نے مجھ سے فرمایا یَا مَحْمُودُ تَأْنِفُ اَنْ تَجْلِسَ تَحْتَ وَلَدِیْ۔ محمود! تو اس بات سے عار محسوس کرتا ہے کہ میری اولاد سے نیچے بیٹھے۔ یہ سن کر حضرت سید عبدالرحمٰن رو پڑے اور کہا جناب میں ایسا کہاں ہوں کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مجھے یاد فرمائیں۔ یہ سننا تھا کہ تمام حاضرین بھی رو پڑے اور سب کی آنکھیں اشکبار ہوگئیں۔ سب نے سید صاحب سے دعا کی درخواست کی اور واپس آگئے۔[1]

تعظیم آل رسول سے متعلق اعلیٰ حضرت پیشوائے اہلسنت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کا ایک ایمان افروز واقعہ رئیس القلم حضرت علامہ ارشد القادری صاحب دامت برکاتہم القدسیہ کے الفاظ میں سماعت فرمائیں۔

امام اہلسنت کی سواری کے لئے پالکی دروازے کے سامنے لگا دی گئی تھی سیکڑوں مشتاقان دید انتظار میں کھڑے تھے۔ وضو سے فارغ ہو کر کپڑے زیب تن فرمائے۔ عمامہ باندھا اور عالمانہ وقار کے ساتھ باہر تشریف لائے۔ چہرۂ انور سے فضل و تقویٰ کی کرن پھوٹ رہی تھی۔ شب بیدار آنکھوں سے فرشتوں کا تقدس برس رہا تھا۔ طلعت جمال کی دلکشی سے مجمع پر ایک رقت انگیز بے خودی کا عالم طاری تھا گویا پروانوں کے ہجوم میں ایک شمع فروزاں مسکرا رہی تھی اور عندلیبان شوق کی انجمن میں ایک گل رعنا کھلا ہوا تھا۔ بڑی مشکل سے سواری تک پہنچنے کا موقع ملا۔ پا بوسی کا سلسلہ ختم ہونے کے بعد کہاروں نے پالکی اٹھائی۔ آگے پیچھے، داہنے بائیں نیازمندوں کی بھیڑ ہمراہ چل رہی تھی۔ پالکی لیکر تھوڑی ہی دور چلے تھے کہ امام اہل سنت نے آواز دی "پالکی روک دو"

حکم کے مطابق پالکی رکھ دی گئی۔ ہمراہ چلنے والا مجمع بھی وہیں رک گیا۔ اضطراب کی

---

[1] برکات آل رسول ص ۲۶۹

حالت میں باہر تشریف لائے۔ کہاروں کو اپنے قریب بلایا اور بھرائی ہوئی آواز میں دریافت کیا۔ "آپ لوگوں میں کوئی آل رسول تو نہیں ہے؟ اپنے جد اعلیٰ کا واسطہ، سچ بتایئے میرے ایمان کا ذوق لطیف "تن جاناں" کی خوشبو محسوس کر رہا ہے۔ اس سوال پر اچانک ان میں سے ایک شخص کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا۔ پیشانی پر غیرت و پشیمانی کی لکیریں ابھر آئیں۔ بے نوائی، آشفتہ حالی اور گردش ایام کے ہاتھوں ایک پامال زندگی کے آثار اس کے انگ انگ سے آشکار تھے۔ کافی دیر تک خاموش رہنے کے بعد نظر جھکائے ہوئے دبی زبان سے کہا۔ "مزدور سے کام لیا جاتا ہے۔ ذات پات نہیں پوچھا جاتا۔ آہ! آپ نے میرے جد اعلیٰ کا واسطہ دے کر میری زندگی کا ایک سربستہ راز فاش کر دیا سمجھ لیجئے کہ میں اسی چمن کا ایک مرجھایا ہوا پھول ہوں جس کی خوشبو سے آپ کی مشام جاں معطر ہے۔ رگوں کا خون نہیں بدل سکتا۔ اس لئے آل رسول ہونے سے انکار نہیں ہے لیکن اپنی خانماں برباد زندگی کو دیکھ کر یہ کہتے ہوئے شرم آتی ہے۔ چند مہینے سے آپکے اس شہر میں آیا ہوں کوئی ہنر نہیں جانتا کہ اسے اپنا ذریعۂ معاش بناؤں۔ پالکی اٹھانے والے مزدوروں سے رابطہ قائم کر لیا ہے۔ ہر روز سویرے ان کے جھنڈ میں آکر بیٹھ جاتا ہوں اور شام کو اپنے حصہ کی مزدوری لے کر اپنے بال بچوں میں پہنچ جاتا ہوں۔

ابھی اس کی بات تمام بھی نہ ہو پائی تھی کہ لوگوں نے پہلی بار تاریخ کا یہ حیرت انگیز واقعہ دیکھا عالم اسلام کے ایک مقتدر امام کی دستار اس کے قدموں پر رکھی ہوئی تھی اور وہ برستے ہوئے آنسوؤں کے ساتھ پھوٹ پھوٹ کر التجا کر رہا تھا۔

معزز شہزادے! میری گستاخی معاف کر دو۔ لاعلمی میں یہ خطا سرزد ہو گئی ہے۔

ہائے غضب ہو گیا جن کے کفش پا کا تاج میرے سر کا سب سے بڑا اعزاز ہے انکے کاندھے پر میں نے سواری کی۔ قیامت کے دن اگر کہیں سرکار نے پوچھ لیا کہ "احمد رضا کیا میرے فرزندوں کا دوش ناز نہیں اسی لئے تھا کہ وہ تیری سواری کا بوجھ اٹھائیں؟ تو میں کیا جواب دوں گا۔ اس وقت بھرے میدانِ حشر میں میرے ناموس عشق کی کتنی بڑی

رسوائی ہو گئی ؟

آہ ! اس ہولناک تصور سے کلیجہ شق ہوا جا رہا ہے۔ دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ جس طرح ایک عاشق دلگیر روٹھے ہوئے محبوب کو مناتا ہے بالکل اسی انداز میں وقت کا ایک عظیم المرتبت امام اس کی منت وسماجت کرتا رہا اور لوگ پھٹی آنکھوں سے عشق کی ناز برداریوں کا یہ رقت انگیز تماشہ دیکھتے رہے۔

یہانتک کہ کئی بار زبان سے معاف کر دینے کا اقرار کرا لینے کے بعد امام اہلسنت نے پھر اپنی ایک آخری التجائے شوق پیش کی۔ چونکہ راہ عشق میں خون جگر سے زیادہ وجاہت وناموس کی قربانی عزیز ہے اس لئے لاشعوری کی اس تقصیر کا کفارہ جبھی ادا ہو گا کہ تم پالکی میں بیٹھو اور میں اسے کاندھے پر اٹھاؤں۔

اس التجا پر جذبات کے تلاطم سے لوگوں کے دل ہل گئے۔ وفور اثر سے فضا میں چیخیں بلند ہو گئیں۔ ہزار انکار کے باوجود آخر سید زادہ کو عشق جنوں خیز کی ضد پوری کرنی پڑی۔

آہ ! وہ منظر کتنا رقت انگیز اور دل گداز تھا جب اہل سنت کا جلیل القدر امام کہاروں کی قطار سے لگ کر اپنے علم وفضل، جبہ ودستار اور اپنی عالمگیر شہرت کا سارا اعزاز خوشنودی حبیب کے لئے ایک گمنام مزدور کے قدموں پر نثار کر رہا تھا۔

شوکت عشق کا یہ ایمان افروز نظارہ دیکھ کر پتھروں کے دل پگھل گئے۔ کدورتوں کا غبار چھٹ گیا، غفلتوں کی آنکھ کھل گئی اور دشمنوں کو بھی ماننا پڑا کہ آل رسول کیساتھ جس کے دل کی عقیدت واخلاص کا یہ عالم ہے رسول کے ساتھ اس کی وارفتگی کا اندازہ کون لگا سکتا ہے ؟ اہل انصاف کو اس حقیقت کے اعتراف میں کوئی تامل نہیں ہوا کہ نجد سے لے کر سہارنپور تک رسول پاک کے گستاخوں کے خلاف احمد رضا کی برہمی قطعاً حق بجانب ہے۔

صحرائے عشق کے اس روٹھے ہوئے دیوانے کو اب کوئی نہیں منا سکتا۔ وفا پیشہ دل

کا یہ غیظ ایمان کا بخشا ہوا ہے نفسانی ہیجان کی پیداوار نہیں۔

ہے ان کے عطر بوئے گریباں سے مست گل

گل سے چمن، چمن سے صبا اور صبا سے ہم

وصلی اللہ تبارك وتعالیٰ وسلم علی النبی الکریم ۔ وعلیٰ آلہ و اصحابہ واھل بیتہ اجمعین ۔ برحمتك یا ارحم الراحمین۔

امیر المؤمنین حضرت معاویہ

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

الحمد للہ وکفیٰ والصلوٰۃ والسلام علیٰ سیدنا محمدن المصطفیٰ وعلیٰ الہ المجتبیٰ واصحابہ سفن النجا۔ امابعد فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ وَکُلًّا وَّعَدَ اللہُ الْحُسْنیٰ (پ ۲۷ ع ۱۷) صدق اللہ العلی العظیم۔ وصدق رسولہ النبی الکریم۔ ونحن علیٰ ذٰلک لمن الشاھدین والشاکرین۔ والحمد للہ رب العالمین۔

ایک مرتبہ ہم اور آپ سب لوگ مل کر مکہ کے سرکار، مدینہ کے تاجدار، دونوں عالم کے مالک و مختار جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ بیکس پناہ میں بلند آواز سے درود و سلام کا نذرانہ اور ہدیہ پیش کریں۔ صلی اللہ الخ

برادرانِ اسلام! انسان کو اپنی جان سے محبت ہوتی ہے، بیوی اور بچوں سے پیار ہوتا ہے، ماں باپ کو چاہتا ہے، بھائی اور دیگر عزیز و اقارب سے بھی محبت کرتا ہے۔ مگر صرف اسی قسم کی چیزوں سے محبت کرنے والا انسان ہو سکتا ہے، ایم۔ ایل۔ اے اور ایم۔ پی ہو سکتا ہے، وزیر اعلیٰ اور وزیر اعظم ہو سکتا ہے، گورنر اور صدر مملکت ہو سکتا ہے۔ مگر مسلمان نہیں ہو سکتا۔ مسلمان ہونے کیلئے ایک اور ذاتِ گرامی جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے محبت کرنی پڑے گی۔ اس لئے کہ۔

محمد کی محبت دین حق کی شرط اول ہے
اسی میں ہو اگر خامی تو سب کچھ نامکمل ہے

سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ وَّالِدِہٖ وَوَلَدِہٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ یعنی تم میں کا کوئی مومن نہیں ہوگا یہاں تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے باپ، اس کی اولاد اور سب لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں [1]

اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت کے لئے سارے صحابہ کی محبت لازم ہے اس لئے کہ تمام صحابہ حضور کے محبوب ہیں اور محبوب کا محبوب۔ محبوب ہی ہوا کرتا ہے۔ لہٰذا جو شخص حضور سے محبت کا دعویٰ کرے اور ان کے صحابہ سے محبت نہ کرے وہ جھوٹا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں اَللّٰہَ اَللّٰہَ فِیْ اَصْحَابِیْ لَا تَتَّخِذُوْھُمْ غَرَضًا بَعْدِیْ۔ فَمَنْ اَحَبَّھُمْ فَبِحُبِّیْ اَحَبَّھُمْ۔ وَمَنْ اَبْغَضَھُمْ فَبِبُغْضِیْ اَبْغَضَھُمْ۔ وَمَنْ اٰذَاھُمْ فَقَدْ اٰذَانِیْ۔ وَمَنْ اٰذَانِیْ فَقَدْ اٰذَی اللّٰہَ۔ وَمَنْ اٰذَی اللّٰہَ یُوْشِکُ اَنْ یَّاْخُذَہٗ رواہ الترمذی۔ یعنی میرے اصحاب کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ میرے بعد انھیں نشانۂ اعتراض نہ بنانا۔ جس نے ان سے محبت رکھی اس نے میری محبت کے سبب ان سے محبت رکھی۔ اور جس نے ان سے بغض رکھا اس نے میرے ساتھ بغض کے سبب ان سے بغض رکھا۔ اور جس نے انھیں اذیت دی اس نے مجھے اذیت دی۔ اور جس نے مجھے اذیت دی اس نے اللہ رب العزت کو اذیت دی۔ اور جس نے اللہ تعالیٰ کو اذیت دی قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے اپنی گرفت میں لے لے [2]

دیکھئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے واضح لفظوں میں فرمادیا کہ میری محبت کے

---

[1] بخاری، مسلم، مشکوٰۃ صـ۱۲ [2] مشکوٰۃ صـ۵۵۴

سبب میرے صحابہ سے محبت ہوگی اور میرے بغض کے سبب میرے صحابہ سے بغض ہوگا یعنی جو شخص حضور سے محبت رکھتا ہے وہ ان کے صحابہ سے ضرور محبت کرے گا۔ اور جو شخص صحابہ سے بغض و عداوت رکھتا ہے وہ حضور سے بغض و عداوت کے سبب ان سے بغض و عداوت رکھتا ہے۔ لہٰذا حدیث شریف نے فیصلہ کر دیا کہ جو شخص حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے محبت کا دعویٰ کرتا ہے مگر ان کے صحابہ سے بغض و عداوت رکھتا ہے وہ جھوٹا ہے۔ اس لئے کہ صحابہ سے اس کا بغض و عناد حضور سے بغض و عناد کے سبب ہے۔ العیاذ باللہ تعالیٰ

بعض لوگ جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے محبت کے دعویدار ہیں وہ بہت سے صحابۂ کرام خصوصاً امیر المؤمنین حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بغض و عناد رکھتے ہیں، کھلم کھلا ان کی شان میں گستاخی و بے ادبی کرتے ہیں اور انکو نشانۂ اعتراض بناتے ہیں۔ اس لئے آج کی مجلس میں ہم ان کی حیات طیبہ پر روشنی ڈالیں گے۔ انکے فضائل و مناقب بیان کریں گے اور ان پر کئے گئے اعتراضات کے جوابات بھی دیئے جائیں گے

نام و نسب آپ کا نام معاویہ اور کنیت ابو عبد الرحمٰن ہے۔ باپ کی طرف سے آپ کا سلسلۂ نسب یہ ہے۔ معاویہ بن ابو سفیان[۱] صخر بن حرب[۲] بن امیہ[۳] بن عبد شمس[۴] بن عبد مناف[۵]۔ اور ماں کی طرف سے نسب یوں ہے۔ معاویہ بن ہند[۱] بنت عتبہ[۲] بن ربیعہ[۳] بن عبد شمس[۴] بن عبد مناف[۵]۔ اور عبد مناف نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چوتھے دادا ہیں۔ اس لئے کہ حضور کا سلسلۂ نسب یہ ہے ابن عبد اللہ[۱] بن عبد المطلب[۲] بن ہاشم[۳] بن عبد مناف[۴]۔

خلاصہ یہ ہوا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ والد کی طرف سے پانچویں پشت میں اور ماں کی طرف سے بھی پانچویں پشت میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نسب میں آپ کے چوتھے دادا عبد مناف سے مل جاتے ہیں۔ جس سے ظاہر ہوا کہ آپ نسب کے لحاظ سے حضور کے قریبی اہل قرابت میں سے ہیں اور رشتے میں

رسول کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کے حقیقی سالے ہیں اس لئے کہ ام المؤمنین حضرت ام حبیبہ بنت ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو حضور کی زوجۂ مطہرہ ہیں وہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حقیقی بہن ہیں اسی لئے عارف باللہ مولانا رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی مثنوی شریف میں آپ کو تمام مومنوں کا ماموں تحریر فرمایا ہے۔

آپ کا قبولِ اسلام

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کب اسلام قبول کیا؟ اس کے بارے میں حضرت مفتی احمد یار خاں صاحب علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں۔ صحیح یہ ہے کہ امیر معاویہ خاص صلح حدیبیہ کے دن ۶ھ میں اسلام لائے مگر مکہ والوں کے خوف سے اپنا اسلام چھپائے رہے۔ پھر فتح مکہ کے دن اپنا اسلام ظاہر فرمایا۔ جن لوگوں نے کہا ہے کہ وہ فتح مکہ کے دن ایمان لائے انھوں نے ظہور ایمان کے لحاظ سے کہا ہے۔ جیسے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ در پردہ جنگ بدر کے دن ہی ایمان لا چکے تھے مگر احتیاطاً اپنا ایمان چھپائے رہے اور فتح مکہ میں ظاہر فرمایا تو لوگوں نے انھیں بھی فتح مکہ کے مومنوں میں شمار کر دیا حالانکہ آپ قدیم الاسلام تھے۔ بلکہ بدر میں بھی کفار مکہ کے ساتھ مجبوراً تشریف لائے تھے۔ اسی لئے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمادیا تھا کہ کوئی مسلمان عباس کو قتل نہ کرے وہ مجبوراً لائے گئے ہیں۔

امیر معاویہ کے حدیبیہ میں ایمان لانے کی دلیل وہ حدیث ہے جو امام احمد نے امام باقر بن امام زین العابدین بن امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت فرمایا کہ امام باقر سے عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ ان سے امیر معاویہ نے فرمایا کہ میں نے حضور کے احرام سے فارغ ہوتے وقت حضور کے سر شریف کے بال مروہ پہاڑ کے پاس کاٹے۔

نیز وہ حدیث بھی دلیل ہے جو بخاری شریف نے بروایت طاؤس عبداللہ بن عباس سے روایت فرمائی کہ حضور کی یہ حجامت کرنے والے امیر معاویہ ہیں۔ اور ظاہر یہ ہے کہ یہ

حجامت عمرۂ قضا میں واقع ہوئی جو صلح حدیبیہ سے ایک سال بعد ۷ھ میں ہوا کیونکہ حجۃ الوداع میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قران کیا تھا اور قارن مروہ پر حجامت نہیں کراتے بلکہ منیٰ میں دسویں ذی الحجہ کو کراتے ہیں۔ نیز حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حج وداع میں بال نہ کٹوائے تھے بلکہ سر منڈایا تھا ابو طلحہ نے حجامت کی تھی تو لامحالہ امیر معاویہ کا یہ حضور کے سر شریف کے بال تراشنا عمرۂ قضا میں فتح مکہ سے پہلے ہوا معلوم ہوا کہ امیر معاویہ فتح مکہ سے پہلے ایمان لا چکے تھے ؎

آپ کی والدہ کا عجیب و غریب واقعہ

خرائطی نے ہواتف میں حمید بن وہب کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ فاکہ بن مغیرہ قریشی کے نکاح میں ایک عورت ہند بنت عتبہ بن ربیعہ تھی۔ فاکہ نے اٹھنے بیٹھنے کے لئے ایک نشست گاہ بنوا رکھی تھی۔ اس نشستگاہ میں آنے جانے کی کوئی روک ٹوک نہیں تھی۔ اتفاقاً ایک روز فاکہ اور اس کی بیوی ہند اس نشست گاہ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ کسی ضرورت سے کچھ دیر کے بعد فاکہ اٹھ کر باہر چلا گیا اور ہند اکیلی رہ گئی۔ اچانک اس وقت ایک شخص آیا اور بیٹھک میں داخل ہوا لیکن جب اس نے دیکھا کہ وہاں تنہا ایک عورت بیٹھی ہوئی ہے تو وہ فوراً پلٹ پڑا۔ اس کے پلٹتے وقت فاکہ باہر سے واپس آگیا اور اس نے مرد کو باہر نکلتے دیکھ لیا تو فاکہ ہند کے پاس آیا اور غصے سے اس کو ٹھوکریں مار کر پوچھا کہ تیرے پاس یہ کون مرد آیا تھا؟ ہند نے کہا میں نے کسی کو بھی نہیں دیکھا ہاں تمہارے کہنے سے مجھے یہ خیال ہوتا ہے کہ کوئی آیا تھا لیکن فوراً واپس ہو گیا۔ فاکہ نے کہا کہ تو میرے گھر سے نکل جا اور اپنے ماں باپ کے پاس چلی جا کہ تو میرے لائق نہیں ہے۔ ہند اپنے ماں باپ کے پاس چلی گئی لیکن لوگوں میں اس بات کا خوب چرچا ہوا۔ ہند کے باپ نے ایک روز اس سے کہا کہ لوگ تجھے ہر طرف مطعون

؎ امیر معاویہ پر ایک نظر ص ۲۷

۱ ؍ ۵۹

کرتے ہیں تو مجھے سچی بات بتا دے۔ اگر تیرا خاوند سچا ہے تو میں اس کو کسی شخص کے ذریعہ قتل کرا دوں گا تاکہ لوگ اس طعنہ زنی سے باز آجائیں۔ اور اگر وہ جھوٹا ہے تو چلو یہ معاملہ یمن کے کسی کاہن کے پاس پیش کریں۔ یہ سن کر ہند نے اپنی پاکدامنی پر اس طرح قسمیں کھانی شروع کر دیں جیسا کہ عہد جاہلیت میں دستور تھا۔

جب ہند کے والد عتبہ کو یقین ہو گیا کہ ہند سچ کہہ رہی ہے تو اس نے فاکہ کو مجبور کیا کہ چونکہ تم نے میری بیٹی پر زنا کی تہمت لگائی ہے اس لئے تم اپنے قبیلہ کے لوگوں کو ساتھ لے کر یمن کے کسی کاہن کے پاس چلو۔ چنانچہ فاکہ بنو مخزوم کو اور عتبہ بنو عبد مناف کو لے کر یمن کی جانب روانہ ہوئے۔ ہند کے ساتھ اس کی کئی سہیلیاں بھی موجود تھیں جب قافلہ یمن کے قریب پہنچا تو ہند کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ یہ حال دیکھ کر اس کے باپ نے کہا کہ تیرے اس تغیر رنگ سے صاف ظاہر ہے کہ تو گنہگار ہے۔ ہند نے کہا یہ بات نہیں ہے بلکہ اصل بات یہ ہے کہ آپ مجھے ایک ایسے شخص کے پاس لے جا رہے ہیں جس کی بات کبھی صحیح ہوتی ہے اور کبھی غلط۔ اگر اس نے بلا وجہ مجھ پر تہمت لگا دی تو پھر میں پورے عرب میں منہ دکھانے کے قابل نہیں رہوں گی۔ عتبہ نے کہا کہ میں تیرا معاملہ کاہن کے سامنے پیش کرنے سے پہلے اس کا امتحان لوں گا۔ چنانچہ کاہن کی سچائی کا امتحان لینے کے لئے اس نے اپنے گھوڑے کے کان میں جانوروں کی وہ بولی بولی جس سے گھوڑا گرما گیا اس وقت عتبہ نے اس کے ذکر کے سوراخ میں گیہوں کا ایک دانہ رکھ کر اوپر چمڑے کی پٹی باندھ دی۔ پھر یہ قافلہ کاہن کے پاس پہنچا۔ اس نے ان کو خوش آمدید کہا اور ان کی تواضع کے لئے اونٹ ذبح کیا۔ دسترخوان پر عتبہ نے اپنے میزبان کاہن سے کہا کہ ہم آپ کے پاس ایک ضرورت سے آئے ہیں لیکن اس سے پہلے بغرض امتحان ہم نے ایک کام کیا ہے پہلے وہ بتا دیجئے۔ پھر ہم اپنا کام آپ کو بتائیں گے۔ نجومی نے کہا "ذکر میں گیہوں کا دانہ"، عتبہ نے کہا اس کی وضاحت کیجئے۔ تب کاہن نے کہا تم نے گھوڑے کے ذکر کے سوراخ میں گیہوں کا دانہ رکھا ہے

عتبہ نے کہا آپ نے بالکل درست کہا۔ اب اصل معاملہ ان عورتوں کا ہے آپ اس معاملہ میں غور کیجئے۔ وہ ایک عورت کے پاس آیا اور اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا کھڑی ہوجا پھر اسی طرح دوسری اور تیسری عورت کے پاس آیا یہانتک کہ ہند کی باری آئی کاہن نے اس کے کندھے پر ہاتھ مار کر کہا کہ تو پاک وصاف ہے تو نے زنا کا ارتکاب نہیں کیا ہے اور تو ایک بادشاہ جنے گی جس کا نام معاویہ ہوگا۔ یہ سن کر ہند کے شوہر فاکہ نے ہند کا ہاتھ پکڑ لیا مگر ہند نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا اور کہا کہ مجھ سے دور ہو میں قسم کھا کر کہتی ہوں کہ اگر کاہن کی یہ بات سچ ہے کہ میری قسمت میں بادشاہ کی ماں بننا ہے تو وہ تیرے صلب سے نہیں ہوگا۔ الحاصل ہند نے فاکہ کو چھوڑ کر ابوسفیان سے شادی کرلی اور ان سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیدا ہوئے [1]

صحابیِ رسول

برادرانِ اسلام! حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابی رسول ہیں۔ اور صحابی وہ خوش نصیب مسلمان ہے جس نے ایمان کی حالت میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا اور پھر ایمان پر اس کا خاتمہ ہوا۔ اور صحابیت وہ درجہ ہے کہ کوئی شخص خواہ وہ کتنا ہی بڑا ولی اور غوث و قطب ہو کسی صحابی کے درجہ کو ہرگز نہیں پہنچ سکتا۔

صحابی کی فضیلت میں بہت سی آیات کریمہ نازل ہوئی ہیں جن میں سے چند آپ کے سامنے پیش کی جاتی ہیں۔ پ۲۷ ع ۱۷ میں ہے وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى۔ اللہ تعالیٰ نے سارے صحابہ سے بھلائی یعنی جنت کا وعدہ فرمایا ہے۔ اور پ۱۱ ع ۱ میں ہے رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا۔ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ۔ اللہ تعالیٰ صحابۂ کرام سے راضی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہیں۔ خدائے تعالیٰ نے ان کے لئے ایسے باغات تیار

---

[1] تاریخ الخلفاء ص۱۳۵

کررکھے ہیں کہ جن کے نیچے دریا جاری ہیں۔ وہ لوگ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ وہ بہت بڑی کامیابی ہے۔ اور پ۲۸ ع ۴ میں ہے اُولٰئِکَ ھُمُ الصّٰدِقُوْنَ۔ وہی لوگ سچے ہیں۔ اور اسی پ۲۸ ع ۴ میں یہ بھی ہے فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔ وہی لوگ کامیاب اور فلاح یافتہ ہیں۔ اور پ۱۰ ع ۷ میں ہے اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا۔ لَھُمْ مَغْفِرَۃٌ وَّرِزْقٌ کَرِیْمٌ۔ وہی لوگ سچے ایمان والے ہیں۔ ان کے لئے مغفرت اور رزق کریم ہے۔ اور پ۱۸ ع ۹ میں ہے اُولٰٓئِکَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا یَقُوْلُوْنَ لَھُمْ مَّغْفِرَۃٌ وَّرِزْقٌ کَرِیْمٌ۔ وہ ان الزاموں سے بری ہیں جو لوگ کہتے ہیں۔ ان کے لئے بخشش اور اچھی روزی ہے۔

یہ ساری فضیلتیں جو صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے لئے قرآن مجید میں وارد ہیں جیسے ہر صحابیِ رسول کے لئے ثابت ہیں ویسے ہی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے بھی ثابت ہیں۔

صحابہ اور احادیث کریمہ

صحابۂ کرام کی فضیلت میں بہت سی حدیثیں وارد ہیں۔ ان میں سے چند آپ لوگ ملاحظہ فرمائیں۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں اَکْرِمُوْا اَصْحَابِیْ فَاِنَّھُمْ خِیَارُکُمْ۔ میرے صحابہ کی عزت کرو اس لئے کہ وہ تم سب سے بہتر ہیں [1]

اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ فَبِاَیِّھِمْ اِقْتَدَیْتُمْ اِھْتَدَیْتُمْ۔ میرے اصحاب ستاروں کی طرح ہیں۔ ان میں سے تم جس کی اقتدا کرو گے ہدایت پا جاؤ گے [2]

اور سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں لَا تَسُبُّوْا اَصْحَابِیْ فَلَوْ اَنَّ اَحَدَکُمْ اَنْفَقَ مِثْلَ اُحُدٍ ذَھَبًا مَا بَلَغَ مُدَّ اَحَدِھِمْ

---

[1] مشکوٰۃ صفحہ ۵۵۴ [2] مشکوٰۃ صفحہ ۵۵۴

وَلَا نَصِيفَهٗ ۔ اے مسلمانو! تم میرے صحابہ کو گالی نہ دو اور نہ برا بھلا کہو۔ اس لئے کہ تم میں سے اگر کوئی احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرے تو وہ ان کے کلو اور آدھا کلو گیہوں اور جو خرچ کرنے کے برابر نہیں ہو سکتا [۱]

اور رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں لَا تَسُبُّوْهُمْ لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ سَبَّهُمْ ۔ صحابہ کو گالی نہ دو اور نہ ان کو برا بھلا کہو۔ جو شخص ان کو گالی دے اور برا بھلا کہے اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو [۲]

اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے منتخب فرمایا میرے لئے اصحاب منتخب فرمائے اور میرے لئے ان میں سے وزراء، انصار اور خسر بنائے فَمَنْ سَبَّهُمْ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ لَا يَقْبَلُ اللّٰهُ مِنْهُ صَرْفًا وَّ لَا عَدْلًا ۔ رواہ الطبرانی۔ یعنی جو شخص انھیں گالی دے اور برا بھلا کہے اس پر اللہ تعالیٰ، تمام فرشتوں اور سارے انسانوں کی لعنت۔ اللہ تعالیٰ اس کا نہ فرض قبول فرمائے گا اور نہ نفل [۳]

اور رسول کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں اِذَا رَأَيْتُمُ الَّذِيْنَ يَسُبُّوْنَ اَصْحَابِيْ فَقُوْلُوْا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلٰى شَرِّكُمْ ۔ جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو میرے صحابہ کو گالیاں دیتے ہوں اور ان کو برا بھلا کہتے ہوں تو کہو تمہارے شر پر خدا کی لعنت [۴]

اور پیارے مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں اِذَا ذُكِرَ اَصْحَابِيْ فَاَمْسِكُوْا ۔ جب میرے صحابہ کا ذکر کیا جائے تو رک جاؤ یعنی ان پر نکتہ چینی نہ کرو [۵]

اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلے اللہ

---

[۱] بخاری، مسلم، مشکوٰۃ ص ۵۵۳ [۲] الشرف المؤبد ص ۱۰۲ [۳] ایضاً ص ۱۰۲ [۴] مشکوٰۃ ص ۵۵۴
[۵] الشرف المؤبد ص ۱۰۳

تعالیٰ علیہ وسلم کے صحابہ کو گالی نہ دو اس لئے کہ ان کا ایک گھڑی رات میں عبادت کرنا تمہاری تمام زندگی کی عبادت سے بہتر ہے [1]

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت کے جھوٹے دعویدار جو انکے محبوب صحابہ کو برا بھلا کہتے ہیں وہ ان احادیث کریمہ سے سبق حاصل کریں۔ اپنی زبانوں کو روکیں کسی صحابی کو برا بھلا کہہ کر رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایذا نہ پہنچائیں اور نہ لعنت کے مستحق بنیں۔

صحابہ اور اقوالِ ائمہ

برادرانِ ملت! حضرت علامہ علقمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہم پر واجب فرمایا کہ ہم صحابۂ کرام کے اختلافات کے بارے میں اپنی زبان بند رکھیں ان کے درمیان جو لڑائیاں اور اختلافات واقع ہوئے جن کے سبب بہت سے صحابہ شہید ہوئے۔ تو یہ ایسے خون ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے ہمارے ہاتھوں کو محفوظ رکھا۔ لہٰذا ہم اپنی زبانوں کو ان سے ملوث نہیں کرتے۔ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ وہ سب اس بارے میں ماجور ہیں کیونکہ ان سے جو کچھ صادر ہوا وہ ان کے اجتہاد پر مبنی تھا اور ظنی مسئلہ پر مجتہد اگر خطا بھی کرے تو مستحق ثواب ہے [2]

اور علامہ مناوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں کہ اگر کوئی ملحد صحابۂ کرام کے درپے ہو اور اللہ تعالیٰ نے انھیں جو انعامات عطا فرمائے ہیں ان کا انکار کرے تو یہ اسکی جہالت محرومیت، ناسمجھی اور ایمان کی کمی ہے۔ اس لئے کہ اگر صحابۂ کرام میں کوئی عیب پایا جائے تو دین کی بنیاد قائم نہیں رہے گی کیونکہ وہی ہم لوگوں تک دین کے پہنچانے والے ہیں۔ جب ناقلین ہی مجروح ہو گئے تو آیات و احادیث بھی محل طعن بن جائیں گی۔ اور اسمیں لوگوں کی تباہی اور دین کی بربادی ہے۔ اس لئے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے

---

[1] الشرف المؤبد صہ ۱۰۲ [2] برکات آل رسول صہ ۲۷۹

بعد وحی کا سلسلہ منقطع ہو چکا ہے۔ اور مبلغ کی تبلیغ کے صحیح ہونے کے لئے اس کا متقی پرہیزگار اور عادل ہونا ضروری ہے [۱]

اور علامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں۔ مسلمان پر لازم ہیکہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صحابہ اور اہل بیت کا ادب و احترام کرے۔ ان سے راضی ہو۔ ان کے فضائل وحقوق پہچانے اور ان کے اختلافات سے زبان روکے اسلئے کہ ان میں کسی نے بھی ایسے امر کا ارتکاب نہیں کیا جسے وہ حرام سمجھتے ہوں بلکہ ان میں ہر ایک مجتہد ہے۔ پس وہ سب ایسے مجتہد ہیں کہ ان کے لئے ثواب ہے۔ حق تک پہنچنے والے کے لئے دس ثواب اور خطا کرنے والے کے لئے ایک ثواب ہے۔ عقاب، ملامت اور نقص ان سب سے مرفوع ہے۔ یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کرلے ورنہ تو پھسل جائے گا اور تیری ہلاکت وندامت میں کوئی کسر نہ رہ جائے گی [۲]

اور علامہ لقانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جوہرہ کی شرح کبیر میں تحریر فرماتے ہیں۔ ان لڑائیوں کا سبب یہ تھا کہ معاملات مشتبہ تھے۔ ان کے شدید اشتباہ کی بنا پر ان میں اجتہادی اختلاف پیدا ہو گیا اور ان کی تین قسمیں ہو گئیں۔ ایک قسم پر اجتہاد سے یہ ظاہر ہوا کہ حق اس طرف ہے اور مخالف باغی ہے۔ لہٰذا ان پر واجب تھا کہ ان کے عقیدے میں جو حق پر تھا اس کی امداد کرتے اور باغی سے جنگ کرتے چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ جس شخص کا یہ حال ہو اسے جائز نہیں کہ اس کے عقیدے میں جو لوگ باغی ہیں ان کے ساتھ جنگ کے موقع پر امام عادل کی امداد سے کنارہ کش ہو۔

دوسری قسم تمام امور میں پہلی قسم کے برعکس تھی۔ تیسری قسم وہ تھی جن پر معاملہ مشتبہ ہو گیا اور وہ حیرت میں مبتلا ہو گئے۔ ان پر کسی جانب کی ترجیح واضح نہ ہوئی تو وہ دونوں فریقوں سے الگ ہو گئے۔ ان کے لئے یہ علیحدگی ہی واجب تھی۔ اسلئے کہ

---

[۱] برکات آل رسول صفحہ ۲۸۱ [۲] ایضاً صفحہ ۲۸۱

کسی مسلمان سے جنگ اس وقت تک جائز نہیں جب تک یہ ظاہر نہ ہو جائے کہ وہ اسکا مستحق ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ وہ سب معذور اور ماجور ہیں۔ اسی لئے اہل حق اور وہ حضرات جو قابل اعتماد ہیں اس بات پر متفق ہیں کہ تمام صحابہ عادل ہیں۔ ان کی شہادت اور روایت مقبول ہے [۱]

اور علامہ ابن سبکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جوامع الجوامع میں تحریر فرماتے ہیں کہ صحابۂ کرام کو گالی دینے والا خدائے عز وجل اور اس کے حبیب اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر کس قدر جری ہے اور دین کی کتنی کم پرواہ کرتا ہے۔ کیا اس خبیث نے۔ اس پر خدا کی لعنت ہو یہ گمان کیا ہے کہ ایسے حضرات گالی کے مستحق ہیں اور وہ پاک وصاف اور تعریف کا مستحق ہے؟ ہرگز نہیں۔ بخدا اس کے منھ میں پتھر ہونا چاہیئے۔ بلکہ جب اس کا یہ گمان ہو کہ یہ حضرات گالی کے مستحق ہیں تو ہمارا عقیدہ اس کے بارے میں یہ ہے کہ وہ جلائے جانے بلکہ اس سے زیادہ سزا کا مستحق ہے [۲]

حدیث شریف میں ہے مَنْ سَبَّ اَصْحَابِیْ فَعَلَیْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ یعنی جس نے میرے صحابہ کو گالی دی اور انھیں برا بھلا کہا اس پر اللہ تعالیٰ، تمام فرشتوں اور تمام انسانوں کی لعنت ہے۔

اس حدیث شریف کی شرح میں امام مناوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ یہ حکم ان صحابہ کو بھی شامل ہے جو قتل وقتال میں شامل ہوئے اس لئے کہ وہ ان لڑائیوں میں مجتہد اور تاویل کرنے والے ہیں۔ لہٰذا انھیں گالی دینا گناہ کبیرہ اور ان کو گمراہی یا کفر کی طرف منسوب کرنا کفر ہے [۳]

اور حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شفا شریف میں تحریر فرماتے ہیں کہ

---

[۱] برکات آل رسول ص ۲۸۲ [۲] ایضاً ص ۲۸۳ [۳] ایضاً ص ۲۸۳

صحابۂ کرام کو گالی دینا اور ان کی تنقیص حرام ہے اس کا مرتکب ملعون ہے" امام مالک فرماتے ہیں "جس شخص نے کہا کہ ان میں سے کوئی ایک گمراہی پر تھا۔ اسے قتل کیا جائیگا اور جس نے اس کے علاوہ انھیں گالی دی اسے سخت سزا دی جائے گی [۱]

یہانتک کہ علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے رسالہ القام الحجر میں اس بات پر اتفاق نقل کیا ہے کہ کسی بھی صحابی کو گالی دینے والا فاسق ہے اگر اسے وہ حلال نہ جانے اور اگر وہ حلال جانے تو کافر ہے۔ اس لئے کہ اس توہین کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ یہ حرام اور فسق ہے اور حرام کو حلال جاننا کفر ہے جبکہ دین میں اس کا حرام ہونا بداہۃً معلوم ہوا اور صحابۂ کرام کو گالی دینے کی حرمت اسی طرح ہے [۲]

اور حضرت علامہ سعد الدین تفتازانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں۔ اہل حق کا اس بات پر اتفاق ہے کہ تمام امور میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حق پر تھے۔ اور فرماتے ہیں وَالتَّحْقِیْقُ اَنَّھُمْ کُلَّھُمْ عُدُوْلٌ یعنی تحقیق یہ ہے کہ تمام صحابہ عادل ہیں اور ساری جنگیں اور اختلافات تاویل پر مبنی ہیں۔ ان کے سبب کوئی بھی عدالت سے خارج نہیں اس لئے کہ وہ مجتہد ہیں [۳]

بِرَادَرَانِ اِسْلَام! یہ ائمۂ کرام و علمائے عظام جو آسمان ہدایت کے آفتاب و ماہتاب اور دین کے ستون ہیں ان کے ارشادات اور ان کی نصیحتوں پر عمل کرو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کسی دوسرے صحابی کو برا بھلا کہہ کر فاسق و فاجر، مرتکب حرام اور مستحق سزا نہ ہو اور نہ اپنی عاقبت برباد کرو۔

حَضْرَتْ اَمِیْرِ مُعَاوِیَہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے فَضَائِل

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

[۱] برکات آل رسول صفحہ ۲۸۳ [۲] ایضاً صفحہ ۲۸۲ [۳] الشرف المؤبد صفحہ ۱۰۲

کی صحابیت اور قرابت کے علاوہ اور بھی بہت سی فضیلتیں ثابت ہیں، جن میں سے چند ذکر کی جاتی ہیں۔

آپ کے فضائل میں بہت سی احادیث کریمہ وارد ہیں۔ حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اَللّٰھُمَّ عَلِّمْ مُعَاوِیَۃَ الْکِتَابَ وَالْحِسَابَ وَقِہِ الْعَذَابَ۔ رواہ احمد فی مسندہ۔ یعنی اے اللہ! تو معاویہ کو کتاب (قرآن کریم) اور حساب کا علم عطا فرما اور انھیں عذاب سے بچا (الناہیہ ص۱۴ تصنیف عارف باللہ حضرت علامہ عبد العزیز فرہاروی مؤلف نبراس شرح شرح العقائد النسفی)

اور حضرت عبد الرحمٰن بن ابو عمیرہ صحابی مدنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے فرمایا اَللّٰھُمَّ اجْعَلْہُ ھَادِیًا مَّھْدِیًّا۔ وَاھْدِ بِہِ النَّاسَ۔ رواہ الترمذی۔ اے اللہ! معاویہ کو ہادی اور مہدی بنا دے یعنی ہدایت یافتہ اور ہدایت دینے والا بنا دے۔ اور ان کے ذریعہ لوگوں کو ہدایت دے [1]

اور خدائے عزوجل اپنے پیارے مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دعاؤں کو قبول فرماتا ہے تو ثابت ہوا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہادی بھی ہوئے اور مہدی بھی اور ان کے ذریعہ لوگوں کو ہدایت بھی ہوئی۔ تو ایسی ذات کو برا بھلا کہنا یقیناً اللہ و رسول کی ناراضگی کا سبب ہوگا۔

اور ابن ابی شیبہ مصنف میں و طبرانی معجم کبیر میں عبد الملک بن عمیر سے روایت کرتے ہیں حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ مجھ سے سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا یَا مُعٰوِیَۃُ اِذَا مَلَکْتَ فَاَحْسِنْ۔ اے معاویہ! جب تم بادشاہ ہو جاؤ

---

[1] مشکوٰۃ ص۵۷۹

تو لوگوں کے ساتھ اچھی طرح پیش آنا[1]

انتباہ عوام میں جو مشہور ہے کہ "حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دیکھا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یزید کو کندھے پر لئے جارہے ہیں تو حضور نے فرمایا جنتی جہنمی کو لئے جارہے ہیں" یہ صحیح نہیں اسلئے کہ یزید حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال فرمانے کے تقریباً ۱۵ سال بعد ۲۵ھ میں پیدا ہوا۔ (سوانح کربلا)

۲ ۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کاتب وحی بھی رہے اور کاتب خطوط بھی ۔ امام مفتی حرمین احمد بن عبد اللہ بن محمد طبری خلاصۃ السیر میں تحریر فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تیرہ[۱۳] کاتب تھے خلفائے اربعہ[۴] عامر[۵] بن فہیرہ، عبد[۶] اللہ بن ارقم، ابی[۷] بن کعب، ثابت[۸] بن قیس بن شماس، خالد[۹] بن سعید بن العاص، حنظلہ[۱۰] بن ربیع اسلمی، زید[۱۱] بن ثابت، شرحبیل[۱۲] بن حسنہ اور معاویہ[۱۳] بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہم لیکن ان لوگوں میں حضرت امیر معاویہ اور حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس خدمت کو زیادہ انجام دیتے تھے۔ علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بخاری شریف کی شرح میں فرمایا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کاتب وحی رہے[2]

۳ ۔ حضرت ملا علی قاری شرح مشکوٰۃ میں تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن مبارک رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مخصوص شاگردوں میں سے ہیں ان سے پوچھا گیا کہ حضرت عمر بن عبد العزیز افضل ہیں یا حضرت معاویہ؟ رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ تو حضرت عبد اللہ بن مبارک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا غُبَارٌ دَخَلَ فِیْ اَنْفِ فَرَسِ مُعَاوِیَۃَ حِیْنَ غَزَا فِیْ رِکَابِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَفْضَلُ مِنْ کَذَا عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِیْزِ حضور

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۳۲ [2] الناہیہ صفحہ

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد کے موقع پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھوڑے کی ناک میں جو غبار داخل ہوا وہ ایسے حضرت عمر بن عبدالعزیز سے افضل ہے[1]

برادرانِ اسلام! حضرت عمر بن عبدالعزیز وہ ہیں کہ جن کو امام الہدیٰ کہا جاتا ہے خلفائے راشدین میں پانچویں خلیفہ کی حیثیت سے ان کو شمار کیا جاتا ہے اور جنکی زیارت کے لئے حضرت خضر علیہ السلام آیا کرتے تھے مگر حضرت عبداللہ بن مبارک نے جیسے امام وقت جب حضرت امیر معاویہ کے گھوڑے کی ناک کے غبار کو بھی ان سے افضل بتاتے ہیں تو پھر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عظمت و رفعت کا کیا کہنا۔ مگر افسوس کہ آج کل وہ لوگ جن کی حقیقت کچھ بھی نہیں وہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے افضل بنتے ہیں بلکہ ان کی ذات پر سب وشتم اور لعن وطعن بھی کرتے ہیں۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔

حضرت علامہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں کہ علامہ معافی بن عمران علیہ الرحمۃ والرضوان سے ایک شخص نے کہا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز حضرت معاویہ سے افضل ہیں۔ یہ سنتے ہی علامہ ابن عمران غضبناک ہو گئے اور فرمایا لَا یُقَاسُ اَحَدٌ بِاَصْحَابِ النَّبِیِّ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ یعنی نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صحابہ پر کسی کو قیاس نہیں کیا جائے گا۔ مُعَاوِیَۃُ صَاحِبُہٗ وَصِھْرُہٗ وَکَاتِبُہٗ وَاَمِیْنُہٗ عَلٰی وَحْیِ اللہِ عَزَّوَجَلَّ۔ حضرت معاویہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کے صحابی، ان کے سالے، ان کے کاتب اور خدائے عزوجل کی وحی پر نبی کریم کے امین ہیں[2]

۴ حضرت علامہ شہاب الدین خفاجی نسیم الریاض شرح شفائے امام قاضی عیاض میں تحریر فرماتے ہیں کہ جو شخص حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر طعن کرے وہ جہنمی کتوں سے ایک کتا ہے (احکام شریعت صد ۱۲۳ ج ۱)

---

[1] الناہیہ صد ۱۶ [2] ایضاً صد ۱۷

۵ ۔ صحابۂ کرام، محدثین عظام اور علمائے اسلام حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تعریف و توصیف بیان کرتے ہیں باوجودیکہ وہ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے فضائل و مناقب سے خوب واقف تھے اور ان کے مابین جو واقعات رونما ہوئے انھیں اچھی طرح جانتے تھے۔

بخاری شریف کی حدیث ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے کسی شخص نے کہا کہ امیر المؤمنین حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں جبکہ فلاں مسئلہ میں انھوں نے یوں کیا تو آپ نے فرمایا اَصَابَ اِنَّهٗ فَقِيْهٌ انھوں نے ٹھیک کیا بیشک وہ فقیہ ہیں [۱]

یعنی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجتہد ہیں وہ ثواب پائیں گے اگرچہ خطا کریں [۲]

بِرَادَرَانِ مِلَّت! دیکھئے رئیس المفسرین حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما جو اجلۂ صحابہ میں سے ہیں اور حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے ایسے خاص ہیں کہ ان کے دشمن پر بہت سخت ہیں وہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تعریف کرتے ہیں اور ان کو فقیہ و مجتہد مانتے ہیں۔ تو کتنے بدنصیب ہیں وہ لوگ جو جلیل القدر صحابیِ رسول کے نقش قدم کو چھوڑ کر شیطان کی اتباع کرتے ہیں یعنی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں بیجا کلمات بولتے ہیں اور ان کی توہین و تنقیص کرتے ہیں۔ العیاذ باللہ تعالیٰ

اور حضرت علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بخاری شریف کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں مُعَاوِيَةُ ذُوالْمَنَاقِبِ الْجَمَّةِ ۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑے مناقب اور بڑی خوبیوں والے ہیں [۳]

---

[۱] مشکوٰۃ ص۵۱۲ [۲] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ص۱۴۰ ج ۲ [۳] الناہیہ ص۱۰

اور حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں اَمَّا مُعَاوِيَةُ فَهُوَ مِنَ الْعُدُوْلِ الْفُضَلَاءِ وَالصَّحَابَةِ الْاَخْيَارِ۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اعدل فضلا اور بہترین صحابہ میں سے ہیں [۱]

اسی لئے تمام محدثین کرام حضرت امیر معاویہ اور دیگر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے درمیان کوئی تفریق نہیں کرتے جس طرح دوسرے صحابہ کے ناموں کے ساتھ رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھتے ہیں اسی طرح حضرت امیر معاویہ کے نام کے ساتھ بھی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تحریر فرماتے ہیں۔

۶۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ متقی، عادل اور ثقہ ہیں اسی لئے حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت سائب بن یزید حضرت نعمان بن بشیر اور حضرت ابوسعید خدری جیسے فقیہ و مجتہدین صحابہ نے آپ سے حدیثیں روایت کیں۔ اسی طرح حضرت جبیر، حضرت ابوادریس خولانی، حضرت سعید بن مسیب، حضرت خالد بن معدان، حضرت ابوصالح سمّان، حضرت ہمام بن عتبہ اور حضرت قیس بن ابوحازم جیسے جلیل القدر تابعین فقہا اور علما نے آپ سے حدیثوں کی روایتیں لیں۔ اگر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں مکروفریب اور فسق وفجور ہوتا جیسا کہ آج کل بعض جاہلوں نے سمجھ رکھا ہے تو یہ بڑے بڑے صحابہ و تابعین حضرات ان سے حدیثوں کی روایتیں ہرگز قبول نہ کرتے۔

۷۔ بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد، نسائی، بیہقی اور طبرانی وغیرہ محدثین کرام نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کردہ حدیثوں کو قبول کیا اور اپنی اپنی کتابوں میں درج کیا۔ ان میں خاص کر امام بخاری اور امام مسلم ایسی محتاط ہستیاں ہیں کہ اگر کسی راوی میں ذرا بھی عیب پایا تو اس کی روایت لینے سے انکار کر دیا۔ تو ان بزرگوں کا

---

[۱] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ص۱۵۱ ج ۲

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایتوں کا قبول کرلینا بانگ دہل اعلان کررہا ہے کہ ان سب کے نزدیک حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ متقی، عادل اور ثقہ قابل روایت ہیں۔ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے اختلاف کے سبب مرتبۂ عدالت سے ساقط نہیں ہیں ورنہ یہ حضرات ان کی روایتیں ہرگز قبول نہ فرماتے۔

۸ ۔ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت امیر معاویہ کو دمشق کا حاکم مقرر کیا اور معزول نہ فرمایا جبکہ آپ حاکموں کے حالات پر کڑی نگاہ رکھتے تھے اور ذرا سی لغزش پر معزول فرما دیتے تھے جیسے کہ معمولی شکایت پر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسی بزرگ ہستی کو معزول فرما دیا۔

تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے سخت گیر آدمی کا حضرت امیر معاویہ کو دمشق کا حاکم مقرر فرمانا اور اپنی ظاہری حیات کے آخری لمحات تک اس اہم عہدے پر انھیں برقرار رکھنا حضرت امیر معاویہ کی عظمت و رفعت اور ان کی امانت و دیانت کا کھلم کھلا اقرار و اعلان ہے۔

۹ ۔ حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ۶ ماہ امور خلافت انجام دینے کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلافت سپرد کر دی اور ان کے ہاتھ پر بیعت کرلی پھر ان کے سالانہ وظیفے اور نذرانے قبول فرمائے۔ قسم ہے وحدہٗ لاشریک کی اگر حضرت امیر معاویہ باطل پرست ہوتے تو حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سر کٹا دیتے مگر ان کے ہاتھ میں ہاتھ نہ دیتے۔ اس لئے کہ

مرد حق باطل سے ہرگز خوف کھا سکتا نہیں
سر کٹا سکتا ہے لیکن سر جھکا سکتا نہیں

اور پھر رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت امام حسن کے اس فعل مبارک کی ان الفاظ میں تعریف فرمائی اِبْنِیْ هٰذَا سَیِّدٌ وَلَعَلَّ اللّٰهَ اَنْ یُّصْلِحَ بِهٖ بَیْنَ فِئَتَیْنِ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ۔ میرا بیٹا یہ سردار ہے امید کہ اللہ تعالیٰ

اس کے ذریعہ مسلمانوں کی دو جماعتوں میں صلح کرا دے گا[1]

اب اگر کوئی بدبخت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نااہل قرار دے تو حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر الزام آجائے گا کہ آپ نے نااہل کو خلافت کیوں سپرد کی اور امت کی باگ ڈور ان کے ہاتھ میں کیوں دی؟ جبکہ یہ سپردگی قلت و ذلت کی وجہ سے نہیں تھی اس لئے کہ چالیس ہزار سپاہی جان قربان کرنے کی بیعت آپ کے ہاتھ پر کر چکے تھے[2]

آپ کی سخاوت

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں سخاوت کا وصف بہت ممتاز تھا۔ آپ لوگوں کو بڑے بڑے انعام و اکرام سے نوازتے تھے خصوصاً حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت اقدس میں گرانقدر نذرانے پیش کرتے تھے۔ حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مشکوٰۃ شریف کی شرح میں حضرت عبداللہ بن بریدہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک بار حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت امیر معاویہ کے پاس تشریف لے گئے تو انھوں نے آپ سے کہا لَاُجِیْزَنَّکَ بِجَائِزَۃٍ لَمْ اُجِزْ بِھَا اَحَدًا قَبْلَکَ وَلَا اُجِیْزُ بِھَا اَحَدًا بَعْدَکَ۔ میں آپ کی خدمت میں اتنی نذر پیش کروں گا کہ اس سے پہلے کسی کو اتنی نذر نہیں دی ہے اور نہ آئندہ کسی دوسرے کو دوں گا۔ پھر انھوں نے چار لاکھ درہم حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں پیش کیا جنھیں آپ نے قبول فرمایا[3]

بِرادرانِ اسلام! ایک درہم ساڑھے تین ماشہ چاندی کا ہوا کرتا تھا چار لاکھ درہم کی کتنی چاندی ہوئی اور موجودہ بھاؤ سے اس کا کتنا روپیہ ہوا آپ لوگ بآسانی جوڑ سکتے ہیں۔ اتنی بڑی رقم اس افراط زر کے زمانہ میں ہو سکتا ہے بعض لوگوں کے

---

[1] بخاری صفحہ ۵۳۰ ج ۱ [2] حاشیہ بخاری صفحہ ۵۳۰ ج ۱ [3] الناہیہ صفحہ ۲۷

نزدیک کوئی خاص وقعت نہ رکھتی ہو لیکن اس زمانہ میں جبکہ ایک پیسہ بڑی محنت کرنے کے بعد ملتا تھا چار لاکھ درہم بہت بڑی اہمیت رکھتا تھا۔

ابن عساکر کی روایت ہے کہ جنگ صفین کے زمانہ میں حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے بھائی حضرت عقیل نے آپ سے کچھ روپیہ طلب کیا۔ حضرت علی نے نہیں دیا۔ انھوں نے کہا آپ اجازت دیجئے کہ میں امیر معاویہ کے پاس چلا جاؤں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا جاؤ۔ جب حضرت عقیل حضرت امیر معاویہ کے پاس گئے تو انھوں نے آپ کی بڑی عزت کی اور ایک لاکھ درہم نذرانہ پیش کیا[۱]

علامہ محمد بن محمود آملی اپنی کتاب نفائس الفنون میں تحریر فرماتے ہیں کہ ایک بار حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حاضرین مجلس سے فرمایا مَنْ اَنْشَأَ شِعْرًا فِیْ مَدْحِ عَلِیٍّ کَمَا یَلِیْقُ بِہٖ اَعْطَیْتُہٗ بِکُلِّ بَیْتٍ اَلْفَ دِیْنَارٍ۔ جو شخص حضرت علی کی تعریف میں ان کی شان کے لائق شعر کہے گا تو میں اسے فی شعر ایک لاکھ دینار دوں گا ایک دینار ساڑھے چار ماشہ سونے کا ہوتا تھا۔ حاضرین شعراء نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں اشعار کہے اور خوب انعام لئے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہر شعر پر فرماتے تھے عَلِیٌّ اَفْضَلُ مِنْہُ۔ علی اس سے بھی افضل ہیں۔ یہانتک کہ اسی مجلس میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں عمرو بن عاص شاعر کا ایک شعر آپ کو اتنا زیادہ پسند آیا کہ ایک ہی شعر پر اس کو سات ہزار دینار دیا[۲]

ان واقعات سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بے مثل سخاوت کیساتھ یہ بات بھی اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور انکے خاندان والوں کی آپ کے دل میں بڑی عزت تھی۔

---

[۱] صواعق محرقہ ص۱۸۰ [۲] الناہیہ ص۲۹

طیوریات میں سلیمان مخزومی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ایک بار حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دربار عام کیا اور جب تمام لوگ جمع ہو گئے تو آپ نے فرمایا کہ مجھے کسی عربی شاعر کے ایسے تین اشعار کوئی سنائے جن میں یہ خوبی ہو کہ ہر شعر کا مطلب اسی شعر میں پورا ہو جاتا ہو۔ لوگ یہ سن کر خاموش رہے اتنے میں حضرت ابو خبیب عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما آ گئے۔ حضرت امیر معاویہ نے فرمایا یہ عرب کے بسیار گو اور فصیح شخص آ گئے۔ پھر آپ نے کہا اے ابو خبیب! میں اس خوبی کے تین اشعار سننا چاہتا ہوں۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ میں سناؤں گا لیکن ہر شعر کے بدلے ایک لاکھ درہم لوں گا۔ آپ نے فرمایا مجھے منظور ہے پڑھو۔ تو عبداللہ بن زبیر نے یہ اشعار پڑھے۔

بَلَوْتُ النَّاسَ قَرْنًا بَعْدَ قَرْنٍ ❊ فَلَمْ اَرَ غَيْرَ خَتَّالٍ وَّقَالٍ

میں نے یکے بعد دیگرے بہت سے لوگوں سے ملاقاتیں کی ہیں لیکن میں نے سوائے غدار و مکار اور دشمنی کرنے والے کے کسی کو نہیں دیکھا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا سچ ہے۔ اب دوسرا شعر پڑھو

حضرت ابو خبیب نے دوسرا شعر یہ پڑھا

وَلَمْ اَرَ فِي الْخُطُوْبِ اَشَدَّ وَقْعًا ❊ وَاَصْعَبَ مِنْ مُّعَادَاتِ الرِّجَالِ

میں نے حوادث اور صعوبات زمانہ میں لوگوں کی دشمنی کے سوا اور کچھ نہیں دیکھا

آپ نے فرمایا سچ ہے۔ پھر تیسرا شعر پڑھنے کے لئے کہا تو حضرت عبداللہ بن زبیر نے تیسرا شعر یہ پڑھا۔

وَذُقْتُ مَرَارَةَ الْاَشْيَاءِ طُرًّا ❊ فَمَا طَعْمٌ اَمَرُّ مِنَ السُّؤَالِ

میں نے ہر چیز کی تلخی کو چکھا ہے مگر کسی چیز کے مانگنے کی تلخی سے زیادہ کوئی چیز تلخ نہیں ہے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا بالکل سچ ہے۔ پھر وعدہ کے

مطابق حضرت ابوخبیب عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو تین لاکھ درہم عطا فرمایا۔[1]

آپ حاکم کیسے بنے؟

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ دمشق کے حاکم یوں ہوئے کہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانۂ مبارکہ میں ملک شام فتح ہوا تو آپ نے دمشق کا حاکم حضرت امیر معاویہ کے بھائی حضرت یزید بن ابوسفیان کو مقرر فرمایا۔ اتفاق سے اپنے بھائی کے ساتھ حضرت امیر معاویہ بھی ملک شام گئے تھے جو انھیں کے پاس رہ گئے تھے۔ جب حضرت یزید بن ابوسفیان کے انتقال کا وقت قریب آیا تو انھوں نے اپنی جگہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حاکم مقرر کر دیا۔ یہ تقرر حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانۂ خلافت میں ہوا۔ آپ نے ان کے تقرر کو برقرار رکھا اور پورے عہد فاروقی میں وہ دمشق کے حاکم رہے۔ یہاں تک کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں حضرت امیر معاویہ کو پورے ملک شام کا حاکم بنا دیا۔ اس طرح آپ نے عہد فاروقی و عثمانی میں بحیثیت حاکم بیس سال حکومت کی اور پھر بعد میں بحیثیت خلیفہ بیس سال حکمراں رہے۔[2]

آپ کی آخری وصیت

علامہ ابواسحٰق اپنی کتاب نور العین فی مشہد الحسین میں تحریر فرماتے ہیں کہ جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کا وقت قریب آیا تو یزید نے پوچھا کہ ابا جان! آپ کے بعد خلیفہ کون ہوگا؟ تو آپ نے فرمایا خلیفہ تو تو ہی بنے گا مگر جو کچھ میں کہتا ہوں اسے غور سے سن۔ کوئی کام حضرت امام حسین کے مشورہ کے بغیر مت کرنا۔ انھیں کھلائے بغیر نہ کھانا۔ انھیں پلائے بغیر نہ پینا۔ سب سے پہلے ان پر خرچ کرنا پھر کسی اور پر۔ پہلے انھیں پہنانا پھر خود پہننا۔ میں تجھے حضرت امام حسین، ان کے گھر والوں اور ان کے کنبے بلکہ سارے بنی ہاشم کے لئے اچھے سلوک کی وصیت کرتا ہوں۔

---

[1] تاریخ الخلفاء ص ۱۲۸ [2] ایضاً ص ۱۳۲

اے بیٹے! خلافت میں ہمارا حق نہیں وہ امام حسین، ان کے والد حضرت علی اور ان کے اہل بیت کا حق ہے۔ تم چند روز خلیفہ رہنا پھر جب حضرت امام حسین پورے کمال کو پہنچ جائیں تو پھر وہی خلیفہ ہوں گے یا جسے وہ چاہیں تاکہ خلافت اپنی جگہ پہنچ جائے ہم سب امام حسین اور ان کے نانا کے غلام ہیں انھیں ناراض نہ کرنا ورنہ تجھ پر اللہ و رسول ناراض ہوں گے۔ تو پھر تیری شفاعت کون کرے گا [1]

آپ کی وفات

علامہ خطیب تبریزی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات ماہ رجب ۶۰ھ میں لقوہ کی بیماری سے مقام دمشق میں ہوئی جب کہ آپ کی عمر ۷۸ سال تھی۔

(الاکمال فی اسماء الرجال)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرض وفات میں بار بار فرماتے تھے یَا لَیْتَنِیْ کُنْتُ رَجُلًا مِّنْ قُرَیْشٍ بِذِیْ طُوًی وَلَمْ اَرَ مِنْ ھٰذَا الْاَمْرِ شَیْئًا یعنی اے کاش! میں قریش کا ایک معمولی انسان ہوتا جو ذی طوی گاؤں میں رہتا اور ان جھگڑوں میں نہ پڑتا جن میں پڑ گیا۔ اور بوقت وفات آپ نے وصیت فرمائی کہ میرے پاس حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی لنگی حضور کی چادر اور کرتا مبارک ہے۔ کچھ ان کے بال اور ناخن اقدس کے تراشے ہیں۔ مجھے کفن میں حضور کا کرتا پہنایا جائے حضور کی چادر میں لپیٹا جائے، حضور کی لنگی مجھے باندھ دی جائے اور میرے ان اعضا پر جن سے سجدہ کیا جاتا ہے حضور کے موئے مبارک اور تراشۂ ناخن اقدس رکھ دیئے جائیں اور مجھے ارحم الراحمین کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا جائے [2]

آپ کی کرامتیں

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ صاحب کرامت صحابی ہیں۔ چنانچہ کتاب تطہیر الجنان میں فرمایا سند صحیح سے

---

[1] امیر معاویہ پر ایک نظر ص ۹۳ [2] مرقاۃ شرح مشکوۃ ص ۶۲۸ ج ۵

روایت ہے کہ جب حضرت امیر معاویہ کو حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کی خبر پہنچی تو آپ نے فرمایا کہ مکہ والوں نے رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مکہ شریف سے ہجرت کرنے پر مجبور کیا تو وہاں کبھی خلافت نہ ہوئی اور نہ آئندہ ہوگی۔ اور مدینہ منورہ میں خلیفۃ المسلمین حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کیا گیا تو وہاں سے خلافت نکل گئی اب کبھی وہاں خلافت نہ ہوگی۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اتنا زمانہ گذر گیا مگر آج تک حرمین شریفین دار الخلافت نہ بنے۔ مکہ معظمہ میں اگرچہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خلافت کا دعویٰ کیا تھا مگر وہ صرف خلافت کی صورت تھی حقیقت میں خلافت نہ تھی لیکن مدینہ منورہ میں آج تک صورۃً بھی خلافت نہ ہوئی کہ حضرت سیدنا علی مرتضی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے کوفہ کو اپنا دار الخلافت بنایا اور ان کے بعد کسی خلیفہ نے مدینہ منورہ کو دار الخلافت نہیں بنایا۔ اور یہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کھلی ہوئی کرامت ہے [1]

اور آپ کی دوسری کرامت یہ ہے کہ جب آپ نے یزید کو اپنا ولی عہد مقرر کیا تو دعا فرمائی اے مولیٰ تعالیٰ! اگر یزید اس کا اہل نہ ہو تو اس کی سلطنت کو کامل نہ فرما۔ چنانچہ آپ کی دعا کے مطابق ہی ہوا کہ یزید پلید حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد تین سال کچھ ماہ زندہ رہا مگر اس کی سلطنت پایۂ تکمیل کو نہ پہنچ سکی [2]

اور آپ کی ایک کرامت وہ ہے جسے عارف باللہ مولانا جلال الدین محمد رومی قدس سرہٗ نے اپنی مثنوی شریف کے دفتر دوم میں تحریر فرمایا ہے

در خبر آمد کہ خال مومناں ‏ ‏ ‏ ‏ بود اندر قصر خود خفتہ شباں

حدیث شریف میں آیا ہے کہ مومنوں کے ماموں یعنی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رات کے وقت اپنے محل میں سوئے ہوئے تھے۔

---

[1] امیر معاویہ پر ایک نظر ص۴۷ [2] ایضاً ص۴۲

ناگہاں مردے وَرا بیدار کرد　　چشم چوں بکشاد پنہاں گشت مَرد

اچانک ایک شخص نے ان کو بیدار کیا۔ جب آپ کی آنکھ کھلی تو وہ چھپ گیا۔ پھر آپ نے پورے کمرہ میں غور سے نظر ڈالی تو دیکھا کوئی پردے کے پیچھے چھپنے کی کوشش کر رہا ہے

گفت ہی تو کیستی نام تو چیست　　گفت نامم فاش ابلیسِ شقی ست

آپ نے فرمایا اے چھپنے والے! تو کون ہے؟ اور تیرا نام کیا ہے؟ اس نے کہا میرا ظاہر نام ابلیسِ شقی ہے۔ آپ نے فرمایا تو نے مجھے کیوں بیدار کیا؟

گفت ہنگامِ نماز آخر رسید　　سوئے مسجد زود می باید دَوید

ابلیس نے کہا کہ نماز کا وقت ختم ہو رہا ہے۔ آپ کو مسجد میں بہت جلد جانا چاہئے۔ آپ نے فرمایا کہ تو کسی مسلمان کو بھلائی کی طرف ہرگز نہیں بلا سکتا یقیناً تیری غرض کوئی اور ہوگی۔ اس نے کہا اس کے علاوہ میری کوئی غرض نہیں ہے۔ میں ہمیشہ اچھے لوگوں کو بھلائی کی طرف رہنمائی کرتا ہوں! اور برے لوگوں کی بھی پیشوائی کرتا ہوں

باغبانم شاخِ تری پرورم　　شاخہائے خشک را ہم می بُرم

میں باغبان ہوں۔ ہری شاخوں کی دیکھ بھال کرتا ہوں اور سوکھی ٹہنیوں کو کاٹتا ہوں۔

گر ترا بیدار کردم بہر دیں　　خوئے اصلِ من ہمین ست وہمیں

اگر ہم نے آپ کو دین کے لئے بیدار کیا تو آپ تعجب نہ کریں۔ ہماری پرانی اور خاص عادت یہی ہے۔

آپ نے فرمایا اے مکار! تو اور بھلائی کی طرف رہنمائی کرے۔ یہ سب فریب کی باتیں ہیں۔ سچ بتا کہ تو نے ہمیں بیدار کیوں کیا؟ جب تک تو سچی بات نہیں بتائے گا میں تجھے جانے نہیں دوں گا۔ آخر ابلیس سچی بات بتانے پر مجبور ہو گیا۔

از بُنِ دندان بگفتش اے فلاں　　کردمت بیدار من از بہر آں

دبی زبان سے اس نے کہا اے امیر معاویہ! بیدار کرنے کا مقصد یہ ہے کہ

تا رسی اندر جماعت در نماز — از پئے پیغمبر دولت فراز

آپ پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پیچھے نماز با جماعت ادا فرمالیں۔

گر نمازت فوت می شد ایں زماں — می زدی از دُودِ دل آہ و فغاں

کیوں کہ اس وقت اگر نماز قضا ہو جاتی تو آپ دل سے آہ و بکا کرتے۔

آں تاسُّف واں فغاں وآں نیاز — در گزشتی از دو صد رکعت نماز

اس افسوس کرنے، رونے اور عاجزی کرنے سے آپ کو دو سو رکعت سے زیادہ کا ثواب مل جاتا۔ اور زیادہ ثواب ملنے سے مجھے تکلیف ہوتی۔ اس لئے میں نے آپ کو بیدار کر دیا۔

من حسُودم از حسد کردم چُنیں — من عدُوّم کارِ من مکر ستُ وکیں

میں حاسد ہوں۔ حسد سے میں نے ایسا کام کیا تاکہ ثواب زیادہ نہ ملنے پائے میں آپ کا دشمن ہوں میرا کام مکاری اور فریب ہے۔

گفت اکنوں راست گفتی صادقی — از تو ایں آید تو ایں را لائقی

آپ نے فرمایا اب تو نے سچ کہا اور اپنے اس بیان میں تو سچا ہے۔ تجھ سے یہی ہوگا اور تو اسی لائق ہے۔ ابلیس جو کسی کے قبضہ میں نہیں آتا ہے وہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی گرفت سے نہیں نکل سکا۔ اور نہ ان کو فریب دے سکا۔ یہ آپ کی واضح کرامت ہے۔

آپ پر کئے گئے اعتراضات اور انکے جوابات

برادرانِ اسلام! حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات پر کچھ لوگ اعتراضات کرتے ہیں۔ ہم ان کے اعتراضات کو نقل کرنے کے بعد اپنے مدلل جوابات پیش کریں گے۔ آپ لوگ بغور سماعت فرمائیں۔

پہلا اعتراض یہ ہے کہ امیر معاویہ نے ہزاروں مسلمانوں کو قتل کیا اور کرایا۔ اگر یہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جنگ نہ کرتے تو مسلمانوں کا اتنا قتل نہ ہوتا اور مومن کو قتل کرنے والا ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔ خدائے تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا۔ (پ ۵ ع ۱۰)

جو شخص کسی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کرے تو اس کا بدلہ جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیگا۔ اور اللہ تعالیٰ اس پر غضب اور لعنت فرمائے گا اور اس کے لئے بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

لہٰذا امیر معاویہ اس آیت کے احکام میں داخل ہیں۔

جواب اس اعتراض کے دو ہیں۔ اول الزامی اور وہ یہ ہے کہ پھر تو حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر بھی یہی الزام عائد ہو سکتا ہے اس لئے کہ ان لوگوں نے بھی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جنگ کی جس میں ہزاروں مسلمان شہید ہوئے۔ جبکہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا جنتی ہونا ایسا ہی یقینی ہے جیسا کہ جنت کا ہونا اس لئے کہ ان کے جنتی ہونے پر قرآن کی آیت شاہد ہے۔ اور حضرت طلحہ و حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی قطعاً جنتی ہیں اس لئے کہ یہ دونوں حضرات عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔

اس اعتراض کا دوسرا جواب تحقیقی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ مومن کے قتل کی تین صورتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس کے قتل کو حلال سمجھے اور یہ کفر ہے۔ اس لئے کہ مومن کا قتل حرام قطعی ہے اور حرام قطعی کو حلال سمجھنا کفر ہے اور آیت کریمہ میں قتل کی یہی صورت مراد ہے۔ اس لئے کہ کفر والا ہی جہنم میں ہمیشہ رہے گا نہ کہ ایمان والا۔ دوسرے یہ کہ مومن کے قتل کو حلال نہیں سمجھتا مگر دنیاوی جھگڑے میں اسے قتل کر دیا۔ یہ کفر نہیں ہے بلکہ فسق

اور گناہ کبیرہ ہے جیسے حلال نہ سمجھتے ہوئے شراب پینا اور نماز کا قصداً ترک کرنا۔ اور تیسری صورت خطائے اجتہادی سے ایک مومن کا دوسرے مومن کو قتل کرنا۔ یہ نہ کفر ہے نہ فسق۔ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جنگ اسی تیسری قسم میں داخل ہے آپ مجتہد تھے جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے فرمان سے پہلے معلوم ہو چکا ہے۔ اور مجتہد اگر اپنے اجتہاد میں خطا کرے تو اس پر کوئی مواخذہ نہیں۔

اگر ہمارا یہ جواب معترض کو تسلیم نہیں تو پھر یہی اعتراض حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر بھی ہوگا کہ انھوں نے بھی حضرت عائشہ و حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی جنگ میں بے شمار مومنوں کو قتل کیا اور کرایا۔ خدائے عزوجل سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

دوسرا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ امیر معاویہ کے دل میں اہل بیت سے دشمنی تھی اس لئے انھوں نے اہل بیت کو ستایا اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ جس نے علی کو ستایا اس نے مجھ کو ستایا۔ اور امیر معاویہ نے اہل بیت سے جنگ کی اور حضور نے فرمایا ہے جس نے ان سے جنگ کی اس نے مجھ سے جنگ کی اور سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے جنگ کرنے والا مومن کب ہو سکتا ہے۔

جواب اس اعتراض کے بھی دو ہیں۔ اول الزامی اور وہ یہ ہے کہ حضرت عائشہ، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر بھی یہی اعتراض وارد ہوگا کہ ان حضرات نے بھی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جنگ کی ہے بلکہ کوئی مخالف حضرت علی کے بارے میں بھی یہی کہہ سکتا ہے کہ ان کے دل میں حضرت عائشہ، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بغض و عداوت تھی اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تمام صحابہ کے بارے میں فرمایا ہے مَنْ اَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِيْ اَبْغَضَهُمْ یعنی جس نے صحابہ سے بغض رکھا اس نے میرے بغض کے سبب ان سے بغض رکھا۔

غرضکہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر اس قسم کا اعتراض کرنے سے بہت سے صحابہ اور اہل بیت پر اعتراض وارد ہوگا۔ خدائے تعالیٰ ایسے لوگوں کو ہدایت نصیب فرمائے۔

اب اس اعتراض کا دوسرا جواب تحقیقی ہے اور وہ یہ ہے کہ مخالفت اہل بیت کی تین قسمیں ہیں۔ اول حضور کے اہل بیت ہونے کی بنیاد پر ان سے جلنا اور یہ کفر ہے۔ کیونکہ اس بنیاد پر ان سے جلنا حضور سے دشمنی کی خبر دیتا ہے جو کفر ہے۔ دوسرے کسی دنیاوی وجہ سے ناراض ہونا اگر اس میں نفسانیت شامل ہے تو گناہ ہے ورنہ نہیں۔ جیسے کہ حضرت علی وحضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مابین خانگی معاملات میں بارہا شکر رنجی ہوئی ہے۔ تیسرے خطائے اجتہادی کی بنیاد پر اہل بیت سے نا اتفاقی ہو جائے۔ یہ نہ کفر ہے اور نہ گناہ۔ حضرت امیر معاویہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تمام جنگیں اسی تیسری قسم کی تھیں۔ ان سب کے سینے ایک دوسرے کے کینے سے پاک تھے۔

حضرت امام احمد بن حنبل اپنے مسند میں روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کوئی مسئلہ پوچھا آپ نے فرمایا اِسْأَلْ عَنْهَا عَلِيًّا فَهُوَ اَعْلَمُ۔ اس مسئلہ کو حضرت علی سے پوچھو کہ وہ بڑے عالم ہیں۔ اس نے کہا آپ ہی مسئلہ بتا دیں کہ آپ کا جواب مجھے ان کے جواب سے زیادہ پسند ہے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ تو نے بہت بری بات کہی ہے۔ کیا تو ان سے نفرت کرتا ہے جن کی عزت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کرتے تھے اور جن سے حضور نے فرمایا اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُّوْسٰی اِلَّا اَنَّهٗ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ یعنی اے علی! تم میرے لئے ایسے ہو جیسے حضرت موسیٰ کے لئے حضرت ہارون لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ پھر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اے مسئلہ پوچھنے والے! سن۔ حضرت علی کی عظمت کا یہ حال ہے کہ جب حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کوئی مشکل مسئلہ درپیش ہوتا تو وہ حضرت علی سے حل کراتے تھے اتنا فرمانے کے بعد آپ نے اس سے فرمایا قُمْ لَا اَقَامَ اللّٰهُ رِجْلَیْكَ تو میرے پاس سے اٹھ جا۔ اللہ تعالیٰ تیرے پیروں کو قیام نصیب نہ فرمائے۔ وہ شخص آپ کے یہاں سے وظیفہ پاتا تھا مگر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں اس بے ادبی کے سبب

آپ نے اس کا نام وظیفہ پانے والے رجسٹر سے خارج کروا دیا[۱]

اور محمد بن محمود آملی نے نفائس الفنون میں تحریر فرمایا ہے کہ حضرت امیر معاویہ کی مجلس میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکر کیا گیا تو آپ نے فرمایا علی شیر تھے۔ علی چودھویں رات کا چاند تھے اور علی رحمت خدا کی بارش تھے۔ حاضرین میں سے کسی شخص نے پوچھا کہ آپ افضل ہیں یا علی؟ تو آپ نے فرمایا خُطُوْطٌ مِّنْ عَلِیٍّ خَیْرٌ مِّنْ اٰلِ اَبِیْ سُفْیَانَ۔ علی کے نقش قدم ابوسفیان کی آل سے بہتر ہیں[۲]

اور شیخ نور الحق بخاری شریف کے ترجمہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ جنگ جمل کے دن حضرت علی نے حضرت طلحہ جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ تھے ان کی لاش کو دیکھا تو حضرت علی اس قدر روئے کہ ان کی داڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی[۳]

اور علامہ فرہاروی مؤلف نبراس لکھتے ہیں کہ حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنگ جمل سے الگ ہو کر نماز پڑھ رہے تھے کہ اسی حالت میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک سپاہی عمرو بن جرموز نے ان کو شہید کر دیا اور جب ان کی تلوار حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پیش کی گئی تو آپ نے فرمایا مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے بَشِّرْ قَاتِلَ ابْنِ صَفِیَّۃَ بِالنَّارِ۔ ابن صفیہ یعنی حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قاتل کو جہنم کی خوشخبری دیدو۔ یہ سن کر عمرو بن جرموز نے کہا اے علی! آپ کا معاملہ عجیب ہے۔ اگر ہم آپ سے لڑیں تو جہنمی اور آپ کی طرف سے لڑیں تو جہنمی۔ یہ کہہ کر غصہ میں اس نے اپنے پیٹ میں تلوار گھونپ کر خودکشی کر لی[۴]

ان واقعات سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ صحابۂ کرام میں اختلاف ضرور رہا مگر وہ

---

[۱] الناہیہ ص۲۷ [۲] ایضاً ص۲۸ [۳] ایضاً ص۱۲ [۴] ایضاً ص۱۳

ایک دوسرے کی عزت کرتے تھے، آپس میں محبت رکھتے تھے، ان کے سینے ایک دوسرے کے بغض و عداوت اور کینے سے پاک تھے جیسے کہ بھائی بھائی میں اختلاف ہو جاتا ہی یہاں تک کہ نوبت لڑائی تک پہنچ جاتی ہے مگر ایک دوسرے سے بغض و عداوت نہیں رکھتا۔ خلاصہ یہ کہ اختلاف اور چیز ہے اور بغض و عداوت اور چیز ہے۔ صحابہ کا آپس میں اختلاف رہا مگر کینہ اور بغض نہیں رہا۔

اختلاف کی وجہ

برادرانِ ملت! حضرت علی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما میں اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ امیر المؤمنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر کو مصر کے بلوائیوں نے گھیر لیا، ان پر پانی بند کر دیا اور پھر ان کو نہایت بے دردی کے ساتھ شہید کر دیا۔ اس کے بعد مہاجرین و انصار کے اتفاق رائے سے جب امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ مقرر ہوئے تو ان سے خون عثمان کے قصاص کا مطالبہ کیا گیا مگر وہ بعض مصلحتوں کی بنا پر قاتلین سے قصاص نہ لے سکے۔ جب یہ خبر ملک شام میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پہنچی تو انھوں نے حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو پیغام بھیجا کہ امیر المؤمنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مدینہ طیبہ میں شہید کر دیا جانا بہت اہم معاملہ ہے۔ لہٰذا جلد سے جلد قاتلین کو پوری سزا دی جائے اور ان پر قصاص جاری کیا جائے مگر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ موجودہ حالات سے مجبور تھے اس لئے وہ قاتلین کو کوئی سزا نہیں دے سکے۔ عبد اللہ بن سبا کا گروہ جو اس فتنہ کی جڑ تھا اور مسلمانوں کو آپس میں لڑا کر اسلام کی طاقت کو کمزور کرنا چاہتا تھا ان میں سے بہت سے لوگوں نے ملک شام پہنچ کر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ یقین دلایا کہ علی قصاص لینے میں کوتاہی کر رہے ہیں۔ تو حضرت امیر معاویہ نے مسلسل کئی قاصدوں کو بھیج کر قصاص کا شدت سے مطالبہ کیا۔ اور جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اب بھی قاتلین پر قصاص جاری نہ کر سکے تو اب حضرت امیر معاویہ کے دل میں یہ بات جم گئی کہ علی خلافت کے لائق نہیں کیونکہ جب ایسے اہم خون کا وہ

قصاص نہیں لے سکتے اور قاتلین کو کوئی سزا نہیں دے سکتے تو خلافت کے دیگر امور وہ کیا انجام دے سکتے ہیں۔ حضرت علی سے حضرت امیر معاویہ کے اختلاف کی اصل وجہ یہی ہے۔ اور حضرت عائشہ صدیقہ و حضرت علی کے مابین بھی اسی بنیاد پر اختلاف ہوا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

تیسرا اعتراض جو بہت اہم سمجھا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ امیر معاویہ نے اپنی زندگی میں یزید کو اپنا خلیفہ مقرر کر دیا۔ اس میں انھوں نے تین غلطیاں کیں۔ اول یہ کہ خلیفہ کا انتخاب عام لوگوں کی رائے سے ہونا چاہئے انھوں نے یزید کو خود کیوں خلیفہ بنا دیا۔ دوسرے یہ کہ اپنے بیٹے کو اپنا جانشین بنانا قانون اسلام کے خلاف ہے۔ تیسرے یزید جیسے فاسق و فاجر کے ہاتھ میں حکومت کی باگ ڈور دیدینا ان کا سب سے بڑا جرم ہے۔ کربلا کے سارے واقعات کی ذمہ داری انھیں پر ہے۔ اگر وہ یزید کو خلیفہ نہ بنائے ہوتے تو کربلا کا ایسا دردناک واقعہ نہ ہوتا۔ اور جب یزید جیسے فاسق و فاجر کو نماز کا امام بنانا درست نہیں تو اسے امام المسلمین بنانا کیسے جائز ہو سکتا ہے۔

جواب یہ ہے کہ خلیفہ کا اپنی زندگی میں دوسرے کو خلیفہ بنانا جائز ہے اس لئے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی زندگی میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلیفہ مقرر کیا تھا۔ رہا اپنے بیٹے کو اپنا جانشین بنانا تو یہ قرآن و حدیث سے منع نہیں اسی لئے آج کل عام طور پر صوفیہ و مشائخ اپنی اولاد کو اپنا جانشین بناتے ہیں۔ جن لوگوں کو بیٹے کے جانشین بنانے پر اعتراض ہے وہ قرآن و حدیث سے اس کا غلط ہونا ثابت کریں۔ رہی یہ دلیل کہ خلفائے اربعہ میں سے کسی نے اپنے بیٹے کو جانشین مقرر نہیں کیا اس لئے یہ ناجائز ہے۔ تو یہ دلیل غلط ہے اس لئے کہ خلفائے اربعہ کے نہ کرنے کے سبب اگر ناجائز ہو جائے تو انھوں نے بہت سا کام نہیں کیا ہے جیسے قرآن مجید پر اعراب لگانا، حدیث شریف کو کتابی شکل میں جمع کرنا اور فقہ کی تدوین وغیرہ یہ سب کام ناجائز ہو جائیں گے۔

رہا یزید کا فسق و فجور تو یہ کہیں ثابت نہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زندگی میں یزید فاسق و فاجر تھا اور نہ یہ ثابت ہے کہ انھوں نے یزید کو فاسق و فاجر جانتے ہوئے اپنا جانشین بنایا۔ یزید کا فسق و فجور دراصل حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے بعد ظاہر ہوا۔ اور فسق ظاہر ہونے کے بعد فاسق قرار دیا جاتا ہے نہ کہ پہلے۔ دیکھئے ابلیس لعین پہلے معلم الملکوت اور عزت و عظمت والا تھا پھر جب اس سے کفر ظاہر ہوا تب اسے کافر قرار دیا گیا۔ تو فسق ظاہر ہونے سے پہلے یزید کو فاسق کیسے ٹھہرایا جا سکتا ہے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیسے مورد الزام ہو سکتے ہیں۔

اگر کوئی روایت ایسی ہو جس سے یہ ثابت ہو کہ حضرت امیر معاویہ کو یزید کے فسق و فجور کی خبر تھی اس کے باوجود انھوں نے اسے اپنا ولی عہد مقرر کیا تو وہ روایت جھوٹی ہے اور اس کا راوی کذاب ہے اس لئے کہ وہ صحابی کا فسق ثابت کرتا ہے جبکہ سارے صحابہ کا عادل متقی اور پرہیز گار ہونا جمہور کے نزدیک مسلم ہے۔

رہی یہ بات کہ یزید کو خلیفہ بنانے کے سبب کربلا کے سارے واقعات کی ذمہ داری حضرت امیر معاویہ پر ہے تو کوئی کہہ سکتا ہے نہیں بلکہ حضرت امام حسن پر ہے اس لئے کہ چالیس ہزار سپاہی جنھوں نے جان قربان کرنے کی آپ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اگر آپ ان کو لے کر حضرت امیر معاویہ کا مقابلہ کرتے تو اسی زمانہ میں ان کا قلع قمع ہو جاتا۔ یزید کو سارے ممالک اسلامیہ کے خلیفہ بنائے جانے کا سوال ہی نہیں رہ جاتا مگر اس کی بجائے حضرت امام حسن نے خلافت ان کے سپرد کر دی اور انھوں نے یزید کو اپنا جانشین بنا دیا تو دراصل واقعات کربلا کی ساری ذمہ داری امام حسن پر ہے۔

اور پھر کوئی یہ بھی کہے گا کہ حضور کے چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی حضرت ام الفضل رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو جب بچہ پیدا ہوا اور وہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئیں تو حضور نے بچے کا نام عبد اللہ رکھا اور فرمایا اِذْهَبِیْ بِاَبِی الْخُلَفَاءِ۔ خلفاء کے باپ کو لے جا۔ پھر فرمایا هٰذَا اَبُو الْخُلَفَاءِ

حَتّٰی یَکُوْنَ مِنْھُمُ السَّفَّاحُ حَتّٰی یَکُوْنَ مِنْھُمُ الْمَھْدِیْ ۔ یہ خلفاء کا باپ ہے انھیں میں سے سفّاح ہوگا انھیں میں سے مہدی [1]

دیکھئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پیٹھ سے کئی پشت کے بعد پیدا ہونے والوں کے بارے میں بتا دیا کہ وہ خلیفہ ہونگے اور ان کے نام بھی بتا دئیے۔ تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خوب جانتے تھے کہ حضرت امیر معاویہ کی پشت سے یزید پیدا ہوگا تو انھوں نے حضرت امیر معاویہ سے کیوں نہیں وصیت کر دی کہ تم یزید کو خلیفہ ہرگز مت بنانا۔ اور جب ساری باتوں کو جانتے ہوئے حضور نے منع نہیں فرمایا تو واقعات کربلا کی ساری ذمہ داری انہی پر ہے۔

اور پھر کوئی بدبخت یہ بھی کہے گا کہ اللہ تعالیٰ نے یزید کو پیدا ہی کیوں کیا تھا۔ اور اگر پیدا کر دیا تھا تو حضرت امیر معاویہ ہی کی زندگی میں اس پر موت واقع کر دیتا۔ مگر اس نے ایسا نہیں کیا۔ تو اس میں کسی کی کوئی خطا نہیں ہے۔ کربلا کے خونی واقعہ کی ساری ذمہ داری اللہ تعالیٰ پر ہے۔

بِرَادَرَانِ اِسْلَامْ! دیکھا آپ لوگوں نے کہ اعتراض کرنے والے کہاں سے کہاں تک پہنچے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور خدائے تعالیٰ کو بھی نہیں چھوڑا اور ان پر بھی اعتراض کر دیا۔ لہٰذا اے ہمارے سنی بھائیو! سلامتی اسی میں ہے کہ صحابۂ کرام کے مابین جو اختلافات ہوئے ہیں ان میں بحث نہ کرو ان کا معاملہ خدائے تعالیٰ کے سپرد کرو کہ اس میں پڑنے سے ایمان جانے کا اندیشہ ہے۔

غنیۃ الطالبین جو شیخ عبدالقادر جیلانی حضور غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تصنیف مشہور ہے اس کے صفحہ ۱۷۵ کے ارشاد کا ترجمہ یہ ہے کہ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ

---

[1] دلائل النبوۃ بحوالہ الدولۃ المکیہ صفحہ ۱۵۴

تعالیٰ عنہم سے جو جنگ کی ہے اس کے بارے میں امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تصریح فرمائی ہے کہ اس میں اور صحابہ کی تمام جنگوں میں بحث کرنے سے باز رہنا چاہیئے اس لئے کہ علی مرتضیٰ ان صحابہ سے جنگ کرنے میں حق پر تھے اور جو کوئی ان کی اطاعت سے خارج ہوا اور ان کے مقابل جنگ آزما ہوا اس نے امام برحق سے بغاوت کی لہٰذا اس سے جنگ جائز ہوئی۔ اور جن لوگوں نے علی مرتضیٰ سے جنگ کی جیسے حضرت طلحہ، حضرت زبیر اور حضرت امیر معاویہ تو انھوں نے حضرت عثمان کے خون کے بدلہ کا مطالبہ کیا جو کہ خلیفہ برحق اور مظلوم ہو کر شہید کئے گئے اور حضرت عثمان کے قاتلین حضرت علی کی فوج میں شامل تھے۔ لہٰذا ان میں سے ہر ایک صحیح تاویل کی طرف گئے۔

اور اسی غنیۃ الطالبین کے صفحہ ۱۶۳ پر ہے۔ سارے اہل سنت اس بات پر متفق ہیں کہ صحابۂ کرام کی جنگوں میں بحث سے باز رہا جائے۔ اور انھیں برا کہنے سے پرہیز کیا جائے۔ ان کے فضائل اور ان کی خوبیاں ظاہر کی جائیں اور ان بزرگوں کا معاملہ رب کے سپرد کیا جائے جیسے وہ اختلافات جو حضرت علی، حضرت عائشہ، حضرت معاویہ، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں واقع ہوئے۔

اور حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فقہ اکبر میں فرماتے ہیں نَتَوَلّٰهُمْ جَمِیْعًا وَلَا نَذْكُرُ الصَّحَابَةَ اِلَّا بِخَیْرٍ یعنی ہم اہل سنت تمام صحابہ سے محبت کرتے ہیں اور انھیں بھلائی سے ہی یاد کرتے ہیں۔

اور حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جو اکابرین اولیاء میں سے ہیں ارشاد فرماتے ہیں۔

"خلافے و نزاع کہ درمیان اصحاب واقع شدہ بود محمول برہوائے نفسانی نیست در صحبت خیر البشر نفوس ایشاں بتزکیہ رسیدہ بودند"

جو جھگڑے اور لڑائیاں صحابۂ کرام میں ہوئیں وہ نفسانیت کی بنا پر نہ تھیں اسلئے کہ صحابہ کے نفوس حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی برکت سے پاک ہو چکے تھے۔ (مکتوبات جلد اول صفحہ ۸۷)

برادرانِ اہلسنت! آپ لوگوں نے حضرت غوث اعظم، حضرت امام اعظم اور حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ارشادات مبارکہ کو سن لیا۔ اگر واقعی آپ ان بزرگوں کے ماننے والے ہیں اور ان سے محبت کرنے والے ہیں تو ان کے فرمان پر عمل کریں۔ صحابۂ کرام کی جنگوں کے متعلق بحث نہ کریں، ان کے معاملہ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کریں، حضرت امیر معاویہ اور کسی صحابی سے بغض و عناد نہ رکھیں، سب سے محبت کریں اور سب کو بھلائی ہی سے یاد کریں، کسی بھی صحابی پر لعن طعن نہ کریں کہ اللہ و رسول کی ناراضگی کا سبب ہے۔ جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین وبارک وسلم

سید الشہدا حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ

الحمد للہ رب المشرقین ورب المغربین والصلاۃ والسلام علیٰ نبینا جد الحسن والحسین وعلیٰ اٰلہ واصحابہ الذین فازوا فی الدارین۔ اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ قَدْ جَآءَکُمْ مِّنَ اللّٰہِ نُوْرٌ۔ صدق اللہ العلی العظیم وصدق رسولہ النبی الکریم ونحن علیٰ ذٰلک لمن الشاھدین والشاکرین والحمد للہ رب العٰلمین

ایک مرتبہ ہم اور آپ سب لوگ مل کر ساری کائنات کے آقا ومولیٰ جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دربار دُر دبار میں بلند آواز سے درود شریف کا نذرانہ اور ہدیہ پیش کریں۔ صلی اللہ علی النبی الامی واٰلہ صلی اللہ علیہ وسلم صلاۃً وسلاماً علیک یارسول اللہ۔

حضرات! حمد وصلاۃ کے بعد قرآن مقدس کی آیت کریمہ کے جس ٹکڑے کی تلاوت کا شرف ہم نے حاصل کیا ہے یعنی قَدْ جَآءَکُمْ مِّنَ اللّٰہِ نُوْرٌ۔ اسکا ترجمہ یہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی جانب سے تمہارے پاس نور آگیا۔ اس آیت کریمہ میں ہمارے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نور فرمایا گیا ہے۔ اور نور وہ ہے جو خود روشن وچمکدار ہو اور دوسروں کو روشن وچمکدار بنائے۔ دیکھئے آفتاب نور ہے جو روشن وتابناک ہے اور جس پر وہ اپنا عکس ڈالتا ہے اسے بھی روشن وتابناک بنا دیتا ہے مگر وہ صرف

ظاہر کو چمکاتا ہے اور ہمارے آقا و مولیٰ پیارے مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایسے نور ہیں جو ظاہر و باطن دونوں کو چمکاتے ہیں۔ تو جو لوگ کہ اس نور سے چمکے وہ خوب چمکے۔ پھر ان میں جو نور کی گود میں کھیل کر بڑے ہوئے یعنی نواسۂ رسول سید الشہداء حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو وہ ایسے چمکے کہ اپنے تو اپنے اغیار کی آنکھیں بھی ان کی چمک سے چکا چوندھ ہیں اور یزیدیوں کی ہزار مخالفت کے باوجود ان شاء اللہ الرحمٰن وہ قیامت تک ایسے ہی چمکتے رہیں گے۔ اللّٰھم صل علیٰ سیدنا و مولانا محمد و علیٰ آل سیدنا و مولانا محمد و بارک وسلم۔

آپ کی ولادت

برادرانِ ملت! سید الشہداء حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادت مبارکہ ۵ شعبان ۴ھ کو مدینہ طیبہ میں ہوئی۔ سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آپ کے کان میں اذان دی منہ میں لعاب دہن ڈالا اور آپ کے لئے دعا فرمائی پھر ساتویں دن آپکا نام حسین رکھا اور عقیقہ کیا۔ حضرت امام حسین کی کنیت ابو عبداللہ اور لقب "سبط رسول" و ریحانۃ الرسول ہے۔ حدیث شریف میں ہے۔ رسول کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت ہارون علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کا نام شبّر و شبیر رکھا اور میں نے اپنے بیٹوں کا نام انھیں کے نام پر حسن اور حسین رکھا[۱]

اسی لئے حسنین کریمین کو شبّر و شبیر کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ سُریانی زبان میں شبّر و شبیر اور عربی زبان میں حسن و حسین دونوں کے معنیٰ ایک ہیں۔ اور حدیث میں ہے کہ اَلْحَسَنُ وَالْحُسَیْنُ اِسْمَانِ مِنْ اَھْلِ الْجَنَّۃِ حسن اور حسین جنتی ناموں میں سے دو نام ہیں۔ عرب کے زمانۂ جاہلیت میں یہ دونوں نام نہیں تھے[۲] ابن الاعرابی حضرت مفضل سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ نام مخفی رکھے

---

[۱] صواعق محرقہ ص۱۱۸ [۲] ایضاً ص۱۱۸

یہانتک کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے نواسوں کا نام حسن اور حسین رکھا۔[1]

حضرت ام الفضل بنت الحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہا یعنی حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی چچی حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اہلیہ محترمہ ایک دن حضور کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا یا رسول اللہ! آج میں نے ایک ایسا خواب دیکھا ہے کہ جس سے میں ڈر گئی ہوں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا تو نے کیا دیکھا ہے؟ انھوں نے عرض کیا وہ بہت سخت ہے جس کے بیان کی میں اپنے اندر جرأت نہیں پاتی ہوں۔ حضور نے فرمایا بیان کرو تو انھوں نے عرض کیا میں نے یہ دیکھا ہے کہ حضور کے جسم مبارک کا ایک ٹکڑا کاٹ کر میری گود میں رکھا گیا ہے۔ ارشاد فرمایا تمہارا خواب بہت اچھا ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ فاطمہ زہرا کے بیٹا پیدا ہوگا اور وہ تمہاری گود میں دیا جائے گا۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیدا ہوئے اور حضرت ام الفضل کی گود میں دئے گئے۔[2]

آپ کے فضائل

بِرَادَرَانِ اِسْلَام! حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل میں بہت حدیثیں وارد ہیں۔ آپ حضرات پہلے ان روایتوں کو سماعت فرمائیں جو صرف آپ کے مناقب میں ہیں۔ پھر جو حدیثیں کہ دونوں شاہزادوں کے فضائل کو شامل ہیں وہ بعد میں پیش کیجائیں گی

ترمذی شریف کی حدیث ہے حضرت یعلیٰ بن مرّہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا حُسَیْنٌ مِّنِّیْ وَاَنَا مِنَ الْحُسَیْنِ۔ حسین مجھ سے ہیں اور میں حسین سے ہوں۔ یعنی حسین کو حضور سے اور حضور کو حسین سے انتہائی قرب ہے گویا کہ دونوں ایک ہیں تو حسین کا ذکر حضور کا ذکر ہے

---

[1] الشرف المؤبد ص [2] مشکوٰۃ ص۵۷۲

حسین سے دوستی حضور سے دوستی ہے، حسین سے دشمنی حضور سے دشمنی ہے اور حسین سے لڑائی کرنا حضور سے لڑائی کرنا ہے۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

اور سرکار ارشاد فرماتے ہیں: أَحَبَّ اللّٰهُ مَنْ أَحَبَّ حُسَيْنًا۔ جس نے حسین سے محبت کی اس نے اللہ تعالیٰ سے محبت کی [1]

اس لئے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے محبت کرنا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے محبت کرنا ہے اور حضور سے محبت کرنا اللہ تعالیٰ سے محبت کرنا ہے [2]

اور حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جسے پسند ہو کہ کسی جنتی جوانوں کے سردار کو دیکھے تو وہ حسین بن علی کو دیکھے [3]

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لائے اور فرمایا چھوٹا بچہ کہاں ہے؟ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ دوڑتے ہوئے آئے اور حضور کی گود میں بیٹھ گئے اور اپنی انگلیاں داڑھی مبارک میں داخل کر دیں۔ حضور نے ان کا منہ کھول کر بوسہ لیا پھر فرمایا اَللّٰهُمَّ إِنِّي أُحِبُّهُ فَأَحِبَّهُ وَأَحِبَّ مَنْ يُحِبُّهُ۔ اے اللہ! میں اس سے محبت کرتا ہوں تو بھی اس سے محبت فرما اور اس سے بھی محبت فرما کہ جو اس سے محبت کرے [4]

معلوم ہوا کہ حضور آقائے دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صرف دنیا والوں ہی سے نہیں چاہا کہ وہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے محبت کریں بلکہ خدائے تعالیٰ سے بھی عرض کیا کہ تو بھی اس سے محبت فرما اور بلکہ یہ بھی عرض کیا کہ حسین سے محبت کرنے والے سے بھی محبت فرما۔

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ

---

[1] مشکوٰۃ ص۵۷۱ [2] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ص۶۰۵ ج ۵ [3] نور الابصار ص۱۱۴ [4] ایضاً ص۱۱۴

تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا کہ وہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لعاب دہن کو اس طرح چوستے ہیں جیسے کہ آدمی کھجور چوستا ہے یَمْتَصُّ لُعَابَ الْحُسَيْنِ كَمَا يَمْتَصُّ الرَّجُلُ التَّمْرَةَ [۱]

اور مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کعبہ شریف کے سایہ میں تشریف فرما تھے۔ انھوں نے حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تشریف لاتے ہوئے دیکھا تو فرمایا هٰذَا اَحَبُّ اَهْلِ الْاَرْضِ اِلٰى اَهْلِ السَّمَاءِ الْيَوْمَ۔ آج یہ آسمان والوں کے نزدیک تمام زمین والوں سے زیادہ محبوب ہیں [۲]

حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پیدل چل کر پچیس ۲۵ حج کئے، آپ بڑی فضیلت کے مالک تھے اور کثرت سے نماز، روزہ، حج، صدقہ اور دیگر امور خیر ادا فرماتے تھے [۳]

حضرت علامہ جامی رحمۃ اللہ تعالیٰ عنہ تحریر فرماتے ہیں کہ ایک روز سید عالم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے داہنے اور اپنے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے بائیں بیٹھائے ہوئے تھے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! خدائے تعالیٰ ان دونوں کو آپ کے پاس جمع نہ رہنے دے گا ان میں سے ایک کو واپس بلائے گا۔ اب ان دونوں میں سے جسے آپ چاہیں پسند فرمالیں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اگر حسین رخصت ہو جائیں تو ان کی جدائی میں فاطمہ، علی کو تکلیف ہوگی اور میری بھی جان سوزی ہوگی اور اگر ابراہیم وفات پاجائیں تو زیادہ غم مجھی کو ہوگا اس لئے مجھے اپنا غم پسند ہے۔ اس واقعہ کے تین روز بعد حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ وفات پاگئے۔

اس کے بعد جب بھی حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

---

[۱] نور الابصار صفحہ ۱۱۲ [۲] الشرف المؤبد صفحہ ۶۵ [۳] برکات آل رسول صفحہ ۱۴۵

کی خدمت میں آتے حضور مرحبا فرماتے پھر ان کی پیشانی کو بوسہ دیتے اور لوگوں سے مخاطب ہو کر فرماتے کہ میں نے حسین پر اپنے بیٹے ابراہیم کو قربان کر دیا ہے۔ (شواہد النبوۃ صفحہ ۳۰۵)

اب وہ روایتیں ملاحظہ فرمائیں جو دونوں صاحبزادوں کے فضائل پر مشتمل ہیں۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اَلْحَسَنُ وَالْحُسَیْنُ سَیِّدَا شَبَابِ[عہ] اَھْلِ الْجَنَّۃِ۔ حسن اور حسین جنتی جوانوں کے سردار ہیں [۱]

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم نے فرمایا اِنَّ الْحَسَنَ وَالْحُسَیْنَ ھُمَا رَیْحَانِیْ مِنَ الدُّنْیَا۔ حسن اور حسین دنیا کے میرے دو پھول ہیں [۲]

اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک رات میں کسی ضرورت سے سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ باہر تشریف لائے تو کسی چیز کو اٹھائے ہوئے تھے جسے میں نہیں جان سکا۔ جب عرض حاجت سے میں فارغ ہوا تو دریافت کیا حضور یہ کیا اٹھائے ہوئے ہیں۔ آپ نے چادر مبارک ہٹائی تو میں نے دیکھا کہ آپ کے دونوں پہلوؤں میں حضرت حسن اور حضرت حسین ہیں۔ آپ نے فرمایا ھٰذَانِ اِبْنَایَ وَاِبْنَا اِبْنَتِیْ۔ یہ دونوں میرے بیٹے اور میرے نواسے ہیں اور پھر فرمایا اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُحِبُّھُمَا فَاَحِبَّھُمَا وَاَحِبَّ مَنْ یُّحِبُّھُمَا۔ اے اللہ! میں ان دونوں کو محبوب رکھتا ہوں تو بھی ان کو محبوب رکھ۔ اور جو ان سے محبت کرتا ہے ان کو بھی محبوب رکھ۔ [۳]

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

---

[۱] مشکوٰۃ صفحہ ۵۷۰ [۲] ایضاً صفحہ ۵۷۰ [۳] مشکوٰۃ صفحہ ۵۷۰

[عہ] غیاث اللغات میں ہے بضم اول وتشدید ثانی جوانان باین معنی ہم جمع شاب ست از منتخب وصراح ۱۲

اس حال میں باہر تشریف لائے کہ آپ ایک کندھے پر حضرت حسن کو اور دوسرے کندھے پر حضرت حسین کو اٹھائے ہوئے تھے یہاں تک کہ ہمارے قریب تشریف لے آئے اور فرمایا مَنْ اَحَبَّهُمَا فَقَدْ اَحَبَّنِيْ وَمَنْ اَبْغَضَهُمَا فَقَدْ اَبْغَضَنِيْ۔ جس نے ان دونوں سے محبت کی تو اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے ان دونوں سے دشمنی کی اس نے مجھ سے دشمنی کی [1]

اور حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں حسن اور حسین کو لیکر حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا حضور! یہ آپ کے دونوں نواسے ہیں انھیں کچھ عطا فرمائیے تو حضور نے فرمایا اَمَّا حَسَنٌ فَلَهٗ هَيْبَتِيْ وَسُؤْدَدِيْ وَاَمَّا حُسَيْنٌ فَلَهٗ جُرْأَتِيْ وَجُوْدِيْ۔ حسن کے لئے میری ہیبت وسیادت ہے اور حسین کے لئے میری جرأت وسخاوت ہے [2]

اور حضرت جعفر صادق بن محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کم سنی کے زمانہ میں ایک دوسرے سے کشتی لڑ رہے تھے اور حضور بیٹھے ہوئے یہ کشتی ملاحظہ فرما رہے تھے۔ تو حضرت حسن سے حضور نے فرمایا حسین کو پکڑ لو۔ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جب یہ سنا تو انھیں تعجب ہوا اور عرض کیا ابا جان! آپ بڑے سے فرما رہے ہیں کہ چھوٹے کو پکڑ لو۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا دوسری طرف جبریل حسین سے کہہ رہے ہیں کہ حسن کو پکڑ لو [3]

یزیدی آنکھیں کھول کر دیکھ لیں حضرات حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا وہ مقام ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام آکر ان کے درمیان کشتی لڑا رہے ہیں۔

---

[1] الشرف المؤبد صـ۱۰ [2] ایضاً صـ۱۰ [3] نور الابصار صـ۱۱۴

اور حضرت علامہ نسفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ حسنین کریمین نے دو تختیاں لکھیں۔ ہر ایک نے کہا کہ ہماری تحریر اچھی ہے۔ تو فیصلے کے لئے اپنے باپ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے پاس لے گئے۔ آپ بڑے بڑے حیرت انگیز فیصلے فرمائے ہیں مگر یہ فیصلہ نہ فرما سکے اس لئے کہ کسی صاحبزادے کی دل شکنی منظور نہ تھی۔ فرمایا کہ اپنی ماں کے پاس لے جاؤ۔ دونوں شہزادے حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا اماں جان! آپ فیصلہ فرمادیں کہ ہم میں سے کس نے اچھا لکھا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ میں یہ فیصلہ نہیں کرسکوں گی۔ اس معاملہ کو تم لوگ اپنے نانا جان کے پاس لے جاؤ۔ شہزادے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں آگئے اور عرض کیا نانا جان آپ فیصلہ فرمادیں کہ ہم میں سے کس کی تحریر اچھی ہے؟ ساری دنیا کا فیصلہ فرمانے والے حضور نے سوچا کہ اگر حسن کی تحریر کو اچھی کہوں تو حسین کو ملال ہوگا اور حسین کی تحریر کو عمدہ کہوں تو حسن کو رنج ہوگا اور کسی کا رنجیدہ ہونا انھیں گوارا نہیں تھا اسلئے آپ نے فرمایا کہ اس کا فیصلہ جبریل کریں گے۔ حضرت جبریل بحکم رب جلیل نازل ہوئے اور عرض کیا یارسول اللہ! اس کا فیصلہ خداوند قدوس فرمائے گا میں اس کے حکم سے ایک سیب لایا ہوں۔ اس نے فرمایا ہے کہ میں اس جنتی سیب کو تختیوں پر گراؤں جس تختی پر یہ سیب گرے گا فیصلہ ہوجائے گا کہ اس تختی کی تحریر اچھی ہے۔ اب دونوں تختیاں اکٹھا رکھی گئیں اور حضرت جبریل علیہ السلام نے اوپر سے ان تختیوں پر سیب گرایا۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے راستہ ہی میں سیب کٹ کر آدھا ایک تختی پر اور دوسرا آدھا دوسری تختی پر گرا۔ اس طرح احکم الحاکمین جل جلالہٗ نے فیصلہ فرمادیا کہ دونوں شہزادوں کی تحریریں اچھی ہیں اور کسی ایک کی تحریر کو اچھی قرار دے کر دوسرے کی دل شکنی گوارا نہ فرمایا (۱)

خداوند قدوس کی بارگاہ میں حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا یہ مقام ہے مگر افسوس کہ

---

(۱) نزہۃ المجالس صفحہ ۳۹ ج ۲

مخالفین کو ان کی عظمت و رفعت نظر نہیں آتی۔

آپ کی شہادت کی شہرت

سید الشہداء حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پیدائش کے ساتھ ہی آپ کی شہادت کی بھی شہرت عام ہوگئی۔ حضرت علی، حضرت فاطمہ زہرا، اور دیگر صحابۂ کبار و اہل بیت کے جاں نثار رضی اللہ تعالیٰ عنہم سبھی لوگ آپ کے زمانۂ شیر خوارگی ہی میں جان گئے کہ یہ فرزند ارجمند ظلم و ستم کے ہاتھوں شہید کیا جائے گا اور ان کا خون نہایت بے دردی کے ساتھ زمین کربلا میں بہایا جائے گا جیسا کہ ان احادیث کریمہ سے ثابت ہے جو آپ کی شہادت کے بارے میں وارد ہیں۔

حضرت ام الفضل بنت حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہا یعنی حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زوجہ فرماتی ہیں کہ میں نے ایک روز نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت مبارکہ میں حاضر ہو کر حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آپ کی گود میں دیا۔ پھر میں کیا دیکھتی ہوں کہ حضور کی مبارک آنکھوں سے لگاتار آنسو بہ رہے ہیں۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں یہ کیا حال ہے؟ فرمایا میرے پاس جبریل علیہ السلام آئے اور انھوں نے یہ خبر پہنچائی کہ۔ إِنَّ أُمَّتِیْ سَتَقْتُلُ ابْنِیْ هٰذَا۔ میری امت میرے اس فرزند کو شہید کرے گی۔ حضرت ام الفضل فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا اس فرزند کو شہید کر دے گی؟ حضور نے فرمایا ہاں۔ پھر جبریل میرے پاس اس کی شہادت گاہ کی سرخ مٹی بھی لائے۔ (۱)

اور ابن سعد و طبرانی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتے ہیں انھوں نے کہا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جبریل نے مجھے خبر دی إِنَّ ابْنِیْ الْحُسَیْنَ یُقْتَلُ بَعْدِیْ بِأَرْضِ الطَّفِّ۔ میرا بیٹا حسین میرے بعد ارض طف میں قتل کیا جائے گا۔ اور جبریل میرے پاس وہاں کی یہ مٹی بھی لائے اور مجھ سے کہا کہ یہ حسین کی خوابگاہ

---

(۱) مشکوٰۃ صفحہ ۵۷۲

(مقتل) کی مٹی ہے (۱) طف قریب کوفہ اس مقام کا نام ہے جس کو کربلا کہتے ہیں۔

اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ بارش کے فرشتہ نے حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری دینے کیلئے خداوند قدوس سے اجازت طلب کی جب وہ فرشتہ اجازت ملنے پر بارگاہ نبوت میں حاضر ہوا تو اس وقت حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے اور حضور کی گود میں بیٹھ گئے تو آپ ان کو چومنے اور پیار کرنے لگے۔ فرشتہ نے عرض کیا یارسول اللہ! کیا آپ حسین سے پیار کرتے ہیں؟ حضور نے فرمایا ہاں۔ اس نے کہا اِنَّ اُمَّتَكَ سَتَقْتُلُهٗ۔ آپ کی امت حسین کو قتل کر دے گی۔ اگر آپ چاہیں تو میں ان کی قتل گاہ (کی مٹی) آپ کو دکھا دوں۔ پھر وہ فرشتہ سرخ مٹی لایا جسے ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے کپڑے میں لے لیا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اے ام سلمہ! جب یہ مٹی خون بن جائے تو سمجھ لینا کہ میرا بیٹا حسین شہید کر دیا گیا۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے اس مٹی کو شیشی میں بند کر لیا جو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے دن خون ہو گئی۔ (۲)

اور ابن سعد حضرت شعبی سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنگ صفین کے موقع پر کربلا سے گذر رہے تھے کہ ٹھہر گئے اور اس زمین کا نام دریافت فرمایا۔ لوگوں نے کہا اس زمین کا نام کربلا ہے۔ کربلا کا نام سنتے ہی آپ اس قدر روئے کہ زمین آنسوؤں سے تر ہو گئی۔ پھر فرمایا کہ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک روز حاضر ہوا تو دیکھا کہ آپ رو رہے ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ! آپ کیوں رو رہے ہیں؟ فرمایا ابھی میرے پاس جبریل آئے تھے انھوں نے مجھے خبر دی اِنَّ وَلَدِی الْحُسَیْنَ یُقْتَلُ بِشَاطِئِ الْفُرَاتِ بِمَوْضِعٍ یُقَالُ لَهٗ کَرْبَلَاءُ۔ میرا بیٹا حسین دریائے فرات کے کنارے اس جگہ پر شہید کیا جائے گا جس کو کربلا کہتے ہیں۔ (۳)

۱؎ صواعق محرقہ ص ۱۱۸ ۲؎ ایضاً ص ۱۱۸ ۳؎ ایضاً ص ۱۱۸

اور ابو نعیم اصبغ بن نباتہ سے روایت کرتے ہیں انھوں نے فرمایا کہ ہم حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ حضرت حسین کی قبرگاہ سے گذرے تو آپ نے فرمایا یہ شہیدوں کے اونٹ بٹھانے کی جگہ ہے اور اس مقام پر ان کے کجاوے رکھے جائیں گے اور یہاں ان کے خون بہائے جائیں گے۔ آل محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بہت سے جوان اس میدان میں شہید کئے جائیں گے اور زمین و آسمان ان پر روئیں گے۔ (۱)

ان احادیث کریمہ سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شہید ہونے کی باربار اطلاع دی گئی اور حضور نے بھی اس کا بارہا ذکر فرمایا اور یہ شہادت حضرت امام حسین کے عہد طفلی ہی میں خوب مشہور ہو چکی تھی اور سب کو معلوم ہو گیا تھا کہ آپ کے شہید ہونے کی جگہ کربلا ہے بلکہ اس کے چپہ چپہ کو پہچانتے تھے اور انھیں خوب معلوم تھا کہ شہدائے کربلا کے اونٹ کہاں باندھے جائیں گے، ان کا سامان کہاں رکھا جائے گا اور ان کے خون کہاں بہیں گے؟

لیکن نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ ہاں وہ نبی کہ خداوند قدوس جن کی رضا جوئی فرماتا ہے وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ۔ جن کا حکم بحر و بر میں نافذ ہے جنھیں شجر و حجر سلام کرتے ہیں، چاند جن کے اشاروں پر چلا کرتا ہے، جن کے حکم سے ڈوبا ہوا سورج پلٹ آتا ہے بلکہ بحکم الٰہی کونین کے ذرہ ذرہ پر جن کی حکومت ہے۔ وہ نبی پیارے نواسے کے شہید ہونے کی خبر پاکر آنکھوں سے آنسو تو بہاتے ہیں مگر نواسے کو بچانے کے لئے بارگاہ الٰہی میں دعا نہیں فرماتے اور نہ حضرت علی و حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما عرض کرتے ہیں کہ یا رسول اللہ! حسین کی خبر شہادت نے تو دل و جگر پارہ پارہ کر دیا آپ دعا فرمائیں کہ خدائے عزوجل حسین کو اس حادثہ سے محفوظ رکھے۔ اور اہل بیت، ازواج مطہرات اور صحابۂ کبار سب لوگ حضرت امام حسین کے شہید ہونے کی خبر سنتے ہیں مگر اللہ کے محبوب پیارے مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

---

(۱) خصائص کبریٰ ص ۱۲۶ ج ۲۔

کی بارگاہ میں کوئی دعا کی درخواست پیش نہیں کرتا جبکہ آپ کی دعا کا حال یہ ہے کہ

اجابت کا سہرا عنایت کا جوڑا ۰ دلہن بن کے نکلی دعائے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
اجابت نے جھک کر گلے سے لگایا ۰ بڑھی ناز سے جب دعائے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بچانے کیلئے دعا نہیں فرمائی اور نہ حضور سے کسی نے اس کے بارے میں دعا کرنے کی درخواست پیش کی صرف اس لئے کہ حسین کا امتحان ہو ان پر تکالیف و مصائب کے پہاڑ ٹوٹیں اور وہ امتحان میں کامیاب ہو کر اللہ کے پیارے ہوں کہ اب نبی کوئی ہو نہیں سکتا تو نواسۂ رسول کا درجہ اسیطرح بلند سے بلند تر ہو جائے اور رضائے الٰہی حاصل ہونے کے ساتھ دنیا و آخرت میں انکی عظمت و رفعت کا بول بالا بھی ہو جائے۔

ایک اعتراض اور اس کا جواب

برادرانِ اسلام! بعض گستاخ جو اعتراض کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ اپنے نواسے کو قتل سے نہیں بچا سکے تو دوسرے کو کسی مصیبت سے کیا بچا سکتے ہیں۔ تو اسکا جواب یہ ہے کہ اللہ کے محبوب پیارے مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے نواسے حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید ہونے سے بچانے کی کوشش ہی نہیں فرمائی اس لئے کہ آپ نے انکے لئے قتل سے محفوظ رہنے کی دعا ہی نہیں کی۔ اور جب آپ نے ان کو شہید ہونے سے بچانے کی کوشش ہی نہیں فرمائی تو پھر یہ کہنا ہی سرے سے غلط ہے کہ وہ اپنے نواسے کو قتل سے نہیں بچا سکے۔ جیسے کہ ہمارا کوئی آدمی دریا میں ڈوب رہا ہو اور ہمارے پاس ڈوبنے سے بچانے کے لئے کشتی وغیرہ تمام سامان مہیا ہوں مگر ہم بچانے کی کوشش نہ کریں تو یہ کہنا غلط ہے کہ ہم بچا نہ سکے۔ ہاں اگر ہم بچانے کی کوشش کرتے اور نہ بچا پاتے تو البتہ یہ کہنا صحیح ہوتا کہ ہم نہیں بچا سکے۔ تو اللہ کے محبوب سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے نواسے کو بچانے کی قدرت رکھنے کے باوجود ان کو بچانے کی کوشش نہیں فرمائی۔ لھٰذا یہ کہنا غلط ہے کہ ان کو نہیں بچا سکے۔ خدائے تعالیٰ سمجھ عطا فرمائے۔

اور بعض گستاخ جو یہ کہتے ہیں کہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو سید الانبیاء کے نواسے اور صحابی ہیں جن کے درجہ کو بڑا سے بڑا ولی اور غوث و قطب نہیں پہنچ سکتا۔ جب وہ اپنی اور اپنے عزیز و اقارب کی جان نہیں بچا سکے تو دوسرا کوئی غوث و قطب کسی کی کیا مدد کر سکتا ہے تو اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ سید الشہداء حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ میدان کربلا میں اپنی جان بچانے نہیں گئے تھے بلکہ اپنی جان دیکر اسلام بچانے گئے تھے۔

اور جان بچانے کا راستہ تو آپ کے لئے ہمیشہ کھلا ہوا تھا اس لئے کہ جان بچانے کیلئے جب حرام قطعی کا کھانا پینا اور جھوٹ بولنا جائز ہو جاتا ہے تو آپ جان بچانے کی خاطر تھوڑی دیر کے لئے یزید کی جھوٹی بیعت کر لیتے اور جب دشمن کی گرفت سے آزاد ہو جاتے تو انکار کر دیتے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ امام عالی مقام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جان بچانا نہیں تھا بلکہ جان دے کر اسلام کو بچانا تھا۔

اور رہی عزیز و اقارب کی جان بچانے کی بات۔ تو آپ کے جو عزیز و اقارب میدانِ کربلا میں شہید ہوئے ان کی دنیوی زندگی بس اتنی ہی تھی اور جس کی زندگی ختم ہو جاتی ہے اسے کوئی بچا نہیں سکتا۔ ارشاد خداوندی ہے فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ۔ جب ان کو موت آئے گی تو ایک ساعت آگے پیچھے نہیں ہوں گے۔ (۱)

اور ارشاد فرمایا وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا۔ اللہ تعالیٰ کسی جان کی موت کو ہرگز مؤخر نہیں فرمائے گا جبکہ اس کا وقت آجائے گا۔ (۲)

اگر یہ معقول جواب اعتراض کرنے والوں کی سمجھ میں نہ آئے تو وہ دن دور نہیں جب کہ وہ یہ بھی کہیں گے کہ انبیائے کرام کا قتل کیا جانا قرآن مجید سے ثابت ہے۔ اور جب اللہ تعالیٰ اپنے محبوب انبیاء کو قتل سے نہیں بچا سکا تو پھر کسی دوسرے کی کیا مدد کر سکتا ہے۔

العیاذ باللہ تعالیٰ

---

(۱) پ ۱۱ ع ۱۰ (۲) پ ۲۸ ع ۱۴

یزید پلید

یزید حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیٹا جس کی کنیت ابو خالد ہے ایسے خاندان کا وہ بدبخت انسان ہے جس کی پیشانی پر نواسۂ رسول جگر گوشۂ بتول حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل کا سیاہ داغ ہے جس پر ہر زمانے میں لوگ ملامت کرتے رہے اور رہتی دنیا تک ایسے ہی ملامت کرتے رہیں گے۔ یہ بد باطن اور ننگ خاندان ۲۵ھ میں پیدا ہوا اس کی ماں کا نام میسون بنت بجدل کلبی ہے۔ یزید بہت موٹا بدنما بد خلق، فاسق و فاجر، شرابی بدکار، ظالم اور بے ادب و گستاخ تھا۔ اس کی بدکاریاں اور بیہودگیاں انتہا کو پہنچ گئی تھیں۔ حضرت عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو حضرت حنظلہ غسیل الملائکہ کے صاجزادے ہیں وہ فرماتے ہیں وَاللّٰہِ مَا خَرَجْنَا عَلٰی یَزِیْدَ حَتّٰی خِفْنَا اَنْ نُّرْمٰی بِالْحِجَارَۃِ مِنَ السَّمَاءِ۔ یزید پر ہم نے اس وقت حملہ کی تیاری کی جب ہم لوگوں کو اندیشہ ہو گیا کہ اس کی بدکاریوں کے سبب ہم پر آسمان سے پتھروں کی بارش ہو گی۔ اس لئے کہ فسق و فجور کا یہ عالم تھا کہ لوگ اپنی ماں، بہنوں اور بیٹیوں سے نکاح کر رہے تھے، شرابیں پی جا رہی تھیں اور دیگر منہیات شرعیہ کا علانیہ رواج ہو گیا تھا اور لوگوں نے نماز ترک کر دی تھی۔ (۱)

یزید نے مدینہ طیبہ اور مکہ مکرمہ کی بے حرمتی کرائی۔ ایسے شخص کی حکومت گرگ کی چوپانی سے زیادہ خطرناک تھی۔ ارباب فراست اور اصحاب اسرار اس وقت سے ڈرتے تھے جب کہ عنان سلطنت اس شقی کے ہاتھ میں آئی۔ اسی لئے ۵۹ھ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دعا کی اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ رَاْسِ السِّتِّیْنَ وَاِمَارَۃِ الصِّبْیَانِ۔ یا رب میں تیری پناہ مانگتا ہوں ۶۰ھ کے آغاز اور لڑکوں کی حکومت سے۔

اس دعا سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو حامل اسرار تھے

---

(۱) تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۴۲

انھیں معلوم تھا کہ ۶۰ھ کا آغاز لڑکوں کی حکومت اور فتنوں کا وقت ہے۔ ان کی یہ دعا قبول ہوئی اور انھوں نے ۵۹ھ میں بمقام مدینہ طیبہ رحلت فرمائی۔ (۱)

یزید اور احادیث کریمہ و اقوال ائمہ

رویانی اپنی مسند میں صحابی رسول حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ انھوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے اَوَّلُ مَنْ یُّبَدِّلُ سُنَّتِیْ رَجُلٌ مِّنْ بَنِیْ اُمَیَّۃَ یُقَالُ لَہٗ یَزِیْدُ۔ میری سنت کا پہلا بدلنے والا ایک شخص بنی امیہ کا ہوگا جس کا نام یزید ہوگا۔ (۲)

اور ابو یعلیٰ اپنی مسند میں (بسند ضعیف) حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ میری امت ہمیشہ عدل و انصاف پر قائم رہے گی یہاں تک کہ پہلا رخنہ انداز بنی امیہ کا ایک شخص ہوگا جس کا نام یزید ہوگا۔ (۳)

اور علامہ صبان تحریر فرماتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ یزید کے کفر کے قائل ہیں اور تجھے ان کا فرمان کافی ہے، ان کا تقویٰ اور علم اس امر کا متقاضی ہے کہ انھوں نے یہ بات اس لئے کہی ہوگی کہ ان کے نزدیک ایسے امور صریحہ کا یزید سے صادر ہونا ثابت ہوگا جو موجب کفر ہیں۔ اس معاملہ میں ایک جماعت نے ان کی موافقت کی ہے مثلاً ابن جوزی وغیرہ۔ رہا اس کا فسق تو اس پر اتفاق ہے۔ بعض علماء نے خاص اس کے نام سے لعنت کو جائز قرار دیا ہے۔ (۴)

اور حضرت علامہ سعد الدین تفتازانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل اور اہلبیت نبوت کی توہین و تذلیل پر یزید کی رضا و خوشنودی تواتر سے ثابت ہے لہٰذا ہم اس کی ذات کے بارے میں توقف نہیں کریں گے (اسے برا بھلا کہیں گے) البتہ اس کے ایمان کے بارے میں توقف کریں گے (نہ اسے کافر کہیں گے اور نہ مومن) (۵)

۱؎ سوانح کربلا صـ۱۰۸، ۲؎ تاریخ الخلفاء صـ۱۴۱، ۳؎ ایضاً صـ۱۴۲، ۴؎ برکات آل رسول صـ۱۵۵، ۵؎ شرح عقائد نسفی صـ۱۱۷

محدث ابن جوزی سے پوچھا گیا کہ یزید کو امام حسین کا شہید کرنے والا کہنا کس طرح صحیح ہے جب کہ وہ کربلا میں شہادت کے واقعہ کے وقت ملک شام میں تھا تو انھوں نے ایک شعر پڑھا جس کا ترجمہ یہ ہے کہ تیر عراق میں تھا جبکہ تیر مارنے والا ذی سلم میں تھا۔ اے تیر مارنے والے تیرا نشانہ کس غضب کا تھا۔ (۱)

نوفل بن ابوالفرات کہتے ہیں کہ میں ایک روز اموی خلیفہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ یزید کا کچھ ذکر آگیا تو ایک شخص نے یزید کو امیرالمؤمنین یزید بن معاویہ کہا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اس شخص سے فرمایا کہ تو اسے امیرالمؤمنین کہتا ہے۔ پھر آپ نے حکم دیا کہ یزید کو امیرالمؤمنین کہنے والے اس شخص کو ۲۰ کوڑے لگائے جائیں۔ (۲)

حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ امیہ خاندان کے ایک فرد ہیں یعنی مروان کے پوتے اور خلیفہ عبدالملک بن مروان کے داماد ہیں جن کے فضل وکمال اور تقویٰ و پرہیز گاری کے بارے میں صرف اتنا بتادینا کافی ہے کہ ان کو خلفائے راشدین میں سے شمار کیا جاتا ہے۔ انھوں نے اس شخص کو کہ جس نے یزید بدبخت کو امیرالمؤمنین کہا کوڑے لگوائے اور سزا دی۔

اس واقعہ سے وہ لوگ جو آج کل یزید کی حمایت کرتے ہیں اور اس کو امیرالمؤمنین کہتے ہیں سبق حاصل کریں اور جان لیں کہ وہ یقیناً سزا کے مستحق ہیں۔ اگر آج بھی کوئی حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسا ہوتا تو انھیں کوڑے ضرور لگواتا۔

اور اعلیٰ حضرت پیشوائے اہلسنت امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں "یزید پلید علیہ ما یستحقہ من العزیز المجید قطعاً یقیناً باجماع اہلسنت فاسق وفاجر و جری علی الکبائر تھا۔ اس قدر پر ائمہ اہلسنت کا اطباق واتفاق ہے۔ صرف اس کی تکفیر ولعن میں اختلاف فرمایا۔ امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے اتباع وموافقین اسے کافر کہتے اور بہ تخصیص نام اس پر لعن کرتے ہیں اور آیت کریمہ اس پر سند لاتے ہیں فَهَلْ عَسَيْتُمْ

---

(۱) الشرف المؤبد صـ ۶۹، (۲) تاریخ الخلفاء صـ ۱۴۲

إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوْا أَرْحَامَكُمْ۔ أُولٰئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللهُ فَأَصَمَّهُمْ وَأَعْمٰى أَبْصَارَهُمْ۔ کیا قریب ہے کہ اگر والی ملک ہو تو زمین میں فساد کرو اور اپنے نسبی رشتہ کاٹ دو۔ یہ ہیں وہ لوگ جن پر اللہ نے لعنت فرمائی تو انھیں بہرا کر دیا اور ان کی آنکھیں پھوڑ دیں۔ (۱) شک نہیں کہ یزید نے والی ملک ہو کر زمین میں فساد پھیلایا حرمین طیبین وخود کعبہ معظمہ وروضۂ طیبہ کی سخت بے حرمتیاں کیں مسجد کریم میں گھوڑے باندھے ان کی لید اور پیشاب منبر اطہر پر پڑے۔ تین دن مسجد نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بے اذان ونماز رہی۔ مکہ ومدینہ وحجاز میں ہزاروں صحابہ وتابعین بے گناہ شہید کئے۔ کعبۂ معظمہ پر پتھر پھینکے غلاف شریف پھاڑا اور جلایا۔ مدینہ طیبہ کی پاک دامن پارسائیں تین شبانہ روز اپنے خبیث لشکر پر حلال کر دیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جگر پارے کو تین دن بے آب ودانہ رکھکر مع ہمراہیوں کے تیغ ظلم سے پیاسا ذبح کیا، مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی گود کے پلے ہوئے تن نازنین پر بعد شہادت گھوڑے دوڑائے گئے کہ تمام استخوانِ مبارک چور ہو گئے۔ سر انور کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بوسہ گاہ تھا کاٹ کر نیزہ پر چڑھایا اور منزلوں پھرایا حرم محترم مخدرات مشکوئے رسالت قید کئے گئے اور بے حرمتی کے ساتھ اس خبیث کے دربار میں لائے گئے۔ اس سے بڑھکر قطع رحم اور زمین میں فساد کیا ہوگا۔ ملعون ہے وہ جو ان ملعون حرکات کو فسق وفجور نہ جانے قرآن عظیم میں صراحۃً اس پر لَعَنَهُمُ اللهُ فرمایا۔ لہٰذا امام احمد اور انکے موافقین اس پر لعنت فرماتے ہیں۔ اور ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ لعن وتکفیر سے احتیاطاً سکوت کہ اس سے فسق وفجور متواتر ہیں کفر متواتر نہیں۔ اور بحال احتمال نسبت کبیرہ بھی جائز نہیں نہ کہ تکفیر اور امثال وعیدات مشروط بعدم توبہ ہیں لقولہ تعالیٰ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا إِلَّا مَنْ تَابَ (۲) اور توبہ تا دم غرغرہ مقبول ہے اور اس کے عدم پر جزم نہیں اور یہی احوط واسلم ہے مگر اس کے فسق وفجور سے انکار کرنا اور امام مظلوم پر الزام رکھنا ضروریات مذہب اہلسنت

۱؎ پ ۲۶ ع ۷، ۲؎ پ ۱۶ ع ۷

کے خلاف ہے اور ضلال و بد مذہبی صاف ہے۔ بلکہ انصافاً یہ اس قلب سے متصور نہیں جس میں محبت سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا شمہ ہو۔ وَسَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْٓا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ۔ (۱)

اور تحریر فرماتے ہیں "یزید بیشک پلید تھا اسے پلید کہنا اور لکھنا جائز ہے اور اسے رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نہ کہے گا مگر ناصبی کہ اہل بیت رسالت کا دشمن ہے۔ (۲)

برادرانِ اسلام! جلیل القدر علمائے محققین کے بیانات سے خوب اچھی طرح واضح ہو گیا کہ یزید کیسا تھا اور اس نے کیسے کیسے مظالم ڈھائے ہیں۔ اور یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ ہم اسے کیا کہہ سکتے ہیں اور کیا نہیں کہہ سکتے۔ جو لوگ کہ امام الائمہ حضرت سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ماننے والے ہیں اور اپنے آپ کو حنفی کہتے ہیں ان کو چاہئے کہ وہ اپنے امام کے طریقہ پر چلیں یعنی یزید کے بارے میں لعن و تکفیر سے احتیاطاً سکوت اختیار کریں کہ یہی اسلم ہے۔ اور جو لوگ کہ اس کے فاسق و فاجر ہونے سے انکار کریں اور اس کے لئے امیر المومنین و رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہیں یا امام مظلوم سیدنا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر الزام رکھیں ایسے لوگوں کو گمراہ و بد مذہب، اہلبیت نبوت کا دشمن اور خارجی سمجھیں، ان کا بیان سننے سے پرہیز کریں اور ان کی کتابیں پڑھنے سے بچیں۔

حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ بعض جاہل جو کہتے ہیں کہ امام حسین نے یزید سے بغاوت کی تو یہ اہل سنت و جماعت کے نزدیک باطل ہے اور اس طرح کی بولی خارجیوں کے ہذیانات میں سے ہے جو اہل سنت و جماعت سے خارج ہیں۔ (۳)

یزید اور حدیث قسطنطنیہ

یزید پلید جس نے مسجد نبوی اور بیت اللہ شریف کی سخت بے حرمتی کی جس نے ہزاروں

۱؎ فتاوی رضویہ ص۱۰۷ ج ۶، ۲؎ ایضاً ص۱۲ ج ۶، ۳؎ شرح فقہ اکبر ص۸۸۔

صحابۂ کرام و تابعین عظام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا بے گناہ قتل عام کیا، جس نے مدینہ طیبہ کی پاک امن خواتین کو اپنے لشکر پر حلال کیا اور جس نے جگر گوشۂ رسول حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تین دن بے آب و دانہ رکھکر پیاسا ذبح کیا۔

ایسے بدبخت اور مردود یزید کو پیدائشی جنتی اور بخشا بخشایا ہوا ثابت کرنے کیلئے آج کل کچھ لوگ ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں۔ ایسے لوگ چاہے اپنے آپ کو سنی کہیں یا دیوبندی لیکن حقیقت میں وہ اہلبیت رسالت کے دشمن خارجی اور یزیدی ہیں۔ اس بدبخت کی حمایت میں وہ لوگ بخاری شریف کی ایک حدیث پیش کرتے ہیں جو حدیث قسطنطنیہ کے نام سے یاد کی جاتی ہے۔ ان باطل پرست یزیدیوں کا مقصد یہ ہے کہ جب یزید کی بخشش اور اس کا جنتی ہونا حدیث شریف سے ثابت ہے تو امام حسین کا ایسے شخص کی بیعت نہ کرنا اور اس کے خلاف علم جہاد بلند کرنا بغاوت ہے اور سارے فتنہ و فساد کی ذمہ داری انہی پر ہے۔ نعوذ باللہ من ذلک۔

یزیدی گروہ جو حدیث پیش کرتا ہے وہ یہ ہے قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَوَّلُ جَیْشٍ مِّنْ اُمَّتِیْ یَغْزُوْنَ مَدِیْنَۃَ قَیْصَرَ مَغْفُوْرٌ لَّھُمْ۔ یعنی نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کا پہلا لشکر جو قیصر کے شہر (قسطنطنیہ) پر حملہ کرے گا وہ بخشا ہوا ہے۔ (۱) اور قیصر کے شہر قسطنطنیہ پر پہلا حملہ کرنے والا یزید ہے لہٰذا وہ بخشا بخشایا ہوا پیدائشی جنتی ہے۔

یزیدی گروہ کی اس تقریر کا جواب یہ ہے کہ اللہ کے محبوب دانائے خفایا و غیوب جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان حق ہے لیکن قیصر کے شہر قسطنطنیہ پر پہلا حملہ کرنیوالا یزید ہے یہ دعویٰ صحیح نہیں۔ اس لئے کہ یزید نے قسطنطنیہ پر کب حملہ کیا اس کے بارے میں چار اقوال ہیں ۴۹ھ، ۵۰ھ، ۵۲ھ اور ۵۵ھ دیکھئے کامل ابن اثیر جلد ۳ صفحہ ۱۳۱، بدایہ نہایہ

۱؎ بخاری شریف صفحہ ۴۱۰ ج ۱

جلد ۸ صفحہ ۳۲، عینی شرح بخاری جلد ۱۴ صفحہ ۱۹۸ اور اصابہ جلد اول صفحہ ۴۰۵۔

معلوم ہوا کہ یزید ۴۹ھ سے ۵۵ھ تک قسطنطنیہ کی کسی جنگ میں شریک ہوا چاہے سپہ سالار وہ رہا ہو یا حضرت سفیان بن عوف اور وہ معمولی سپاہی رہا ہو۔ مگر قسطنطنیہ پر اس سے پہلے حملہ ہو چکا تھا جس کے سپہ سالار حضرت عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید تھے۔ اور ان کے ساتھ حضرت ابوایوب انصاری بھی تھے رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ دیکھئے حدیث کی معتمد و مشہور کتاب ابوداؤد شریف صفحہ ۳۴۰۔ اور حضرت عبدالرحمٰن بن خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال ۴۶ھ یا ۴۷ھ میں ہوا جیسا کہ بدایہ نہایہ جلد ۸ صفحہ ۳۱، کامل ابن اثیر جلد ۳ صفحہ ۲۲۹ اور اُسد الغابہ جلد ۳ صفحہ ۲۸۹ میں ہے معلوم ہوا کہ آپ کا حملہ قسطنطنیہ پر ۴۶ھ یا ۴۷ھ سے پہلے ہوا۔ اور تاریخ کے اوراق شاہد ہیں کہ یزید قسطنطنیہ کی ایک جنگ کے علاوہ کسی میں شریک نہیں ہوا۔ تو ثابت ہو گیا کہ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قسطنطنیہ پر جو پہلا حملہ کیا تھا یزید اس میں شریک نہیں تھا تو پھر حدیث اَوَّلُ جَیْشٍ مِنْ اُمَّتِیْ الخ میں یزید داخل نہیں اور جب وہ داخل نہیں تو اس حدیث شریف کی بشارت کا بھی وہ مستحق نہیں۔ اور یاد رکھئے کہ ابوداؤد شریف صحاح ستہ میں سے ہے عام کتب تاریخ کے مقابلہ میں اسی کی روایت کو ترجیح دی جائے گی۔ رہی یہ بات کہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال اس جنگ میں ہوا کہ جس کا سپہ سالار یزید تھا تو اس میں کوئی خلجان نہیں اس لئے کہ قسطنطنیہ کا پہلا حملہ جو حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سرکردگی میں ہوا آپ اس میں شریک رہے اور پھر بعد میں جب اس لشکر میں شریک ہوئے کہ جس کا سپہ سالار یزید تھا۔ تو قسطنطنیہ میں آپ کا انتقال ہو گیا اس لئے کہ قسطنطنیہ پر متعدد بار اسلامی لشکر حملہ آور ہوا ہے۔

بِرَادَرَانِ اِسْلَامْ! اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ قسطنطنیہ پر پہلا حملہ کرنے والا جو لشکر تھا اس میں یزید موجود تھا پھر بھی یہ ہرگز نہیں ثابت ہوگا کہ اس کے سارے کرتوت معاف ہو گئے اور وہ جنتی ہے۔ اس لئے کہ حدیث شریف میں یہ بھی ہے مَا مِنْ مُسْلِمَیْنِ یَلْتَقِیَانِ فَیَتَصَافَحَانِ اِلَّا غُفِرَ لَهُمَا قَبْلَ اَنْ یَّتَفَرَّقَا۔ یعنی جب دو مسلمان آپس میں مصافحہ کرتے ہیں تو جدا

ہونے سے پہلے ان دونوں کو بخش دیا جاتا ہے۔ (۱)

اور حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے مَنْ فَطَّرَ فِیْہِ صَائِمًا كَانَ لَہٗ مَغْفِرَةٌ لِّذُنُوْبِہٖ۔ جو ماہ رمضان میں روزہ دار کو افطار کرائے اس کے گناہوں کے لئے مغفرت ہے۔ (۲)

اور سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیث یہ بھی ہے یُغْفَرُ لِاُمَّتِہٖ فِیْ اٰخِرِ لَیْلَةٍ فِیْ رَمَضَانَ۔ (روزہ وغیرہ کے سبب) ماہ رمضان کی آخری رات میں اس امت کو بخش دیا جاتا ہے۔ (۳)

اگر یزید نوازوں کی بات مان لی جائے تو ان احادیث کریمہ کا یہ مطلب ہوگا کہ مسلمان سے معانقہ کرنے والے، روزہ دار کو افطار کرانے والے اور ماہ رمضان میں روزہ رکھنے والے سب بخشے بخشائے جنتی ہیں۔ اب اگر وہ حرمین طیبین کی بے حرمتی کریں معاف۔ کعبہ شریف کو کھود کر پھینک دیں معاف، مسجد نبوی میں غلاظت ڈالیں معاف۔ ہزاروں بے گناہ کو قتل کر ڈالیں معاف یہاں تک کہ اگر سید الانبیاء کے جگر پاروں کو تین دن کا بھوکا پیاسا رکھ کر ذبح کر ڈالیں تو وہ بھی معاف اور جو چاہیں کریں سب معاف۔ نعوذ باللہ من ذٰلک

بِرَادَرَانِ مِلَّتْ! اگر کسی عمل خیر سے صغیرہ، کبیرہ اور اگلے پچھلے سب گناہ معاف ہو جائیں جیسا کہ آج کے یزیدیوں نے سمجھا ہے تو دنیا کا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ اس لئے کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان سے معانقہ کرے گا اور اس کے بعد جو چاہے گا کرے گا۔ اگر کوئی اسے سرزنش کریگا تو کہے گا ایک مسلمان سے معانقہ کے سبب ہمارا اگلا پچھلا سب گناہ معاف ہو گیا ہے۔ ہمیں کچھ نہ کہو۔

خدائے عزوجل یزید نوازوں کو صحیح سمجھ عطا فرمائے اور گمراہی و بدمذہبی سے بچنے کی توفیق رفیق بخشے۔ آمین

۱؎ ترمذی ص۹۷ ج ۲، ۲؎ بیہقی، مشکوٰۃ ص۱۷۴، ۳؎ احمد، مشکوٰۃ ص۱۷۴۔

یزید کی تخت نشینی اور طلبِ بیعت

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے بعد یزید نے تخت نشین ہوتے ہی اپنی بیعت کے لئے ہر طرف خطوط و حکم نامے روانہ کئے۔ مدینہ منورہ کے گورنر ولید بن عقبہ تھے ان کو اپنے باپ کی وفات کی اطلاع کی اور لکھا کہ ہر خاص و عام سے میری بیعت لو اور حسین بن علی، عبداللہ بن زبیر اور عبداللہ بن عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) سے پہلے بیعت لو، ان سب کو ایک لمحہ مہلت نہ دو۔

مدینہ منورہ کے لوگوں کو ابھی تک حضرت امیر معاویہ کے انتقال کی خبر نہ تھی یزید کے حکم نامہ سے ولید بہت گھبرایا اس لئے کہ ان حضرات سے بیعت لینا آسان نہیں تھا۔ اس نے مشورہ کیلئے مروان بن حکم کو بلایا۔

مروان بن حکم وہ شخص ہے کہ جب اس کی پیدائش ہوئی اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں تحنیک (کوئی چیز چبا کر نرم کر کے کھلانے) کے لئے لایا گیا تو حضور نے فرمایا ھُوَ الْوَزَغُ بْنُ الْوَزَغِ (رواہ الحاکم فی صحیحہ) یہ گرگٹ کا بیٹا گرگٹ ہے۔ (۱)

اور بخاری، نسائی اور ابن ابی حاتم اپنی تفسیر میں روایت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَبَا مَرْوَانَ وَمَرْوَانُ فِیْ صُلْبِہٖ فَمَرْوَانُ یَفِیْضُ مِنْ لَّعْنَةِ اللّٰہِ۔ یعنی رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مروان کے باپ حکم پر لعنت فرمائی جب کہ مروان صلب پدر میں تھا تو وہ بھی اللہ کی لعنت سے حصہ پانے والا ہوا۔ (۲)

برادرانِ اسلام! وہ مروان کہ اس کو اور اس کے باپ کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے گرگٹ فرمایا اور جس کے باپ پر حضور نے لعنت فرمائی بلکہ اس کے باپ کو شہر بدر

۱؎ النابیہ ص۲۵، ۲؎ تاریخ الخلفاء ص۱۲۵،

زمانہ کف میں رہنے کا حکم فرمایا۔ ایسے مروان سے بھلا خیر کی امید کیا ہو سکتی ہے۔

مدینہ منورہ کے گورنر ولید نے جب مروان سے مشورہ لیا تو اس نے کہا ان تینوں کو اسی وقت بلائیں اور بیعت کے لئے کہیں۔ اگر وہ بیعت کرلیں تو بہتر ورنہ تینوں کو قتل کر دیں۔

اس مشورہ کے بعد گورنر ولید نے تینوں حضرات کو بلا بھیجا۔ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے چند جوانوں کو ساتھ لیکر گئے۔ مکان کے باہر ان کو کھڑا کر دیا اور فرمایا کہ اگر تم لوگ سنو کہ میری آواز بلند ہو رہی ہے تو فوراً اندر آجانا۔ اور جب تک میں باہر نہ آجاؤں یہاں سے ہرگز نہ جانا۔

پھر آپ اندر تشریف لے گئے۔ ولید نے آپ کو حضرت امیر معاویہ کی وفات کی خبر سنائی اور یزید کی بیعت کے لئے کہا۔ آپ نے فرمایا کہ میرے جیسا آدمی اس طرح چھپ کر بیعت نہیں کر سکتا آپ باہر نکل کر سب لوگوں سے بیعت طلب کریں تو ان کے ساتھ مجھ سے بھی بیعت کے لئے کہیں۔

ولید امن پسند آدمی تھا اس نے کہا اچھا آپ تشریف لے جائیے۔ جب آپ چلنے لگے تو مروان نے برہم ہو کر ولید سے کہا کہ اگر آپ نے اس وقت ان کو جانے دیا اور بیعت نہ لی تو پھر ان پر قابو نہ پا سکیں گے۔ اگر یہ بیعت کرلیں تو بہتر ورنہ ان کو قتل کر دو۔ یہ سن کر حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہو گئے اور فرمایا او ابن الزرقاء کیا تو مجھے قتل کرے گا یا یہ قتل کریں گے خدا کی قسم تو جھوٹا اور کمینہ ہے۔ یہ کہہ کر آپ باہر تشریف لے آئے۔

مروان نے ولید سے کہا کہ آپ نے میری بات نہیں مانی۔ خدا کی قسم اب آپ ان پر قابو نہ پا سکیں گے۔ قتل کرنے کا یہ بہترین موقع تھا جس کو آپ نے ضائع کر دیا۔ ولید نے کہا افسوس تم مجھے ایسا مشورہ دے رہے ہو جس میں میرے دین کی تباہی ہے۔ کیا میں نواسۂ رسول کو صرف اس وجہ سے قتل کر دیتا کہ انھوں نے یزید کی بیعت نہیں کی۔ خدائے ذوالجلال کی قسم اگر مجھے ساری دنیا کا مال و متاع مل جائے تو بھی میں ان کے خون سے اپنے ہاتھوں کو آلودہ ہرگز نہیں کر سکتا۔ (۱)

۱؎ طبری صفحہ ۱۶۲ ج ۲،

حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ خوب جانتے تھے کہ بیعت کے انکار سے یزید بدبخت جان کا دشمن اور خون کا پیاسا ہو جائے گا۔ لیکن آپ کی غیرت اور تقویٰ و پرہیزگاری نے اجازت نہ دی کہ اپنی جان بچانے کی خاطر نااہل کے ہاتھ پر بیعت کریں اور نواسۂ رسول ہو کر اسلام و مسلمان کی تباہی کی پروا نہ کریں۔

اگر آپ یزید کی بیعت کر لیتے تو وہ آپ کی بڑی قدر و منزلت کرتا اور دنیا کی بے شمار دولت آپ کے قدموں میں ڈھیر ہو جاتی لیکن یزید کی بدکاری کے جواز کے لئے آپ کی بیعت سند ہو جاتی تو اسلام کا نظام درہم برہم ہو جاتا اور دین میں ایسا فساد برپا ہوتا کہ جس کا دور کرنا بعد میں ناممکن ہو جاتا۔

بہرحال آپ یزید کی بیعت کے لئے تیار نہ ہوئے۔ شام کے وقت ولید نے پھر امام کے پاس آدمی بھیجا۔ آپ نے فرمایا اس وقت تو میں نہیں آسکتا صبح ہونے دیجئے پھر دیکھیں گے کیا ہونا ہے۔ ولید نے یہ بات مان لی اور آپ اسی رات اپنے اہل و عیال اور عزیز و اقارب کیساتھ مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ کا سفر کرنے کیلئے تیار ہو گئے۔

مدینہ منورہ سے رحلت

برادرانِ اسلام! مدینہ منورہ وہ شہر مقدس ہے جو حضور انور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سارے شہروں میں سب سے زیادہ محبوب ہے جیسا کہ خود حضور ارشاد فرماتے ہیں۔ لَا یُقْبَضُ النَّبِیُّ اِلَّا فِیْ اَحَبِّ الْاَمْکِنَۃِ اِلَیْہِ یعنی نبی اسی جگہ انتقال فرماتا ہے جو اسے سب جگہوں سے زیادہ محبوب ہو۔ (۱)

اور رسول کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وصال مدینہ منورہ میں ہوا۔ معلوم ہوا کہ سارے شہروں میں آپ کو سب سے زیادہ پیارا مدینہ ہے۔ اور جب حضور کو وہ سب سے زیادہ پیارا ہے تو حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی وہی شہر سب سے زیادہ پیارا ہے

---

(۱) فضائل مدینہ ص۱۱

مگر حالات نے اس محبوب شہر کے چھوڑنے پر آپ کو مجبور کر دیا۔ سفر کی تیاری مکمل ہو گئی۔ اونٹوں پر کجاوے کسے گئے اور اہل بیت رسالت کا یہ چھوٹا سا مقدس قافلہ مدینۃ الرسول کی جدائی کے صدمہ سے روتا ہوا گھروں سے نکل پڑا۔ اور حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے نانا جان کے روضۂ انور پر آخری سلام عرض کرنے کے لئے حاضر ہوئے۔

برادرانِ ملت! امام عالی مقام جب اپنے نانا جان کے آستانۂ مقدسہ پر آخری سلام کے لئے حاضر ہوئے ہوں گے اس وقت آپ کی کیفیت کیا ہوئی ہوگی۔ بلاشبہ دیدۂ خونبار نے اشک غم کی بارش کی ہوگی اور عرض کیا ہوگا کہ نانا جان! میں آپ کا مقدس شہر چھوڑ رہا ہوں وہ شہر کہ جو مجھے سب سے زیادہ عزیز اور پیارا ہے۔ اس لئے چھوڑ رہا ہوں کہ میرا یہاں رہنا دشوار ہو گیا ہے۔ میں جا رہا ہوں مجھے اجازت دیجئے۔

اور آپ کے نانا جان سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جنھوں نے آغوش رحمت و محبت میں آپ کی پرورش کی تھی اس وقت روضۂ انور میں ان کا کیا حال ہوا ہوگا اس کا تصور اہل محبت کے دلوں کو پاش پاش کر دیتا ہے۔

آہ! یہ دن کتنے رنج و غم کا دن تھا کہ جگر گوشۂ رسول فرزند علی و بتول جن کا سب کچھ مدینہ میں ہے مگر آج وہ مدینہ سے جا رہا ہے اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جا رہا ہے۔

آپ الوداع، اے نانا جان! الوداع کہہ کر روتے ہوئے واپس ہوئے اور ڈوبتے ہوئے دل کے ساتھ مدینہ منورہ پر حسرت بھری نگاہ ڈالتے ہوئے مکہ معظمہ کی جانب روانہ ہو گئے۔ یہ واقعہ ۴ شعبان سنہ ۶۰ھ کا ہے۔

جب آپ مکہ معظمہ پہنچ گئے اور آپ کی تشریف آوری کی لوگوں کو خبر ہوئی تو جوق در جوق آپ کی خدمت میں لوگ آنے لگے اور آپ کی زیارت کا شرف حاصل کرنے لگے۔

مکہ معظمہ میں آپ ایک پناہ گزیں کی حیثیت سے مقیم رہے۔ نہ آپ نے یزید کے خلاف کسی سے بیعت لی اور نہ اپنی موافقت میں کوئی لشکری طاقت ہی فراہم کی۔

کوفیوں کے خطوط

کوفہ شہر کی بنیاد اس وقت پڑی جب کہ ۱۴ھ سے ۱۶ھ تک قادسیہ وغیرہ میں فتوحات کے بعد مسلمانوں کی فوج نے عراق میں سکونت اختیار کی اور مدائن کی آب و ہوا ان کے موافق نہ ہوئی تو صحابی رسول حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم سے یہ جگہ تلاش کی گئی اور مسلمانوں کے لئے مکانات کی تعمیر ہوئی۔ پھر آپ ۱۷ھ میں اپنی فوج کے ساتھ مدائن سے منتقل ہو کر یہاں مقیم ہوئے۔ اس طرح کوفہ شہر وجود میں آیا۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ ہی سے کوفہ آپ کے شیعوں اور محبوں کا مرکز تھا۔ وہاں کے لوگ حضرت امیر معاویہ کے عہد خلافت ہی میں حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں تشریف آوری کی عرضیاں بھیج چکے تھے مگر آپ نے صاف انکار کر دیا تھا۔ اب جبکہ کوفہ والوں کو معلوم ہوا کہ امیر معاویہ کا انتقال ہو گیا اور امام عالی مقام نے یزید کی بیعت سے انکار کر دیا تو بروایت تاریخ طبری سلیمان بن صرد کے مکان میں وہاں کے شیعہ جمع ہوئے حضرت امیر معاویہ کے انتقال کا ذکر کر کے سب نے خدا کا شکر ادا کیا۔ پھر سلیمان نے سب سے کہا کہ معاویہ کا انتقال ہو گیا ہے اور حضرت امام حسین نے یزید کی بیعت سے انکار کر دیا ہے اور مکہ چلے گئے ہیں۔ آپ لوگ ان کے اور ان کے باپ کے شیعہ ہیں۔ اگر ان کے مددگار بن سکتے ہیں اور ان کے دشمنوں سے جنگ کر سکتے ہیں تو ان کو تشریف آوری کے لئے خط لکھیں اور اگر کمزوری یا بزدلی کا اندیشہ ہو تو دھوکا دے کر ان کی جان کو خطرہ میں نہ ڈالیں۔ سب نے بیک زبان کہا کہ ہم ان کو دھوکا نہ دیں گے بلکہ ہم ان کے دشمنوں سے لڑیں گے اور اپنی جانیں ان پر قربان کریں گے۔ (۱)

چنانچہ پہلا خط جو ان لوگوں کی طرف سے لکھا گیا اس میں حضرت امیر معاویہ کے انتقال اور یزید کی ولی عہدی کا ذکر کرنے کے بعد تحریر کیا گیا کہ ہمارے سر پر کوئی امام نہیں ہے آپ تشریف لایئے

۱؎ طبری صفحہ ۱۷۶ ج ۲۔

خدائے تعالیٰ آپ کی برکت سے ہیں حق کی حمایت نصیب فرمائے۔ دمشق کا گورنر نعمان بن بشیر یہاں موجود ہے مگر ہم اس کے ساتھ نماز جمعہ میں شریک نہیں ہوتے اور نہ اس کے ساتھ عیدگاہ جاتے ہیں۔ جب ہمیں معلوم ہو جائے گا کہ آپ تشریف لا رہے ہیں تو ہم اس کو یہاں سے نکال کر ملک شام جانے پر مجبور کر دیں گے۔(۱)

یہ پہلا خط عبداللہ بن سُبیع ہمدانی اور عبداللہ بن وال کے بدست روانہ کیا گیا جو امام عالی مقام کی خدمت میں ۱۰ ر رمضان ۶۰ھ کو مکہ معظمہ پہنچا۔ اس خط کی روانگی کے بعد دو ہی دن کے عرصہ میں ۵۳ عرضیاں اور تیار ہوگئیں جو ایک دو تین اور چار آدمیوں کے دستخط سے تھیں۔ یہ سارے خطوط تین آدمیوں کے ہاتھ ارسال کئے گئے۔ اس کے بعد پھر کچھ مخصوص لوگوں نے عرضیاں بھیجیں اور یہ سب یکے بعد دیگرے تھوڑے وقفہ سے حضرت کی خدمت میں پہنچ گئیں۔(۲)

کوفہ کو حضرت مسلم کی روانگی

آخری خط جو ہانی بن ہانی سُبیعی اور سعید بن عبداللہ حنفی کے بدست حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پہنچا اس کے بعد آپ نے کوفہ والوں کو لکھا کہ تم لوگوں کے بہت سے خطوط ہم تک پہنچے جن کے مضامین سے ہم مطلع ہوئے۔ تم لوگوں کے جذبات اور عقیدت و محبت کا لحاظ کرتے ہوئے بروقت ہم اپنے بھائی چچا کے بیٹے مخصوص و معتمد مسلم بن عقیل کو کوفہ بھیج رہے ہیں۔ اگر انہوں نے لکھا کہ کوفہ کے حالات سازگار ہیں تو انشاء اللہ تعالیٰ میں بھی تم لوگوں کے پاس بہت جلد چلا آؤں گا۔(۳)

حضرت صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین صاحب مرادآبادی علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں کہ اگرچہ امام کی شہادت کی خبر مشہور تھی اور کوفیوں کی بے وفائی کا پہلے بھی تجربہ ہو چکا تھا مگر جب یزید بادشاہ بن گیا اور اس کی حکومت و سلطنت دین کیلئے خطرہ تھی

۱؎ طبری ص۱۷۷ ج ۲، ۲؎ ایضاً ص۱۷۷ ج ۲، ۳؎ ایضاً ص۱۷۸ ج ۲

اور اس وجہ سے اس کی بیعت ناروا تھی اور وہ طرح طرح کی تدبیروں اور حیلوں سے چاہتا تھا کہ لوگ اس کی بیعت کریں۔ ان حالات میں کوفیوں کا پاس ملت یزید کی بیعت سے دست کشی کرنا اور حضرت امام سے طالب بیعت ہونا امام پر لازم کرتا تھا کہ ان کی درخواست قبول فرمائیں جب ایک قوم ظالم و فاسق کی بیعت پر راضی نہ ہو اور صاحب استحقاق اہل سے درخواست بیعت کرے اس پر اگر وہ ان کی استدعا قبول نہ کرے تو اس کے یہ معنیٰ ہوتے ہیں کہ وہ اس قوم کو اس جابر ہی کے حوالہ کرنا چاہتا ہے۔ امام اگر اس وقت کوفیوں کی درخواست قبول نہ فرماتے تو بارگاہ الٰہی میں کوفیوں کے اس مطالبہ کا امام کے پاس کیا جواب ہوتا کہ ہم ہر چند درپے ہوئے مگر امام بیعت کے لئے راضی نہ ہوئے بدیں وجہ ہمیں یزید کے ظلم و تشدد سے مجبور ہو کر اس کی بیعت کرنی پڑی۔ اگر امام ہاتھ بڑھاتے تو ہم ان پر جانیں فدا کرنے کے لئے حاضر تھے۔ یہ مسئلہ ایسا درپیش آیا جس کا حل بجز اس کے اور کچھ نہ تھا کہ حضرت امام ان کی دعوت پر لبیک فرمائیں۔ اگرچہ اکابر صحابہ کرام حضرت ابن عباس، حضرت ابن عمر، حضرت جابر، حضرت ابو سعید اور حضرت ابو واقد لیثی وغیرہم حضرت امام کی اس رائے سے متفق نہ تھے اور انھیں کوفیوں کے عہد و میثاق کا اعتبار نہ تھا۔ امام کی محبت اور شہادتِ امام کی شہرت ان سب کے دلوں میں اختلاج پیدا کر رہی تھی گو کہ یہ یقین کرنے کی بھی کوئی وجہ نہ تھی کہ شہادت کا یہی وقت ہے اور اسی سفر میں یہ مرحلہ درپیش ہوگا لیکن اندیشہ مانع تھا۔ حضرت امام کے سامنے مسئلہ کی یہ صورت درپیش تھی کہ اس استدعا کو رد کرنے کیلئے عذر شرعی کیا ہے۔ ادھر ایسے جلیل القدر صحابہ کے شدید اصرار کا لحاظ اُدھر اہل کوفہ کی استدعا رد فرمانے کے لئے کوئی شرعی عذر نہ ہونا حضرت امام کیلئے نہایت پیچیدہ مسئلہ تھا جس کا حل بجز اس کے کچھ نظر نہ آیا کہ پہلے حضرت امام مسلم کو بھیجا جائے۔ اگر کوفیوں نے بدعہدی و بے وفائی کی تو عذر شرعی مل جائے گا اور اگر وہ اپنے عہد پر قائم رہے تو صحابہ کو تسلی دی جاسکے گی۔ (۱)

حضرت مسلم کوفہ میں

حضرت مسلم کے دو صاحبزادے محمد اور ابراہیم جو بہت کم عمر تھے اور اپنے باپ کے بہت پیارے بیٹے تھے اس

۱؎ سوانح کربلا ص۸۰،

سفر میں اپنے مہربان باپ کے ساتھ ہولیے۔ حضرت مسلم نے کوفہ پہنچ کر مختار بن عبید کے مکان پر قیام فرمایا شیعان علی ہر طرف سے جوق در جوق آکر بڑے جوش عقیدت اور محبت کے ساتھ آپ سے بیعت کرنے لگے۔ یہانتک کہ ایک ہفتہ کے اندر بارہ ہزار کوفیوں نے آپ کے دست مبارک پر حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیعت کی۔ حضرت مسلم کو جب حالات خوشگوار نظر آئے تو آپ نے امام حسین کو خط لکھدیا کہ یہاں کے حالات سازگار ہیں اور اہل کوفہ اپنے قول و قرار پر قائم ہیں آپ جلد تشریف لائیے۔ صحابی رسول حضرت نعمان بن بشیر جو اس زمانہ میں کوفہ کے گورنر تھے جب وہ حالات سے باخبر ہوئے تو منبر پر تشریف لے گئے اور حمد و صلاۃ کے بعد فرمایا کہ اے لوگو! یہ بیعت یزید کی مرضی کے خلاف ہے وہ اس پر بہت بھڑکے گا اور فتنہ و فساد برپا ہوگا۔ عبداللہ بن مسلم حضرمی جو بنی امیہ کے ہوا خواہوں میں سے تھا اٹھ کھڑا ہوا اور کہا کہ آپ جو دیکھ رہے ہیں سخت گیری کے بغیر اس کی اصلاح نہیں ہوسکتی۔ آپ دشمن کے مقابلہ میں بہت کمزور ثابت ہورہے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ خدائے تعالیٰ کی فرمانبرداری کے ساتھ میرا شمار کمزوروں میں ہو یہ اس بات سے بہتر ہے کہ اس کی نافرمانی کے ساتھ میرا شمار عزت والوں میں ہو۔ یہ فرماکر آپ منبر سے اتر آئے۔ عبداللہ حضرمی نے وہاں سے اٹھ کر یزید کو خط لکھ دیا کہ مسلم بن عقیل کوفہ میں آگئے ہیں شیعوں نے حسین بن علی کے نام پر ان سے بیعت کرلی ہے۔ اگر آپ کوفہ بچانا چاہتے ہیں تو کسی زبردست آدمی کو حاکم بناکر بھیجیے جو آپ کے فرمان کے مطابق عمل کرسکے۔ نعمان بن بشیر یا تو کمزور ہیں اور یا تو جان بوجھ کر کمزوری دکھا رہے ہیں۔ (۱)

عمارہ بن عقبہ اور عمر بن سعد نے بھی اسی مضمون کے خطوط یزید کو لکھے۔ ان خطوط کے پہنچنے پر یزید سخت غضبناک ہوا۔ اپنے خاص دوستوں کو بلاکر اس نے مشورہ کیا۔ ان لوگوں نے کہا کہ کوفہ کا گورنر عبیداللہ بن زیاد کو مقرر کیا جائے کہ وہ بہت سخت آدمی ہے کسی کی پروانہ کریگا یزید نے ان لوگوں کے مشورہ پر عمل کیا۔ کوفہ کے سابق گورنر حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

---

(۱) طبری صہ ۱۸۱ ج ۲

کو معزول کر دیا اور عبید اللہ بن زیاد جو بصرہ کا گورنر تھا اسے کوفہ کا بھی گورنر بنا دیا اور حکم دیا کہ وہ فوراً کوفہ پہنچ جائے مسلم بن عقیل کو گرفتار کر کے شہر بدر کر دے یا قتل کر ڈالے۔ اور حسین بن علی آئیں تو ان سے بھی میری بیعت طلب کرے اگر وہ بیعت کر لیں تو بہتر ورنہ ان کو بھی قتل کر دے

ابن زیاد کا کوفہ آنا

یزید کا حکم نامہ پاتے ہی عبید اللہ بن زیاد نے اپنے بھائی عثمان بن زیاد کو بصرہ میں اپنا جانشین مقرر کیا اور دوسرے دن کوفہ کے لئے روانہ ہو گیا۔ قادسیہ پہنچ کر اپنے سپاہیوں کو وہیں چھوڑ دیا اور از راہ فریب حجازی لباس پہن کر اونٹ پر سوار ہوا اور بیس آدمیوں کو اپنے ہمراہ لیکر حجازی راستہ سے مغرب اور عشاء کے درمیان کوفہ میں داخل ہوا۔ رات کے اندھیرے میں اس مکر و فریب کے ساتھ پہنچنے سے اس کا مطلب یہ تھا کہ اس وقت کوفیوں میں یزید کے خلاف ایک لہر دوڑی ہوئی ہے لہٰذا ایسے طور پر داخل ہونا چاہئے کہ وہ ابن زیاد کو پہچان نہ سکیں اور یہ سمجھیں کہ حضرت امام حسین تشریف لے آئے تاکہ امن و عافیت کے ساتھ وہ کوفہ میں داخل ہو جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اہل کوفہ جن کو حضرت امام عالی مقام کی آمد کا انتظار تھا حجازی لباس میں حجازی راستہ سے ساز و سامان کے ساتھ آتا دیکھ کر رات کی تاریکی میں ہر شخص نے یہی سمجھا کہ حضرت حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما تشریف لے آئے۔ سب نے نعرہائے مسرت بلند کیا، "مَرْحَبًا بِكَ يَا ابْنَ رَسُوْلِ اللّٰهِ" اور "قَدِمْتَ خَيْرَ مَقْدَمٍ" کہتے ہوئے اس کے آگے پیچھے چلے۔ ابن زیاد بد نہاد کسی کو کچھ جواب نہ دیتا تھا بلکہ آوازوں کو سنتا اور چہروں کو بغور دیکھتا ہوا چلا جا رہا تھا۔ شور سن کر اور بھی لوگ گھروں سے نکل آئے اور ہر شخص فرزند رسول سمجھ کر آگے بڑھنے لگا۔ جب مجمع بہت زیادہ ہو گیا اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ راہ چلنے میں رکاوٹ پیدا ہونے لگی اس وقت مسلم بن عمرو باہلی جو ابن زیاد کے ساتھ تھا اس نے پکار کر کہا "راستہ چھوڑ دو" یہ امیر عبید اللہ بن زیاد ہیں۔ ان الفاظ کو سن کر لوگوں کو بڑا رنج ہوا افسوس کرتے ہوئے سب اپنے گھروں کو واپس ہو گئے اور صرف دس بیس آدمیوں کے ساتھ ابن زیاد گورنر ہاؤس میں داخل ہوا۔ (۱)

۱؎ طبری صفحہ ۱۸۴ ج ۲

صبح ابن زیاد نے لوگوں کو جمع کیا اور ان کے سامنے یہ تقریر کی۔ اے لوگو! امیر المؤمنین یزید نے مجھے کوفہ کا گورنر بنایا ہے اور مجھے حکم دیا ہے کہ مطیع و فرمانبردار لوگوں کے ساتھ میں بھلائی کروں اور نافرمانوں کے ساتھ سختی کروں۔ کان کھول کر سن لو۔ میں امیر المؤمنین کے اس حکم پر سختی سے عمل کروں گا۔ فرمانبرداروں کے ساتھ مہربانی سے پیش آؤں گا۔ اور نافرمانوں کے لئے میری تلوار ہے۔ تم لوگ اپنے اور اپنے اہل و عیال کی جانوں پر رحم کرو۔

اس تقریر کے بعد ابن زیاد نے ہر قبیلہ کے بڑے بڑے لوگوں کو گرفتار کر لیا اور ان سے تحریری ضمانت لی کہ تم اور تمہارے قبیلے کے لوگ کسی مخالف کو اپنے یہاں پناہ نہیں دیں گے۔ اگر کسی نے پناہ دے رکھی ہے تو وہ اسے پیش کرے گا۔ جو ایسا نہیں کرے گا ہم اسے قتل کر کے اسی کے دروازہ پر لٹکا دیں گے۔ اور اس کے اہل و عیال کو بھی نہیں چھوڑیں گے۔

ابن زیاد کی اس کارروائی کے بعد کوفہ والوں پر خوف و ہراس چھا گیا اور ان کے خیالات میں تیزی کے ساتھ تبدیلی پیدا ہونے لگی۔

کوفہ شہر میں چونکہ یہ مشہور ہو چکا تھا کہ حضرت مسلم مختار بن ابوعبیدہ کے مکان پر ٹھہرے ہوئے ہیں اس لئے اب آپ نے وہاں قیام فرمانا مناسب نہ سمجھا اور رات کی تاریکی میں محب اہلبیت ہانی بن عروہ کے مکان پر منتقل ہو گئے جو قبیلہ مذحج کے سردار تھے۔ ہانی نے آپ کو ایک محفوظ کمرہ میں چھپا کے رکھا اور سوائے مخصوص و معتمد لوگوں کے دوسروں کو اس راز سے مطلع نہ کیا۔

جاسوس کی جاسوسی

ابن زیاد کو حضرت مسلم کی تلاش تھی مگر کوشش کے باوجود وہ ان کی قیام گاہ کا پتہ نہ لگا سکا۔ آخر اس نے اپنے شامی غلام معقل کو تین ہزار درہم دے کر سراغ کے لئے مقرر کیا کہ وہ خفیہ طور پر کسی نہ کسی طرح مسلم کا پتہ چلائے۔ غلام سیدھا جامع مسجد پہنچا۔ اتفاق سے اس وقت ایک محب اہلبیت مسلم بن عوسجہ اسدی مسجد کے ایک گوشہ میں نماز پڑھ رہے تھے۔ یہ دیر تک ان کو دیکھتا رہا جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو یہ غلام ان کے پاس گیا اور کہا میں ملک شام کا رہنے والا ہوں اور اللہ کے فضل و کرم سے اہلبیت نبوت کا دوست ہوں۔ معلوم ہوا ہے کہ اس خاندان کے کوئی بزرگ کوفہ تشریف

لائے ہیں۔ یہ تین ہزار درہم میرے پاس ہیں۔ کیا آپ ان کا پتہ بتا سکتے ہیں تا کہ یہ رقم میں ان کی خدمت میں نذر کردوں مسلم اسدی نے کہا مسجد میں اور بھی بہت سے لوگ ہیں تم مجھی سے کیوں ان کے بارے میں دریافت کر رہے ہو؟ غلام نے کہا کہ آپ کے چہرے پر جو خیر و برکت کے آثار ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ ضرور اہلبیت رسول کے دوستوں میں سے ہیں مسلم اسدی اس کے فریب میں آگئے اور کہا تم نے خوب پہچانا۔ میں بھی تمہارے بھائیوں میں سے ایک ہوں۔ میرا نام مسلم بن عوسجہ ہے۔ پھر اسے حضرت مسلم بن عقیل کے پاس لے گئے اس نے آپ سے بیعت کی اور تین ہزار درہم جو لایا تھا وہ آپ کی خدمت میں پیش کیا۔ بیعت کے بعد وہ غلام روزانہ آپ کی خدمت میں سب سے پہلے آتا، دن بھر رہتا، حالات معلوم کرتا اور جو کچھ دیکھتا سنتا رات کے وقت اس کی پوری رپورٹ ابن زیاد کو پہنچا دیتا۔

ہانی سے ابن زیاد کے پرانے تعلقات تھے مگر کہیں ابن زیاد کو بھنک نہ مل گئی ہو کہ حضرت مسلم ہمارے یہاں مقیم ہیں اس ڈر سے وہ اس کی ملاقات کو جانے سے پرہیز کرتے تھے اور بیماری کے عذر سے گھر بیٹھ گئے تھے۔ ابن زیاد نے ہانی کے پاس ملاقات کا پیغام بھیجا۔ ہانی نے کوئی خطرہ نہیں محسوس کیا اس لئے وہ تنہا ابن زیاد کے پاس چلے گئے۔ وہاں پہنچے تو ابن زیاد کا رنگ بدلا ہوا پایا۔ آپ نے سلام کیا تو اس نے جواب نہیں دیا۔ کچھ دیر آپ کھڑے رہے۔ اس کے بعد اس نے بڑے غصہ سے کہا۔ ہانی تم امیر المومنین یزید کے خلاف اپنے گھر کو سازشوں کا اڈہ بنائے ہو۔ تم مسلم بن عقیل کو بلا کر اپنے گھر میں چھپائے ہو، ان کے لئے ہتھیار جمع کرتے ہو، اپنے محلہ میں ان کی مدد کیلئے آدمی اکٹھا کر رہے ہو اور سمجھتے ہو کہ یہ ساری باتیں مجھ سے چھپی رہیں گی۔

ہانی نے پہلے تو ان باتوں سے انکار کیا مگر جب ابن زیاد نے معقل غلام کو بلا کر کھڑا کر دیا تو ان کے ہوش اڑ گئے۔ اب انکار کی گنجائش نہ رہی تو انھوں نے کہا اصل حقیقت یہ ہے کہ میں نے مسلم بن عقیل کو نہیں بلایا بلکہ وہ خود میرے یہاں آگئے تو میں انکار نہیں کر سکا۔ اس طرح میں نے انھیں مہمان بنا لیا اور پناہ دیدی۔ میں آپ سے پکا وعدہ کرتا ہوں کہ میں انھیں اپنے گھر سے نکال دوں گا۔ آپ مجھے اتنی مہلت دیجئے کہ میں جا کر ان سے کہہ کے آجاؤں کہ آپ میرے

گھر سے نکل کر جہاں چاہیں چلے جائیں تاکہ میں پناہ دینے کی ذمہ داری سے سبکدوش ہو جاؤں۔ ابن زیاد نے کہا خدا کی قسم جب تک تم انھیں میرے پاس حاضر نہ کردو تم یہاں سے نہیں جا سکتے۔ ہانی نے کہا خدا کی قسم میں اپنے مہمان کو قتل کے لئے تمہارے سپرد کردوں یہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔

یہاں تک کہ بات اور بڑھی تو ابن زیاد نے کہا تم انھیں سپرد نہیں کروگے تو ہم تمہارا سر قلم کر دیں گے۔ ہانی نے کہا ایسا ہوا تو تمہارے ارد گرد بھی تلواریں چمکیں گی۔ یہ سن کر ابن زیاد آگ بگولہ ہوگیا اور کہا اچھا! تم مجھے دھمکی دیتے ہو۔ پھر ہانی کے سر اور منہ پر ڈنڈے مارنا شروع کیا یہاں تک کہ ان کا سر اور چہرہ زخمی ہوگیا اور سارا کپڑا خون میں لت پت ہوگیا۔ ایک سپاہی جو قریب میں کھڑا تھا ہانی نے اس کی تلوار پر ہاتھ ڈالا کہ چھین لیں مگر اس نے چھڑا لیا۔ ابن زیاد نے کہا اب تو اپنا خون تم نے میرے لئے حلال کر دیا۔ پھر سپاہیوں کو حکم دیا کہ اسے کھینچ کرلے جاؤ اور ایک کمرہ میں بند کردو۔ (۱)

شہر میں یہ افواہ پھیل گئی کہ ہانی قتل کر دئے گئے۔ اس افواہ کے سنتے ہی عمرو بن الحجاج جو ہانی کے نسبتی بھائی تھے کئی ہزار ہتھیار بند سواروں کو لیکر گورنر ہاؤس کو گھیر لیا۔ عمرو بن الحجاج نے پکار کر کہا کہ میں عمرو بن الحجاج ہوں اور میرے ساتھ قبیلہ مذحج کے ہزاروں سوار ہیں۔ ہم نے اطاعت سے روگردانی نہیں کی ہے۔ ہمارے سردار کو قتل کر دیا گیا ہے ہم اس کا انتقام لیں گے پھر انتقام انتقام کا شور بلند ہوا۔ ابن زیاد اس صورت حال سے بہت گھبرا گیا اس نے قاضی شریح سے کہا کہ آپ پہلے ہانی کو دیکھ لیجئے پھر اس کے قبیلہ والوں سے کہئے کہ ہانی زندہ ہیں انکے قتل کی افواہ غلط ہے۔ ہانی اپنے قبیلہ کے لوگوں کی آوازیں سن رہے تھے۔ قاضی شریح جب ان کے پاس گئے تو ہانی نے ان سے کہا میرے قبیلہ والوں سے میرا حال بتا کر کہدیجئے کہ اس وقت اگر دس آدمی بھی اندر آجائیں تو میں یقیناً چھوٹ جاؤں گا۔ قاضی صاحب جب باہر نکلے تو ابن زیاد کا جاسوس حمید بن بکر اسدی ان کے ساتھ ہوگیا اس لئے مجبوراً قاضی صاحب نے ہانی کا پورا حال ان کے قبیلہ سے نہیں بتایا بلکہ صرف اتنا کہا کہ وہ زندہ ہیں اور بعض مصلحتوں کی

۱؎ طبری ص ۱۹۲ ج ۲

بنا کر نظر بند کر دئے گئے ہیں۔ ہانی کے قبیلہ والوں کو قاضی صاحب کی شہادت سے جب معلوم ہوا کہ ہانی زندہ ہیں اور ان کے قتل کی افواہ غلط ہے تو وہ سب مطمئن ہو کر واپس چلے گئے۔ (۱)

گورنر ہاؤس کا گھراؤ

حضرت صدر الافاضل مولانا محمد نعیم الدین صاحب مرادآبادی علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت مسلم یہ خبر پاکر برآمد ہوئے اور آپ نے اپنے متوسلین کو ندا کی۔ جوق در جوق آدمی آنے شروع ہوئے اور چالیس ہزار کی جمعیت نے آپ کے ساتھ قصر شاہی کا احاطہ کر لیا۔ صورت بن آئی تھی۔ حملہ کرنے کی دیر تھی۔ اگر حضرت مسلم حملہ کرنے کا حکم دیتے تو اسی وقت قلعہ فتح پاتا۔ اور ابن زیاد اور اسکے ہمراہی حضرت مسلم کے ہاتھ میں گرفتار ہوتے۔ اور یہی لشکر سیلاب کی طرح امڈ کر شامیوں کو تاخت وتاراج کر ڈالتا اور یزید کو جان بچانے کے لئے کوئی راہ نہ ملتی۔ نقشہ تو یہی جما تھا مگر کاربدست کارکنان قدرست۔ بندوں کا سوچا کیا ہوتا ہے۔ حضرت مسلم نے قلعہ کا احاطہ تو کر لیا اور باوجودیکہ کوفیوں کی بدعہدی اور ابن زیاد کی فریب کاری اور یزید کی عداوت پورے طور پر ثابت ہو چکی تھی۔ پھر بھی آپ نے اپنے لشکر کو حملہ کا حکم نہ دیا اور ایک بادشاہ دادگستر کے نائب کی حیثیت سے آپ نے انتظار فرمایا کہ پہلے گفتگو سے قطع حجت کر لیا جائے اور صلح کی صورت پیدا ہو سکے تو مسلمانوں میں خوں ریزی نہ ہونے دی جائے۔ آپ اپنے اس پاک ارادہ سے انتظار میں رہے اور اپنی احتیاط کو ہاتھ سے نہ دیا۔ دشمن نے اس وقفہ سے فائدہ اٹھایا اور کوفہ کے رؤسا وعمائد جن کو ابن زیاد نے پہلے سے قلعہ میں بند کر رکھا تھا انھیں مجبور کیا کہ وہ اپنے رشتہ داروں اور زیر اثر لوگوں کو مجبور کر کے حضرت مسلم کی جماعت سے علیحدہ کر دیں۔ یہ لوگ ابن زیاد کے ہاتھ میں قید تھے اور جانتے تھے کہ اگر ابن زیاد کو شکست بھی ہوئی تو وہ قلعہ فتح ہونے تک ان کا خاتمہ کر دے گا۔ اس خوف سے وہ گھبرا اٹھے اور انھوں نے دیوار قلعہ پر چڑھ کر اپنے متعلقین ومتوسلین سے گفتگو کی اور انھیں حضرت مسلم کی رفاقت چھوڑ دینے پر انتہا درجہ کا زور دیا اور بتایا کہ علاوہ اس بات کے کہ حکومت تمہاری دشمن ہو جائے گی یزید ناپاک طینت تمہارے بچے

---

(۱) طبری صفحہ ۱۹۴ ج ۲

بچہ کو قتل کرڈالے گا، تمہارے مال لٹوادے گا، تمہاری جاگیریں اور مکان ضبط ہوجائیں گے۔ یہ اور مصیبت ہے کہ اگر تم امام مسلم کے ساتھ رہے تو ہم جو ابن زیاد کے ہاتھ میں قید ہیں قلعہ کے اندر مارے جائیں گے۔ اپنے انجام پر نظر ڈالو، ہمارے حال پر رحم کرو اپنے گھروں کو چلے جاؤ۔ یہ حیلہ کامیاب ہوا اور حضرت مسلم کا لشکر منتشر ہونے لگا یہاں تک کہ تابوقت شام حضرت مسلم نے مسجد کوفہ میں جس وقت مغرب کی نماز شروع کی تو آپ کے ساتھ پانچ سو آدمی تھے اور جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو آپ کے ساتھ ایک بھی نہ تھا۔ تمناؤں کے اظہار اور التجاؤں کے طومار سے جس عزیز مہمان کو بلایا تھا ان کے ساتھ یہ وفا ہے کہ وہ تنہا ہیں اور ان کی رفاقت کے لئے کوئی ایک بھی موجود نہیں۔ کوفہ والوں نے حضرت مسلم کو چھوڑنے سے پہلے غیرت وحمیت سے قطع تعلق کیا اور انھیں ذرا پرواہ نہ ہوئی کہ قیامت تک تمام عالم میں ان کی بے ہمتی کا شہرہ رہے گا۔ اور اس بزدلانہ بے مروتی اور نامردی سے وہ رسوائے عالم ہوں گے۔ حضرت مسلم اس غربت و مسافرت میں تنہا رہ گئے۔ کدھر جائیں کہاں قیام کریں۔ حیرت ہے کوفہ کے تمام مہمان خانوں کے دروازے مقفل تھے جہاں سے ایسے محترم مہمانوں کو مدعو کرنے کیلئے رسل و رسائل کا تانتا باندھ دیا گیا تھا۔ کوفہ کے وسیع خطہ میں دو چار گز زمین حضرت مسلم کے شب گذارنے کے لئے نظر نہیں آتی۔ اس وقت حضرت مسلم کو امام حسین کی یاد آتی ہے اور دل تڑپا دیتی ہے وہ سوچتے ہیں کہ میں نے امام کی جناب میں خط لکھا تشریف آوری کی التجا کی ہے اور اس بدعہد قوم کے اخلاص و عقیدت کا ایک دلکش نقشہ امام عالی مقام کے حضور پیش کیا ہے اور تشریف آوری پر زور دیا ہے۔ یقیناً حضرت امام میری التجا رد نہ فرمائیں گے اور یہاں کے حالات سے مطمئن ہوکر مع اہل و عیال چل پڑے ہوں گے۔ یہاں انھیں کیا مصائب پہنچیں گے اور چمن زہرا کے جنتی پھولوں کو اس بے مہری کی تپش کیسی گزند پہنچائے گی۔ یہ غم الگ دل کو گھائل کررہا تھا اور اپنی تحریر پر شرمندگی و انفعال اور حضرت امام کیلئے خطرات علیحدہ بے چین کررہے تھے اور موجودہ پریشانی جدا دامن گیر تھی۔ (۱)

---

(۱) سوانح کربلا صـ ۹۲

حضرت مسلم طوعہؓ کے گھر

حضرت مسلم اسی پریشانی کے عالم میں ادھر اُدھر پھرنے لگے رات کے اندھیرے میں یوں ہی چلے جا رہے تھے کہ ایک عورت جس کا نام طوعہ تھا اپنے دروازہ پر بیٹھی ہوئی نظر آئی جو اپنے بیٹے کا انتظار کر رہی تھی۔ آپ نے اس سے پینے کے لئے پانی مانگا۔ عورت نیک خصلت تھی وہ گئی اور پانی لائی آپ بیٹھ گئے اور پانی پیا۔ وہ برتن رکھنے کے لئے گھر میں گئی اور جب واپس آئی تو دیکھا کہ آپ بیٹھے ہیں۔ اس نے کہا آپ تو پانی پی چکے اب اپنے گھر جائیے۔ آپ نے کوئی جواب نہیں دیا اور بیٹھے رہے۔ جب اس نے دوسری اور تیسری بار وہی بات کہی تو آپ نے فرمایا اے اللہ کی بندی! میرا اس شہر میں کوئی گھر نہیں ہے میں ایک مسافر ہوں اور سخت مصیبت میں مبتلا ہوں۔ کیا تم مجھے پناہ دے سکتی ہو؟ شاید میں کبھی اس کا بدلہ دے سکوں ورنہ اللہ و رسول جل جلالہ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمہیں اس کا بہترین اجر عطا فرمائیں گے۔ عورت نے حیران ہو کر دریافت کیا آپ ہیں کون؟ اور واقعہ کیا ہے؟ فرمایا میں مسلم بن عقیل ہوں۔ کوفہ والوں نے میرے ساتھ غداری کی، مجھ سے مدد کا وعدہ کیا اور اب سب نے میرا ساتھ چھوڑ دیا۔ اس نے کہا مسلم آپ ہی ہیں؟ فرمایا ہاں میں وہی ہوں۔ اتنا سننا تھا کہ وہ آپ کو مکان کے اندر لے گئی اور اپنے خاص کمرہ میں آپ کے لئے فرش بچھا دیا پھر کھانا لائی مگر آپ نے تناول نہیں فرمایا۔

تھوڑی دیر بعد اس کا لڑکا آیا۔ جب اس نے ماں کو اس کے خاص کمرہ میں بار بار آتے جاتے دیکھا تو وجہ دریافت کی۔ طوعہ نے پہلے چھپانے کی کوشش کی لیکن بیٹے نے جب بہت اصرار کیا تو اس کو ظاہر کرنا پڑا مگر اس نے تاکید کر دی کہ خبردار! یہ راز کسی سے ظاہر مت کرنا۔ وہ سنکر چپ ہو گیا اور رات گذرنے کا انتظار کرنے لگا۔ لڑکا شرابی اور آوارہ قسم کا تھا۔ (۱)

صبح ہوئی تو اس لڑکے نے محمد بن اشعث کے بیٹے سے جا کر بتا دیا کہ مسلم بن عقیل ہمارے گھر ہیں۔ اس نے فوراً اپنے باپ کے ذریعہ ابن زیاد کو مطلع کر دیا۔ ابن زیاد نے محمد بن اشعث کی

---

(۱) طبری ص ۱۹۸ ج ۲

سرکردگی میں فوج کا ایک دستہ مسلم کی گرفتاری کے لئے روانہ کر دیا۔ حضرت مسلم نے جب گھوڑے کے ٹاپوں کی آواز سنی تو سمجھ گئے کہ فوج میری گرفتاری کے لئے آگئی۔ آپ تلوار لے کر فوراً کمرہ سے باہر نکل پڑے۔ اتنے میں فوج گھر کے اندر پہنچ گئی۔ آپ نے ایسا سخت حملہ کیا کہ سب کو نکال کر گھر سے باہر کر دیا۔ وہ لوگ پھر اندر گھس آئے۔ آپ نے بڑی بہادری سے ان کا مقابلہ کیا۔ آپ میں اور بکیر بن حمران احمری میں تلوار چلنے لگی۔ اس نے آپ کے چہرے پر ایسی تلوار ماری کہ اوپر کا ہونٹ کٹ گیا، نیچے کا ہونٹ بھی زخمی ہوا اور سامنے کے دو دانت بھی گر گئے اور آپ نے اس کے سر پر زخم کاری لگایا۔ جب دشمنوں کو یقین ہو گیا کہ اس طرح ان پر قابو پانا مشکل ہے تو سب بھاگ کر چھت پر چلے گئے اور اوپر سے پتھر مارنے لگے۔ اس کے علاوہ سینٹھوں کے مٹھے آگ سے جلا کر پھینکنے لگے۔ حضرت مسلم نے جب یہ بزدلانہ طریقہ جنگ دیکھا تو آپ تلوار کھینچے ہوئے گھر سے نکل آئے۔ اور ان لوگوں سے لڑنے لگے جو باہر تھے۔ محمد بن اشعث نے پکار کر کہا کہ آپ کے لئے امان ہے مگر آپ نے جنگ جاری رکھی اور رجز پڑھنے لگے جس کے آخری مصرع کا مضمون یہ تھا کہ "مجھے اس بات کا اندیشہ ہے کہ مجھ سے جھوٹ بولیں گے یا مجھے دھوکا دیں گے"۔ محمد بن اشعث نے کہا نہیں آپ سے جھوٹ نہیں بولا جائے گا اور نہ آپ کو دھوکا دیا جائے گا۔

حضرت مسلم میں اب جنگ کرنے کی طاقت نہیں رہ گئی تھی زخموں سے چور تھے اور ہانپ رہے تھے اس لئے اسی مکان کی ایک دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑے ہو گئے۔ ابن اشعث ان کے پاس آکر کہنے لگا کہ امان ہے۔ آپ نے کہا میرے لئے امان ہے۔ کہا ہاں امان ہے اور سب پکار اٹھے کہ ہاں آپ کے لئے امان ہے صرف عمرو بن عبید اللہ سلمی الگ ہو گیا اور کہا مجھے اس معاملہ میں کوئی دخل نہیں۔ حضرت مسلم نے فرمایا دیکھو تم لوگوں نے مجھے امان دی ہے اس لئے میں اپنی تلوار میان میں کر لیتا ہوں۔ اگر تم لوگ مجھے امان نہ دیتے تو میں اپنے کو تمہارے حوالے ہرگز نہیں کرتا۔ اتنے میں ایک سواری لائی گئی جس پر حضرت مسلم کو بٹھایا اور گورنر ہاؤس کی طرف لے چلے۔ راستہ میں آپ کی تلوار کمر سے نکال لی گئی تو آپ زندگی سے مایوس ہو گئے اور فرمایا یہ پہلی غداری ہے۔ ابن اشعث نے کہا مجھے امید ہے آپ کے ساتھ کوئی خطرہ نہیں پیش آئے گا۔ آپ نے فرمایا بس امید ہی امید ہے اور

امان جو تم نے دی تھی وہ کیا ہوئی؟ پھر اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ کہا اور رونے لگے۔
عمرو بن عبید اللہ سلمی جس نے امان سے اتفاق نہیں کیا تھا وہ بولا کہ جس کے لئے تم کھڑے ہوئے تھے اسے خطرہ دیکھکر رونا نہیں چاہیئے۔ آپ نے فرمایا واللہ میں اپنی جان کے لئے نہیں رو رہا ہوں بلکہ میں نواسۂ رسول حضرت امام حسین اور ان کی اولاد کے لئے رو رہا ہوں۔ (۱)

حضرت مسلم اور گورنر ہاؤس

محمد بن اشعث آپ کو لئے ہوئے گورنر ہاؤس کے پھاٹک پر پہنچا آپ کو وہاں بیٹھا دیا اور خود اجازت لے کر ابن زیاد کے پاس گیا۔ اس سے لڑائی کی پوری کیفیت بیان کی اور حضرت مسلم کو امان کے ساتھ لانے کا ذکر کیا۔ ابن زیاد نے کہا تم امان دینے والے کون ہوتے ہو۔ ہم نے تمہیں گرفتار کرنے کے لئے بھیجا تھا۔ امان دینے کے لئے نہیں بھیجا تھا۔ اب ابن اشعث میں کچھ بولنے کی جرأت نہیں ہوئی وہ چپ ہو گیا۔

حضرت مسلم جب گورنر ہاؤس کے دروازہ پر پہنچے تو وہاں بہت سے لوگ اندر جانے کی اجازت کے انتظار میں موجود تھے۔ اور ایک گھڑا ٹھنڈے پانی سے بھرا ہوا دروازے کے قریب رکھا ہوا تھا اور آپ بہت پیاسے تھے۔ فرمایا مجھے تھوڑا سا پانی پلا دو۔ مسلم بن عمرو باہلی خبیث نے کہا کہ اس میں سے ایک بوند بھی تم کو نہیں ملے گی۔ مگر عمارہ بن عقبہ نے اپنے غلام سے کہا کہ مسلم کو پانی پلا دے۔ جب وہ کٹورے میں پانی بھر کر لایا اور آپ نے اسے پینا چاہا تو منھ سے خون بہنے لگا اور پانی رنگین ہو گیا۔ دوبارا سی طرح ہوا تیسری دفعہ دو دانت ٹوٹ کر کٹورے میں گر گئے۔ آپ نے کٹورہ رکھدیا اور فرمایا معلوم ہوتا ہے کہ اب پانی میری قسمت سے اٹھ چکا۔

اتنی دیر میں ابن زیاد کا آدمی آپ کو لینے کے لئے آ گیا۔ جب آپ ابن زیاد کے پاس پہنچے تو دستور کے مطابق آپ نے اس کو سلام نہیں کیا۔ ایک سپاہی نے کہا کہ تم امیر کو سلام نہیں کرتے۔ آپ نے فرمایا اگر امیر مجھ کو قتل کرنا چاہتا ہے تو اس کو میرا سلام نہیں اور اگر قتل کا ارادہ نہیں ہے تو پھر اس کو

۱؎ طبری صفحہ ۲۰۲ ج ۲

بہت سے سلام ہوں گے۔ ابن زیاد نے کہا اب تم بچ نہیں سکتے قتل کردئے جاؤ گے۔ آپ نے فرمایا واقعی اس نے کہا ہاں۔ فرمایا اچھا مجھے اتنا موقع دیدو کہ میں کچھ وصیت کردوں۔ کہا ہاں وصیت کردو مسلم نے لوگوں پر نگاہ ڈالی تو ان میں ابن سعد نظر آیا۔ آپ نے اس سے فرمایا کہ تم قریش خاندان کے آدمی ہو میں تم سے کچھ راز کی باتیں کہنا چاہتا ہوں انھیں تنہائی میں سن لو۔ حکومت کا چاپلوس سننے کیلئے تیار نہ ہوا۔ ابن زیاد نے کہا سننے میں کیا حرج ہے۔ تو ابن سعد اٹھا اور حضرت مسلم کے ساتھ تھوڑی دور جاکر ایسی جگہ بیٹھا جہاں سے ابن زیاد کا بھی سامنا تھا۔ آپ نے اس سے فرمایا ایک بات یہ کہنی ہے کہ میں نے کوفہ میں فلاں شخص سے سات سو درہم قرض لیا ہے تم اسے ادا کر دینا۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ قتل کے بعد میری لاش کو دفن کر دینا۔ تیسرے حضرت امام حسین کے پاس کسی کو بھیج کر میرے واقعہ کی اطلاع کر دینا تاکہ وہ واپس چلے جائیں۔

حضرت مسلم نے یہ باتیں ابن سعد سے راز کے طور پر کہیں تھیں مگر اس بدبخت نے یہ ساری باتیں ابن زیاد سے کہدیں۔ پھر ان وصیتوں کے جاری کرنے کے بارے میں اس سے دریافت کیا۔ ابن زیاد نے کہا قرض کی ادائگی کے بارے میں تمہیں اختیار ہے جو چاہو کرو۔ اور حسین کے متعلق یہ ہے کہ اگر وہ ہماری طرف نہیں آئیں گے تو ہمیں ان سے کوئی مطلب نہیں اور اگر آئیں گے تو ہم انھیں بھی نہیں چھوڑیں گے۔ اور لاش کے بارے میں ہم تمہاری بات نہیں سنیں گے کہ جس شخص نے ہماری مخالفت کی اور لوگوں میں اس قدر انتشار پیدا کیا اس کی لاش کسی رعایت کی مستحق نہیں۔ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ لاش کے متعلق اس نے کہا قتل کے بعد ہمیں اس سے کوئی سروکار نہیں تم جو چاہو کرو۔ (۱)

حضرت مسلم اور ابن زیاد

اس کے بعد حضرت مسلم اور ابن زیاد میں جو گفتگو ہوئی وہ خاص طور پر توجہ کے قابل ہے۔ اسلئے کہ اس سے حضرت مسلم اور ان کو بھیجنے والے حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے موقف کی پوری

۱؎ طبری ص ۲۰۵ ج ۲

وضاحت ہو جاتی ہے اور صاف طور پر ظاہر ہو جاتا ہے کہ ان پر جو بغاوت کا الزام لگایا جاتا ہے وہ سراسر باطل اور غلط ہے۔

وصیت کے متعلق ابن سعد کو جواب دینے کے بعد ابن زیاد نے حضرت مسلم سے کہا ابن عقیل سب لوگ یہاں متحد ہو کر امن کے ساتھ رہتے تھے اور سب یک زبان تھے۔ تم یہاں اس لئے آئے تھے کہ لوگوں کو پریشان کرو، ان میں تفرقہ ڈالو اور آپس میں فساد کراؤ تاکہ ایک جماعت دوسری جماعت پر حملہ کرے اور خوں ریزی ہو۔

آپ نے فرمایا نہیں ہرگز نہیں۔ میں اس لئے نہیں آیا تھا بلکہ کوفہ کے لوگوں نے بتایا کہ تیرے باپ نے یہاں کے نیک لوگوں کو قتل کیا، ان کا خون بہایا اور اسلام کا طریقہ چھوڑ کر ان کے ساتھ قیصر و کسریٰ کی طرح پیش آیا۔ تو ہم اس لئے آئے کہ ان کے غلط عادات و اطوار کی اصلاح کریں اور ان کو عدل و انصاف اور تعلیمات قرآن کی دعوت دیں۔ ابن زیاد خبیث نے کہا او بدکار! تو اور تیرا یہ دعویٰ۔ جب تو مدینہ میں شراب پیا کرتا تھا تب تجھے عدل و انصاف اور تعلیمات قرآن کا خیال نہ آیا۔ آپ نے فرمایا میں شراب پیتا تھا؟ واللہ خدا خوب جانتا ہے کہ تو کذاب ہے اور تو بھی جانتا ہے کہ میں جھوٹ بول رہا ہوں۔ شراب تو وہ پئے گا جو بے گناہ مسلمانوں کا خون پیا کرتا ہے۔ خدائے تعالیٰ نے جس کا قتل حرام کیا اسے قتل کرتا ہے، جس نے کوئی خون نہیں بہایا اس کا خون بہاتا ہے، بغض و حسد اور بدگمانی کی وجہ سے خون ریزی کرتا ہے پھر اس طرح بھول جاتا ہے جیسے کچھ کیا ہی نہیں۔ ابن زیاد نے کہا خدا مجھے مارے اگر میں تجھے اس طرح نہ قتل کروں کہ اسلام میں آج تک کوئی اس طرح قتل نہ ہوا ہو۔ آپ نے فرمایا بیشک اسلام میں جو ظلم آج تک نہ ہوا ہو اس کے ایجاد کا تجھ سے زیادہ مستحق کوئی نہیں۔ بری طرح قتل کرنا اور بری طرح مثلہ کرنا تیرا ہی حصہ ہے اور دنیا بھر میں تجھ سے بڑھ کر اس کا کوئی سزاوار نہیں۔

ان باتوں کو سن کر ظالم ابن زیاد جھلا اٹھا، آپ کے والد حضرت عقیل اور حضرت علی و حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو گالیاں دینے لگا تو آپ بالکل خاموش ہو گئے۔ (۱)

۱؎ طبری صفحہ ۲۰۶ ج ۲

آپ کی شہادت

اب ظالم ابن زیاد نے حکم دیا کہ اسے محل کی چھت پر لے جاؤ اور بری طرح قتل کرنے کے بعد سر کو دھڑ کے ساتھ نیچے گرا دو تاکہ ہڈیاں چکنا چور ہو جائیں۔ آپ نے ابن اشعث کی طرف دیکھکر فرمایا کہ تو نے مجھے امان نہ دی ہوتی تو خدا کی قسم میں اس طرح اپنے کو حوالے نہ کرتا۔ اب مجھ کو بچانے کے لئے اپنی تلوار اٹھا اور بری الذمہ ہو مگر وہ بالکل خاموش رہا۔ پھر آپ نے ابن زیاد سے کہا اگر ہمارے اور تمہارے درمیان کچھ بھی قرابت ہوتی (یعنی تیرا باپ زیاد ابو سفیان کی صلب سے ہوتا) تو مجھے تو قتل نہ کرتا۔

ظالم ابن زیاد نے بکیر بن حمران اسدی کو بلایا جس کی تلوار سے طوعہ کے گھر میں آپ کا ہونٹ کٹا تھا۔ جب وہ آیا تو ابن زیاد نے اسے حکم دیا کہ کوٹھے پر لے جا کر اس کا سر قلم کر دو۔ جب حضرت مسلم کو کوٹھے پر لے چلے تو آپ انتہائی صبر و سکون کے ساتھ تکبیر و استغفار اور درود شریف پڑھ رہے تھے اور ساتھ میں یہ بھی کہہ رہے تھے کہ خداوندا! ہمارا اور ان لوگوں کا انصاف تیرے ہاتھ ہے جنہوں نے ہمیں دھوکا دیا۔ ہم سے جھوٹ بولے اور ہمیں ذلیل کیا۔ بکیر نے آپ کو شہید کر دیا اور سر مبارک کو جسم کے ساتھ نیچے پھینک دیا۔ (۱)

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ

یہ واقعہ ۹ ذی الحجہ ۶۰ھ کا ہے۔ (۲)

حضرت مسلم کی شہادت کے بعد کوفہ والوں پر اس قدر خوف و دہشت چھا گئی کہ لوگ گھروں سے نکلنا خطرناک سمجھتے تھے، ہر طرف سناٹا تھا اور کسی کو ایک دوسرے کی خبر نہ تھی۔ یہاں تک کہ وہی ہانی بن عروہ جن کے قتل کی افواہ کے سبب گورنر ہاؤس کھنچی ہوئی تلواروں کے گھیرے میں آ گیا تھا۔ جب ابن زیاد نے حکم دیا اسے بازار میں لے جا کر قتل کرو اور سپاہی ہانی کی مشکیں باندھ کر لے چلے تو وہ پکار پکار کر کہتے۔ کہاں ہیں میرے قبیلہ بنی مذحج کے لوگ۔ کہاں ہیں میرے گھر والے۔ میری جان کیوں نہیں بچاتے مگر ایک آدمی بھی نظر نہیں آیا جو ہانی کی مدد کرتا

۱ے طبری صفحہ ۲۰۸ ج ۲، ۲ے سوانح کربلا صفحہ ۹۴

جب انھیں ہر طرف سے مایوسی ہوئی تو زور لگا کر اپنا ہاتھ رسی سے کھینچ لیا اور کہا ارے کوئی لاٹھی نہیں، کوئی چھڑی نہیں، کوئی پتھر نہیں۔ ارے کیا اونٹ کی ہڈی بھی نہیں کہ میں اسی کو لے کر اپنی جان بچانے کے لئے ہاتھ پاؤں ماروں۔ سپاہیوں نے پھر انھیں رسی میں باندھ لیا اور ترکی غلام جس کا نام رشید تھا اس نے آپ کو شہید کر دیا۔ (۱) اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

شہادت فرزندانِ حضرت مسلم

حضرت مسلم نے گورنر ہاؤس کے گھر اور یا طوعہ کے گھر قیام کے وقت بچوں کو قاضی شریح کے یہاں پہنچا دیا تھا۔ جب ابن زیاد کو معلوم ہوا کہ حضرت مسلم کے ساتھ ان کے دو بچے بھی آئے تھے تو اس نے پورے شہر کوفہ میں اعلان کروایا کہ جو شخص مسلم کے بچوں کو چھپائے گا اسے سخت سزا دی جائے گی اور جو ان کو ہمارے پاس لائے گا وہ انعام و اکرام پائے گا۔ ابن زیاد کے اس اعلان کو سن کر قاضی صاحب گھبرا گئے۔ فوراً زاد راہ تیار کروایا اور اپنے بیٹے اسد سے کہا کہ آج باب العراقین سے ایک قافلہ مدینہ منورہ کی طرف جانے والا ہے ان بچوں کو لے جا کر اسی قافلہ میں کسی محب اہلبیت کے سپرد کر دو اور تاکید کر دو کہ ان کو بحفاظت مدینہ منورہ پہنچا دے۔ اسد جب ان بچوں کو لے کر باب العراقین پہنچا تو معلوم ہوا کہ قافلہ تھوڑی دیر پہلے چلا گیا۔ وہ بچوں کو لے کر اس کی راہ پر تیزی کے ساتھ چلا اور جب قافلہ کی گرد نظر آئی تو بچوں کو گرد دکھا کر کہا۔ دیکھو وہ قافلہ کی گرد نظر آرہی ہے تم لوگ جلدی سے جا کر اس میں مل جاؤ۔ میں واپس جاتا ہوں۔ یہ کہہ کر وہ واپس چلا آیا اور بچے تیزی کے ساتھ چلنے لگے مگر تھوڑی دیر بعد گرد غائب ہو گئی اور انھیں قافلہ نہ ملا۔ ننھے بچے اس تنہائی میں ایک دوسرے سے گلے مل کر رونے لگے اور ماں باپ کو پکار پکار کر جی جان کھونے لگے۔

---

(۱) طبری ص ۲۰۵ ج ۲

ابن زیاد کا اعلان سن کر مال و زر کی ہوس رکھنے والے سپاہی بچوں کی تلاش میں نکلے ہوئے تھے تھوڑی دیر بعد انھوں نے بچوں کو پالیا پکڑ کر ابن زیاد کے پاس پہنچا دیا۔ اس نے حکم دیا کہ ان بچوں کو اس وقت تک جیل میں رکھا جائے جب تک امیر المؤمنین یزید سے پوچھ نہ لوں کہ ان کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔

جیل کا داروغہ مشکور نامی محب اہلبیت تھا اسے بچوں کی بے کسی پر بہت ترس آیا۔ اس نے فیصلہ کر لیا کہ بچوں کی جان بہر حال بچانی ہے چاہے اپنی جان چلی جائے۔ چنانچہ اس نے رات کے اندھیرے میں بچوں کو جیل سے نکالا، اپنے گھر لا کر کھانا کھلایا، اپنی انگوٹھی بطور نشانی دی اور شہر کے باہر قادسیہ کی راہ پر لا کر کہا کہ تم لوگ اسی راستے پر چلے جاؤ۔ جب قادسیہ پہنچ جانا تو کوتوال سے ملنا، ہماری انگوٹھی دکھلانا اور سارے حالات بتانا وہ ہمارا بھائی ہے تم لوگوں کو بحفاظت مدینہ منورہ پہنچا دے گا۔ دونوں بچے قادسیہ کی راہ پر چل پڑے مگر چونکہ انھیں بھی اسی ننھی عمر میں شہادت سے سرفراز ہونا تھا اس لئے وہ راستہ بھول گئے رات بھر چلتے رہے اور جب صبح ہوئی تو گھوم پھر کے اسی جگہ پہنچے کہ جہاں سے کوفہ کے باہر قادسیہ کے راستہ پر چلے تھے۔ ننھا سا کلیجہ خوف سے دہل گیا کہ کہیں پھر نہ کوئی پکڑ کر ابن زیاد کے پاس پہنچا دے۔ قریب میں ایک کھوکھلا درخت نظر آیا وہیں ایک کنواں بھی تھا اسی درخت کی آڑ میں جا کر بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر بعد ایک لونڈی پانی بھرنے آئی اور جب ان بچوں کو چھپے ہوئے بیٹھے دیکھا تو قریب آئی اور ان کے نورانی چہروں میں شان شہزادگی دیکھ کر کہا "شہزادو! تم لوگ کون ہو اور یہاں کیسے چھپے بیٹھے ہو؟ انھوں نے کہا کہ ہم یتیم و بیکس ہیں اور راہ بھٹکے ہوئے مصیبت زدہ مسافر ہیں۔ لونڈی نے کہا تمہارے باپ کا نام کیا ہے؟ باپ کا لفظ سنتے ہی انکی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ اس نے کہا غالباً تم لوگ مسلم بن عقیل کے فرزند ہو۔ اب وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ اس نے کہا غم نہ کرو میں اس بی بی کی لونڈی ہوں جو محب اہلبیت ہے آؤ چلو میں اس کے پاس لے چلتی ہوں۔ دونوں صاحبزادے اس کے ساتھ ہو لئے۔ لونڈی ان کو اپنی مالکہ کے پاس لے گئی اور سارا واقعہ بیان کیا۔ اسے صاحبزادوں کی تشریف آوری

پر بے انتہا مسرت ہوئی اس خوشی میں اس نیک بی بی نے لونڈی کو آزاد کر دیا اور صاحبزادوں کیساتھ بڑی محبت سے پیش آئی انھیں ہر طرح تسلی و تشفی دی کہ فکر نہ کرو اور لونڈی سے کہا کہ ان کی تشریف آوری کا راز پوشیدہ رکھنا میرے شوہر حارث کو نہ بتانا۔

ادھر ابن زیاد کو جب معلوم ہوا کہ مشکور داروغہ جیل نے دونوں بچوں کو رہا کر دیا ہے تو اس نے مشکور کو بلا کر پوچھا کہ تو نے مسلم کے بچوں کو کیا کیا۔ انھوں نے کہا کہ میں نے اللہ و رسول جل جلالہٗ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رضا اور خوشنودی کیلئے ان کو رہا کر دیا ہے۔ ابن زیاد نے کہا تو مجھ سے ڈرا نہیں۔ انھوں نے کہا جو اللہ سے ڈرتا ہے وہ کسی اور سے نہیں ڈرتا۔ ابن زیاد نے کہا تجھے ان بچوں کے رہا کرنے میں کیا ملا؟ انھوں نے کہا مجھے امید ہے کہ ان کو رہا کرنے کے سبب حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قیامت کے دن میری شفاعت فرمائیں گے البتہ تو مسلم بن عقیل کو شہید کرنے کے سبب اس نعمت سے محروم رہے گا۔ ابن زیاد اس جواب پر غضبناک ہو گیا اور کہا میں ابھی تجھے سخت سزا دیتا ہوں۔ انھوں نے کہا ایک نہیں مشکور کی اگر ہزار جانیں ہوں تو سب ان پر قربان ہیں۔ ابن زیاد نے جلاد سے کہا اسے اتنے کوڑے مارو کہ مر جائے اور پھر اس کا سر تن سے جدا کر دو۔ جلاد نے جب کوڑے مارنے شروع کئے تو مشکور نے پہلے کوڑے پر کہا بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ دوسرے پر کہا الٰہَ الْعَالَمِیْنَ! مجھے صبر عطا فرما۔ تیسرے کوڑے پر کہا خداوندا! مجھے بخش دے۔ چوتھے پر کہا الٰہَ الْعَالَمِیْنَ! مجھے اہلبیت نبوت کی محبت میں یہ سزا مل رہی ہے۔ پانچویں کوڑے پر کہا یا الٰہی! مجھے اپنے رسول اور انکے اہلبیت اطہار کے پاس پہنچا دے۔ پھر اس کے بعد خاموش ہو گئے اور جلاد نے اپنا کام تمام کر دیا۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

ادھر وہ نیک بی بی دل و جان سے بچوں کی خدمت میں دن بھر لگی رہی اور ہر طرح سے ان کی دلجوئی کرتی رہی پھر رات میں کھانا کھلا کر ان کو الگ ایک کمرہ میں سُلا کر واپس آئی تھی کہ اس کا شوہر حارث آ گیا۔ عورت نے پوچھا آج دن بھر آپ کہاں رہے؟ حارث نے کہا داروغۂ جیل مشکور نے مسلم بن عقیل کے بچوں کو قید سے رہا کر دیا تو امیر عبید اللہ بن زیاد نے اعلان کیا

ہے کہ جو شخص انکو پکڑ کر لائے گا اسے بہت انعام دیا جائے گا۔ میں انھیں بچوں کی تلاش میں دن بھر پریشان رہا یہاں تک کہ اسی بھاگ دوڑ میں میرا گھوڑا بھی مر گیا اور مجھے انکی تلاش میں پیدل چلنا پڑا۔ عورت نے کہا اللہ سے ڈرو اور اہلبیت نبوت کے بارے میں اسطرح کا خیال دل سے نکال دو۔ کہنے لگا چپ رہ۔ تجھے کیا معلوم جو شخص ان بچوں کو پا جائیگا اسے ابن زیاد انعام واکرام سے مالا مال کر دے گا اسی لئے اور بھی بہت سے لوگ ان بچوں کی تلاش میں دن بھر لگے رہے۔ عورت نے کہا کتنے بدنصیب ہیں وہ لوگ جو دنیا کی خاطر ان یتیم بچوں کو دشمن کے حوالے کرنے کیلئے تلاش میں لگے ہوئے ہیں اور دنیا کے عوض اپنا دین برباد کر رہے ہیں کل میدان محشر میں وہ رسول خدا کو کیا منہ دکھائینگے۔ حارث کا دل سیاہ ہو چکا تھا بیوی کے سمجھانے کا اس پر کچھ اثر نہیں ہوا کہا نصیحت کی ضرورت نہیں نفع نقصان میں خود سمجھتا ہوں۔ چل تو کھانا لا۔ وہ کھانا لائی اور حارث بدبخت کھا کر سو گیا۔

آدھی رات کے بعد بڑے بھائی محمد نے خواب دیکھا اور بیدار ہو کر چھوٹے بھائی کو جگاتے ہوئے کہا اٹھو اب سونے کا وقت نہیں رہا۔ ہماری شہادت کا بھی وقت قریب آگیا۔ ابھی میں نے خواب میں ابا جان کو دیکھا کہ وہ حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، حضرت علی مرتضیٰ، حضرت فاطمہ زہرا، اور حضرت حسن مجتبیٰ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کے ساتھ جنت کی سیر کر رہے ہیں۔ اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ابا جان سے فرما رہے ہیں کہ تم چلے آئے اور اپنے بچوں کو ظالموں میں چھوڑ آئے۔ ابا جان نے عرض کیا یا رسول اللہ! وہ بھی عنقریب آنے ہی والے ہیں۔ چھوٹے نے کہا بھائی جان! میں نے بھی اسی طرح کا خواب دیکھا ہے۔ کیا سچ مچ ہم لوگ کل صبح قتل کر دئے جائیں گے۔ ہائے! ایک دوسرے کو ذبح ہوتے ہوئے ہم کیسے دیکھ سکیں گے۔ یہ کہہ کر دونوں بھائی ایک دوسرے کے گلے میں باہیں ڈال کر لپٹ گئے اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ ان کے رونے اور چلانے سے حارث بدبخت کی آنکھ کھل گئی۔ ظالم نے بیوی کو جگا کر پوچھا یہ بچوں کے رونے کی آواز کہاں سے آرہی ہے؟ عورت بے چاری سہم گئی اس نے کچھ جواب نہ دیا۔ ظالم نے خود اٹھکر چراغ جلایا اور اس کمرہ کی طرف گیا کہ جہاں سے آواز آرہی تھی۔ جب اندر داخل ہوا تو دیکھا دو بچے روتے روتے بے حال ہو رہے ہیں۔ پوچھا تم کون ہو؟ چونکہ وہ اس گھر کو اپنی جائے پناہ سمجھے ہوئے تھے اس لئے انھوں نے صاف کہدیا کہ ہم مسلم بن عقیل کے یتیم بچے ہیں۔ ظالم یہ سنتے ہی غصہ سے

بے قابو ہوگیا اور کہا میں سارا دن ڈھونڈتے ڈھونڈتے پریشان ہوگیا اور تم لوگ ہمارے ہی گھر میں عیش کا بستر جمائے ہو۔ یہ کہتے ہوئے آگے بڑھا اور نہایت بے رحمی کے ساتھ ان کو مارنا شروع کیا۔ دونوں بھائی شدت کرب سے چیخنے لگے۔ عورت بے تحاشا دوڑی ہوئی آئی اور حارث کے قدموں پر اپنا سر رکھ کر نہایت عاجزی کے ساتھ روتی ہوئی کہنے لگی کہ ارے یہ فاطمہ کے راج دلارے ہیں ان کی چاند جیسی صورتوں پر رحم کھا۔ لے میرا سر کچل کر اپنی ہوس کی آگ بجھالے لیکن فاطمہ کے جگر پاروں کو بخش دے۔ حارث بدبخت نے اسے اتنے زور کی ٹھوکر ماری کہ بے چاری ایک کھمبے سے ٹکرا کر لہولہان ہوگئی۔ ظالم بچوں کو مارتے مارتے جب تھک گیا تو دونوں بھائیوں کی مشکیں کس دیں اور زلفوں کو کھینچ کر آپس میں ایک دوسرے سے باندھ دیا۔ اسکے بعد یہ کہتا ہوا کوٹھری کے باہر نکل آیا کہ جس قدر تڑپنا ہے صبح تک تڑپ لو دن نکلتے ہی میری چمکتی ہوئی تلوار تمہیں ہمیشہ کے لئے موت کی نیند سلا دے گی۔

صبح ہوتے ہی ظالم نے تلوار اٹھائی، زہر میں بجھا ہوا خنجر سنبھالا اور خونخوار بھیڑیے کی طرح کوٹھری کی طرف بڑھا۔ نیک بخت بیوی نے دوڑ کر پیچھے سے اس کی کمر تھام لی۔ حارث نے اتنے زور کا اس کو جھٹکا دیا کہ سر ایک دیوار سے ٹکرا گیا اور وہ آہ کر کے زمین پر گر پڑی۔ اور جب وہ کوٹھری میں داخل ہوا تو ہاتھ میں ننگی تلوار اور چمکتا ہوا خنجر دیکھ کر دونوں بھائی کانپنے لگے۔ بدبخت نے آگے بڑھکر دونوں بھائیوں کی زلفیں پکڑیں اور نہایت بے دردی کے ساتھ انھیں گھسیٹتا ہوا باہر لایا۔ تکلیف سے دونوں بھائی تلملا اٹھے رو رو کر فریاد کرنے لگے لیکن ظالم کو ترس نہ آیا۔ سامان کی طرح ایک خچر پر لاد کر دریائے فرات کی طرف چل پڑا اور جب اس کے کنارے پہنچا تو انھیں خچر سے اتار ا مشکیں کھولیں اور سامنے کھڑا کیا۔ پھر میان سے تلوار نکالا ہی تھا کہ اتنے میں اس کی بیوی ہانپتی کانپتی اور گرتی پڑتی آپہنچی۔ آتے ہی اس نے پیچھے سے اپنے شوہر کا ہاتھ پکڑ لیا اور خوشامد کرتے ہوئے کہا خدا کے لئے اب بھی مان جاؤ اہلبیت رسالت کے خون سے اپنا ہاتھ رنگین مت کرو۔ دیکھو بچوں کی ننھی جان سوکھی جا رہی ہے تلوار سامنے سے ہٹالو۔ حارث پر شیطان پوری طرح سوار تھا ظالم نے بیوی پر وار کر دیا وہ زخمی ہو کر گری اور تڑپنے

لگی۔ بچے یہ منظر دیکھ کر سہم گئے۔ اب بدبخت اپنی خون آلود تلوار لے کر بچوں کی طرف بڑھا چھوٹے بھائی پر وار کرنا ہی چاہتا تھا کہ بڑا بھائی چیخ اٹھا۔ خدا کے لئے پہلے مجھے ذبح کرو میں اپنے بھائی کی تڑپتی ہوئی لاش نہیں دیکھ سکوں گا۔ اور چھوٹے بھائی نے سر جھکاتے ہوئے کہا کہ بڑے بھائی کے قتل کا منظر مجھ سے نہیں دیکھا جا سکے گا خدا کے واسطے پہلے میرا ہی سر قلم کرو۔

ظالم کی تلوار چلی دو ننھی چیخیں بلند ہوئیں اور یتیم بچوں کے کٹے ہوئے سر خون میں تڑپنے لگے[1]

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

پھول نو دو دن بہار جانفزا دکھلا گئے
حسرت ان غنچوں پہ ہے جو بن کھلے مرجھا گئے

قاتل کا انجام

حارث بدبخت نے جب بچوں کو شہید کر دیا تو ان کی لاشوں کو دریائے فرات میں پھینک دیا اور سروں کو توبڑہ میں رکھ کر لے گیا اور ابن زیاد کے سامنے پیش کیا۔ اس نے کہا اس میں کیا ہے؟ حارث نے کہا انعام و اکرام کیلئے آپ کے دشمنوں کا سر کاٹ کر لایا ہوں۔ ابن زیاد نے کہا یہ میرے دشمن کون ہیں؟ کہا مسلم بن عقیل کے فرزند ابن زیاد یہ سنتے ہی غضبناک ہو گیا اور کہا تجھ کو قتل کرنے کا حکم کس نے دیا تھا۔ کم بخت میں نے امیر المومنین یزید کو لکھا ہے کہ مسلم بن عقیل کے فرزند گرفتار کر لئے گئے ہیں اگر حکم ہو تو میں انھیں آپ کے پاس زندہ بھیج دوں۔ اگر یزید نے زندہ بھیجنے کا حکم دیا تو پھر میں کیا کروں گا۔؟ تو میرے پاس ان کو زندہ کیوں نہیں لایا؟ حارث نے کہا مجھے اندیشہ تھا کہ شہر کے لوگ مجھ سے چھین لیں گے۔ ابن زیاد نے کہا اگر تجھے چھین لینے کا اندیشہ تھا تو کسی محفوظ جگہ پر ان کو ٹھہرا کر مجھے اطلاع کر دیتا میں سپاہیوں کے ذریعہ منگوا لیتا۔ تو نے میرے حکم کے بغیر ان کو قتل کیوں کیا؟ پھر ابن زیاد نے مجمع پر نگاہ ڈالی اور ایک شخص جس کا نام مقاتل تھا اس سے کہا کہ اس بدبخت کی گردن مار دے۔ چنانچہ حارث کی گردن مار دی گئی اور وہ خَسِرَ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃ کا مصداق ہوا۔[2]

نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم
نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے

---

[1] نقش وفا وغیرہ
[2] روضۃ الشہداء ص ۱۵۰

کربلا کا خونی منظر

حضرت امام حسین کی مکہ شریف سے روانگی

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

الحمد للہ الذی خلق الارض والسماوات۔ والصلاۃ والسلام علیٰ صاحب الفضل والشفاعات۔ وعلی الحسین ورفقائہ الذین فازوا بالشہادات۔ اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ وَلَنَبْلُوَنَّکُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ۔ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ ۙ الَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِیْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ۔

صدق اللہ العلی العظیم۔ وصدق رسولہ النبی الکریم۔ ونحن علیٰ ذٰلک لمن الشاہدین والشاکرین۔ والحمد للہ رب العلمین۔

ایک مرتبہ ہم اور آپ سب لوگ مل کر مکہ کے سرکار مدینہ کے تاجدار دونوں عالم کے مختار جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ان کی آل واصحاب پر عقیدت و محبت کے ساتھ درود وسلام کی ڈالیاں پیش کریں۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ مَّعْدِنِ الْجُوْدِ وَالْکَرَمِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ۔

بِرادرانِ اسلام! حمد وصلاۃ اور آیت کریمہ و درود شریف پڑھنے کی برکت حاصل کرنے کے بعد ہم آپ حضرات کے سامنے پہلے ایک نظم کے چند اشعار پیش کرتے ہیں انھیں

بغور سماعت فرمائیں۔

جو جواں بیٹے کی میت پر نہ رویا وہ حسین ۔۔۔ جو دہکتی ریت کے بستر پہ سویا وہ حسین
جس نے اپنے خون سے دنیا کو دھویا وہ حسین ۔۔۔ جس نے سب کچھ کھو کے پھر بھی کچھ نہ کھویا وہ حسین

مرتبہ اسلام کا جس نے دوبالا کر دیا
خون نے جس کے دو عالم میں اجالا کر دیا

شیر کے مانند جو مقتل میں آیا وہ حسین ۔۔۔ جو بہتّر زخم کھا کر مسکرایا وہ حسین
راہِ حق میں جس نے اپنا سر کٹایا وہ حسین ۔۔۔ کربلا میں جس نے اپنا گھر لٹایا وہ حسین

زیرِ خنجر جس کا سجدہ عظمتِ اسلام ہے
جس کا ہر تیور رسولِ پاک کا پیغام ہے

اللہ اللہ راکبِ دوشِ پیمبر وہ حسین ۔۔۔ فاطمہ کا نورِ دیدہ جانِ حیدر وہ حسین
عظمت واخلاص وقربانی کا پیکر وہ حسین ۔۔۔ کربلا کے غازیوں کا میرِ لشکر وہ حسین

پرچمِ حق تا ابد جس کا سلامی ہو گیا
زندۂ جاوید جس کا نام نامی ہو گیا

دین کی خاطر تھی جس کی زندگانی وہ حسین ۔۔۔ کٹ گئی اسلام میں جس کی جوانی وہ حسین
خلد میں کی حق نے جس کی میہمانی وہ حسین ۔۔۔ مل گئی جس کو حیاتِ جاودانی وہ حسین

نام نامی جس کا لوحِ دھر پر مرقوم ہے
فرش سے تا عرش جس کی عظمتوں کی دھوم ہے

اللّٰھم صل علیٰ سیدنا و مولانا محمد و علیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

برادرانِ ملت! انسان کے لئے جہاں پر مرنا یا شہید ہونا مقدر ہوتا ہے منجانب اللہ ایسے حالات واسباب پیدا ہوتے ہیں کہ ہزار رکاوٹوں کے باوجود انسان آخری وقت میں اسی جگہ پر جانے کے لئے مجبور ہو جاتا ہے ۔ سید الشہداء حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنکا کربلا میں شہید ہونا ازل ہی میں مقدر ہو چکا تھا ان کے لئے ایسے حالات پیدا ہوئے کہ اب کربلا

کی طرف جانا ان کا ضروری ہوگیا۔ حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خط آنے کے بعد امام عالی مقام کو کوفیوں کی درخواست قبول کرنے میں کوئی معقول عذر باقی نہ رہا تو آپ عراق جانے کے لئے تیار ہوگئے اور سفر کے اسباب درست ہونے لگے۔

جب مکہ والوں کو آپ کی تیاری کا علم ہوا تو انھوں نے آپ کا عراق کی طرف جانا پسند نہ کیا۔ جلیل القدر صحابہ حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت جابر، حضرت ابوسعید خدری اور حضرت ابو واقد لیثی وغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم آپ کے پاس آئے اور عرض کیا آپ کوفہ ہرگز نہ جائیں کہ وہاں کے لوگ درہم و دینار کے بندے ہیں، انھوں نے آپ کے والد حضرت علی اور آپ کے بھائی حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ساتھ کھلی ہوئی غداری و بے وفائی کی ہے ان کا حاکم ان پر مسلط ہے اور اسی کی حکومت قائم ہے تو جان لیجئے کہ کوفہ والے آپ کو جنگ و جدال کے لئے بلا رہے ہیں۔ ہمیں اندیشہ ہے کہ وہ لوگ آپ کو دھوکا دیں گے جھٹلائیں گے اور آپ کو بے یار و مددگار چھوڑ دیں گے بلکہ حکومتِ وقت سے مل کر آپ پر حملہ کریں گے اور بلانے والے ہی سب سے بڑے آپ کے دشمن ثابت ہوں گے۔ حضرت امام نے فرمایا کہ میں خدا سے خیر کا طالب ہوں دیکھئے کیا ہوتا ہے۔ (۱)

اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے جب آپ سے سفرِ عراق کو ملتوی کرنے کے لئے کہا تو آپ نے فرمایا حَدَّثَنِیْ اَبِیْ اَنَّ لِمَکَّۃَ کَبْشًا بِہٖ یُسْتَحَلُّ حُرْمَتُھَا فَمَا اُحِبُّ اَنْ اَکُوْنَ اَنَا ذٰلِکَ الْکَبْشَ۔ میں نے اپنے والد گرامی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث سنی ہے کہ ایک مینڈھا مکہ معظمہ کی حرمت کو حلال کر دے گا تو میں وہ مینڈھا نہیں بننا چاہتا۔ (۲)

اور یہ بھی روایت ہے کہ جب حضرت عبداللہ بن زبیر نے اس سفر سے روکنے کیلئے اصرار کیا اور کہا کہ آپ مسجد حرام میں رہئے میں آپ کی مدد کیلئے لوگوں کو جمع کرلوں گا تو آپ نے فرمایا

۱؎ طبری صفحہ ۲۱۶ ج ۲، ۲؎ صواعق محرقہ صفحہ ۱۲۰

کہ اگر ایک بالشت بھر میں اس مسجد کے باہر قتل کیا جاؤں تو واللہ میں اس سے بہتر سمجھتا ہوں کہ ایک بالشت بھر مسجد کے اندر قتل کیا جاؤں۔ بخدا اگر میں حشرات الارض کے کسی سوراخ میں بھی چھپوں گا تو لوگ مجھے وہاں سے بھی نکال لیں گے اور جو سلوک میرے ساتھ کرنا چاہتے ہیں کریں گے (۱)

غرضکہ بڑے بڑے صحابۂ کرام آپ کو اس سفر سے روکنے کے لئے بہت اصرار کرتے رہے اور آخر تک یہی کوشش کرتے رہے کہ آپ مکۂ معظمہ سے تشریف نہ لے جائیں مگر ان کی کوششیں کارآمد نہ ہوئیں یہانتک کہ امام عالی مقام ۳ ذی الحجہ ۶۰ھ کو اپنے اہل بیت اور موالی و خدام کل بیاسی نفوس کے ساتھ مکۂ شریف سے عراق کے لئے روانہ ہو گئے۔

بات اصل میں یہ تھی کہ آپ کو گرفتار ہونے کا اندیشہ تھا اور یہ راز اس وقت کھلا جب فرزدق شاعر سے آپ کی راستہ میں ملاقات ہوئی اور اس نے پوچھا کہ فرزند رسول! حج کے دن بالکل قریب آگئے تو اتنی جلدی آپ نے کس لئے فرمائی کہ حج بھی نہ ہو سکا؟ امام نے جواب دیا کہ اگر میں اتنی جلدی نہ کرتا تو وہیں گرفتار کر لیا جاتا۔ (۲)

حضرت کے اس جواب سے معلوم ہو گیا کہ ایام حج قریب ہونے کے باوجود آپ مکۂ معظمہ سے کیوں نکل پڑے۔ اور یہ بھی واضح ہو گیا کہ صحابۂ کرام کے اصرار کو قبول نہ فرمانے کا سبب کیا تھا ظاہری وجہ تو وہی تھی جو حضرت امام نے فرزدق سے بیان فرمائی اور حقیقت میں شہادت کی کشش آپ کو کربلا کی طرف کھینچے لئے جا رہی تھی۔ آپ کا حال اس وقت وہی تھا جو کسی شاعر نے کہا ہے

دو قدم بھی نہیں چلنے کی ہے طاقت مجھ میں
عشق کھینچے لئے جاتا ہے میں کیا جاتا ہوں

کربلا جانے والے اہلبیت

برادران اسلام! اس سفر میں حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تین صاحبزادے آپ کے ہمراہ تھے۔ حضرت علی اوسط جن کو امام زین العابدین کہتے ہیں۔ یہ حضرت شہر بانو کے بطن سے تھے

---

(۱) طبری ص ۲۱۳ ج ۲، (۲) طبری ص ۲۱۴ ج ۲

اس وقت ان کی عمر بائیس ۲۲ سال تھی اور بیمار تھے۔ آپ کے دوسرے صاحبزادے علی اکبر تھے جو لیلیٰ بنت ابی مُرّہ کے شکم سے ہیں۔ ان کی عمر اٹھارہ ۱۸ برس تھی۔ یہ کربلا میں شہید ہوئے۔ امام عالی مقام کے تیسرے فرزند جنھیں علی اصغر کہتے ہیں ان کی والدہ قبیلہ بنی قُضاعہ سے تھیں۔ یہ شیرخوار بچے تھے آپکی ایک صاحبزادی حضرت سکینہ بھی ہمراہ تھیں جن کی نسبت حضرت قاسم کے ساتھ ہوئی تھی۔ اس وقت ان کی عمر سات سال کی تھی۔ ان کی والدہ امرء القیس ابن عدی کی دختر قبیلہ بنی کلب سے تھیں۔ ان کا عقد حضرت مصعب بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ہوا۔ اور کربلا میں حضرت قاسم کے ساتھ ان کے نکاح ہونے کی جو روایت مشہور ہے وہ غلط ہے۔ ان کے ساتھ آپ نے صرف نسبت ہوئی تھی عقد نہیں ہوا تھا۔

اور حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دو بیویاں آپ کے ہمراہ تھیں ایک شہربانو، دوسری حضرت علی اصغر کی والدہ۔

اور حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چار نوجوان صاحبزادے حضرت قاسم، حضرت عبداللہ حضرت عمر اور حضرت ابوبکر امام عالی مقام کے ہمراہ تھے جو کربلا میں شہید ہوئے۔

اور حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے پانچ فرزند حضرت عباس بن علی، حضرت عثمان بن علی، حضرت عبداللہ بن علی، حضرت محمد بن علی اور حضرت جعفر بن علی حضرت امام کے ہمراہ تھے سب نے شہادت پائی۔

اور حضرت عقیل کے فرزندوں میں سے حضرت مسلم تو حضرت امام کے کربلا پہنچنے سے پہلے ہی کوفہ میں شہید ہو چکے تھے اور تین فرزند حضرت عبداللہ، حضرت عبدالرحمٰن اور حضرت جعفر امام کے ہمراہ کربلا حاضر ہو کر شہید ہوئے۔

اور حضرت جعفر طیار کے دو پوتے حضرت محمد و حضرت عون حضرت امام کے ہمراہ حاضر ہو کر شہید ہوئے۔ ان کے والد کا نام عبداللہ بن جعفر ہے اور حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حقیقی بھانجے ہیں۔ ان کی والدہ حضرت زینب حضرت امام کی حقیقی بہن ہیں۔

صاحبزادگان اہلبیت میں سے کل سترہ ۱۷ حضرات امام عالی مقام کے ہمراہ مرتبۂ شہادت سے

سرفراز ہوئے اور حضرت امام زین العابدین، عمر بن حسن، محمد بن عمر بن علی، اور دوسرے کم عمر صاحبزادے قیدی بنائے گئے۔(۱)

حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب مکہ شریف سے باہر نکلے تو حاکم مکہ عمرو بن سعید کے حکم سے ایک فوجی دستہ نے شہر سے باہر آکے آپ کو روکا اور چاہا کہ واپس چلیں۔ حضرت امام نے واپس ہونے سے انکار کیا نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں طرف کے لوگوں میں مارپیٹ ہوئی۔ آپ کے ساتھی بڑی بہادری سے فوجی دستہ کی مزاحمت کو روکنے پر تیار تھے اس لئے ان لوگوں کو ہٹنے پر مجبور ہونا پڑا اور قافلہ آگے روانہ ہو گیا۔ (۲)

جب آپ مقام صفاح تک پہنچے تو فرزدق شاعر سے ملاقات ہوئی۔ آپ نے اس سے کوفہ والوں کا حال دریافت فرمایا۔ کہا کہ ان کے دل آپ کی طرف ہیں لیکن ان کی تلواریں بنی امیہ کے ساتھ ہوں گی۔ آپ نے فرمایا تم سچ کہتے ہو لیکن ہر بات اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اگر اللہ نے ہماری خواہشوں کے مطابق کیا تو ہم اس کا شکر ادا کریں گے۔ اور اگر قضائے الٰہی ہمارے مطلب کے خلاف ہوئی تو انسان کے لئے یہی کیا کم ہے کہ اس کی نیت میں خلوص اور اس کے دل میں پارسائی ہو۔ (۳)

حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرزدق سے گفتگو کرنے کے بعد جب آگے بڑھے تو آپ کے بھانجے حضرت محمد و عون رضی اللہ تعالیٰ عنہما راستے میں آکر آپ سے ملے اور اپنے والد گرامی حضرت عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا خط آپ کی خدمت میں پیش کیا اس میں لکھا تھا کہ میں آپ کو خدا کا واسطہ دیتا ہوں کہ آپ میرا خط دیکھتے ہی واپس چلے آیئے۔ اس لئے کہ جہاں آپ جا رہے ہیں وہاں آپ کی ہلاکت اور آپ کے اہلبیت کے تباہ ہونے کا اندیشہ ہے۔ اگر خدانخواستہ آپ ہلاک ہو گئے تو دنیا میں اندھیرا چھا جائے گا۔ آپ ہدایت والوں کے رہنما اور مسلمانوں کی امیدوں کا مرکز ہیں۔ سفر میں جلدی نہ کیجئے اس خط کے پیچھے میں بھی آرہا ہوں۔ (۴)

۱؎ سوانح کربلا، ۲؎ طبری ص ۲۱۳ ج ۲، ۳؎ ایضاً ص ۲۱۴ ج ۲، ۴؎ ایضاً ص ۲۱۶ ج ۲،

صاحبزادوں کے بدست خط روانہ کرنے کے بعد حضرت عبداللہ بن جعفر حاکم مکہ عمرو بن سعید سے جاکر ملے اور اس سے گفتگو کرکے حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے امان کا پروانہ حاصل کیا اور حضرت کے اطمینان کے لئے عمرو بن سعید کے بھائی یحییٰ بن سعید کو ساتھ میں لے کر آپ کے پاس پہنچے۔ یحییٰ نے خط پیش کیا اور آپ نے اسے پڑھا مگر واپس آنے سے انکار کیا۔ ان لوگوں نے کہا آخر کیا بات ہے ؟ آپ عراق جانے پر اس قدر بضد کیوں ہیں ؟ حضرت نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت کی ہے۔ آپ نے اس خواب میں جو مجھے حکم فرمایا ہے میں اسے ضرور پورا کروں گا چاہے اس میں ہمارا نقصان ہو یا فائدہ۔ ان لوگوں نے کہا وہ خواب کیا ہے ؟ آپ نے فرمایا وہ خواب نہ ابتک میں نے کسی سے بیان کیا ہے اور نہ بیان کروں گا یہاں تک کہ اپنے خدا سے جاملوں۔ (۱)

چھٹ جائے اگر دولت کونین تو کیا غم
چھوٹے نہ مگر ہاتھ سے دامان محمد۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

امام عالی مقام نے عمرو بن سعید کی تحریر کا جواب لکھ کر ان کے سپرد کیا۔ حضرت عبداللہ کچھ مجبوریوں کے سبب اس سفر میں آپ کے ساتھ نہیں جاسکتے تھے۔ انھوں نے اپنے صاحبزادگان عون و محمد کو آپ کے ساتھ رہنے کی ہدایت کی اور خود واپس ہو گئے۔

حضرت قیس کی شہادت

جب آپ مقام حاجر میں پہنچے تو اپنے ایک مخلص قیس بن مسہر صیداوی کو خط دے کر کوفہ روانہ فرمایا۔ خط کا مضمون یہ تھا۔ حمد الٰہی اور سلام کے بعد معلوم ہو کہ مسلم بن عقیل کے خط سے تم لوگوں کے حالات کی درستگی اور میری مدد پر تم سب کے متفق ہونے کا علم ہوا۔ میں خدائے تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ ہم پر احسان کرے اور تم لوگوں کو اس بات پر اجر عظیم عطا فرمائے۔ میں مکہ معظمہ سے روانہ ہو چکا ہوں۔ جب میرا خط پہنچے تو اپنا انتظام تم لوگ جلدی درست کر لینا اس لئے کہ میں چند ہی

لہ طبری ص۲۱۶ ج ۲،

روز میں انشاء اللہ تمہارے یہاں پہنچنے والا ہوں ۔ والسلام (۱)

حضرت قیس جب امام کا خط لے کر قادسیہ پہنچے تو حصین بن نمیر جو ابن زیاد کے حکم سے ایک فوج کے ساتھ پہلے سے ناکہ بندی کئے ہوئے تھا اس نے قیس کو گرفتار کرکے ابن زیاد کے پاس کوفہ بھیج دیا۔ ابن زیاد نے کہا اگر تم اپنی جان بچانا چاہتے ہو تو گورنر ہاؤس کی چھت پر چڑھ کر حسین بن علی کے خلاف تقریر کرو اور ان کو برا بھلا کہو۔ حضرت قیس چھت پر چڑھ گئے اور حمد و صلاۃ کے بعد فرمایا کہ اے لوگو! رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیارے نواسے حضرت حسین بن علی اس وقت خلق خدا میں سب سے بہترین شخص ہیں میں انھیں کا بھیجا ہوا تم لوگوں کے پاس آیا ہوں ۔ تمہارا فرض ہے کہ ان کی مدد کے لئے قدم آگے بڑھاؤ اور ان کی آواز پر لبیک کہو، پھر حضرت قیس نے ابن زیاد اور اس کے باپ کو برا بھلا کہا اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے دعائے خیر کی۔

ابن زیاد آپ کی اس تقریر کو سن کر آگ بگولہ ہو گیا اور حکم دیا کہ انھیں چھت کے اوپر سے زمین پر گرا دو کہ اس کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں۔ بے رحموں نے انھیں نیچے گرا دیا جس سے ان کی ہڈیاں چکنا چور ہو گئیں اور وہ انتقال کر گئے ۔ اس طرح حضرت امام کا یہ سچا محب آپ پر قربان ہو گیا۔ (۲) رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ابر رحمت ان کے مرقد پر گہر باری کرے
حشر میں شان کریمی ناز برداری کرے

جب آپ اس منزل سے آگے بڑھے تو ایک کنوئیں پر آپ کی ملاقات عبداللہ بن مطیع سے ہوئی ۔ انھوں نے عرض کیا یا ابن رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں آپ ادھر کیسے تشریف لائے ؟ حضرت امام نے اپنے آنے کی وجہ بیان فرمائی ۔ انھوں نے کہا میں آپ کو خدا کی قسم دیتا ہوں کہ آپ حرمت اسلام، حرمت رسول اور حرمت عرب کو ضائع نہ کیجئے ۔ آپ کوفہ ہرگز نہ جائیے وہاں آپ یقیناً شہید کر دئیے جائیں گے حضرت نے

۱؎ طبری صفحہ ۲۲۳ ج ۲ ، ۲؎ ایضاً صفحہ ۲۲۴ ،

فرمایا لَنْ یُّصِیْبَنَآ اِلَّا مَا کَتَبَ اللّٰهُ لَنَا۔ ہمیں وہی مصیبت پہنچ سکتی ہے جو خدائے تعالیٰ نے ہمارے لئے مقدر فرمادی ہے۔ (۱)

حضرت زہیر سے ملاقات

حضرت امام جب آگے بڑھے اور مقام زرود میں آپ نے قیام فرمایا تو وہاں کنوئیں کے پاس ایک خیمہ نظر آیا۔ معلوم ہوا کہ یہ زہیر بن قین بجلی کا خیمہ ہے جو حج سے فارغ ہو کر کوفہ جارہے ہیں۔ شروع میں ان کو اہلبیت رسالت سے کوئی عقیدت نہ تھی۔ آپ نے ان کے پاس پیغام بھیجا کہ میں تم سے ملنا چاہتا ہوں۔ انھوں نے ملنے سے انکار کرنا چاہا تو ان کی بیوی نے کہا واہ کیا غضب کی بات ہے کہ فرزند رسول آپ کو بلائیں اور آپ ان سے ملنے کے لئے نہ جائیں۔ بیوی کی بات سے متاثر ہو کر وہ حضرت کے پاس گئے اور بہت جلد خوش خوش واپس ہو کر اپنا خیمہ اور کل سازوسامان آپ کی طرف بھجوا دیا۔ اس کے بعد اپنی بیوی کو طلاق دیدی اور اس سے کہا کہ اپنے بھائی کیساتھ میکے چلی جاؤ۔ پھر اپنے ساتھیوں سے کہا تم میں سے جو میرے ساتھ رہنا چاہے رہے اور جو چاہے چلا جائے اور یہ سمجھ کر جائے کہ یہ میری آخری ملاقات ہے۔ سب حیران ہو گئے کہ آخر ماجرا کیا ہے؟ آپ نے کہا میں تم لوگوں سے بیان کرتا ہوں سنو! جنگ بلنجر میں خدائے تعالیٰ نے ہم کو فتح عطا فرمائی اور بہت سامان غنیمت ہاتھ آیا تو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہم سے پوچھا کہ فتح اور مال غنیمت سے تم کو خوشی ہوئی؟ ہم نے کہا ہاں بہت خوشی ہوئی۔ انھوں نے فرمایا ایک وقت آئے گا کہ تم رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جگر کے جوانوں کے سردار (حضرت حسین) سے ملوگے اور ان کی مدد میں ان کے دشمنوں سے جنگ کروگے تو اس فتح اور مال غنیمت سے زیادہ خوشی حاصل کروگے۔ لہٰذا میں تم لوگوں کو اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔

پھر حضرت زہیر امام عالی مقام کے ساتھ رہے یہانتک کہ کربلا میں آپ کے دشمنوں سے لڑکر شہادت سے سرفراز ہوئے۔ (۲)

لہ پ۱۰ ع ۱۳، ۲ے طبری ص۲۲۵ ج ۲،

شہادتِ مسلم کی خبر

حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ابھی تک کوفہ کے حالات معلوم نہ ہوئے تھے۔ جب آپ مقام ثعلبیہ میں پہنچے تو بکیر بن مثعبہ اسدی کے ذریعہ آپ کو معلوم ہوا کہ مسلم بن عقیل اور ہانی بن عروہ دونوں شہید کر دئے گئے اور ان کی لاشوں کے پاؤں میں رسیاں باندھ کر بازاروں میں گھسیٹا گیا۔ اس دردناک خبر کو سن کر آپ نے بار بار اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ رحمۃ اللہ علیہما پڑھا۔

عبد اللہ بن سلیم اور مذری بن مشمعل اسدی جو حج سے فارغ ہو کر مقام زرود میں حسینی قافلہ سے آکر ملے تھے۔ انھوں نے امام عالی مقام سے کہا خدا کے واسطے آپ اپنی اور اپنے گھر بھر کی جان خطرہ میں نہ ڈالیں یہیں سے واپس ہو جائیں اس لئے کہ کوفہ میں آپ کا نہ کوئی دوست ہے اور نہ مددگار بلکہ ہمیں اندیشہ ہے کہ جو لوگ آپ کو بلانے والے ہیں وہی آپ کے دشمن ہو جائیں گے۔ یہ سن کر حضرت مسلم کے تینوں بھائی کھڑے ہوگئے اور جوش میں آکر کہا خدا کی قسم ہم واپس نہیں ہوں گے جب تک مسلم کے خون کا بدلہ نہیں لے لیں گے اور یا ہم بھی ان کی طرح قتل نہیں ہو جائیں گے۔ حضرت نے اسدیوں کی طرف دیکھ کر فرمایا ان لوگوں کے بعد زندگی میں کچھ لطف نہیں۔ آپ کے ساتھیوں میں سے بعض لوگوں نے کہا آپ کی اور مسلم کی برابری نہیں۔ جب آپ کوفہ میں پہنچ جائیں گے تو وہاں کے سب لوگ آپ کی مدد کیلئے دوڑ پڑیں گے۔ حضرت نے اس خیال کی تائید نہیں فرمائی بلکہ خاموش رہے۔ (۱)

پھر قافلہ آگے بڑھتا رہا اور ابھی تک سب لوگوں کو حضرت مسلم کی شہادت کی خبر نہ تھی جب آپ مقام زبالہ میں پہنچے تو اسی جگہ پر آپ نے پورے قافلہ والوں سے فرمایا کہ ہمیں یہ دردناک خبر ملی ہے کہ مسلم بن عقیل شہید کر دئے گئے اور ہماری اطاعت کے دعویداروں نے ہمیں چھوڑ دیا۔ لہٰذا جو شخص تم میں سے واپس جانا چاہے وہ چلا جائے ہماری طرف سے اس پر کوئی الزام نہیں۔

بہت سے عرب جو راستے میں آپ کے ساتھ ہو گئے تھے اس اعلان کے سنتے ہی تقریباً سب داہنے بائیں روانہ ہو گئے اور زیادہ تر وہی لوگ باقی رہ گئے جو مدینہ طیبہ سے آپ کے ساتھ آئے تھے۔ (۲)

لہ طبری ص ۲۲۶ ج ۲ ہ ایضاً ص ۲۲۷ ج ۲۔

حر کی آمد

محرم ۶۱ھ کی پہلی تاریخ کو جب کہ آپ کوہ ذی حسم کے دامن میں پہنچ کر خیمہ زن ہوئے حر بن یزید تمیمی ایک ہزار لشکر کے ساتھ آپ کو گرفتار کرنے کے لئے آپہنچا۔ دوپہر کا وقت تھا دشمن کے گھوڑے اور سارے آدمی بہت پیاسے تھے۔ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سب کو پانی پلوایا غالباً اس ہمدردی کے سبب حر آپ سے کچھ کہنے کی جرأت نہ کر سکا یہاں تک کہ جب ظہر کی نماز کا وقت آگیا اور اذان پڑھی گئی تو آپ نے حمد و صلاۃ کے بعد حر اور اس کی فوج کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا اے لوگو! میں خدائے تعالیٰ کی بارگاہ میں اور تمہارے سامنے اپنی صفائی پیش کرتا ہوں کہ میں اس وقت تک تمہاری طرف نہیں آیا جب تک کہ تمہارے خطوط میرے پاس نہیں گئے کہ آپ ہماری طرف آیئے ہمارا کوئی امام نہیں ہے شاید آپ کے سبب ہم لوگوں کو خدائے تعالیٰ ہدایت پر جمع فرمادے اب اگر تم لوگ اپنی بات پر قائم ہو تو میں آہی گیا ہوں۔ تم مجھ سے عہد کرو تاکہ مجھے اطمینان ہوجائے تو میں تمہارے شہر میں چلوں۔ اور اگر میرا آنا پسند نہیں کرتے ہو تو میں جہاں سے آیا ہوں وہیں واپس چلا جاؤں۔

آپ کی اس تقریر کے بعد خاموشی رہی کسی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ آپ نے حر سے پوچھا تم ہمارے ساتھ نماز پڑھوگے یا الگ پڑھنا چاہتے ہو؟ حر نے کہا آپ نماز پڑھایئے ہم سب آپ کے پیچھے پڑھیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا دونوں طرف کے لوگوں نے حضرت کے پیچھے نماز ادا کی اس کے بعد آپ اپنے خیمہ میں تشریف لے گئے۔ (۱)

جب عصر کا وقت ہوا تو حضرت امام عالی مقام نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ روانہ ہونے کے لئے سب تیار ہوجائیں۔ پھر خیمہ سے باہر تشریف لائے اور اس وقت بھی دونوں گروہوں نے آپ کے پیچھے نماز پڑھی۔ نماز کے بعد پھر آپ نے مجمع کی طرف رخ کیا اور حمد و صلاۃ کے بعد فرمایا۔ اے لوگو! اگر تم تقویٰ اختیار کروگے اور حق والوں کا حق پہچانوگے تو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کروگے۔ جو تم پر ظلم و زیادتی کے ساتھ حکومت کرتے ہیں ہم اہلبیت نبوت ان کے مقابلہ میں خلافت کے زیادہ مستحق ہیں لیکن اگر تم لوگ ہم کو نہیں پسند کرتے ہو اور ہمارے حق کو نہیں پہچانتے ہو اور تمہاری رائے

---

(۱) طبری صفحہ ۲۳۰ ج ۶۔

اس کے خلاف ہو گئی جو تمہارے خطوط سے ظاہر ہے تو میں واپس چلا جاؤں گا۔ حر نے کہا بخدا ہمیں نہیں معلوم کہ وہ کیسے خطوط ہیں جن کا آپ ذکر فرما رہے ہیں۔ آپ نے خطوط کے تھیلے کو منگا کر سب کے سامنے الٹ دیا۔ حر نے کہا ہم ان لوگوں میں سے نہیں ہیں جنھوں نے آپ کو یہ خطوط لکھے ہیں۔ ہم کو تو یہ حکم دیا گیا ہے کہ جہاں بھی آپ مل جائیں ہم آپ کا ساتھ نہ چھوڑیں یہاں تک کہ ابن زیاد کے پاس پہنچا دیں۔ آپ نے فرمایا اس مطلب کے حاصل کرنے سے تیرے لئے مر جانا زیادہ آسان ہے۔ پھر آپ نے اپنے ساتھیوں کو سوار ہو کر لوٹنے کا حکم دیا۔ حر نے واپس ہونے سے روکا۔ آپ نے فرمایا تیری ماں تجھ پر روئے آخر تیرا مطلب کیا ہے؟ حر نے کہا خدا کی قسم اگر آپ کے علاوہ کوئی دوسرا عرب یہ بات کہتا تو میں اس کی ماں کو بھی ایسے ہی کہتا لیکن آپ کی والدہ ماجدہ کا ذکر میں بھلائی کے ساتھ ہی کروں گا۔ امام نے فرمایا تو کیا چاہتا ہے؟ اس نے کہا میں آپ کو ابن زیاد کے پاس لے جانا چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا خدا کی قسم یہ نہیں ہوگا۔ اس نے کہا خدا کی قسم میں بھی آپ کو نہیں چھوڑوں گا۔ اسی طرح تکرار ہوتی رہی۔ آخر میں حر نے کہا مجھے آپ سے لڑنے کا حکم نہیں دیا گیا ہے مجھے تو صرف یہ حکم ہے کہ میں آپ کے ساتھ ساتھ رہوں یہاں تک کہ آپ کوفہ پہنچ جائیں۔ اگر آپ کوفہ جانے سے انکار کرتے ہیں تو جب تک کہ میں ابن زیاد کی رائے نہ معلوم کر لوں آپ ایسا راستہ اختیار کریں جو نہ کوفہ کی طرف جاتا ہو اور نہ مدینہ کی طرف۔ آپ کو اسکی یہ بات معقول معلوم ہوئی آپ قادسیہ اور عذیب کی راہ سے بائیں مڑ کر چلنے لگے ساتھ ساتھ حر بھی چلتا رہا[1]

باپ اور بیٹے کی گفتگو

جب امام کا قافلہ قصر بنی مقاتل پہنچا تو آپ نے وہیں قیام فرمایا تھوڑی دور پر حر بھی ٹھہرا۔ آدھی رات کے بعد آپ نے ساتھیوں سے فرمایا کہ پانی بھر لو اور چلو۔ ابھی تھوڑی دیر چلے تھے کہ ذرا آنکھ لگ گئی پھر چونک گئے اور تین بار فرمایا انا للہ وانا الیہ راجعون والحمد للہ رب العالمین۔ یہ سن کر آپ کے صاحبزادے حضرت امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کے قریب آئے اور عرض کیا ابا جان!! اس وقت یہ کلمات زبان پر کیسے جاری ہوئے؟ فرمایا ابھی میری آنکھ لگ گئی تھی میں نے

---

[1] طبری صفحہ ۲۲۳ ج ۲

دیکھا ایک سوار کہہ رہا ہے کہ یہ لوگ راستے پر چل رہے ہیں اور موت ان کی طرف بڑھ رہی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس طرح ہم کو موت کی اطلاع دی گئی ہے۔ صاحبزادے نے کہا خدائے تعالیٰ آپ کو ہر بلا سے محفوظ رکھے۔ کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا اس خدائے ذوالجلال کی قسم جس کی طرف سب کو لوٹ کر جانا ہے، ہم حق پر ہیں۔ بہادر صاحبزادے نے کہا جب ہم حق پر ہیں تو ایسی موت کی ہمیں کوئی پروا نہیں۔ آپ نے فرمایا خدائے تعالیٰ تمھیں وہ جزائے خیر عطا فرمائے جو کسی بیٹے کو اس کے باپ کی طرف سے مل سکتی ہو (۱)

جب آپ کا قافلہ نینوا میں پہونچا تو کوفہ کی طرف سے ایک سوار آتا دکھائی دیا۔ سب ٹھہر کر اس کا انتظار کرنے لگے۔ وہ آیا تو امام عالی مقام کی طرف متوجہ نہیں ہوا حر کو سلام کیا اور اس کو ابن زیاد کا خط دیا جس میں لکھا تھا کہ حسین کو آگے بڑھنے سے روک دو اور انھیں چٹیل میدان میں اترنے پر مجبور کرو جہاں کوئی پناہ کی جگہ نہ ہو اور نہ پانی ہو۔ میں نے قاصد کو حکم دیا ہے کہ وہ تمھارے ساتھ رہے تاکہ تمھاری کارگزاری کی ہمیں اطلاع دے اور تم سے الگ نہ ہو جب تک کہ ہمارے حکم پر عمل نہ ہو جائے۔ حر نے امام اور ان کے ساتھیوں کو خط کے مضمون سے مطلع کیا۔ حضرت نے فرمایا اچھا ہم کو ذرا آگے بڑھ کر سامنے والے گاؤں غاضریہ یا شفیہ میں ٹھہرنے دو۔ حر نے کہا ہمیں تو چٹیل میدان میں ٹھہرانے کا حکم دیا گیا ہے اور نگراں ہمارے ساتھ ہے ابن زیاد کو ہمارے طرز عمل کی اطلاع کر دے گا۔

حر کے اس جواب پر حضرت امام کے ساتھیوں میں جوش پیدا ہو گیا حضرت زہیر بن قین نے کہا یا ابن رسول اللہ! ان سے جنگ کر لینا ہمارے لیے آسان ہے بہ نسبت ان لوگوں کے جو ان کے بعد آئیں گے اس لئے کہ وہ اتنے ہوں گے کہ ہم کو ان سے مقابلہ کی طاقت نہ ہو گی۔ مگر حضرت نے فرمایا ہم اپنی طرف سے جنگ

(۱) طبری ج ۲ صـ ۲۳۷

کی ابتدا نہیں کریں گے۔ پھر آپ نے حر سے فرمایا اچھا کچھ تو چلنے دو۔ حر خاموش رہا اور آپ بائیں طرف چل پڑے۔

زمینِ کربلا

ابھی آپ تھوڑا سا چلے تھے کہ حر کے سپاہیوں نے آکر روک دیا اور کہا بس یہیں اتر پڑیئے۔ فرات یہاں سے دور نہیں ہے۔ آپ نے پوچھا اس جگہ کا نام کیا ہے؟ لوگوں نے کہا اس کا نام کربلا ہے۔ اس لفظ کو سنتے ہی آپ گھوڑے سے اتر پڑے اور فرمایا ھٰذِہٖ کَرْبٌ وَّبَلَاءٌ ھٰذَا مَوْضِعُ کَرْبٍ وَّبَلَاءٍ ھٰذَا مَنَاخُ رِکَابِنَا وَمَحَطُّ رِحَالِنَا وَمَقْتَلُ رِجَالِنَا۔ یہ کربلا ہے جو مقام کرب وبلا ہے۔ یہی ہمارے اونٹوں کے بیٹھنے کی جگہ ہے۔ یہیں ہمارے مال واسباب اتریں گے اور اسی مقام پر ہمارے ساتھی قتل کئے جائیں گے (۱)

یہ محرم سنہ ۶۱ھ کی دوسری تاریخ پنجشنبہ (جمعرات) کا دن تھا۔

جب حر نے حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کربلا میں اترنے پر مجبور کر دیا تو اس نے ابن زیاد کو اس بات کی اطلاع دی۔ یہ وقت وہ تھا جبکہ ایران میں بغاوت ہو گئی تھی جس کو فرو کرنے کے لئے عمرو بن سعد کو چار ہزار فوج کا سردار بنایا گیا تھا اور رے کی حکومت کا پروانہ لکھ کر دیا گیا تھا۔ ابن سعد اپنی فوج کے ساتھ نکل کر ابھی تھوڑی ہی دور پہنچا تھا کہ ابن زیاد نے اسے واپس بلا کر حکم دیا کہ پہلے حسین کی مہم سر کرو اس کے بعد ایران کی طرف روانہ ہو ــــ عمرو حضرتِ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو صحابیِ رسول اور عشرۂ مبشرہ میں سے ہیں ان کا بیٹا تھا۔ وہ نواسۂ رسول حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت سے خوب واقف تھا اس لئے اس نے ابن زیاد سے کہا کہ مجھے اس امر کے لیے نہ بھیجیں۔ ابنِ زیاد نے کہا اگر حسین کے مقابلہ کے لئے نہیں جاتے ہو تو رے کی حکومت سے دست بردار ہو جاؤ۔ ابن سعد نے اس معاملہ پر غور کرنے کے لئے ایک دن کی مہلت لی۔ پھر آخر دنیوی حکومت کی لالچ میں آکر امام عالی مقام سے مقابلہ کے لئے تیار ہو گیا۔

(۱) نور الابصار ص۱۱۷

اور وہی چار ہزار کی فوج جو ملک ایران جانے کے لئے تیار تھی انھیں ساتھ لے کر تیسری محرم کو کربلا پہونچ گیا اور پھر برابر کمک پہونچتی رہی یہاں تک کہ ابن سعد کے پاس بائیس ہزار کا لشکر جمع ہو گیا۔

کتنی حیرت کی بات ہے کہ حضرت امام علیٰ جدّہ وعلیہ السّلام کے ساتھ کل بیاسی آدمی ہیں جن میں بیبیاں اور بچّے بھی ہیں اور پھر جنگ کے ارادہ سے بھی نہیں آئے تھے اسی لئے لڑائی کے سامان بھی نہیں رکھتے تھے۔ مگر اہلِ بیتِ نبوّت کی شجاعت اور بہادری کا ابنِ زیاد کے دل پر اتنا اثر تھا کہ ان کے مقابلہ کے لئے بائیس ۲۲ ہزار کا لشکر جرار بھیج دیا۔ دو گنی چوگنی دس گنی تو کیا سو گنی تعداد کو بھی کافی نہیں سمجھا کوفہ کے تمام قابل جنگ افراد کو کربلا میں بھیجدیا اس کے باوجود لوگوں کے دل خوف زدہ ہیں اور جنگ آزما دلاوروں کے حوصلے پست ہیں آخر مجبوراً ان کو یہ فیصلہ کرنا پڑا کہ لشکر امام پر پانی بند کر دیا جائے تب ان کا مقابلہ کیا جا سکے گا۔ چنانچہ ابن سعد نے عمرو بن حجاج کو پانچ سو سواروں کے ایک دستہ کیساتھ دریائے فرات پر مقرر کر دیا تاکہ امام اور ان کے ساتھی پانی کی ایک بوند نہ لے سکیں۔ یہ واقعہ حضرت امام علیٰ جدّہ وعلیہ السلام کے شہید ہونے سے تین دن پہلے کا ہے۔ (۱)

ابن سعد نے حضرت امام کے پاس آدمی بھیجا کہ ان سے پوچھو وہ یہاں کیوں آئے ہیں اور کیا چاہتے ہیں؟ آپ نے جواب دیا کہ تمھارے شہر کوفہ کے لوگوں نے خطوط لکھ کر مجھے بلایا ہے اب اگر میرا آنا پسند نہیں ہے تو میں واپس چلا جاؤں۔ ابن سعد نے اپنا سوال اور حضرت کا جواب لکھ کر ابن زیاد کو بھیجدیا۔ اس نے ابن سعد کو جواب میں لکھا کہ تم حسین اور ان کے تمام ساتھیوں سے کہو کہ وہ یزید

---

(۱) طبری ج ۲ صـ ۲۴۱

کی بیعت کریں۔ اگر وہ بیعت کرلیں گے تو اُن کے بعد ہم جو مناسب سمجھیں گے کریں گے۔
ابن سعد کو جب یہ خط ملا تو اس نے کہا میں سمجھ گیا ابن زیاد کو امن و عافیت منظور نہیں۔

امام اور ابن سعد کی ملاقات

حضرت امام علی جدّہٖ و علیہ السّلام نے ابن سعد کو پیغام بھیجا کہ آج رات میں ہم تم سے ملنا چاہتے ہیں۔ ابن سعد نے یہ بات مان لی اور رات کے وقت بیس سواروں کے ساتھ دونوں لشکروں کے درمیان آیا۔ آپ بھی بیس سواروں کے ساتھ تشریف لے گئے پھر دونوں نے اپنے اپنے ساتھیوں کو علیحدہ کر دیا اور تنہائی میں دیر تک گفت گو کرتے رہے۔ آخر میں حضرت امام نے فرمایا کہ میں تین باتیں پیش کرتا ہوں ان میں سے تم جسے چاہو میرے لیے منظور کر لو۔

(۱) جہاں سے میں آیا ہوں وہیں مجھے واپس چلے جانے دو۔

(۲) مجھے کسی سرحدی مقام پر چلے جانے دو وہیں رہ کر وقت گذار لوں گا۔

(۳) مجھ کو سیدھا یزید کے پاس دمشق کی طرف جانے دو۔ اطمینان کے لیے تم بھی میرے پیچھے پیچھے چل سکتے ہو۔ میں یزید کے پاس جا کر اس سے براہِ راست اپنا معاملہ طے کر لوں گا جیسے کہ میرے بھائی حضرت حسن نے امیر معاویہ سے طے کیا تھا۔

حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا رویّہ اتنا نرم اور سلجھا ہوا تھا کہ ابن سعد نے اقرار کیا کہ آپ صلح کے راستے پر ہیں اور اس نے بہت خوش ہو کر ابن زیاد کو لکھا کہ خدائے تعالیٰ نے آگ کا شعلہ بجھا دیا اور اتفاق کی صورت پیدا فرما دی اور امت کے معاملہ کو سلجھا دیا۔ پھر حضرت امام کی پیش کی ہوئی تینوں باتیں تحریر کیں اور آخر میں اپنی رائے بھی لکھی کہ اب اختلاف کی کوئی وجہ نہیں ہے اور اب اس معاملہ کو ختم ہونا چاہئے —— ابن زیاد نے خط پڑھ کر کہا کہ یہ تحریر ایسے شخص کی ہے جو اپنے امیر کا خیر خواہ اور اپنی قوم کا شفیق ہے۔ اچھا میں نے منظور کر لیا۔ یہ سن کر بدبخت شمر ذی الجوشن اٹھ کھڑا ہوا اور کہا کیا آپ یہ بات ان

کی قبول کرتے ہیں جبکہ وہ آپ کی زمین پر اترے ہوئے ہیں اور آپ کے پہلو میں ہیں۔ واللہ اگر وہ آپ کی اطاعت کے بغیر یہاں سے چلے گئے تو قوت و غلبہ ان کے لیے ہوگا اور عاجزی و کمزوری آپ کے لیے۔ میری رائے میں ان کی خواہش کبھی نہیں منظور کرنی چاہیے اس لئے کہ یہ بہت بڑی ذلت اور کمزوری کی نشانی ہے۔ ہونا یہ چاہئے کہ وہ اور ان کے تمام ساتھی آپ کے حکم پر سر جھکا دیں۔ پھر اگر آپ انھیں سزا دیں تو آپ کو اس کا حق ہے۔ اور اگر معاف کر دیں تو اس کا بھی اختیار ہے۔ رہی ابن سعد کی بات تو خدا کی قسم مجھے تو یہ معلوم ہوا ہے کہ حسین اور وہ رات رات بھر بیٹھے باتیں کیا کرتے ہیں۔

شمر خبیث کی اس فتنہ پرور تقریر سے ابن زیاد کی رائے بدل گئی کہا تم نے بہترین مشورہ دیا ہے اور پھر ابن سعد کو لکھا کہ میں نے تمھیں اس لیے نہیں بھیجا ہے کہ تم حسین کے بچانے کی فکر کرو اور سفارشی بن کر ان کی سلامتی چاہو۔ دیکھو اگر حسین اور ان کے تمام ساتھی میرے حکم پر سر جھکا دیں تو ان کے میرے پاس پہونچا دو اور اگر نہ مانیں تو سب کے سر کاٹ کر میرے پاس بھیجدو اور حسین کی لاش پر گھوڑے دوڑا کر روند ڈالو اس لیے کہ وہ اسی کے مستحق ہیں۔ اگر تمھیں یہ منظور نہ ہو تو ہمارا لشکر شمر کے حوالے کر دو وہ ہمارے حکم پر پورا پورا عمل کرے گا۔۔۔ یہ خط اس نے شمر کے سپرد کیا اور زبانی کہہ دیا کہ اگر ابن سعد میرے حکم پر عمل نہ کرے تو پہلے تم اس کا سر کاٹ کر میرے پاس بھیج دینا (۱)

ابن سعد نے جب یہ خط پڑھا تو شمر سے کہا کم بخت تم نے یہ کیا کیا؟ خدا تجھے غارت کرے تو میرے پاس یہ کیا لایا ہے؟ خدا کی قسم میں سمجھتا ہوں کہ تو نے ہی

(۱) طبری ج ۲ صفحہ ۲۴۴

ابن زیاد کو میرے مشورہ پر عمل کرنے سے روک دیا اور اس بات کو بگاڑ دیا جس کے بننے کی امید تھی۔ خدا کی قسم حسین کبھی ابن زیاد کے سامنے سر نہیں جھکا سکتے۔ شمر نے کہا ان باتوں کو چھوڑو اور یہ بتاؤ کہ دشمن کو قتل کرو گے یا لشکر میرے سپرد کرو گے؟

ابن سعد جو دنیا پر جان دینے والا اور بدبخت ازلی تھا اس نے کہا میں لشکر تمہارے سپرد نہیں کروں گا بلکہ یہ مہم میں خود ہی سر کروں گا چنانچہ اس نے فوراً حملہ کا حکم دیدیا۔ یہ محرم کی نویں تاریخ جمعرات کا دن اور شام کا وقت تھا۔ حضرت امام علیٰ جدہ و علیہ السلام نماز عصر کے بعد خیمہ کے دروازے پر تلوار کا سہارا لیکر گھٹنوں پر سر رکھے بیٹھے تھے کہ آپ کی آنکھ لگ گئی تھی۔ فوج کے شور و غل کی آواز سن کر آپ کی بہن حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا پردے کے پاس آئیں اور آپ کو جگا کر کہا دیکھئے دشمن کے فوج کی آواز بہت نزدیک سے آرہی ہے۔ آپ نے سر اٹھایا اور فرمایا میں نے ابھی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا حضور نے مجھ سے فرمایا اِنَّكَ تَرُوْحُ اِلَيْنَا۔ تم ہمارے پاس آنے والے ہو۔ حضرت زینب یہ خواب سن کر بے قرار ہو گئیں اور روتے ہوئے کہا یَا وَیْلَتَاہُ ہائے مصیبت۔ آپ نے فرمایا صبر کرو، خاموش رہو، اللہ مالک ہے۔ پھر امام نے حضرت عباس سے فرمایا پوچھو اس وقت حملہ کا سبب کیا ہے؟ حضرت عباس فوج کے سامنے آئے اور پوچھا۔ جواب ملا ابن زیاد کا حکم ہے کہ آپ لوگ اس کی اطاعت کریں اور یا تو لڑنے مرنے کے لیئے تیار ہو جائیں۔ حضرت عباس نے ان کے جواب سے امام عالی مقام کو آگاہ کیا۔ آپ نے فرمایا ان سے کہو کہ ایک رات کی مہلت دیں تاکہ آج رات بھر ہم اچھی طرح نماز پڑھ لیں، دعا مانگ لیں اور توبہ و استغفار کر لیں۔ خدائے تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ میں نماز اور دعا و استغفار سے کتنی محبت رکھتا ہوں۔ جب حضرت عباس نے فوج کے دستہ سے کہا کہ ہمیں ایک رات کی مہلت دی جائے ——————— تو انھوں نے یہ بات

مان لی۔ (۱)

ساتھیوں میں امام کی تقریر

اس کے بعد حضرت امام علی جدہٖ و علیہ السلام نے اپنے ساتھیوں کو جمع کیا اور ان کے سامنے یہ تقریر فرمائی ــــ سب تعریفیں خدائے تعالٰی کے لئے ہیں۔ آرام و تکلیف ہر حال میں اس کا شکر ہے۔ اے اللہ! میں تیرا شکر بجالاتا ہوں تونے ہمیں (اہلبیت) نبوت کی عزت عطا فرمائی، قرآن کا علم دیا، دین کی سمجھ عطا فرمائی اور سننے والے کان، دیکھنے والی آنکھیں اور دل آگاہ کی نعمتوں سے مالامال فرمایا ــــ اس کے بعد حضرت نے فرمایا میں دُنیا میں کسی کے ساتھیوں کو اپنے ساتھیوں سے زیادہ وفادار و بہتر نہیں جانتا اور نہ کسی کے گھر والوں کو اپنے گھر والوں سے زیادہ نیکوکار و صلہ رحمی کرنے والا دیکھتا ہوں۔ خدائے تعالٰی تم سب کو میری طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے۔ سن لو! میں یقین رکھتا ہوں کہ ان دشمنوں کے ہاتھوں کل ہماری شہادت ہے۔ میں تم سب کو بخوشی اجازت دیتا ہوں کہ رات کا اندھیرا چھایا ہوا ہے اسی میں جہاں تم لوگوں کا جی چاہے چلے جاؤ میری طرف سے کوئی تم پر الزام نہیں۔ یہ لوگ میرے قتل کے درپے ہیں۔ جب مجھے قتل کریں گے تو پھر کسی دوسرے کی طرف متوجہ نہیں ہوں گے۔

امام عالی مقام کی یہ تقریر سن کر سب سے پہلے حضرت عباس پھر آپ کے دوسرے بھائی بیٹے، بھتیجے اور بھانجے سب نے بیک زبان کہا۔ کیا ہم اس لئے چلے جائیں کہ آپ کے بعد زندہ رہیں؟ خدا ہمیں ایسا برا دن نہ دکھائے۔

امام نے پکار کر کہا اے اولادِ عقیل! مسلم کا قتل ہونا تمہارے لیے کافی ہے۔ تم چلے جاؤ میں اجازت دیتا ہوں۔ ان لوگوں نے کہا خدا کی قسم یہ ہم سے ہرگز نہ ہوگا۔

(۱) طبری ج ۲ ص ۲۴۰

بلکہ ہم آپ کے ساتھ دشمن سے مقابلہ کریں گے یہاں تک کہ اپنی جانیں آپ پر قربان کردیں گے۔ خدائے تعالیٰ ہمیں وہ زندگی نہ دے جو آپ کے بعد ہو۔

حضرت مسلم بن عوسجہ اسدی کھڑے ہوئے اور کہا ہم آپ کو چھوڑ کر چلے جائیں یہ ہم سے ہرگز نہیں ہو سکتا۔ خدا کی قسم میں ان دشمنوں سے نیزہ کے ساتھ جنگ کروں گا یہاں تک کہ میرا نیزہ ان کے سینوں میں ٹوٹ جائے اور تلوار چلاؤں گا جب تک کہ اس کا قبضہ میرے ہاتھ میں رہ سکے گا۔ خدا کی قسم اگر میرے پاس ہتھیار نہ ہوں گے تو میں پتھر مار مار کر دشمنوں سے لڑوں گا اور اس طرح میں اپنی جان آپ پر نچھاور کردوں گا۔

حضرت سعد بن عبداللہ حنفی نے کہا خدا کی قسم آپ کا ساتھ چھوڑ کر ہم نہیں جائیں گے جب تک کہ خدا کی بارگاہ میں یہ ثابت نہ کردیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نواسے کی کیسی حفاظت کی ہے۔ خدا کی قسم اگر مجھے یہ معلوم ہو کہ میں قتل ہو جاؤں گا پھر زندہ کیا جاؤں گا اور پھر جیتے جی جلا دیا جاؤں گا اور میری راکھ ہوا میں اڑا دی جائے گی اور اسی طرح ستر مرتبہ میرے ساتھ ہوگا پھر بھی میں آپ کا ساتھ نہ چھوڑوں گا اور یہ تو ایک ہی مرتبہ قتل ہونا ہے پھر اس کے بعد دائمی عزت ہے جو کبھی ختم ہونے والی نہیں ہے۔

حضرت زہیر بن قین نے کہا خدا کی قسم میں تو یہ چاہتا ہوں کہ قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں اور پھر قتل کیا جاؤں۔ ایسے ہی میرے ساتھ ہزار مرتبہ ہو مگر خدائے تعالیٰ آپ کو اور آپ کے نوجوانوں کو بچالے ——— غرضکہ اسی طرح آپ کے تمام ساتھیوں نے اپنی اپنی عقیدت اور جان نثاری ظاہر کی اور سب کا مطلب یہی تھا کہ یہ ہرگز نہیں ہو سکتا ہے کہ ہم آپ سے جدا ہو جائیں بلکہ ہم اپنے ہاتھوں، اپنی گردنوں اور اپنی پیشانیوں سے آپ کو بچائیں گے یہاں تک کہ اپنی

جانیں آپ پر قربان کردیں گے۔ (۱)

اس کے بعد آپ اور آپ کے تمام ساتھیوں نے نماز و دعا اور توبہ و استغفار میں ساری رات گذار دی اور اس کے ساتھ ہی خیموں کی پشت پر خندق کھود کر لکڑیاں بھر دیں تاکہ جنگ کے وقت ان میں آگ لگا دی جائے تو دشمن پیچھے سے حملہ نہ کر سکے۔

(۱) طبری ج ۲ ص ۳۵۰

عاشورہ کی رات ختم ہوئی اور دسویں محرم کی قیامت نما صبح نمودار ہوئی۔ حضرت امام علیٰ جدہ وعلیہ السلام نے اہلبیت اور اپنے تمام ساتھیوں کے ہمراہ فجر کی نماز نہایت خشوع وخضوع کے ساتھ ادا فرمائی۔ پیشانیوں نے سجدے میں خوب مزے لیئے اور زبانوں نے تسبیح وقراءت کے خوب لطف اٹھائے۔ اب دسویں محرم کا سورج عنقریب نکلنے والا ہے۔ حضرت امام۔ ان کے اہلبیت اور تمام ساتھی تین دن کے بھوکے پیاسے ہیں ایک لقمہ کسی کی حلق سے نیچے نہیں اترا اور نہ ایک قطرہ پانی کسی کو میسر ہوا ایسے لوگوں پر ظلم وجفا کے پہاڑ توڑنے کے لیئے بائیس ہزار کا تازہ دم لشکر موجود ہے۔ جنگ کا نقارہ بجا دیا گیا۔ آقائے دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لال اور علی وفاطمہ کے نونہال کو مہمان بنا کر بلانے والی قوم نے جانوں پر کھیلنے کی دعوت دی۔ حضرت امام میدان کارزار میں تشریف لے گئے اور ایک تقریر فرمائی۔ حمد وصلاۃ کے بعد آپ نے فرمایا اے لوگو! میرے نسب پر غور کرو کہ میں کون ہوں؟ پھر اپنے گریبانوں میں منھ ڈال کر سوچو کہ تمہارے لئے کیا میرا خون بہانا جائز ہے؟ کیا میں تمہارے نبی کا نواسہ نہیں ہوں؟ کیا میں ان کے چچازاد بھائی علی کا فرزند نہیں ہوں؟ جو آٹھ دس سال کی عمر میں ایمان لائے۔ کیا سید الشہداء حضرت حمزہ میرے باپ کے چچا اور جعفر طیار خود میرے ہی چچا نہیں تھے۔ کیا تم میں سے کسی نے یہ نہیں سنا ہے کہ رسول اکرم

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے میرے اور میرے بھائی کے بارے میں فرمایا ہے کہ یہ دونوں جنتی جوانوں کے سردار ہیں۔ اگر تم میری بات کو سچ سمجھتے ہو اور حقیقت میں وہ سچ ہی ہے اس لیے کہ میں کبھی جھوٹ نہیں بولتا۔ اور اگر تم میری بات جھوٹی سمجھتے ہو تو اب بھی اسلامی دنیا میں جابر بن عبداللہ انصاری، ابو سعید خدری اور انس بن مالک وغیرہ موجود ہیں ان سے پوچھ لو —— کیا یہ حدیث تمہیں میرا خون بہانے سے روکنے کے لیے کافی نہیں ہے؟

شمر بدبخت نے آپ کی تقریر میں مداخلت کرتے ہوئے کچھ بدتمیزی کی تو حبیب بن مظاہر نے اسے سخت جواب دیتے ہوئے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے تیرے دل پر مہر لگا دی ہے اس لیے تو نہیں سمجھ پا رہا ہے کہ حضرت امام کیا فرما رہے ہیں —— شمر اور حبیب کی گفتگو کے بعد امام عالی مقام نے پھر فرمایا اے لوگو! اگر تمہیں اس حدیث میں شک ہے تو کیا اس میں شبہہ ہے کہ میں تمہارے رسول کا نواسہ ہوں۔ خدا کی قسم پورب سے لے کر پچھم تک پوری دنیا میں میرے سوا کوئی بھی نبی کا نواسہ موجود نہیں ہے۔ نہ تم میں اور نہ تمہارے سوا دوسری قوموں میں۔ اور میں تو خود تمہارے ہی نبی کا نواسہ ہوں۔ ذرا غور تو کرو کہ میرے قتل پر تم کیسے آمادہ ہو گئے؟ کیا میں نے کسی کو قتل کیا ہے؟ کسی کا مال ہلاک کیا ہے؟ یا کسی کو زخمی کیا ہے؟ جس کا بدلہ تم مجھ سے چاہتے ہو۔

جب مخالفین کی طرف سے کوئی جواب نہیں ملا تو آپ نے پکار کر کہا اے شبث بن ربعی! اے حجار بن ابجر! اے قیس بن اشعث! اے یزید بن حارث! کیا تم لوگوں نے خط لکھ کر مجھے نہیں بلایا تھا؟ انھوں نے کہا ہم نے کوئی خط آپ کو نہیں لکھا تھا۔ آپ نے فرمایا تم لوگوں نے لکھا تھا اور ضرور لکھا تھا۔ اچھا فرض کرو تم نے نہیں لکھا تھا اور تم نہیں چاہتے تھے کہ میں ادھر آؤں تو مجھے چھوڑ دو تاکہ میں کسی ایسی جگہ چلا جاؤں جہاں امن و امان کی زندگی بسر کر سکوں۔

قیس بن اشعث نے کہا آپ اپنے قرابت دار یعنی ابن زیاد کے سامنے سر جھکا دیں پھر آپ کے ساتھ کوئی ناپسندیدہ سلوک نہیں ہوگا۔ آپ نے فرمایا تم ایسا کیوں نہیں کہو گے تم محمد بن اشعث ہی کے بھائی تو ہو۔ کیا تمہارے لئے یہ کافی نہیں کہ مسلم بن عقیل کے خون کی ذمہ داری تم پر ہے۔ خدا کی قسم میں ذلت کے ساتھ تمہارے ہاتھ میں اپنا ہاتھ ہرگز نہیں دوں گا اور نہ غلاموں کی طرح اطاعت کا اقرار کروں گا ——— مخالفین کے ماننے کی پہلے ہی سے امید نہ تھی مگر امام عالی مقام کو اپنا فرض پورا کرنا تھا وہ ہو گیا پھر آپ اونٹنی بٹھا کر اتر پڑے اور عقبہ بن سمعان کو حکم دیا کہ اسے باندھ دیں (۱)

حُر کا شوق شہادت

جب عمرو بن سعد جنگ شروع کرنے کے لئے آگے بڑھا تو حر بن یزید نے اس سے کہا خدا تیرا بھلا کرے کیا تو واقعی ان سے جنگ کریگا؟ ابن سعد نے کہا ہاں خدا کی قسم۔ اور ایسی جنگ کہ جس میں سروں کی بارش ہوگی اور ہاتھ قلم ہو کر زمین پر گریں گے۔ حر نے کہا ان کی پیش کی ہوئی باتوں میں سے کوئی بات بھی تم لوگوں کو منظور نہیں۔ اس نے کہا خدا کی قسم اگر مجھے اختیار ہوتا تو میں ضرور منظور کر لیتا مگر کیا کروں؟ تمہارا حاکم نہیں مانتا۔ حر یہ سن کر وہاں سے ہٹ گیا۔ نواسۂ رسول سے جنگ کے تصور نے اس کے بدن پر کپکپی طاری کر دی اور چہرے پر پریشانی کے آثار ظاہر ہوئے تو مہاجر بن اوس اسی کے قبیلے کا ایک شخص کہنے لگا حر یہ تمہاری کیا حالت ہے؟ تم پر اس قدر خوف و ہراس کیوں غالب ہے؟ مجھ سے تو جب پوچھا جاتا کہ کوفہ میں سب سے زیادہ بہادر کون ہے تو میں تمہارے سوا کسی کا نام نہ لیتا مگر اس وقت تمہاری عجیب حالت دیکھ رہا ہوں۔ آخر اس کی وجہ کیا ہے؟ حر نے کہا یہ نواسۂ رسول سے جنگ ہے، اپنی عاقبت سے لڑائی ہے۔ میں اس وقت جنت اور دوزخ کے درمیان کھڑا ہوں مگر میں جنت کو کسی چیز کے بدلے نہیں چھوڑوں گا چاہے میرا جسم ٹکڑے ٹکڑے کر کے آگ میں جلا دیا جائے۔

(۱) طبری ج ۲ ص ۲۵۶

کہتے ہوئے اس نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور امام عالی مقام کی خدمت میں پہونچ گیا ــــ عرض کیا فرزند رسول! میری جان آپ پر قربان۔ میں وہی گنہگار ہوں جس نے آپ کو واپس جانے سے روکا، راستے میں آپ کے ساتھ ساتھ رہا اور اس جگہ ٹھہرنے پر مجبور کیا۔ قسم ہے اس خدائے پاک کی جس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں میں یہ ہرگز نہیں سمجھتا تھا کہ آپ کی پیش کی ہوئی باتوں میں سے یہ کسی ایک کو بھی نہیں مانیں گے اور نوبت یہاں تک پہونچ جائے گی۔ واللہ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ یہ لوگ آپ کی بات نہیں قبول کریں گے تو میں ہرگز ان کا ساتھ نہ دیتا۔ اب میں اپنے کئے پر شرمندہ ہوں۔ خدائے تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں اور اپنی جان آپ کے قدموں پر قربان کرنے کے لیے حاضر ہوں۔ کیا اس طرح میری توبہ قبول ہو جائے گی۔ حضرت نے فرمایا ہاں اللہ تعالیٰ تمہاری توبہ قبول فرمائے گا اور تمہیں بخش دے گا۔ مبارک ہو انشاء اللہ تم دنیا و آخرت میں حر (آزاد) ہو۔ گھوڑے سے اترو۔ عرض کیا آپ کی مدد کے لئے میرا گھوڑے پر رہنا اترنے سے بہتر ہے۔ اب میں آخری وقت ہی میں (شہید ہو کر) گھوڑے سے اتروں گا۔ حضرت نے فرمایا اچھا جو تمہارا جی چاہے وہی کرو خدائے تعالیٰ تم پر رحم فرمائے۔ (۱)

کوفیوں سے حر کا خطاب

حضرت امام علیٰ جدہ وعلیہ السلام سے خطا معاف کرانے کے بعد حر فوراً میدان میں آگیا اور پہلے ملائم الفاظ میں کوفیوں سے کہا۔ اے لوگو! حسین تین باتیں جو پیش کرتے ہیں ان میں سے کسی ایک کو تم کیوں نہیں منظور کر لیتے تاکہ خدائے تعالیٰ تم کو ان کے ساتھ جنگ میں مبتلا ہونے سے بچالے۔ کوفیوں نے کہا ہمارے سپہ سالار عمرو بن سعد موجود ہیں ان سے بات کرو۔ ابن سعد نے کہا اگر مجھے اختیار ہوتا تو میں ضرور منظور کر لیتا۔ یہ سن کر حر کو غصہ آگیا اور کہا اے کوفہ والو! خدائے تعالیٰ تم کو غارت

(۱) طبری ج ۲ صفحہ ۳۶۱

کرے کہ تم نے نواسۂ رسول کو بلایا اور جب وہ آگئے تو تم نے انھیں دشمن کے حوالے کر دیا۔ تم کہتے تھے کہ ہم ان پر اپنی جان قربان کریں گے اور اب قتل کرنے کے لیئے انھیں پر حملہ کر رہے ہو۔ ان کو تم نے گرفتار کر لیا، چاروں جانب سے ان کو گھیر لیا، تم نے ان کو خدا کی لمبی چوڑی زمین میں جدھر امن کا راستہ پائیں ادھر جانے سے روک دیا اور اب وہ تمھارے ہاتھ میں قیدی کی طرح ہو گئے ہیں۔ تم نے ان کو، ان کے اہلِ حرم کو، ان کے بچوں کو اور ان کے ساتھیوں کو دریائے فرات کے اس بہتے ہوئے پانی سے روک دیا جسے یہودی، نصرانی اور مجوسی تک پیتے ہیں بلکہ کتے اور سور بھی اس میں لوٹتے ہیں مگر اسی پانی کے لیئے حسین اور ان کے اہل وعیال تڑپ رہے ہیں۔ تم نے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد ان کی اولاد کے ساتھ کیسا برا سلوک کیا ہے۔ اگر آج تم ابھی اسی دم توبہ نہیں کرو گے اور اپنے ارادے سے باز نہیں آؤ گے تو قیامت کے دن خدائے تعالیٰ تمھیں بھی پیاس سے تڑپائے گا —— کوفیوں کے پاس چونکہ اس تقریر کا کوئی جواب نہ تھا اس لیے وہ حر پر تیر برسانے لگے۔ حر نے یہ دیکھ کر تقریر بند کر دی اور چونکہ ابھی جنگ باقاعدہ شروع نہیں ہوئی تھی اس لیے وہ واپس آکر امام کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ (۱)

جنگ کی ابتدا

حر کے واپس آنے کے بعد عمرو بن سعد نے فوج کو آگے بڑھایا اور اپنے غلام ذوید کو جو علمبردار لشکر تھا آواز دی کہ جھنڈا میرے قریب لاؤ وہ اس کے پاس آکر کھڑا ہو گیا۔ ابن سعد نے کمان میں تیر جوڑ کر حسینی لشکر کی طرف سر کیا اور اپنی فوج سے پکار کر کہا گواہ رہنا کہ سب سے پہلا تیر میں نے ہی مارا ہے۔ سپہ سالار کے ان الفاظ کو سن کر اس کے لشکر میں جوش وخروش پیدا ہو گیا تو وہ بھی تیر برسانے لگے۔ اس طرح جنگ شروع ہو گئی اور اب دونوں طرف کے سپاہی نکل نکل کر اپنی بہادری کا جوہر دکھانے لگے —— سب سے پہلے یسار

(۱) طبری ج ۲ صفحہ ۲۶

اور سالم جو زیاد اور ابن زیاد کے آزاد کردہ غلام تھے کوفیوں کی طرف سے نکل کر میدان میں آئے اور مقابلہ کے لیے بلایا۔ امام عالی مقام کے دو جاں نثار ساتھی حبیب بن مظاہر اور بریر بن حضیر اٹھ کھڑے ہوئے مگر امام نے ان کو روک دیا۔ یہ دیکھ کر عبد اللہ بن عمیر کلبی جو اپنی بیوی ام وہب کے ساتھ امام کی مدد کے لیے کربلا میں آگئے تھے کھڑے ہوگئے اور جنگ کی اجازت طلب کی۔ حضرت۔ نے سر سے پیر تک ان پر نگاہ ڈالی دیکھا جوان قوی ہیکل ہے فرمایا اگر تمھارا دل چاہتا ہے تو جاؤ۔ یہ تنہا دونوں کے مقابل گئے۔ انھوں نے پوچھا تم کون ہو؟ عبد اللہ نے اپنا نام و نسب بیان کیا۔ انھوں نے کہا ہم تمھیں نہیں جانتے ہمارے مقابلہ میں زہیر بن قین، حبیب بن مظاہر یا بریر بن حضیر کو آنا چاہئے تھا۔ یسار اس وقت سالم سے آگے بڑھا ہوا تھا۔ عبد اللہ نے کہا او فاحشہ کے بیٹے! تو مجھ سے لڑنے میں اپنی بے عزتی سمجھتا ہے۔ یہ کہتے ہوئے یسار پر حملہ کیا اور تلوار کی ایسی ضرب لگائی کہ وہ ایک ہی وار میں ٹھنڈا ہو گیا۔ سالم نے ایک دم جھپٹ کر حملہ کر دیا عبد اللہ نے اس کی تلوار کو بائیں ہاتھ پر روکا انگلیاں کٹ گئیں مگر داہنے ہاتھ سے اس پر ایک ایسا وار کیا کہ اسے بھی ڈھیر کر دیا اور جوش میں آکر شعر پڑھنے لگے جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر مجھے نہیں پہچانتے ہو تو پہچان لو میں خاندان کلب کا ایک فرزند ہوں میرے حسب و نسب کے لیے اتنا کافی ہے کہ قبیلۂ عُلیم میرا گھرانا ہے میں بڑی قوت والا ہوں اور مصیبت کے وقت پست ہمتی سے کام لینے والا نہیں ہوں۔

عبد اللہ کی بیوی کو اپنے شوہر کی بہادری دیکھ کر جوش آگیا خیمہ کی ایک چوب ہاتھ میں لی اور آگے بڑھ کر کہا میرے ماں باپ تم پر قربان۔ نواسۂ رسول کی طرف سے لڑتے جاؤ۔ وہ اپنی بیوی کے پاس آئے اور چاہا کہ انھیں خیمہ میں پہونچا دیں مگر وہ ماننے والی نہیں تھیں۔ عبد اللہ کے ایک ہاتھ میں تلوار تھی جس سے دشمن کا خون ٹپک رہا تھا اور دوسرے ہاتھ کی انگلیاں کٹ گئی تھیں جن سے لہو بہہ رہا تھا۔ پھر بھی انھوں نے پوری قوت کے ساتھ بیوی کو واپس کرنا چاہا مگر جوش میں بھری ہوئی

خاتون نے اپنا ہاتھ عبد اللہ سے چھڑا لیا اور کہا میں تمہارا ساتھ ہرگز نہیں چھوڑ دوں گی۔ تمہارے ساتھ میں بھی جان دوں گی۔ امام عالی مقام نے آواز دی خدائے تعالیٰ تم دونوں کو اہلبیت رسالت کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے۔ بی بی تم واپس چلی آؤ کہ عورتوں پر قتال واجب نہیں۔ حضرت کے حکم کو سن کر وہ واپس آگئیں (۱)

کربلا میں حضرت امام کی کرامتیں

دشمنوں کے گروہ میں ایک شخص گھوڑا کودا تا ہوا سامنے آیا جس کا نام مالک بن عروہ تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ لشکر امام کے گرد خندق میں آگ جل رہی ہے اور شعلے بلند ہو رہے ہیں اور اس تدبیر سے اہل خیمہ کی حفاظت کی جا رہی ہے تو اس گستاخ بد باطن نے حضرت امام سے کہا اے حسین! تم نے وہاں کی آگ سے پہلے یہیں آگ لگائی ہے۔ امام عالی مقام علیٰ جدّہٖ وعلیہ السلام نے فرمایا کذبت یا عدو اللہ اے خدا کا دشمن! تو جھوٹا ہے تجھے گمان ہے کہ میں دوزخ میں جاؤں گا۔ حضرت مسلم بن عوسجہ کو اس بدبخت کا یہ جملہ بہت ناگوار ہوا اور انھوں نے حضرت امام سے اس بدزبان کے منہ پر تیر مارنے کی اجازت چاہی۔ آپ نے انھیں اجازت نہیں دی مگر خدائے تعالیٰ کی بارگاہ میں ہاتھ اٹھا کر دعا کی یا الٰہ العٰلمین! عذاب نار سے پہلے اس گستاخ کو دنیا کے اندر آگ کے عذاب میں مبتلا فرما۔ امام کا ہاتھ اٹھانا تھا کہ اس کے گھوڑے کا پاؤں ایک سوراخ میں گیا، وہ گھوڑے سے گرا، اس کا پاؤں رکاب میں الجھا، گھوڑا اسے لیکر بھاگا اور آگ کی خندق میں ڈال دیا۔

حضرت امام نے سجدۂ شکر کیا، اپنے پروردگار کی حمد و ثنا کی اور عرض کیا اے پروردگار! تیرا شکر ہے کہ تو نے اہلبیت رسالت کے بدخواہ کو سزا دی۔ حضرت

(۱) طبری ج ۲ ص ۲۴۳

امام کی زبان سے یہ جملہ سن کر دشمنوں کی صف میں سے ایک اور بیباک نے کہا آپ کو پیغمبر خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کیا نسبت؟ یہ کلمہ تو حضرت کے لیئے انتہائی تکلیف دہ تھا آپ نے بارگاہِ خداوندی میں عرض کیا اے اللہ! اس بدزبان کو فوراً ذلت میں گرفتار کر۔ امام نے یہ دعا فرمائی اور اس کو قضائے حاجت کی ضرورت پیش آئی وہ گھوڑے سے اتر کر ایک طرف بھاگا اور کسی جگہ قضائے حاجت کے لئے برہنہ ہو کر بیٹھا ایک سیاہ بچھو نے ڈنک مارا تو نجاست آلودہ تڑپتا پھرتا تھا اس رسوائی کے ساتھ پورے لشکر کے سامنے اس ناپاک کی جان نکلی مگر سخت دلانِ بے حمیت کو غیرت نہ ہوئی۔

اور ایک مزنی نے امام کے سامنے آکر کہا اے امام دیکھو تو دریائے فرات کیسا موجیں مار رہا ہے۔ خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں تمھیں اس کا ایک قطرہ نہ ملے گا۔ اور تم پیاسے ہلاک ہو جاؤ گے۔ حضرتِ امام نے اس کے حق میں فرمایا اَللّٰھُمَّ اَمِتْہُ عَطْشَانًا۔ یا رب اس کو پیاسا مار۔ امام کا یہ فرمانا تھا کہ مزنی کا گھوڑا چمکا۔ مزنی گرا گھوڑا بھاگا اور مزنی پکڑنے کے لیے اس کے پیچھے دوڑا اور پیاس اس پر ایسی شدت کی غالب ہوئی کہ اَلْعَطَشُ اَلْعَطَشُ پکارتا تھا اور جب پانی اس کے منھ سے لگاتے تھے تو ایک قطرہ نہیں پی سکتا تھا یہاں تک کہ اسی پیاس کی شدت میں مرگیا (۱)

اے دل بگیر دامنِ سلطانِ اولیاء
یعنی حسین بن علی جانِ اولیاء

فرزندِ رسول کو یہ بات بھی دکھا دینی تھی کہ ان کی مقبولیت بارگاہ حق پر اور ان کے قرب و منزلت پر جیسے کہ نصوصِ کثیرہ اور احادیثِ شہیرہ شاہد ہیں ایسے ہی ان کے خوارق و کرامات بھی گواہ ہیں ــــــ اپنے اس فضل کا عملی اظہار بھی اتمام حجت

---

(۱) سوانح کربلا ص۱۳۶

کے سلسلے کی ایک کڑی تھی کہ اگر تم آنکھ رکھتے ہو تو دیکھ لو کہ جو ایسا مستجاب الدعوات ہے اس کے مقابلہ میں آنا خدا سے جنگ کرنا ہے اس کا انجام سوچ لو اور باز رہو مگر شرارت کے مجسمے اس سے بھی سبق نہ لے سکے۔

امام کے ساتھیوں کی شجاعت اور شہادت

کوفی لشکر سے یزید بن معقل نکلا امام عالی مقام کی طرف سے بُریر بن حضیر نے بڑھ کر اس کے سر پر ایسی ضرب کاری لگائی کہ تلوار یزید کی خود کو کاٹتی ہوئی دماغ تک پہونچ گئی اور ڈھیر ہو گیا۔ اتنے میں رضی بُریر سے لپٹ گیا دونوں میں کشتی ہونے لگی۔ آخر بُریر رضی کو گرا کر اس کے سینہ پر سوار ہو گئے۔ رضی چلایا تو کعب نے دوڑ کر بُریر کی پیٹھ میں نیزہ مارا اور وہ شہید ہو گئے —— پھر امام عالی مقام کی طرف سے حُر نکلے ان کے مقابلہ کے لیے یزید بن سفیان آیا۔ حر نے ایک ہی وار میں اسے ڈھیر کر دیا۔ حر کے بعد نافع بن ہلال آگے بڑھے ان کے مقابلہ میں مزاحم بن حُریث آیا نافع نے اسے بھی موت کے گھاٹ اتار دیا —— ابھی تک لڑائی اسی انداز میں ہو رہی تھی کہ دونوں طرف سے ایک ایک جوان میدان میں آتا لیکن کوفیوں کی طرف سے جو بھی آتا وہ بچ کے نہ جاتا۔ یہ حال دیکھ کر عمرو بن حجاج چلایا۔ اے بیوقوف کوفیو! تمھیں نہیں معلوم تم کن لوگوں سے لڑ رہے ہو اور یہ سب موت کو جان سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں۔ ان کے مقابلہ میں ایک ایک کے ہرگز نہ جاؤ۔ عمرو بن سعد نے اس کی رائے کو پسند کیا اور اس طرح لڑائی کرنے سے منع کر دیا۔ پھر عمرو بن حجاج نے فوج کے ایک دستہ کے ساتھ امام عالی مقام کے میمنہ پر عام حملہ کر دیا کچھ دیر تک جنگ ہوئی جس میں حضرت کے ایک جاں نثار ساتھی مسلم بن عوسجہ شہید ہو گئے۔

اس کے بعد شمر ایک بڑی جماعت کے ساتھ امام کے میسرہ پر حملہ آور ہوا اور اس

حملہ کے ساتھ ہی یزیدی لشکر چاروں طرف سے امام کے ساتھیوں پر ٹوٹ پڑا۔ بڑی زبردست جنگ ہوئی۔ امام کے ساتھ کل ۳۲ سوار تھے لیکن جدھر وہ رُخ کرتے تھے کوفیوں کی صفوں کو درہم برہم کر دیتے تھے یہاں تک کہ یزیدی لشکر میں بھگدڑ مچ گئی۔ ابن سعد نے فوراً پانچ سو تیر اندازوں کو بھیجا انھوں نے پہونچ کر حسینی لشکر پر تیروں کی بارش کر دی جس سے تمام گھوڑے زخمی اور بے کار ہو گئے۔ لیکن امام عالی مقام کے جاں نثار ہمت نہیں ہارے، گھوڑوں سے اتر پڑے بڑی بہادری و بے جگری کے ساتھ لڑتے رہے اور کوفیوں کے چھکے چھڑا دیئے۔ ایوب بن مشرح کہتا تھا خدا کی قسم حر بن یزید کے گھوڑے کو میں نے تیر مارا جو اس کی حلق میں اتر گیا بس وہ گر پڑا اور اس کی پیٹھ پر سے حر اس طرح کود پڑا جیسے شیر۔ پھر وہ تلوار کھینچ کر میدان میں آ گیا اور ایک شعر پڑھا جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم نے میرے گھوڑے کو بیکار کر دیا تو کیا ہوا میں حر شیر ببر سے زیادہ بہادر اور شریف ہوں۔ اور وہی ابن مشرح یہ بھی کہتا تھا کہ حر کی طرح تلوار چلاتے ہوئے میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔ (۱)

جب ظہر کا اول وقت ہو گیا تو امام عالی مقام نے فرمایا کوفیوں سے کہو ہمیں نماز پڑھنے کی مہلت دیں۔ اس پر بدبخت حصین بن نمیر نے کہا تمھاری نماز قبول نہ ہو گی۔ حبیب بن مظاہر نے جواب دیا او گدھے! تو سمجھتا ہے کہ فرزند رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نماز قبول نہ ہو گی اور تیری قبول ہو گی۔ یہ سن کر ابن نمیر آگ بگولہ ہو گیا۔ اس نے حبیب پر حملہ کر دیا۔ حبیب نے اپنے آپ کو بچا لیا اور جھپٹ کر اس کے گھوڑے کے منہ پر تلوار کا ایسا وار کیا کہ وہ آگے کے دونوں پاؤں اٹھا کر کھڑا ہو گیا اور ابن نمیر اس کی پیٹھ سے نیچے گر گیا لیکن کوفیوں نے دوڑ کر اسے بچا لیا۔ پھر بہت سے کوفیوں نے حبیب کو گھیر لیا وہ دیر تک ان سے بڑی بہادری کے ساتھ لڑتے رہے لیکن تنہا

---

(۱) طبری ج ۲ صفحہ ۲۶۷

ایک بڑی جماعت کا وہ کب تک مقابلہ کر سکتے تھے۔ جب تھک گئے تو ایک تمیمی نے آپ پر نیزہ سے وار کیا آپ گر گئے اور ابھی اٹھ ہی رہے تھے کہ ابن نمیر نے آپ پر تلوار ماری آپ پھر گر گئے اور تمیمی نے گھوڑے سے اتر کر آپ کا سر کاٹ لیا۔

حبیب کی شہادت سے امام عالی مقام کے دل پر بڑا زبردست اثر پڑا۔ فرمایا کہ میں نے اپنی اور اپنے ساتھیوں کی جان کو خدائے تعالیٰ کے حوالے کیا۔ حر نے جب امام کو بہت رنجیدہ دیکھا تو رجز پڑھتے ہوئے میدان میں نکلے ساتھ میں زہیر بن قین بھی رہے دونوں نے بہت سخت لڑائی کی۔ ان میں سے ایک حملہ کرتا اور جب وہ دشمنوں میں گھر جاتا تو دوسرا حملہ کر کے اسے بچا لیتا۔ اسی طرح دیر تک یہ دونوں شمشیر زنی کرتے رہے۔ آخر میں بہت بڑی فوج نے حر کو گھیر لیا اور وہ شہید کر دیئے گئے۔ اب زہیر تنہا رہ گئے لیکن دیر تک دشمنوں کا مقابلہ کیا پھر تلوار چلاتے ہوئے وہ بھی شہید ہو گئے (۱) اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ

کربلا والوں نے روشن کر دیا اسلام کو!
شمعیں گل ہوتی گئیں اور روشنی بڑھتی گئی

ہاشمی جوانوں کی بے مثل بہادری اور شہادت

کربلا میں امام عالی مقام علیٰ جدہ وعلیہ السلام کے ساتھیوں کی وفاداری کا یہ بھی ایک بہت بڑا کارنامہ رہا کہ جب تک ان میں کا ایک بھی باقی رہا امام پاک کے بھائی اور بیٹے بھتیجے وغیرہ کسی بھی بنی ہاشم کو انھوں نے لڑنے کے لیے میدان میں نہیں جانے دیا بلکہ ان کے کسی ایک فرد کو کوئی گزند بھی نہیں پہونچنے دیا۔ حالانکہ

(۱) طبری ج ۲ صفحہ ۲۷۱

اس درمیان میں کوفیوں کی طرف سے بڑی زبردست تیروں کی بارش بھی ہوئی مگر اس کے باوجود ایک زخم بھی کسی ہاشمی جوان یا بچہ کو لگنے کا تاریخ میں پتہ نہیں چلتا۔

ان سب کی شہادت کے بعد اب اسد اللہ الغالب کے شیروں، فاطمہ زہراء کے دلاروں اور سید الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جگرپاروں کے لڑنے کی باری آئی۔ ان کے میدان میں آتے ہی بڑے بڑے بہادروں کے دل سینوں میں لرزنے لگے اور ان کی اسد اللٰہی تلواروں کے حملوں سے شیر دل بہادر بھی چیخ اٹھے، انھوں نے ضرب و حرب کے وہ جوہر دکھائے کہ دشمنوں کے خون سے پوری زمین کربلا رنگین ہوگئی اور کوفیوں کو ماننا پڑا کہ اگر ان لوگوں پر تین دن پہلے پانی بند نہ کیا جاتا تو ہاشمی خاندان کا ایک ایک جوان پورے لشکر کو تباہ و برباد کر ڈالتا۔

اولادِ عقیل کی شہادت

حضرت عبد اللہ بن مسلم بن عقیل امام عالیمقام نے راہِ حق میں سر کٹانے کی اجازت طلب کی آپ کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ فرمایا بیٹا میں تمھیں کیسے اجازت دیدوں ابھی تمھارے باپ کی جدائی کا داغ میرے دل سے نہیں مٹا ہے۔ عرض کیا میں اپنے باپ کے پاس جانے کے لیے بیقرار ہوں۔ حضرت نے ان کا شوق شہادت دیکھ کر اجازت دے دی۔ اس ہاشمی جوان نے میدان میں آکر مقابلہ کے لیے پکارا۔ کوفی لشکر سے قدامہ بن اسد جو بڑا بہادر سمجھا جاتا تھا وہ آپ سے لڑنے کے لیے نکلا۔ تھوڑی دیر تک دونوں میں تلوار چلتی رہی۔ آخر عبد اللہ نے تلوار کا ایسا زبردست وار کیا کہ وہ کھیرے کی طرح کٹ کر زمین پر آگیا۔ پھر کسی کی ہمت نہ ہوئی کہ وہ تنہا آپ کے مقابلہ میں آتا۔ آپ شیر ببر کی طرح ان پر حملہ آور ہوئے۔ صفوں کو درہم برہم کرتے ہوئے ان میں گھستے چلے گئے۔ بہتیروں کو زخمی کیا اور کئی ایک کو جہنم میں پہونچایا۔ آخر نوفل بن مزاحم حمیری نے آپ کو نیزہ مار کر شہید کر دیا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت جعفر بن عقیل اپنے بھتیجے عبد اللہ بن مسلم کی شہادت کے بعد اشکبار

آنکھوں کے ساتھ میدان میں آئے اور یہ رجز پڑھی کہ میں مکہ کا رہنے والا ہوں۔ ہاشمی نسل اور غالب گھرانے کا ہوں۔ بیشک ہم سارے قبیلوں کے سردار ہیں اور حسین تمام لوگوں میں سب سے زیادہ پاکیزہ ہیں۔ پھر آپ نے لڑنا شروع کیا اور بہادری کے وہ جوہر دکھائے کہ بہت سے یزیدیوں کو خاک میں ملا دیا۔ دشمن جب تلوار سے ان کا مقابلہ نہیں کر سکے تو چاروں طرف سے گھیر کر تیروں کی بارش شروع کی۔ آخر عبد اللہ بن عزرہ کے تیر سے شہید ہو کر آپ بہشت بریں میں جا پہونچے ——— حضرت عبد الرحمٰن بن عقیل اپنے بھائی کو خاک و خون میں غلطاں دیکھ کر بے چین ہو گئے اور بھوکے شیر کی طرح کوفیوں پر جھپٹ پڑے، صفوں کو درہم برہم کر دیا اور دشمنوں کے خون سے میدان کو لالہ زار بنا دیا۔ آخر عثمان بن خالد جہنی اور بشر بن سوط ہمدانی نے مل کر آپ کو شہید کر دیا ——— دونوں بھائیوں کی شہادت کے بعد حضرت عبد اللہ بن عقیل شیر ببر کی طرح میدان میں کود پڑے اور شمشیر زنی کے وہ جوہر دکھائے کہ بڑے بڑے بہادروں کے دانت کھٹے کر دیئے اور بہت سے کوفیوں کو جہنم میں پہونچا دئے۔ آخر میں عثمان بن اسیم جہنی اور بشر بن سوط ہمدانی کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

یہ فقیر کاش نقش ہر در و دیوار ہو جائے
جسے جینا ہو مرنے کے لیئے تیار ہو جائے

فرزندانِ علی کی شہادت

اولادِ حضرت عقیل کی شہادت کے بعد اب حضرت علی مشکل کشا کے فرزندوں کی باری آئی

حضرت محمد بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما جو اسماء بنت خثعمیہ کے بطن سے تھے امام عالی مقام سے اجازت لے کر میدان میں آئے۔ اپنی بہادری کے جوہر دکھائے اور بہت سے دشمنوں کو قتل کیا۔ آخر قبیلۂ بنی ابان کے ایک شخص نے آپ کو زخمی کیا اور جب آپ زمین پر گر گئے تو اس نے آپ کا سر تن سے جدا کر دیا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اب حضرت عثمان بن علی، حضرت عبداللہ بن علی اور حضرت جعفر بن علی کھڑے ہوئے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یہ تینوں فرزند ام البنین کے بطن سے تھے اور امام عالی مقام علیٰ جدہ وعلیہ السلام کے ایسے وفادار و جاں نثار تھے کہ جب شمر عبیداللہ ابن زیاد کا خط لے کر کربلا کی طرف روانہ ہو رہا تھا تو عبداللہ بن ابی محل جو ام البنین کا بھتیجہ تھا اور جس کا شمار کوفہ کے بڑے لوگوں میں تھا اتفاق سے وہ بھی اس وقت وہاں موجود تھا۔ اس نے ابن زیاد سے کہا ہمارے خاندان کی ایک لڑکی کے فرزند حسین کے ساتھ ہیں۔ آپ ان کے لیئے امان نامہ لکھ دیجئے۔ ابن زیاد نے ام البنین کے چاروں فرزند حضرات عباس اور ان تینوں حضرات کے لیئے امان نامہ لکھ دیا جسے عبداللہ بن ابی محل نے اپنے آزاد کردہ غلام کرمان کے ہاتھ روانہ کیا۔ وہ امان نامہ لے کر ان حضرات کے پاس پہنچا اور کہا آپ کے ماموں زاد بھائی نے آپ لوگوں کے لیئے ابن زیاد سے امان نامہ لکھوا کر بھجوایا ہے۔ ان چاروں غیور اور بہادر جوانوں نے بیک زبان کہا ہمارے بھائی کو ہماری طرف سے سلام کہہ دینا اور کہنا کہ ہم کو ابن زیاد کی امان کی ضرورت نہیں خدائے تعالیٰ کی امان ہمارے لئے کافی ہے ______ شمر ذی الجوشن ام البنین ہی کے خاندان کا آدمی تھا۔ ابن زیاد کا خط عمرو بن سعد کو پہنچانے کے بعد اس نے بھی جماعت حسینی کی طرف کھڑے ہو کر آواز دی کہ ہماری بہن کے بیٹے کہاں ہیں؟ ان حضرات نے پوچھا ہم سے کیا کہنا چاہتے ہو؟ اس نے کہا تم لوگوں کے لیئے امان ہے۔ ان مجاہدوں نے جواب دیا کہ خدا کی پھٹکار ہو تجھ پر اور تیری امان پر کہ ہمارے لئے امان ہے اور فرزند رسول کے لیئے امان نہیں (۱)

پھر حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یہ تینوں بھائی ایک ایک کر کے میدان میں جاتے ہیں اور ہر ایک سیکڑوں کوفیوں پر بھاری ہوتے ہیں، زور ید اللہی سے یزیدی

(۱) طبری ج ۲ صفحہ ۲۴۵

لشکر کی صفوں کو درہم برہم کردیتے ہیں اور قوتِ حیدری کے وہ جوہر دکھاتے ہیں کہ دشمنوں کے دانت کھٹے کردیتے ہیں۔ بالآخر بہت سے یزیدیوں کو قتل اور زخمی کرنے کے بعد فرزندِ رسول پر اپنی جانوں کو قربان کردیتے ہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم

وہ عاشقانِ دلبرِ شاہنشہِ زمن ! وہ کشتگانِ خنجرِ دردو غم و محن
پرخون پڑے تھے دشت مصیبت میں اسطرح صحنِ چمن میں پھول بکھرتے ہیں جسطرح

شہادت حضرت قاسم

اب ہاشمی خاندان کے ایک مہکتے ہوئے پھول حضرتِ قاسم رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو حضرتِ حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرزند ہیں، ان کی عمر انیس سال ہے اور ان کی شادی کا رشتہ امام عالی مقام کی صاحبزادی سکینہ سے طے ہوچکا ہے۔ وہ حضرت کی خدمت میں دست بستہ کھڑے ہیں اور راہِ حق میں اپنی جان قربان کرنے کے لیئے اجازت طلب کررہے ہیں امام نے فرمایا بیٹا ! تم میرے بھائی حسن مجتبیٰ کی یادگار ہو میں کس طرح تمھیں تیروں سے چھلنی ہونے اور تلواروں سے کٹنے کی اجازت دوں ؟ عرض کیا چچا جان ! مجھے دشمنوں سے لڑنے کی اجازت ضرور دیجئے اور مجھے اپنے اوپر قربان ہونے کی سعادت سے محروم نہ کیجئے۔ جب حضرت قاسم نے بہت اصرار کیا تو امام پاک نے روتے ہوئے انھیں اپنے سینے سے لگایا اور رخصت کردیا۔

دشمن کے ایک سپاہی کا بیان ہے کہ جب آپ میدانِ جنگ میں آئے تو ایسا معلوم ہوا کہ جیسے چاند کا ایک ٹکڑا سامنے نمودار ہوگیا ان کے جسم پر زرہ بھی نہ تھی بلکہ صرف ایک پیراہن پہنے ہوئے شوقِ شہادت کے جوش سے میدان میں آگئے۔ اور یزیدی لشکر سے فرمایا اے دین کے دشمنو ! میں قاسم بن حسن بن علی ہوں جسے میرے مقابلہ میں بھیجنا ہو بھیجو۔ عمرو بن سعد نے ملک شام کے ایک نامی گرامی پہلوان ارزق سے کہا تم اس کے مقابلہ میں جاؤ۔ اس نے کہا میں ہرگز نہیں جاسکتا کہ بچے

کے مقابلہ میں جانا ہماری توہین ہے۔ ابن سعد نے کہا تم اسے بچہ نہ جانو یہ حسن کا بیٹا اور فاتح خیبر کا پوتا ہے۔ اس کا مقابلہ آسان نہیں ہے۔ اس نے کہا کچھ بھی ہو میں ایسے بچے کے مقابلہ میں نہیں جا سکتا البتہ میرے چار بیٹے یہاں موجود ہیں ان میں سے ایک کو بھیجدیتا ہوں ابھی ایک منٹ میں اس کا سر کاٹ کر لے آئے گا۔

ازرق کا بڑا بیٹا زہر میں بجھی ہوئی قیمتی تلوار چمکاتا ہوا اور بادل کی طرح گرجتا ہوا میدان میں آیا اور پہنچتے ہی حضرت قاسم پر وار کیا۔ آپ نے اس کے وار سے بچ کر ایسی تلوار ماری کہ وہ ایک ہی تلوار میں ڈھیر ہو گیا۔ آپ نے لپک کر اس کی تلوار اٹھالی۔ اب ازرق کا دوسرا بیٹا اپنے بھائی کو خاک و خون میں تڑپتا دیکھ کر غصہ میں بھرا ہوا سامنے آیا۔ آپ نے پہلے ہی وار میں نیزہ مار کر اسے بھی جہنم میں پہنچا دیا۔ اب تیسرا بھائی غیظ و غضب میں بھرا ہوا آگے بڑھا اور گالیاں بکنے لگا۔ آپ نے فرمایا ہم گالیوں کا جواب گالیوں سے نہیں دیتے کہ یہ اہلبیت نبوت کی شان کے خلاف ہے البتہ ہم تجھے تیرے بھائیوں کے پاس ابھی جہنم میں پہونچا دیتے ہیں۔ یہ کہتے ہوئے آپ نے اسے بھی کھیرے کی طرح کاٹ کر دو ٹکڑے کر دیا۔ اب ازرق کا چوتھا بیٹا شیر کی طرح گرجتا ہوا حضرت قاسم پر حملہ آور ہوا آپ نے اس کے وار کو بیکار کر دیا اور اس کے کندھے پر تلوار کا ایسا وار کیا کہ وہ منہ کے بل زمین پر گر گیا اور پھر پوری طاقت کے ساتھ اٹھنا ہی چاہتا تھا کہ آپ نے اس کے سر کو جسم سے الگ کر دیا۔

جب ہاشمی بہادر نے چند منٹوں میں ازرق کے چاروں بیٹوں کو موت کے گھاٹ اتار کر اس کے سارے غرور کو خاک میں ملا دیا تو وہ غصہ سے کانپنے لگا اور جن کے مقابلہ میں آنا پہلے وہ اپنی توہین سمجھتا تھا اب ان سے لڑنے کے لئے بیقرار ہو گیا۔ ہاتھی کی طرح چنگھاڑتا اور شیر کی طرح دھاڑتا ہوا میدان میں آکر حضرت قاسم کو للکارا کہ لڑنے کے لئے تیار ہو جاؤ موت تمہارے سر پر آگئی۔ آپ نے فرمایا ازرق! ہوش کی دوا کر۔ تو

اوروں کے لئے طاقت کا پہاڑ ہوگا۔ ابھی تو نے ہاشمی بہادروں کو نہیں دیکھا ہے۔ ہماری رگوں میں شیر خدا کا خون ہے۔ تو ہمارے نزدیک مکھی اور مچھر سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا ارزق یہ طعنہ سن کر اور بھی آگ بگولہ ہوگیا اور حضرت قاسم پر نیزہ سے حملہ کر دیا۔ آپ نے اس کے وار کو بیکار کر دیا۔ پھر آپ نے بھی نیزہ سے وار کیا جو خالی گیا۔ اس طرح دونوں طرف سے کچھ دیر نیزہ بازی ہوئی۔ اس کے بعد ارزق نے تلوار کھینچی تو آپ نے بھی تلوار نکال لی۔ اس نے جب آپ کے ہاتھ میں اپنے بیٹے کی تلوار دیکھی تو کہا یہ تلوار تو ہمارے لڑکے کی ہے تمہارے پاس کہاں سے آگئی؟ آپ نے ہنس کر فرمایا تیرا بیٹا مجھے یادگار کے طور پر یہ تلوار اس لیئے دے گیا ہے تاکہ میں تجھے اسی سے موت کے گھاٹ اتار کر تیرے بیٹوں کے پاس پہنچا دوں۔ یہ سن کر ارزق غصہ سے بھر گیا اور حضرت قاسم پر حملہ کرنا ہی چاہتا تھا کہ آپ نے اَلْحَرْبُ خُدْعَةٌ کے پیش نظر فرمایا کہ ارزق! ہم تو تجھے نہایت تجربہ کار بہادر سمجھتے تھے لیکن تو نہایت اناڑی ہے کہ گھوڑے کی زین کسنے کا بھی سلیقہ نہیں رکھتا۔ آپ کے اس طرح فرمانے پر جب وہ جھک کر اپنے گھوڑے کی زین دیکھنے لگا تو اسی وقت آپ نے تلوار کا ایسا بھرپور وار کیا کہ وہ دو ٹکڑے ہو کر زمین پر آ گیا۔

گرا فولاد کا ٹکڑا زمین پر سرنگوں ہو کر
تکبر بہ گیا زخموں کے رستے موج خوں ہو کر

حضرت قاسم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارزق کے گھوڑے پر سوار ہو گئے اور خیمے کی طرف آکر حضرت امام کی خدمت میں عرض کیا یَا عَمَّاہُ اَلْعَطَشُ اَلْعَطَشُ۔ اے چچا جان! پیاس۔ پیاس۔ چچا جان! اگر ہمیں تھوڑا سا پانی پینے کو مل جائے تو ابھی ہم ان سب کو موت کے گھاٹ اتار دیں۔ امام عالی مقام نے فرمایا بیٹا! تھوڑی دیر اور صبر کرو۔ عنقریب تم نانا جان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مبارک ہاتھوں سے جام کوثر پی کر سیراب ہو جاؤ گے اس کے بعد تمہیں کبھی پیاس نہیں ستائے گی۔ حضرت قاسم پھر میدان کی

طرف پلٹ پڑے۔ ابن سعد نے کہا اس نوجوان نے ہمارے کئی نامی گرامی جوانوں کو قتل کر دیا ہے لہٰذا اب اس کے مقابلہ میں تنہا نہ جاؤ۔ اسے چاروں طرف سے گھیر کر قتل کر دو۔ دشمنوں نے آپ کو چاروں طرف سے گھیرے میں لے لیا اور گھمسان کی لڑائی شروع ہو گئی۔ آپ کے جسم پر ۲۷ زخم آئے۔ آخر میں شیث بن سعد نے آپ کے سینہ پر ایسا نیزہ مارا کہ آپ گھوڑے سے گر پڑے اور یا عماہ ادرکنی پکارا۔ یعنی اے چچا جان! میری خبر گیری فرمائیے امام اپنے بھتیجے کی دردناک آواز سن کر دوڑ پڑے۔ دیکھا کہ جسم نازنین زخموں سے چور ہے آپ نے ان کے سر کو گود میں لے لیا اور چہرۂ انور سے گرد و غبار صاف کرنے لگے۔ اتنے میں حضرت قاسم نے آنکھیں کھول دیں اور اپنا سر امام پاک کی گود میں پا کر مسکرائے پھر آپ کی روح پرواز کر گئی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

شہادت حضرت عباس

برادران اسلام: اب وہ وقت آ گیا کہ امام عالی مقام علیٰ جدّہٖ وعلیہ السلام کے علم بردار حضرت عباس بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما امام پاک سے میدان میں جانے کی اجازت طلب کر رہے ہیں اور عرض کرتے ہیں کہ بھائی جان! سارے بھائی، بھتیجے اور بھانجے تو بھوکے پیاسے جام شہادت نوش کر لیے مگر اب ننھے ننھے شیر خوار بچوں کا پیاس سے تڑپنا اور ان کا بلکنا مجھ سے دیکھا نہیں جاتا۔ مجھے اجازت دیجئے کہ میں جا کر فرات سے ایک مشکیزہ پانی لاؤں اور ان پیاسوں کو پلاؤں۔ حضرت کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔ فرمایا بھائی عباس! تم ہی میرے علمدار ہو اگر پانی لانے میں تم شہید ہو گئے تو پھر میرا علم کون اٹھائے گا اور میرے زخم دل پر مرہم کون لگائے گا؟ عرض کیا میری جان آپ پر قربان۔ مجھے پانی لانے کی اجازت ضرور دیجئے کہ اب ننھے بچوں کی پیاس کی تکلیف میری قوت برداشت سے باہر ہے۔ بس آخری تمنا یہی ہے کہ ساقی کوثر کے جگر پاروں کو چند گھونٹ پانی پلا کر میں بھی اپنے بھائیوں کے پاس پہنچ جاؤں۔ حضرت امام نے عباس کی

طرف سے جب بہت اصرار دیکھا تو انھیں سینہ سے لگایا اور اشکبار آنکھوں کے ساتھ
ان کو اجازت دیدی۔ وہ ایک مشکیزہ کاندھے پر لٹکا کر گھوڑے پر سوار ہوئے اور فرات
کی طرف روانہ ہوئے۔

یزیدی فوج نے جب حضرت عباس کو فرات کی طرف آتا ہوا دیکھا تو روک
دیا۔ آپ نے فرمایا اے کوفیو! خدائے تعالیٰ سے ڈرو اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ
وسلم سے شرماؤ۔ افسوس صد افسوس کہ تم لوگوں نے بے شمار خطوط بھیج کر نواسۂ رسول کو
بلایا اور جب وہ سفر کی مشقتیں اٹھا کر تمھاری زمین پر جلوہ افروز ہوا تو ان کے ساتھ تم
نے بے وفائی کی۔ دشمنوں سے مل کر ان کے تمام رُفقا اور عزیز و اقارب کو شہید کر دیا۔
چھوٹے چھوٹے بچوں کو ایک ایک بوند پانی کے لیئے ترسا رہے ہو۔ سوچو قیامت کے
دن ان کے نانا جان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کیا منہ دکھاؤ گے؟ کوفیوں نے جواب دیا
کہ اگر ساری دنیا پانی ہو جائے تب بھی ہم تمھیں پانی کا ایک قطرہ نہیں لینے دیں گے جب
تک کہ حسین یزید کی بیعت نہ کرلیں۔ ظالموں کا یہ جواب سن کر آپ کو جلال آگیا۔ فرمایا حسینی
سر کٹا سکتے ہیں لیکن باطل کے سامنے جھکا نہیں سکتے۔

مردِ حق باطل سے ہرگز خوف کھا سکتا نہیں
سر کٹا سکتا ہے لیکن سر جھکا سکتا نہیں

پھر حضرت عباس نے شیر کی طرح ان پر جھپٹ پڑے اور تلوار آبدار دھواں دھار چلانے
لگے یہاں تک کہ بہت سے دشمنوں کو موت کی نیند سلاتے ہوئے فرات کے قریب پہونچ
گئے۔ پانی کے کنارے والی فوج نے جب آپ کو دیکھا تو وہ آہنی دیوار بن گئی مگر شیر خدا
کا شیر مارتے کاٹتے اور دشمنوں کی صفوں کو چیرتے پھاڑتے آگے بڑھا اور گھوڑے کو
فرات میں داخل کر دیا۔ مشکیزہ بھرا اور ایک چلو ہاتھ میں پانی لے کر پینا چاہا کہ ننھے ننھے بچوں
کا پیاس سے تڑپنا اور بلکنا یاد آگیا تو آپ کی غیرت ایمانی نے یہ گوارا نہ کیا کہ ساقی کوثر

کے دلارے اور علی و فاطمہ کے جگر پارے تو پیاس سے تڑپیں اور ہم سیراب ہو جائیں۔ آپ نے چلو کا پانی ڈال دیا اور بھرا ہوا مشکیزہ بائیں کاندھے پر لٹکائے ہوئے نکل پڑے، چاروں طرف سے شور ہوا راستہ روک لو، مشکیزہ چھین لو۔ پانی بہا دو کہ اگر حسین کے خیمہ تک پانی پہنچ گیا تو پھر ہمارا ایک سپاہی نہیں بچے گا۔ سب کی عورتیں بیوہ ہو جائیں گی اور سارے بچے یتیم ہو جائیں گے۔ اور حضرت عباس اس کوشش میں رہے کہ کسی طرح اہل بیت نبوت کے پیاسوں تک یہ پانی پہونچ جائے۔ جب دشمنوں نے آپ کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ تو آپ نے بپھرے ہوئے شیر کی طرح حملہ کرنا شروع کر دیا۔ لاشوں پر لاش گرنے لگی اور خون کی نالی بہنے لگی اور شیر خدا کے شیر نے ثابت کر دیا کہ میرے بازوؤں میں قوت حیدری اور رگوں میں خون علی ہے۔

آپ برابر دشمنوں کو مارتے کاٹتے اور چیرتے پھاڑتے ہوئے خیمہ حسینی کی طرف بڑھتے چلے جا رہے تھے کہ ایک بدبخت جس کا نام زرارہ تھا پیچھے سے دھوکا دے کر ایسی تلوار چلائی کہ ہاتھ کندھے سے کٹ کر الگ ہو گیا۔ آپ نے فوراً داہنے کندھے پر مشکیزہ لٹکا لیا اور اسی ہاتھ سے تلوار بھی چلاتے رہے کہ پھر اچانک نوفل بن ارزق خبیث نے داہنا بازو بھی کاٹ کر الگ کر دیا۔ اب آپ نے مشکیزہ کو دانتوں سے پکڑ لیا مگر مشکیزہ کا خیمہ حسینی تک پہونچنا اللہ تعالیٰ کو منظور نہ تھا ایک بدبخت کا تیر مشکیزہ میں ایسا لگا کہ پار ہو گیا اور اس کا سارا پانی بہ گیا۔ پھر ظالموں نے چاروں طرف سے گھیر کر آپ کو زخموں سے چور چور کر دیا یہاں تک کہ آپ گھوڑے کی زین سے زمین پر آگئے اور یَا اَخَاہُ اَدْرِکْنِیْ فرمایا۔ یعنی اے بھائی جان! میری خبر گیری فرمائیے۔ امام عالی مقام دوڑ کر تشریف لائے دیکھا کہ عباس علمدار خون میں نہائے ہوئے ہیں اور عنقریب جام شہادت نوش کرنے والے ہیں۔ شدت غم سے امام کی زبان پر یہ کلمات جاری ہوئے اَلْاٰنَ اِنْکَسَرَ ظَھْرِیْ۔ اب میری کمر ٹوٹ گئی۔ پھر عباس کی لاش کو آپ اٹھا کر خیمہ کی طرف لا رہے تھے کہ ان کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ

لوٹا اجل نے شیرِ الٰہی کے باغ کو
بھائی کے دل سے پوچھئے بھائی کے داغ کو

شہادت حضرت علی اکبر

اب امام عالی مقام کے سامنے آپ کے لختِ جگر نورِ نظر شبیہ پیمبر حضرت علی اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہیں اور میدانِ جنگ میں جانے کی اجازت طلب کر رہے ہیں۔ آپ نے محبت بھری نگاہ اپنے فرزند ارجمند پر ڈالی اور فرمایا بیٹا! میں تمہیں کس بات کی اجازت دوں؟ کیا تیروں سے چھلنی ہونے اور تلواروں سے کٹنے کی اجازت دوں؟ کیا میں تمہیں خاک و خون میں غلطاں ہونے کی اجازت دوں؟ بیٹا! تم نہ جاؤ میں جاتا ہوں کہ یہ لوگ میرے خون کے پیاسے ہیں۔ مجھے شہید کرنے کے بعد یہ پھر کسی سے تعارض نہ کریں گے۔ علی اکبر نے عرض کیا باباجان! میں آپ کے بعد زندہ نہیں رہنا چاہتا مجھے بھی بہشتِ بریں میں ناناجان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس پہنچا دیجئے۔ چہیتا بیٹا جس کی کبھی کوئی ہٹ اور ضد ایسی نہ تھی جو پوری نہ کی گئی ہو مگر آج تو وہ گردن کٹانے اور خاک و خون میں لوٹنے کی اجازت طلب کر رہا ہے۔ اجازت دیں تو کس طرح؟ اور نہ دیں تو اس کا شیشۂ دل چور چور ہو جائے گا اور باغ رسالت کا گل شاداب رنج و غم سے کمھلا جائے گا۔ مگر جب بیٹے کا اصرار بہت زیادہ بڑھا تو امام عالی مقام کو چار و ناچار اجازت دینی ہی پڑی۔

حضرت علی اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میدانِ جنگ میں جانے کے لئے تیار ہوئے تو امام عالی مقام نے خود اپنے بیٹے کو گھوڑے پر سوار کیا۔ اسلحے اپنے دستِ مبارک سے لگائے۔ فولادی ٹوپی سر پہ رکھی، کمر پر پٹکا باندھا، تلوار حمائل کی اور نیزہ اپنے دستِ اقدس سے ان کے ہاتھ میں دیا۔ بیٹے نے اپنے باباجان اور خیمہ میں کھڑی ہوئی دکھ رسیدہ بی بیوں کو سلام کیا اور میدانِ جنگ کی طرف چل پڑے۔

اٹھارہ سال کا یہ حسین جوان جس کا چہرۂ زیبا آقائے دوعالم نور مجسم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے جمال جہاں آرا کا خطبہ پڑھ رہا تھا اور جس کا روئے تاباں حبیب کبریا کے جلوۂ زیبا کی یاد دلا رہا تھا میدان کارزار میں پہونچ گیا۔ اسد اللہی شیر نے صف اعداء کی طرف نظر کی، ذوالفقار حیدری چمکایا اور یہ رجز پڑھنی شروع کی۔

اَنَا عَلِیُّ بْنُ حُسَیْنِ بْنِ عَلِی

نَحْنُ اَهْلُ الْبَیْتِ اَوْلٰی بِالنَّبِی

یعنی اے یزیدیو! جان لو کہ میں علی اکبر ہوں۔ میرے باپ کا نام حسین ہے جو فاتح خیبر علی حیدر کے نور نظر ہیں۔ اور کان کھول کر سن لو کہ ہم اہلبیت رسالت ہیں۔ اللہ کے پیارے رسول سے ساری دنیا میں ہم سے زیادہ کوئی قریبی نہیں ہے۔

شہزادۂ عالی وقار نے جس وقت یہ رجز پڑھی ہوگی میدان کربلا کا ایک ایک چپّہ اور ریگستان کوفہ کا ایک ایک ذرّہ کانپ گیا ہوگا مگر یزیدی جن کا دل پتھر سے بھی زیادہ سخت تھا انھوں نے کوئی اثر نہ لیا اور ان کا سینہ اہل بیت نبوّت کے کینہ سے پاک نہ ہوا۔

پھر آپ نے فرمایا اے ظالمو! اگر تم اولاد رسول کے خون کے پیاسے ہو تو جو شخص تم میں سے بہادر ہو اسے میدان میں بھیجو، زور اسد اللہی دیکھنا ہو تو میرے مقابلہ میں آؤ۔ مگر کس کی ہمت تھی کہ آگے بڑھتا اور کس کے دل میں تاب و تواں تھی کہ تنہا شیر زیاں کے سامنے آتا۔ جب بار بار کی للکار کے باوجود کوئی مقابلہ میں نہیں آیا تو آپ نے خود ہی آگے بڑھ کر دشمنوں کی صفوں پر حملہ کر دیا۔ جس طرف کا رخ کیا یزیدی لشکر کائی کی طرح پھٹتا چلا گیا اور ایک ایک وار میں کئی کئی دیو پیکر جوانوں کو گرا دیا۔ کبھی لشکر کے میمنہ پر جھکے تو اسے منتشر کر دیا اور کبھی پلٹ کر فوج کے میسرہ پر جھپٹے تو اس کی صفوں کو درہم برہم کر ڈالا اور کبھی قلب لشکر میں غوطہ لگا کر شمشیر زنی کا وہ جوہر دکھایا کہ کشتوں کے پشتے لگا دئے۔ ہر طرف شور برپا ہو گیا۔ بڑے بڑے سورما ہمت ہار گئے اور بڑے بڑے

بہادروں کے حوصلے پست ہوگئے۔ ہاشمی شیر کا حملہ نہ تھا بلکہ قہر الٰہی کا ایک عذاب عظیم تھا جو یزیدیوں پر نازل ہوگیا تھا۔

تیز دھوپ اور تپتے ہوئے ریگستان میں لڑتے لڑتے جب پیاس سے بیقرار ہوگئے تو آپ پلٹ کر امام عالی مقام کی خدمت میں آئے اور عرض کیا یَا اَبَتَاهُ اَلْعَطَشْ۔ ابا جان! پیاس کا بہت زیادہ غلبہ ہے۔ اگر پانی کا ایک پیالہ مل جائے تو میں ان سب کو موت کے گھاٹ اتار دوں۔ مہربان باپ نے عزیز بیٹے کی پیاس دیکھی مگر یہاں پانی کہاں تھا جو اس تشنۂ شہادت کو پلایا جاتا۔ دستِ شفقت سے چہرۂ گلگوں کا گرد و غبار صاف کیا اپنی انگوٹھی دی کہ اسے منھ میں رکھ لو اور فرمایا بیٹا: اب تمہاری سیرابی کا وقت بہت نزدیک آگیا ہے عنقریب تم ساقیٔ کوثر نانا جان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دستِ اقدس سے کوثر کا ایسا جام پیوگے کہ اس کے بعد کبھی تمہیں پیاس نہیں ستائے گی۔

شفیق باپ کی تسلی سے کچھ تسکین ہوئی تو پھر آپ میدان جنگ میں پہونچ گئے اور دشمنوں کے مقابل ہوکر پکارا ھَلْ مِنْ مُّبَارِزٍ ہے کوئی جو میرے سامنے آئے۔ عمرو بن سعد نے طارق بن شیث پہلوان سے کہا بڑے شرم کی بات ہے کہ ایک نوجوان اکیلا میدان میں ہے اور تم ہزاروں کی تعداد میں ہو۔ اس نے پہلی مرتبہ للکارا اور جب تم میں سے کوئی مقابلہ میں نہ گیا تو اس نے خود آگے بڑھ کر حملہ کیا۔ تمہاری صفوں کو درہم برہم کردیا اور تمہارے بہت سے بہادروں کو تہِ تیغ کردیا۔ بھوکا ہے، پیاسا ہے اور دھوپ میں لڑتے لڑتے تھک گیا ہے اس حال میں وہ تمہیں پھر للکار رہا ہے مگر تم میں سے کوئی اس کے مقابلہ کی طاقت نہیں رکھتا۔ تف ہے تمہارے دعوائے شجاعت پر۔ اگر کچھ غیرت ہے تو میدان میں پہونچ کر اس کا مقابلہ کر اور سر کاٹ کرلے آ۔ تم نے یہ کام انجام دیا تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ عبید اللہ بن زیاد سے تمہیں موصل کی گورنری دلا دوں گا۔ طارق بدبخت گورنری کی لالچ میں فرزندِ رسول کا خون بہانے کے لئے

دوڑ پڑا اور سامنے پہونچتے ہی شبیہ پیمبر پر نیزہ سے حملہ کر دیا۔ مگر ہاشمی شیر نے کمالِ ہنرمندی سے اس کے وار کو بیکار کر کے سینہ پر ایسا نیزہ مارا کہ پیٹھ سے نکل گیا اور وہ گھوڑے سے گر گیا۔ شہزادے نے اس کو روند ڈالا۔ طارق کے بیٹے عمرو بن طارق نے جب اپنے باپ کو اس طرح قتل ہوتے دیکھا تو وہ غصہ سے آگ بگولہ ہو گیا اور دوڑ کر حضرتِ علی اکبر پر حملہ کر دیا۔ شہزادے نے ایک ہی وار میں اس کا بھی کام تمام کر دیا۔ اب طارق کا دوسرا بیٹا طلحہ بن طارق اپنے باپ اور بھائی کا بدلہ لینے کے لیے شہزادہ حسین پر ٹوٹ پڑا۔ حضرت علی اکبر نے اسے بھی موت کے گھاٹ اتار دیا۔ شہزادے کی ہیبت سے پورا یزیدی لشکر تھرا گیا۔

ابن سعد نے ایک مشہور بہادر مصراع بن غالب کو مقابلہ کے لیے بھیجا وہ نیزہ تان کر حملہ کرنا ہی چاہتا تھا کہ آپ نے اس کے نیزہ کو تلوار سے قلم کر دیا اور پھر اس کے سر پر ایسی تلوار ماری کہ وہ دو ٹکڑے ہو کر زمین پر گر پڑا۔ اب کسی میں ہمت نہ رہی کہ وہ تنہا ہاشمی شیر کے مقابل آتا۔ آخر ابن سعد نے محکم بن طفیل کو ہزار سواروں کے ساتھ یکبارگی حملہ کرنے کے لیے بھیجا۔ ان بدبختوں نے آپ کو چاروں طرف سے گھیر کر حملے کرنا شروع کر دیئے۔ آپ بھی برابر جوابی حملے کرتے رہے اور دشمنوں کو خاک و خون میں ملاتے رہے لیکن نیزہ و تلوار کی لگاتار ضربوں سے آپ کا تنِ نازنین زخموں سے چور چور ہو گیا اور چمنستانِ فاطمہ کا یہ پھول اپنے خون سے رنگین ہو گیا۔ بالآخر آپ پشتِ زین سے روئے زمین پر آ گئے اور پکارا یَا اَبَتَاهُ اَدْرِكْنِیْ۔ اے ابا جان! میری خبر گیری فرمایئے۔ امام عالی مقام گھوڑا بڑھا کر میدان میں پہنچے اور شہزادے کو اٹھا کر خیمہ میں لائے۔ سر کو گود میں لیا اور ان کے چہرۂ انور سے خون آلود گرد صاف کرنے لگے کہ اتنے میں علی اکبر نے آنکھیں کھول دیں امام پاک کے آخری دیدار سے محظوظ ہوئے پھر آنکھیں بند ہو گئیں اور بہشتِ بریں کو روانہ ہو گئے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ۔

جہاں بھر کے یزیدی کو پیامِ مرگ لائے گا
شہیدانِ وفا کا خون ناحق رنگ لائے گا

شہادت حضرت علی اصغر

امام عالی مقام کے چھوٹے فرزند حضرت علی اصغر جو ابھی بہت کم عمر اور شیر خوار ہیں۔ پیاس سے بے چین ہیں، تشنگی کی شدّت سے تڑپ رہے ہیں۔ بھوکی پیاسی ماں کے سینے میں دودھ خشک ہو چکا ہے، خیمہ میں پانی کا ایک قطرہ نہیں ہے، چھوٹا بچّہ سوکھی زبان باہر نکالتا ہے بے چینی میں ہاتھ پاؤں مارتا ہے اور پیچ وتاب کھا کر رہ جاتا ہے۔ ماں سے بچّے کی یہ حالت دیکھی نہ گئی گود میں لئے امام عالی مقام کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا میرے سرتاج! اب علی اصغر کی پیاس دیکھی نہیں جاتی، اس ننھی سی جان کی بے چینی قوت برداشت سے باہر ہے۔ اس کے رونے اور تڑپنے سے کلیجہ پاش پاش ہوا جا رہا ہے۔ آپ اس کو گود میں لے کر جائیے اور ظالموں کو دکھائیے۔ شاید ان سنگ دلوں کو اس بچّے کی پیاس پر ترس آجائے اور پانی کے چند گھونٹ اس کو پلادیں۔

امام عالی مقام اس ننھے بچّے کو سینہ سے لگا کر سیاہ دل دشمنوں کے سامنے تشریف لے گئے اور فرمایا اے میرے ناناجان کا کلمہ پڑھنے والو! یہ میرا سب سے چھوٹا بچّہ ہے جو پیاس سے دم توڑ رہا ہے۔ یہ اپنے ننھے ننھے ہاتھوں کو تمھاری طرف پھیلا کر تم سے پانی کے چند گھونٹ طلب کر رہا ہے۔ اگر تمھارے نزدیک مجرم ہوں تو میں ہوں اس بچّے کا تو کوئی جرم نہیں ہے اس کو تو پانی پلادو۔ دیکھو پیاس کی شدّت سے اس کی حالت کیسی ہو رہی ہے۔ اگر تم لوگوں کے دلوں میں کچھ بھی رحم ہو تو اس ننھے بچّے کے لئے تھوڑا سا پانی دیدو۔

امام عالی مقام کی اس تقریر کا ظالمانِ سنگ دل پر کوئی اثر نہیں ہوا اور بے زبان بچے پران کو ذرا بھی رحم نہیں آیا۔ پانی کے بجائے ایک بدبخت ازلی حرملہ بن کاہل نے تیر کا ایسا نشانہ باندھ کر مارا کہ علی اصغر کے حلق کو چھیدتا ہوا امام کے بازو میں پیوست ہو گیا۔

حضرت امام نے تیر کھینچا تو علی اصغر کے گلے سے خون کا فوارہ ابلنے لگا اور بچے نے باپ کے ہاتھوں میں تڑپ کر جان دیدی۔

زخمی جگر خیموں نے توڑا حسین کا
بچہ بھی شیر خوار نہ چھوڑا حسین کا

امام عالی مقام نے حسرت بھری نگاہ آسمان کی طرف اٹھائی اور بارگاہ خداوندی میں عرض کیا الٰہ العٰلمین! حسین کی یہ ننھی قربانی بھی قبول فرمالے۔ پھر ننھے شہید کی لاش کو اپنے کلیجے سے لگاکر آہستہ آہستہ خیمہ کی طرف روانہ ہوئے۔ اور جب ماں کی گود میں علی صغر کی لاش کو دیا تو ماں نے ہائے میرا لال کہہ کر لاش کو کلیجے سے لگالیا اور روتے ہوئے کہا بیٹا! میرا پیارا بیٹا! ایک مرتبہ اور اپنی ماں کے سوکھے ہوئے پستان میں منھ لگالو کہ اب تم کو اپنے سینے سے لگانا کبھی مجھے نصیب نہ ہوگا ——— ہائے افسوس!

پھول تو دو دن بہار جانفزا دکھلا گئے
حسرت ان غنچوں پہ ہے جو بے کھلے مرجھا گئے

تاجدار کربلا
امام عالی مقام کی شہادت

اب جگر پارۂ رسول، شہزادۂ بتول، علی کے نورِ عین، مومنوں کے دل کے چین، جنتی نوجوانوں کے سردار، مجاہدوں کے قافلہ سالار، ابن حیدر کرار، شہنشاہِ کربلا، پیکر صبر و رضا حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کا وقت آگیا، جب آپ نے میدانِ جنگ میں جانے کا ارادہ فرمایا تو حضرت زین العابدین اپنی بیماری کی نقاہت

اور کمزوری کے باوجود نیزہ لیے ہوئے حضرت امام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا بابا جان! پہلے ہمیں میدانِ کارزار میں جانے اور اپنی جان کے نثار کرنے کی اجازت دیجئے میرے ہوتے ہوئے آپ شہید ہو جائیں یہ نہیں ہو سکتا امام عالی مقام نے نورِ نظر کو اپنی آغوش محبت میں لیا، پیار کیا اور فرمایا بیٹا! میں تمھیں کیسے اجازت دے دوں؟ علی اکبر بھی شہید ہو گئے قاسم بھی دُنیا سے چلے گئے اور تمام عزیز و اقارب جو ہمراہ تھے سب راہِ حق میں نثار ہو چکے میں تمھیں اجازت دے دوں تو خواتین اہلِ بیت کا کوئی محرم نہیں رہ جائے گا، ان بیکسان غریبُ الوطن کو مدینہ کون پہنچائے گا؟ تمھاری ماؤں بہنوں کی نگہداشت و خبر گیری کون کرے گا؟ میرے پیارے بیٹے! تمھیں زندہ رہنا ہے، تمھیں شہید نہیں ہونا ہے ورنہ میری نسل کس سے چلے گی؟ حسینی سادات کا سلسلہ کس سے جاری ہوگا؟ میرے جد و پدر کی جو امانتیں میرے پاس ہیں وہ کس کے سپرد کی جائیں گی؟ میرے لختِ جگر! یہ ساری امیدیں تمھاری ذات سے وابستہ ہیں۔ دیکھو میری طرح صبر و استقامت سے رہنا راہِ حق میں ہر آنے والی تکلیف و مصیبت کو برداشت کرنا اور ہر حالت میں اپنے نانا جان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شریعت اور ان کی سُنت کی پیروی کرنا، میرے بعد تم ہی میرے جانشین ہو۔ تمھیں میدانِ کارزار میں جانے کی اجازت نہیں ——— پھر امام عالیمقام نے ان کو تمام ذمہ داریوں کا حامل کیا اپنی دستارِ مبارک اتار کر آن کے سر پر رکھدی اور انھیں بسترِ علالت پر لٹادیا۔

اب امام پاک اپنے خیمہ میں تشریف لائے صندوق کھولا، قبائے مصری زیب تن فرمائی اور تبرکات میں سے اپنے نانا جان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا عمامۂ مبارک سر پر باندھا، سیدالشہدا حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ڈھال پشت پر رکھی، شیرِ خدا کی تلوار ذوالفقار گلے میں حمائل کی اور جعفر طیار کا نیزہ ہاتھ میں لیا۔ اِس طرح تاجدار کربلا، پیکرِ صبر و رضا سب کچھ راہِ حق میں قربان کرنے کے بعد اب اپنی جان نذر کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔ بی بیوں نے جب اس منظر کو دیکھا تو ان کے چہروں کے رنگ

اڑ گئے اور آنکھوں سے موتی ٹپکنے لگے۔ حضرت زینب نے آنسو بہاتے ہوئے کہا پیارے بھیّا! بیویوں نے درد میں ڈوبی ہوئی آواز سے کہا ہمارے سرتاج! اور حضرت سکینہ نے روتے ہوئے کہا بابا جان! کہاں جا رہے ہو؟ اس جنگل میں ہمیں کس کے سپرد کر کے جا رہے ہو؟ جو درندے ننھے علی اصغر پر رحم نہیں کھائے وہ ہمارے ساتھ کیا سلوک کریں گے۔ فرمایا اللہ تم لوگوں کا حافظ و نگہبان ہے۔ پھر آپ نے تمام اہلِ خیمہ کو صبر و شکر کی وصیت فرمائی اور سب کو اپنا آخری دیدار دکھا کر گھوڑے پر سوار ہو گئے۔

فاطمہ کے لاڈلے کا آخری دیدار ہے
حشر کا ہنگامہ برپا ہے میانِ اہلِ بیت

غریب الوطن اور بیکس مسافروں کا دکھ رسیدہ قافلہ حسرت بھری نگاہوں سے آپ کو دیکھتا رہا۔ پردہ نشینانِ حرم حسرت و یاس کی خاموش تصویریں بنی ہوئی کھڑی رہیں اور سب کی آنکھوں سے اشک غم کے موتی ٹپکتے رہے۔ مگر کوئی چیز حضرت امام کے پاؤں کی بیڑی نہ بن سکی۔ آپ نے سب کو خدا کے حوالے کیا اور دشمنوں کے سامنے پہونچ گئے کئی دن کے بھوکے پیاسے ہیں اور بیٹوں، بھائیوں، بھتیجوں اور جاں نثار ساتھیوں کے غم سے نڈھال ہیں اس کے باوجود پہاڑوں کی طرح جمی ہوئی فوجوں کے مقابلہ میں شیر کی طرح ڈٹ کر کھڑے ہو گئے اور ایک ولولہ انگیز رجز پڑھی جو آپ کے نسب اور ذاتی فضائل پر مشتمل تھی۔ پھر آپ نے ایک فصیح و بلیغ تقریر کی اس میں آپ نے حمد و صلاۃ کے بعد فرمایا اے لوگو! تم جس رسول کا کلمہ پڑھتے ہو اسی رسول کا ارشاد ہے کہ جس نے حسن و حسین سے دشمنی کی اس نے مجھ سے دشمنی کی اور جس نے مجھ سے دشمنی کی اس نے اللہ تعالیٰ سے دشمنی کی۔ تو اے یزیدیو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری دشمنی سے باز آؤ۔ اگر واقعی خدا اور رسول پر ایمان رکھتے ہو تو سوچو اس خدائے شہید و بصیر کو کیا جواب دو گے؟ اور رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کیا منھ دکھاؤ گے بے وفاؤ! تم نے مجھے خطوط بھیجکر بلایا اور جب میں یہاں آیا تو تم نے میرے ساتھ ایسا برا سلوک کیا کہ

مظالم کی انتہا کردی۔ ظالمو! تم نے میرے بیٹوں، بھائیوں اور بھتیجوں کو خاک و خون میں تڑپایا، چمنِ زہرا کے ایک ایک پھولوں کو کاٹ ڈالا، میرے تمام ساتھیوں کو شہید کردیا اور اب میرے خون کے پیاسے ہو۔ اپنے رسول کا گھر ویران کرنے والو! اگر قیامت پر ایمان رکھتے ہو تو اپنے انجام پر غور کرو اور اپنی عاقبت پر نظر ڈالو۔ پھر یہ بھی سوچو کہ میں کون ہوں؟ کس کا نواسہ ہوں؟ میرے والد کون ہیں اور میری والدہ کس کی لختِ جگر ہیں؟ میں انھیں فاطمہ زہرا کا فرزند ہوں کہ جن کے پل صراط پر گذرتے وقت عرش سے ندا کی جائے گی کہ اے اہلِ محشر! اپنے سروں کو جھکالو اور اپنی آنکھیں بند کرلو کہ حضرت خاتونِ جنت ستر ہزار حوروں کے ساتھ گذرنے والی ہیں۔ بے غیرتو! اب بھی وقت ہے۔ شرم سے کام لو اور میرے خون سے اپنے ہاتھوں کو رنگین نہ کرو۔

حضرت امام کی تقریر سن کر یزیدی لشکر کے بہت سے لوگ متاثر ہو گئے اور ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ لیکن شمر وغیرہ بدبخت خبیثوں نے کوئی اثر نہ لیا بلکہ جب انھوں نے لشکریوں پر حضرت امام کی تقریر کا کچھ اثر دیکھا تو شور و غل مچانا شروع کردیا کہ آپ یا تو یزید کی بیعت کرلیں اور یا تو جنگ کے لیئے تیار ہو جائیں اس کے علاوہ ہم کچھ سننا نہیں چاہتے۔ امام نے فرمایا اے بد باطنو! مجھے خوب معلوم ہے کہ تمھارے دلوں پر شقاوت و بدبختی کی مہر لگ چکی ہے اور تمھاری غیرتِ ایمانی مردہ ہو چکی ہے لیکن میں نے یہ تقریر صرف اتمام حجت کے لیے کی ہے تاکہ تم یہ نہ کہہ سکو کہ ہم نے حق اور امام برحق کو نہیں پہچانا تھا۔ الحمد للہ! میں نے تمھارا یہ عذر ختم کردیا۔ اب رہا یزید کی بیعت کا سوال؟ تو یہ مجھ سے ہرگز نہیں ہوسکتا کہ میں باطل کے سامنے سر جھکادوں۔

مردِ حق باطل سے ہرگز خوف کھا سکتا نہیں
سر کٹا سکتا ہے لیکن سر جھکا سکتا نہیں

امام عالی مقام نے جب دیکھا کہ یہ بدبخت میرے قتل کا وبال اپنی گردن پر ضرور لیں گے اور میرا خون بہانے سے کسی طرح باز نہیں آئیں گے تو آپ نے فرمایا اب تم لوگ جو ارادہ رکھتے ہو پورا کرو اور جسے میرے مقابلہ کے لیے بھیجنا چاہتے ہو بھیجو۔ بڑے بڑے مشہور بہادر جو شیر خدا کے شیر سے مقابلہ کے لئے محفوظ رکھے گئے تھے ان میں سے ابن سعد نے سب سے پہلے تمیم بن قحطبہ کو حضرت امام سے جنگ کرنے کے لیئے بھیجا جو ملک شام کا نامی گرامی پہلوان تھا۔ وہ غرور و تمکنت سے ہاتھی کی طرح جھومتا ہوا اور اپنی بہادری کی ڈینگیں مارتا ہوا حضرت کے سامنے آیا اور پہونچتے ہی آپ پر حملہ کرنا چاہا ابھی اس کا ہاتھ اٹھا ہی تھا کہ شیر خدا کے شیر نے ذوالفقار حیدری سے ایسا جنچا تلا وار کیا کہ اس کا سر جسم سے اڑا دیا اور اس کے گھمنڈ کو خاک میں ملا دیا۔

پھر یزید ابطحی بڑے کر و فر کے ساتھ آگے بڑھا اور چاہا کہ امام کے مقابل بہادری کا جوہر دکھا کر یزیدیوں کی جماعت میں اپنی شاباشی حاصل کرے اور انعام و اکرام کا مستحق بنے۔ آپ کے سامنے پہونچ کر ایک نعرہ مارا اور کہا کہ شام و عراق کے بہادران کوہ شکن میں میری بہادری کا غلغلہ ہے، میں روم و مصر میں شہرۂ آفاق ہوں، بڑے بڑے بہادروں کو آنکھ جھپکتے موت کے گھاٹ اتارتا ہوں، ساری دنیا کے لوگ میری شجاعت و بہادری کا لوہا مانتے ہیں اور میرے سامنے بھیڑ بکری کی طرح بھاگتے ہیں کسی میں مجھ سے مقابلہ کی طاقت نہیں۔ آج تم میری قوت اور میرے داؤ پیچ کو دیکھو۔ امام عالی مقام نے فرمایا تو مجھے جانتا نہیں۔ میں اپنی رگوں میں ہاشمی خون رکھتا ہوں، فاتح خیبر شیر خدا علی مشکلکشا کا شیر نر ہوں تم جیسے نامردوں کی میری نگاہ میں کوئی حقیقت نہیں، میرے نزدیک مکھی اور مچھر سے زیادہ تیری حیثیت نہیں۔ شامی جوان یہ سن کر آگ بگولہ ہو گیا اور فوراً گھوڑا کدا کر آپ پر تلوار کا وار کر دیا۔ حضرت امام نے اس کے وار کو بیکار کر دیا۔ اور پھر جھپٹ کر اس کی کمر پر ایسی تلوار ماری کہ وہ کھیرے کی طرح کٹ کر دو ٹکڑے

ہوگیا اور منھ کے بل زمین پر گر پڑا۔

گرا فولاد کا ٹکڑا زمین پر سرنگوں ہو کر
تہ بہ تہ گیا زخموں کے رستے موج خوں ہو کر

بدر بن سہیل یمنی اس منظر کو دیکھ کر غصہ سے لال پیلا ہو گیا اور ابن سعد سے کہا تم نے کن گنواروں کو حسین کے مقابلے میں بھیجدیا جو دو ہاتھ بھی جم کر مقابلہ نہیں کر سکے۔ میرے چاروں بیٹوں میں سے کسی ایک کو بھیج دے پھر دیکھ ابھی منٹوں میں حسین کا سر کاٹ کر لاتے ہیں۔ ابن سعد نے اس کے بڑے بیٹے کو اشارہ کیا وہ گھوڑا کدا تا ہوا امام عالی مقام کے سامنے پہونچ گیا۔ آپ نے فرمایا بہتر ہوتا کہ تیرا باپ مقابلہ میں آتا تاکہ وہ تجھے خاک و خون میں تڑپتا ہوا نہ دیکھتا۔ پھر آپ نے ذوالفقار حیدری سے ایک ہی وار میں اس کا کام تمام کر کے جہنم میں پہونچا دیا۔

بدر نے جب اپنے مشہور شہسوار بیٹے کو اس طرح ذلت کے ساتھ قتل ہوتا ہوا دیکھا تو غیظ و غضب کا پتلا بن کر دانت پیستے ہوئے گھوڑا دوڑا کر امام کے سامنے آیا اور پہنچتے ہی نیزہ سے وار کیا۔ آپ نے اس کے نیزہ کو قلم کر دیا۔ اس نے فوراً تلوار سنبھالی اور کہا حسین! دیکھنا میں وہ شمشیر مارتا ہوں کہ اگر پہاڑ پر ماروں تو وہ سرمہ بن جائے۔ یہ کہتے ہوئے امام پر تلوار چلا دی۔ آپ نے اس کے وار کو خالی کر دیا اور اس پر ذوالفقار کا ایسا بھرپور ہاتھ مارا کہ بدر کا سر کٹ کر گیند کی طرح دور جا کر گرا۔

اسی طرح شام و عراق کے ایک سے ایک بہادر حضرت امام کے مقابل آتے رہے مگر جو بھی سامنے آیا آپ نے اسے موت کے گھاٹ اتار دیا کوئی ان میں سے زندہ بچ کر واپس نہیں گیا۔ شیر خدا کے شیر نے تین دن کا بھوکا پیاسا ہونے کے باوجود شجاعت و بہادری کے وہ جوہر دکھائے کہ زمین کربلا میں بہادران کوفہ و شام کا کھیت بو دیا، کسی کے سینہ میں نیزہ مارا اور پار نکال دیا۔ کسی کو نیزہ کی انی پر اٹھا کر زمین پر ٹپک دیا اس کی

ہڈیاں ٹوٹ گئیں، کسی کا پٹکا پکڑ کر زمین پر گرا دیا اور گھوڑے کی ٹاپوں سے اس کو روند ڈالا، کسی کی کمر پر تلوار ماری تو وہ دو ٹکڑے ہو کر زمین پر گرا، کسی کی گردن پر ذوالفقار حیدری چلائی تو اس کا سر بیل کی طرح لڑھکتا ہوا چلا گیا اور کسی کے سر پر تلوار آبدار ماری تو وہ زین تک کٹ گیا۔

غرض کہ امام عالی مقام نے دشمنوں کی لاشوں کا انبار لگا دیا۔ بہادران عراق و شام کے خونوں سے کربلا کے پیاسے ریگستان کو سیراب کر دیا۔ بڑے بڑے صف شکن بہادر کام آگئے اور مشہور جنگ جو پہلوان موت کے گھاٹ اتر گئے۔ آپ کی ہیبت و شجاعت سے دشمنوں کے دل تھرا گئے اور بڑے بڑے گھمنڈیوں کے چھکے چھوٹ گئے ــــــ

دشمنوں کے لشکر میں شور برپا ہو گیا کہ جنگ کا یہ انداز رہا تو ہماری جماعت کا ایک سپاہی بچ کر نہیں جا سکے گا۔ سب کی عورتیں بیوہ ہو جائیں گی اور سارے بچے یتیم ہو جائیں گے لہٰذا اب موقع مت دو اور چاروں طرف سے گھیر کر یکبارگی حملہ کرو۔

روباہ صفت یزیدی جب دست بدست کی جنگ میں بری طرح شکست کھائے تو انھوں نے یہی طریقہ اختیار کیا کہ ہزاروں نے چاروں طرف سے گھیر کر حملہ کرنا شروع کر دیا۔

وہ گل عذارِ فاطمہ خاروں میں گھر گیا

تنہا علی کا لال ہزاروں میں گھر گیا

اب سیکڑوں تلواریں بیک وقت چمکنے لگیں، پچاسوں نیزے آپس میں ٹکرانے لگے اور دشمن بڑھ بڑھ کر امام پر وار کرنے لگے۔ ادھر آپ کی تلوار جلال حیدری کی تصویر اور لَاسَیْفَ اِلَّا ذُوالْفِقَار کی تفسیر بنی ہوئی تھی۔ آپ تیغ آبدار کے جوہر دکھاتے تھے، جس طرف حملہ کرتے پرے کے پرے کاٹ ڈالتے اور دشمنوں کے سروں کو اس طرح اڑاتے جیسے بادِ خزاں کے جھونکے درختوں سے پتے گراتے ہیں۔

ابن سعد کو جب اس طرح کی جنگ میں بھی کامیابی کی امید نظر نہ آئی تو اس نے

حکم دیا کہ چاروں طرف سے تیروں کا مینھ برسایا جائے اور جب خوب زخمی ہو جائیں تب نیزوں سے حملہ کیا جائے۔ تیر اندازوں نے آپ کو چاروں طرف سے گھیر لیا اور بیک وقت ہزاروں تیر کمانوں سے چھوٹنے لگے اور تیروں کی بارش شروع ہوگئی۔ گھوڑا اس قدر زخمی ہوگیا کہ اس میں کام کرنے کی طاقت نہ رہی۔ مجبوراً حضرت امام کو ایک جگہ ٹھہرنا پڑا۔ ہر طرف سے تیر آرہے ہیں اور امام مظلوم کا جسم اقدس تیروں کا نشانہ بنا ہوا ہے۔ تن نازنین زخموں سے چور اور لہولہان ہو رہا ہے۔ بیوفا کوفیوں نے جگر پارۂ رسول، فرزند بتول کو مہمان بلا کر ان کے ساتھ یہ سلوک کیا۔ یہاں تک کہ زہر میں بجھا ہوا ایک تیر آپ کی اس مقدس پیشانی پر لگا جسے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہزاروں بار چوما تھا۔ تیر لگتے ہی چہرۂ انور پر خون کا دھارا بہ نکلا۔ آپ غش کھا کر گھوڑے کی زین سے فرش زمین پر آگئے۔ اب ظالموں نے نیزوں سے حملہ کیا شیطان صفت سنان نے ایک ایسا نیزہ مارا جو تن اقدس کے پار ہوگیا۔ تیر اور نیزہ و شمشیر کے بہتر ۷۲ زخم کھانے کے بعد آپ سجدے میں گرے اور اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے واصل بحق ہوگئے ۵۶ سال ۵ ماہ ۵ دن کی عمر میں جمعہ کے دن محرم کی دسویں تاریخ سنہ ۶۱ھ مطابق سنہ ۶۸۰ء کو امام عالی مقام نے اس دار فانی سے رحلت فرمائی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔

یزیدیوں نے سمجھا کہ ہم نے حسین کو مار ڈالا اور وہ مر گئے لیکن زمین کربلا کا ذرہ ذرہ زبان حال سے ہمیشہ یہ پکارتا رہے گا کہ اے حسین!

تو زندہ ہے واللہ تو زندہ ہے واللہ
مری چشم عالم سے چھپ جانے والے

نصر بن خرشہ آپ کے سر مبارک کو تن اقدس سے جدا کرنے کے لیئے آگے بڑھا مگر امام عالی مقام کی ہیبت سے اس کے ہاتھ کانپ گئے اور تلوار چھوٹ گئی۔ پھر بدبخت ازلی خولی بن یزید، سنان بن انس، شبل بن یزید یا شمر خبیث نے آپ کے سر اقدس کو تن مبارک سے جدا کیا۔

شاہ است حسین بادشاہ است حسین
دین ست حسین دین پناہ است حسین

سر داد نداد دست در دست یزید
حقا کہ بنائے لا الٰہ است حسین

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اے حسین

از ابرار پوری
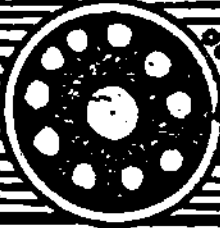
کلمۂ توحید ہے تیری شہادت اے حسین — تو نہ ہوتا تو نہ زندہ جاتی صداقت اے حسین
تیری قربانی نے زندہ کر دیا اسلام کو — وہ رہے گا تا ابد تیری بدولت اے حسین
طالبانِ منزلِ امن و سکوں کے واسطے — تیری قربانی ہوئی شمع ہدایت اے حسین
ملت اسلام کو ملتا ہے اک درس حیات — کیسے بھولیں ہم ترا یوم شہادت اے حسین
احتمال آنے کا ہے پھر سے یزیدیت کا دور — پھر جہان نو کو ہے تیری ضرورت اے حسین

حال میرا کچھ بھی ہو میرا عقیدہ ہے یہی
بخشوائے گی مجھے تیری محبت اے حسین - رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ایک مرتبہ ہم اور آپ لوگ مل کر سرکارِ مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، ان کی آل و اصحاب اور اہلِ بیت پر بلند آواز سے درود و سلام کا نذرانہ اور ھدیہ پیش کریں

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَاَھْلِ بَیْتِہٖ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ۔

رحمتِ عالم کو صدمۂ جانکاہ

برادرانِ اسلام! واقعۂ کربلا سے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر جو صدمۂ جانکاہ گذرا اور ان کے قلب نازک کو جو دکھ پہونچا وہ اندازو قیاس سے باہر ہے۔ حضرت سلمیٰ جو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام حضرت ابو رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زوجہ ہیں وہ بیان فرماتی ہیں کہ میں ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئی تو دیکھا کہ وہ رو رہی ہیں۔ میں نے عرض کیا آپ روتی کیوں ہیں؟ انھوں نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ ان کے سرِ مبارک اور ریشِ اقدس (داڑھی) پر گرد و غبار ہے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کا یہ کیا حال ہے؟ فرمایا میں ابھی حسین کی شہادت گاہ پر گیا تھا (۱)

اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ میں ایک روز دوپہر کے وقت خواب میں حضور آقائے دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جمالِ جہاں آرا کے دیدار سے مشرف ہوا۔ میں نے دیکھا کہ حضور کے بال مبارک چہرۂ انور پر بکھرے ہوئے گرد آلود ہیں اور دستِ اقدس میں خون سے بھری ہوئی ایک بوتل ہے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ: میری جان آپ پر فدا اور میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ یہ بوتل کیسی ہے؟ اور اس قدر رنج و ملال کیوں ہے؟ ارشاد فرمایا کہ اس بوتل میں میرے نورِ نظر حسین اور ان کے جاں نثار ساتھیوں کا خون ہے جسے میں آج صبح سے اٹھا رہا ہوں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے اس وقت اور تاریخ کو یاد رکھا۔ کچھ دنوں کے بعد جب خبر آئی تو معلوم ہوا کہ حضرت حسین اسی وقت شہید کئے گئے تھے۔ رواہ البیہقی (۲)

وصلی اللہ تعالیٰ وسلم علی النبی الکریم وعلیٰ آلہ و اصحٰبہ و اھلِ بیتہ اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین۔

---

(۱) مشکوٰۃ شریف ص۵۷۲ (۲) نور الابصار ص۱۲۰

اس حسین بن حیدر پہ لاکھوں سلام

خاصۂ ربِّ داور پہ لاکھوں سلام — مالکِ حوضِ کوثر پہ لاکھوں سلام
نورِ عینِ پیمبر پہ لاکھوں سلام — تشنۂ آبِ خنجر پہ لاکھوں سلام

اس شہیدِ دلاور پہ لاکھوں سلام
اس حسین بن حیدر پہ لاکھوں سلام

جس کو جھولا فرشتے جھلاتے رہے — لوریاں دے کے نوری سلاتے رہے
جس کو کندھوں پہ آقا بٹھاتے رہے — جس پہ سفاک خنجر چلاتے رہے

اس شہیدوں کے افسر پہ لاکھوں سلام
اس حسین بن حیدر پہ لاکھوں سلام

جو جوانانِ جنت کا سالار ہے — جس کا نانا دو عالم کا سردار ہے
جو سراپائے محبوبِ غفار ہے — جس کا سر دشت میں زیرِ تلوار ہے

اس صداقت کے پیکر پہ لاکھوں سلام
اس حسین بن حیدر پہ لاکھوں سلام

واقعاتِ بعدِ شہادت

الحمد للہ رب العلمین والصلٰوۃ والسلام علی سید المرسلین وعلی آلہ واصحابہ الذین قاموا بنصرۃ الدین المتین۔ اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰہَ غَافِلًا عَمَّا یَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ (پ ۱۳ ع ۱۹) صدق اللہ وصدق رسول اللہ صلی اللہ تبارک وتعالیٰ علیہ وسلم تسلیما کثیرًا کثیرًا۔

برادران ملت! سب لوگ مل کر بہ آواز بلند تمام عالم کے محسن اعظم رحمتِ عالم نورِ مجسم جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ بیکس پناہ میں درود شریف کا نذرانہ اور ہدیہ پیش کریں۔ صلی اللہ علی النبی الامی وآلہ صلی اللہ علیہ وسلم صلاۃ وسلاما علیک یا رسول اللہ۔

جب انسان کو اللہ تعالیٰ کا خوف نہیں ہوتا اور حکومت وقت کا اندیشہ نہیں رہتا پھر اپنی نیک نامی وبدنامی کی بھی پروا نہیں کرتا تو عظیم سے عظیم تر گناہ کرنے اور بڑا سے بڑا ظلم ڈھانے سے بھی وہ نہیں ڈرتا۔ یہی حال یزیدیوں کا ہوا کہ خدائے تعالیٰ کا خوف ان کے دلوں میں نہیں تھا اور حکومت وقت کے اندیشہ کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کہ اسی کے حکم سے اہلبیت رسالت پر ظلم وجفا کا پہاڑ توڑنے کے لئے بھیجے ہی گئے تھے اور انھیں اس بات کی بھی پروا نہیں تھی کہ دنیا والوں کی نگاہ میں ہم ذلیل ورسوا ہو جائیں گے۔ تو پھر انھیں کسی طرح کا ظلم ڈھانے سے کوئی چیز مانع نہ ہوئی ـــــ نواسۂ رسول جگر گوشۂ بتول کو صرف بے دردی کے ساتھ شہید کرنے پر انھوں نے اکتفا نہیں کیا بلکہ آپ کے جسم اقدس سے کپڑے بھی اتار لئے۔

اور گھوڑوں کی ٹاپوں سے آپ کی لاش مبارک کو پامال کرکے ہڈیوں کو چکنا چور بھی کیا پھر خیمے کی طرف بڑھے تمام اسباب اور سارا سامان لوٹ لیا یہاں تک کہ پردہ نشین خواتین کے سروں سے چادریں کھینچ لیں اور خیموں کو بھی جلا کر راکھ کر دیا۔ (۱)

جل گیا خیمۂ اطہر لیکن ۔۔۔ دین پر آنچ نہیں آنے دی
مرحبا جرأت ابن حیدر ۔۔۔ سر دیا بات نہیں جانے دی

امام عالی مقام کا سر مبارک خولی بن یزید کے ہاتھ ابن زیاد کے پاس بھیجا گیا اور باقی شہداء کے سر قیس ابن اشعث اور شمر وغیرہ کے ساتھ روانہ کئے گئے۔ خود ابن سعد اس روز کربلا میں ٹھہر گیا اور ۱۱ محرم کی صبح کو اپنی فوج کے تمام مقتولین کو جمع کیا ان پر نماز جنازہ پڑھی اور دفن کر دیا مگر شہدائے راہ حق کی لاشوں کو ایسے ہی بے گور و کفن پڑی رہنے دیا۔ پھر پردہ نشین خواتین جو بیمار زین العابدین اور چند چھوٹے بچوں کے ساتھ کھلے آسمان کے نیچے رات بھر میدان میں پڑی رہیں انھیں قیدی بنا کر کوفہ کی طرف روانہ ہوا۔

یزیدی فوج کے ایک سپاہی کا بیان ہے کہ جب حضرت زینب اپنے بھائی حضرت حسین کی لاش سے گزریں تو انتہائی درد کے ساتھ روتے ہوئے کہا وامحمداہ! وامحمداہ! آپ پر اللہ اور ملائکہ مقربین کا درود و سلام ہو۔ حسین میدان میں پڑے ہوئے ہیں۔ خون میں ڈوبے ہوئے ہیں اور تمام اعضا ٹکڑے ٹکڑے ہیں۔ وامحمداہ! آپ کی بیٹیاں قید میں جا رہی ہیں۔ آپ کی اولاد قتل کی گئی۔ ہوا ان کی لاشوں پر خاک اڑا رہی ہے۔ حضرت زینب کے ان الفاظ کو سنکر دوست و دشمن سب رونے لگے۔ (۲) پھر جب کربلا سے یزیدی لشکر چلا گیا تو قبیلہ بنی اسد جو قریب کے گاؤں غاضریہ میں رہتا تھا حضرت امام اور ان کے ساتھیوں کی لاشوں کو آکر دفن کیا۔

امام کا سر انور اور ابن زیاد

امام عالی مقام کا سر انور جب کوفہ پہنچا اور بھرے دربار میں ابن زیاد کے سامنے ایک طشت میں

---

(۲) طبری ص ۲۸۶ ج ۲ ۔ (۱) طبری ص ۲۸۳ ج ۲

رکھا گیا اس وقت ظالم ابن زیاد کے ہاتھ میں چھڑی تھی جس سے وہ آپ کے لبوں اور دانتوں کو ٹھوکر دینے لگا۔ سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بوڑھے صحابی حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو اس وقت وہاں موجود تھے اس گستاخی کو دیکھ کر تڑپ اٹھے۔ اور روتے ہوئے فرمایا چھڑی کو ہٹا لے۔ خدا کی قسم میں نے اپنی آنکھوں سے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ وہ ان لبوں اور دانتوں کو چوما کرتے تھے اور پھر وہ زار و قطار رونے لگے۔ ابن زیاد نے کہا خدا تجھے خوب رلائے اگر تو بڈھا نہ ہوتا اور تیری عقل خراب نہ ہو گئی ہوتی تو میں تیری گردن مار دیتا۔ حضرت زید وہاں سے اٹھے اور یہ کہتے ہوئے چلے گئے کہ غلام نے غلام کو حاکم بنا دیا جس نے سارے بندگان خدا کو اپنا خانہ زاد بنا لیا۔ اے قوم عرب! آج سے تم سب غلام ہو گئے۔ تم نے فرزند رسول کو قتل کیا اور مرجانہ کے بیٹے کو اپنا حاکم بنا لیا جو اچھوں کو قتل کر رہا ہے اور بروں کو غلام بنا رہا ہے۔ تم نے ذلت کو گوارا کر لیا۔ اور جو ذلت کو گوارا کرے اس پر خدا کی مار ہو۔ (۱)

ایک جاں نثار کی اور شہادت

اعلان ہوا کہ لوگ بڑی مسجد میں جمع ہو جائیں جب بہت سے لوگ وہاں اکٹھا ہو گئے تو ابن زیاد بدنہاد مسجد میں گیا اور منبر پر کھڑے ہو کر کہا اللہ کا شکر ہے جس نے حق اور اہل حق کی مدد کی۔ امیر المؤمنین یزید بن معاویہ اور ان کے ساتھیوں کو کامیابی عطا فرمائی اور ان کو فتح و نصرت سے سرفراز کیا۔ اور کذاب ابن کذاب حسین بن علی اور ان کے گروہ کو شکست دی اور ان کو ہلاک کیا (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) جب اس بدبخت نے حضرت امام حسین اور ان کے والد گرامی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو کذاب کہا تو حضرت عبد اللہ بن عفیف ازدی جو محب اہلبیت تھے دونوں آنکھوں سے معذور تھے اور سارا دن ذکر و فکر اور نماز پڑھنے کے لئے مسجد میں گذارتے تھے۔ وہ ابن زیاد کی گستاخی کو برداشت نہ کر سکے بے تاب ہو کر کھڑے ہو گئے اور فرط غضب سے کانپتے ہوئے فرمایا۔ او ابن مرجانہ! تو ہی کذاب ابن کذاب ہے اور

(۱) طبری ص ۲۸۰ ج ۲۔

جس نے تجھے حاکم بنایا وہ بھی کذاب ہے۔ حسین سچے، ان کے باپ سچے۔ ان کے نانا سچے تم لوگ اولاد رسول کے قتل کے مجرم ہوا ور باتیں صدیقین جیسی کرتے ہو۔ ابن زیاد نے کہا اسے پکڑ لو۔ سپاہیوں نے انھیں گرفتار کرلیا۔ ابن عفیف کی قوم کے بہت سے لوگ وہاں موجود تھے۔ انھوں نے ان کو چھڑا لیا مگر ظالم ابن زیاد کو ان کا خون بہائے بغیر چین نہ آیا گھر سے بلوا کر ان کو قتل کیا اور شاہراہ عام پر ان کی لاش کو دار پر لٹکا دیا اس طرح کوثر کے ساحل پر ایک جان نثار کا اور اضافہ ہوا۔ (۱)

پھر ابن زیاد بد نہاد نے امام عالی مقام کے سر مبارک کو کوفہ کے کوچہ و بازار میں پھروایا اور اس طرح اپنی بے غیرتی و بے حیائی کا مظاہرہ کیا۔ اس کے بعد حضرت امام اور ان کے تمام جان نثار شہدائے کرام کے سروں کو اور اسیران اہل بیت کو ایک جماعت کے ہمراہ شمر وغیرہ کی سرکردگی میں یزید پلید کے پاس اس حالت میں روانہ کیا کہ حضرت زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پاؤں کو زنجیروں میں جکڑ دیا گیا تھا اور بی بیوں کو اونٹوں کی ننگی پیٹھوں پر بٹھایا گیا تھا اور ظالم نے حکم دیا تھا کہ سروں کو نیزوں پر چڑھائے ہوئے آبادیوں میں سے ہو کر گذرنا تاکہ لوگوں کو عبرت ہو اور آئندہ کوئی یزید کی مخالفت پر آمادہ نہ ہو۔

غیبی شعر جب اشقیا کی جماعت امام عالی مقام کے سر مبارک کو لے کر پہلی منزل پر ایک گرجا گھر کے پاس رات گذارنے کے لئے اتری اور بروایت علامہ صبان شراب پی رہی تھی تو ایک لوہے کا قلم غیب سے نمودار ہوا جس نے خون سے یہ شعر لکھا۔

اَتَرْجُوْا اُمَّۃٌ قَتَلَتْ حُسَیْنًا ۔ شَفَاعَۃَ جَدِّہٖ یَوْمَ الْحِسَابِ

یعنی جنھوں نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کیا ہے کیا وہ اس بات کی امید رکھتے ہیں کہ ان کے نانا جان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قیامت کے دن اُن کی شفاعت کریں گے۔؟

اور بعض روایتوں میں ہے کہ دیوار پر یہ شعر پہلے سے لکھا ہوا تھا بدبختوں نے جب

---

(۱) طبری صہ ۲۸۹ ج ۲۔

دیکھا تو بہت متعجب ہوئے اور گرجا گھر کے راہب سے پوچھا کہ یہ شعر کس نے لکھا ہے اور کب کا لکھا ہوا ہے، راہب نے کہا کس نے لکھا ہے یہ تو مجھے معلوم نہیں البتہ اتنا جانتا ہوں کہ تمہارے نبی کے زمانہ سے پانچ سو برس پہلے کا لکھا ہوا ہے۔

راہب نے جب شہیدوں کے سروں کو نیزوں پر اور پردہ نشین بیبیوں اور بچوں کو بحالتِ اسیری دیکھا تو اس کے دل پر بہت اثر ہوا۔ اور دریافت کرنے پر جب پورا حال اس کو معلوم ہوا تو کہا معاذ اللہ تم لوگ کتنے برے آدمی ہو کہ اپنے نبی کی اولاد کو قتل کئے ہو اور پھر ان کے بال بچوں کو قیدی بنائے ہو۔

راہب کا قبولِ اسلام

پھر راہب نے ان بدبختوں سے کہا کہ اگر رات بھر اپنے نبی کے نواسے کا سر ہمارے پاس رہنے دو تو ہم تمہیں دس ہزار درہم دیں گے وہ لوگ اس پر راضی ہو گئے۔ راہب نے رقم ادا کر کے حضرت کا سر مبارک لیا اور اپنے مخصوص کمرہ میں لے گیا پھر سر انور، چہرۂ مبارک اور مقدس زلفوں اور داڑھی کے بالوں پر جو گرد و غبار اور خون وغیرہ جمع ہوا تھا دھویا اور عطر و کافور لگایا اور بڑی تعظیم و تکریم کے ساتھ اپنے سامنے رکھ کر اس کی زیارت کرنے لگا خدائے عزوجل اس کے اس ادب سے راضی ہوا۔ اس نے اپنی رحمت کے دروازے کھول دئے۔ راہب رونے لگا اور اس کی نگاہوں سے پردے اٹھ گئے۔ اس نے دیکھا کہ سر اقدس سے آسمان تک نور ہی نور ہے۔ جب اس نے سر مبارک کی یہ کرامت دیکھی تو صدق دل سے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ پڑھ کر مسلمان ہو گیا اور صبح کو سر انور ان کے حوالے کر دیا۔

بدبخت جب وہاں سے چل کر دوسری منزل پر پہنچے اور درہموں کو تقسیم کرنے کے لئے تھیلیوں کے منہ کو کھولا تو دیکھا کہ سب درہم ٹھیکری ہو گئے ہیں اور ان کے ایک طرف یہ آیت کریمہ لکھی ہوئی ہے۔ وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰہَ غَافِلًا عَمَّا یَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ ظالم جو کرتے ہیں خدائے تعالیٰ کو اس سے غافل ہرگز نہ جانو (پ ۱۳ ع ۱۹) اور دوسری طرف یہ آیت مبارکہ تحریر تھی وَسَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْٓا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ۔ ظلم کرنے والے عنقریب

جان لیں گے کہ وہ کس کروٹ پلٹا کھائیں گے۔ (پ۱۹ ع ۱۵)

باجے بجے

جب یزید پلید کو معلوم ہوا کہ اسیران کربلا اور امام حسین وغیرہ کا سر عنقریب دمشق پہنچنے والا ہے تو اس نے پورے شہر کو آراستہ کرنے اور سب کو خوشی منانے کا حکم دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ایک صحابی حضرت سہل رضی اللہ تعالیٰ عنہ تجارت کے لئے ملک شام آئے ہوئے تھے جب وہ دمشق شہر میں داخل ہوئے تو انھوں نے دیکھا کہ سب لوگ خوشی مناتے اور باجے بجاتے ہیں انھوں نے لوگوں سے اس کی وجہ پوچھی تو بتایا گیا کہ اہل عراق نے حسین بن علی کے سر کو یزید کے پاس ہدیہ بھیجا ہے تمام اہل شہر اسی کی خوشی منا رہے ہیں۔ حضرت سہل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک آہ بھری اور پوچھا کہ حضرت حسین کا سر کون سے دروازہ سے لائیں گے؟ کہا باب الساعۃ سے۔ آپ اس طرف تیزی سے بڑھے اور بڑی دوڑ دھوپ کے بعد اہلبیت تک پہنچ گئے۔ آپ نے دیکھا ایک سر جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سر مبارک سے بہت زیادہ مشابہ ہے نیزہ پر چڑھا کر رکھا گیا ہے جسے دیکھ کر آپ بے اختیار رو پڑے۔ اہلبیت میں سے ایک نے پوچھا کہ تم ہم پر کیوں رو رہے ہو؟ حضرت سہل نے پوچھا آپ کا نام کیا ہے؟ فرمایا میرا نام سکینہ بنت حسین ہے۔ انھوں نے فرمایا اور میں آپ کے نانا جان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا صحابی ہوں اگر میرے لائق کوئی خدمت ہو تو حکم فرمائیے حضرت سکینہ نے فرمایا میرے والد کے سر انور کو سب سے آگے کرا دیجئے تاکہ لوگ اُدھر متوجہ ہو جائیں اور ہم سے دور رہیں۔ حضرت سہل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چار سو درہم دے کر حضرت امام کے سر مبارک کو مستورات سے دور کرا دیا۔ (۱)

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ محرم کے دنوں میں باجے بجانا حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دشمن یزیدیوں کی سنت ہے آپ کے محبین کا گھر تو ماتم کدہ بنا ہوا تھا۔ ان کے یہاں اس موقع پر باجا بجنے کا تو کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ البتہ امام کی شہادت کی خوشی میں یزیدیوں نے بجایا تھا مگر اب امام عالی مقام کی محبت کے دعویدار بجاتے ہیں۔ خدائے تعالیٰ

---

(۱) تذکرہ ص ۱۰۰۔

انھیں سمجھ عطا فرمائے اور یزیدیوں کی سنت پر عمل کرنے سے بچائے۔ آمین۔

امام کا سر مبارک اور یزید

قافلۂ عراق میں سے جو شخص سب سے پہلے یزید سے ملا وہ زحر بن قیس تھا جب اس نے شہادت حسین کی خبر یزید کو سنائی تو وہ آب دیدہ ہو گیا اور کہا میں تمہاری اطاعت سے اس وقت خوش ہوتا کہ تم نے حسین کو نہ قتل کیا ہوتا۔(۱) پھر شمر ذی الجوشن اور محفز بن ثعلبہ عائذی سب کو لئے ہوئے یزید پلید کے دروازہ پر پہنچے۔ محفز نے بلند آواز سے کہا ہم امیرالمومنین کے دربار میں بدترین اور ملامت زدہ شخص کا سر لے کر آئے ہیں (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) یزید نے یہ سنکر کہا سب سے بدتر اور ملامت زدہ وہی شخص ہے جس کو محفز کی ماں نے جنا ہے۔ پھر وہ اندر داخل ہوئے اور امام عالی مقام کے سر مبارک کو یزید کے سامنے طشت میں رکھا۔ یزید سر انور کی طرف متوجہ ہوا اور کہا اے حسین! واللہ اگر تمہارا معاملہ میرے ہاتھ میں پڑتا تو میں تم کو قتل نہ کرتا مروان کا بھائی یحییٰ بن حکم اس وقت یزید کے پاس موجود تھا اس نے دو شعر پڑھے جس کا مطلب یہ ہے کہ ابن زیاد کمینہ اور کھوٹے نسب والے سے اس لشکر کی قرابت زیادہ ہے جو زمین طف کے پہلو میں قتل کیا گیا۔ سمیہ کی نسل تو سنگریزوں کی تعداد کے برابر ہو گئی اور بنت رسول اللہ کی نسل باقی نہ رہی۔ یزید نے یہ سنکر یحییٰ کے سینہ پر ہاتھ مارا اور کہا خاموش۔(۲)

پھر یزید پلید نے امام عالی مقام کے لبوں اور دانتوں کو چھڑی لگاتے ہوئے کہا کہ اب ہماری اور ان کی مثال ایسی ہے جیسا کہ حصین بن الحمام شاعر نے کہا ہے کہ ہماری قوم نے تو انصاف کرنے سے انکار کر دیا تھا لیکن ان تلواروں نے انصاف کر دیا جن سے خون ٹپکتا تھا

رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ایک صحابی حضرت ابو برزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہاں موجود تھے انھوں نے فرمایا اے یزید تم اپنی چھڑی حسین کے دانتوں اور لبوں سے لگا رہے ہو جن کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم چوسا کرتے تھے۔ سن لو! قیامت کے دن تمہارا حشر ابن زیاد کے ساتھ ہوگا اور حسین اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ہوں گے۔

---

(۱) طبری صفحہ ۲۹ ج ۲۔ (۲) ایضاً ۲۹۱ ج ۲۔

یہ کہہ کر وہ دربار سے اٹھے اور چلے گئے۔ (۱)

پہلے جو ذکر کیا گیا کہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کی خبر سنکر یزید رونے لگا اور پھر اس نے یہ کہا کہ اے حسین! واللہ اگر تمہارا معاملہ میرے ہاتھ میں پڑتا تو میں تم کو قتل نہ کرتا۔ ان باتوں سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرت امام حسین کے قتل سے راضی نہ تھا لیکن حالات بتاتے ہیں کہ یہ اس کی سیاست تھی تاکہ ہماری بدنامی نہ ہو۔ اس لئے کہ اگر واقعی وہ راضی نہ ہوتا تو ظالم ابن زیاد اور ابن سعد وغیرہ قاتلین امام حسین سے ضرور مواخذہ کرتا اور ان کو سزا دیتا۔

مدینہ منورہ کو واپسی

صحابی رسول حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو حضرت مسلم بن عقیل کے ساتھ کوفہ میں سختی نہ کرنے کے سبب گورنری سے معزول کر دئے گئے تھے۔ یزید نے انھیں اہلبیت رسالت کا ہمدرد سمجھ کر بلایا اور کہا کہ حسین کے اہل وعیال کو عزت واحترام کے ساتھ مدینہ پہنچانے کا انتظام کرو اور پھر اپنے کو قتل حسین سے بری ثابت کرنے کے لئے حضرت زین العابدین کو تنہائی میں بلا کر کہا کہ خدا ابن زیاد پر لعنت کرے واللہ اگر براہ راست آپ کے والد کا اور میرا سامنا ہو جاتا تو جو کچھ وہ فرماتے میں منظور کر لیتا اور ان کو قتل کرنا ہرگز گوارا نہ کرتا لیکن جو خدا کو منظور تھا وہ ہوا۔ اب آپ مدینہ تشریف لے جائیے مجھ کو وہاں سے خط لکھتے رہیئے گا اور جس چیز کی ضرورت ہوگی مجھے خبر کیجئے گا۔ (۲)

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہمراہ تیس آدمیوں کا حفاظتی دستہ کیا گیا وہ اہلبیت کو لے کر مدینہ منورہ کے لئے روانہ ہوئے اور راستہ بھر نہایت تعظیم وتکریم کے ساتھ پیش آتے رہے۔ مدینہ طیبہ کے لوگوں کو واقعۂ کربلا کی خبر پہلے پہنچ چکی تھی۔ جب یہ لٹا ہوا قافلہ شہر میں داخل ہوا تو تمام اہل مدینہ، حضرت محمد بن حنفیہ، ام المومنین حضرت ام سلمہ اور خاندان کی دیگر عورتیں سب روتی ہوئی نکل پڑیں قافلہ سیدھے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ

---

(۱) طبری صفحہ ۲۹۶ ج ۲۔ (۲) ایضاً صفحہ ۲۹۳ ج ۲۔

وسلم کے روضۂ مقدسہ پر حاضر ہوا۔ حضرت زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو ابھی تک صبر و ضبط کا پیکر بنے ہوئے خاموش تھے جیسے ہی ان کی نظر قبر انور پر پڑی اور ابھی اتنا ہی کہا تھا داداجان اپنے نواسے کا سلام قبول فرمایئے کہ ان کے صبر کا پیمانہ چھلک اٹھا اور وہ اس طرح درد کے ساتھ روئے اور حالات بیان کرنے شروع کئے کہ کہرام برپا ہوگیا اور قیامت کا نمونہ قائم ہوگیا۔

سیدالشہداء حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سر انور کہاں دفن کیا گیا اس میں اختلاف ہے۔ مشہور یہ ہے کہ اسیران کربلا کے ساتھ یزید نے آپ کے سر مبارک کو مدینہ طیبہ روانہ کیا جو سیدہ حضرت فاطمہ زہرا یا حضرت امام حسن مجتبیٰ کے پہلو میں دفن کیا گیا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

کربلا کے بعد یزید کی خباثت - مدینہ منورہ پر چڑھائی

حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات مبارکہ یزید کی آزادیوں کے لئے بہت بڑی رکاوٹ تھی۔ آپ کی شہادت کے بعد وہ بالکل ہی بے لگام ہوگیا پھر تو ہر قسم کی برائیوں کا بازار گرم ہوگیا۔ زنا، لواطت، حرام کاری، بھائی بہن کا نکاح، سود اور شراب وغیرہ علانیہ طور پر رائج ہوگئے اور نمازوں کی پابندی اٹھ گئی۔ پھر اس کی شیطنت یہاں تک پہنچی کہ ۶۳ھ میں مسلم بن عقبہ کو بارہ یا بیس ہزار لشکر کے ساتھ مدینہ طیبہ اور مکہ معظمہ پر حملہ کرنے کے لئے بھیجا۔ اس بدبخت لشکر نے مدینہ منورہ میں وہ طوفان برپا کیا کہ الامان والحفیظ۔ قتل وغارت گری اور طرح طرح کے مظالم کا بازار گرم کیا۔ لوگوں کے گھروں کو لوٹ لیا۔ سات سو صحابہ کو بے گناہ شہید کیا اور تابعین وغیرہ کو ملا کر کل دس ہزار سے زیادہ شہید کیا۔ لڑکوں کو قید کر لیا اور یہاں تک ظلم کیا کہ وہاں کی پاکدامن پارسا عورتوں کو تین شبانہ روز اپنے اوپر حلال کر لیا سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضۂ مقدسہ کی سخت بے حرمتی کی۔ مسجد نبوی میں

گھوڑے باندھے، ان کی لید اور پیشاب منبر اطہر پر پڑے، تین دن تک مسجد نبوی میں لوگ نماز سے مشرف نہ ہو سکے صرف حضرت سعید بن مسیب جو کبار تابعین میں سے تھے پاگل بن کر وہاں حاضر رہے۔ آخر میں ظالموں نے ان کو بھی گرفتار کر لیا مگر پھر دیوانہ سمجھ کر چھوڑ دیا۔ خبیث لشکر نے ایک نوجوان کو پکڑ لیا اس کی ماں نے مسلم بن عقبہ کے پاس آکر فریاد کی اور اس کی رہائی کے لئے بڑی عاجزی منتی کی۔ مسلم نے اس کے لڑکے کو بلا کر گردن مار دی اور سر اس کی ماں کے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا کہ تو اپنے زندہ رہنے کو غنیمت نہیں سمجھتی کہ بیٹے کو لینے آئی ہے۔

ایک شخص کو جب قتل کیا گیا تو اس کی ماں ام یزید بن عبد اللہ بن ربیعہ نے قسم کھائی کہ اگر میں قدرت پاؤں گی تو اس ظالم مسلم کو زندہ یا مردہ جلاؤں گی۔ جب وہ ظالم مدینہ منورہ میں قتل و غارت کے بعد مکہ معظمہ کی طرف متوجہ ہوا تاکہ وہاں جا کر عبد اللہ بن زبیر اور وہاں کے ان لوگوں کا بھی کام تمام کرے جو یزید کے خلاف ہیں تو اتفاقاً راستہ میں اس پر فالج گرا اور وہ مر گیا۔ اس کی جگہ یزید کے حکم کے مطابق حصین بن نمیر سکونی قائد لشکر بنا۔ مسلم کو انھوں نے وہیں دفن کر دیا۔ جب یہ خبیث لشکر آگے بڑھ گیا تو اس عورت کو مسلم کے مرنے کا پتہ چلا وہ کچھ آدمیوں کو ساتھ لے کر اس کی قبر پر آئی تاکہ اس کو قبر سے نکال کر جلائے اور اپنی قسم پوری کرے جب قبر کھودی تو کیا دیکھا کہ اژدہا اس کی گردن سے لپٹا ہوا اس کی ناک کی ہڈی پکڑے چوس رہا ہے یہ دیکھ کر سب کے سب ڈر گئے اور اس عورت سے کہنے لگے خدائے تعالیٰ خود ہی اس کے اعمال کی سزا اس کو دے رہا ہے اور اس نے عذاب کا فرشتہ اس پر مسلط کر دیا ہے۔ اب تو اس کو رہنے دے۔ اس عورت نے کہا نہیں خدا کی قسم میں اپنے عہد اور قسم کو ضرور پورا کروں گی اور اس کو جلا کر اپنے دل کو ٹھنڈا کروں گی۔ مجبور ہو کر سب نے کہا اچھا پھر اس کو پیروں کی طرف سے نکالنا چاہئے جب اُدھر سے مٹی ہٹائی تو کیا دیکھا کہ اسی طرح پیروں کی طرف بھی ایک اژدہا لپٹا ہوا ہے۔ پھر سب نے اس عورت سے کہا اب اس کو چھوڑ دے اس کے لئے یہی عذاب کافی ہے مگر وہ عورت نہ مانی۔ وضو کر کے دو رکعت نماز ادا کی اور اللہ تعالیٰ کے حضور میں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی۔ الٰہی! تو خوب جانتا ہے اس ظالم پر

میرا غصہ محض تیری رضا کے لئے ہے مجھے یہ قدرت دے کہ میں اپنی قسم پوری کروں اور اس کو جلاؤں۔ یہ دعا کر کے اس نے ایک لکڑی سانپ کی دم پر ماری وہ گردن سے اتر کر چلا گیا۔ پھر دوسرے سانپ کو ماری وہ بھی چلا گیا تب انھوں نے مسلم کی لاش کو قبر سے نکالا اور جلا دیا۔ (۱)

فضائل مدینہ

حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا لَا یَکِیْدُ اَھْلَ الْمَدِیْنَۃِ اَحَدٌ اِلَّا انْمَاعَ کَمَا یَنْمَاعُ الْمِلْحُ فِی الْمَاءِ۔ جو شخص اہل مدینہ سے مکر و فریب کرے یا جنگ کرے تو وہ اس طرح پگھل جائے گا جیسے پانی میں نمک پگھلتا ہے۔ (۲)

اور حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ لَا یُرِیْدُ اَحَدٌ اَھْلَ الْمَدِیْنَۃِ بِسُوْءٍ اِلَّا اَذَابَہُ اللّٰہُ فِی النَّارِ ذَوْبَ الرَّصَاصِ۔ جو مدینہ منورہ والوں کے ساتھ برائی کا ارادہ کرے گا۔ خدائے تعالیٰ اس کو دوزخ کی آگ میں رانگا کی طرح پگھلائے گا۔ (۳)

اور حضرت سائب بن خلاد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مَنْ اَخَافَ اَھْلَ الْمَدِیْنَۃِ ظَالِمًا لَّھُمْ اَخَافَہُ اللّٰہُ وَکَانَتْ عَلَیْہِ لَعْنَۃُ اللّٰہِ وَالْمَلَائِکَۃِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ۔ لَا یَقْبَلُ اللّٰہُ مِنْہُ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ صَرْفًا وَّلَا عَدْلًا۔ جس نے اہل مدینہ کو اپنے ظلم سے خوفزدہ کیا خدائے تعالیٰ اسے خوف میں مبتلا کرے گا اور اس پر اللہ ملائکہ اور سب لوگوں کی لعنت ہے۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نہ اس کی فرض عبادت قبول فرمائے گا اور نہ نفل۔ (۴)

ان احادیث کریمہ سے معلوم ہوا کہ جو اہل مدینہ کو ڈرائے۔ ان سے جنگ کرے۔ اور ان پر ظلم ڈھائے بلکہ ان سے برائی کا بھی ارادہ کرے تو خدائے تعالیٰ اسے جہنم کی آگ میں رانگا کی طرح پگھلائے گا اور اس پر اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں اور تمام انسانوں کی

لہ شام کربلا ص ۲۲۵ ۔ ۲ہ بخاری شریف ص ۲۵۲ ج ۱

۳ہ مسلم شریف ص ۴۴۴ ج ۱ ۔ ۴ہ کنز العمال ص ۲۱۴ ج ۱۳

سنت ہے اور اس کی کوئی عبادت چاہے وہ فرض ہو یا نفل خدائے تعالیٰ قبول نہیں فرمائے گا۔

مکہ مُعظمہ پر حملہ

مسلم بن عقبہ کی ہلاکت کے بعد حصین بن نمیر جو شامی لشکر کا سپہ سالار مقرر ہوا اس نے مکہ معظمہ پہنچ کر حملہ کر دیا اہل مکہ اور حجاز والے یزید پلید کی بیعت توڑ کر حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیعت کر چکے تھے ان کی فوج نے لشکر یزید کا مقابلہ کیا اور صبح سے شام تک لڑائی جاری رہی مگر فتح و شکست کا کوئی فیصلہ نہ ہوا۔ دوسرے دن حصین بن نمیر نے منجنیق جو پتھر پھینکنے کی مشین ہوتی ہے۔ اسے کوہ ابوقبیس پر نصب کر کے پتھر برسانا شروع کیا۔ سنگباری سے حرم شریف کا مبارک صحن پتھروں سے بھر گیا اور اس کے صدمہ سے مسجد حرام کے ستون ٹوٹ گئے۔ کعبہ شریف کی دیواریں شکستہ ہوگئیں اور چھت گر گئی۔ شامی پتھر برسانے کے ساتھ روئی گندھک اور رال کے گولے بھی بنا بنا کر اور جلا جلا کر پھینکنے لگے جس سے خانۂ کعبہ میں آگ لگ گئی اس کا غلاف جل گیا اور وہ دُنبہ جو حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے فدیہ میں قربانی کیا گیا تھا اس کی سینگ تبرک کے طور پر کعبہ شریف میں محفوظ تھی وہ بھی جل گئی۔ حرم شریف کے باشندوں کا گھر سے نکلنا دشوار تھا۔ تقریباً ۲، دو ماہ تک وہ سخت مصیبت میں مبتلا رہے۔ یہاں شامی لشکر کعبہ شریف کی بے حرمتی میں لگا ہوا تھا اُدھر شہر حمص میں ۱۵، ربیع الاول ۶۴ھ کو انتالیس سال کی عمر میں یزید ہلاک ہو گیا۔

سب سے پہلے یہ خبر حضرت عبد اللہ بن زبیر کو ملی۔ انھوں نے بلند آواز سے پکار کر کہا اے شامی بدبختو! تمہارا گمراہ سردار یزید ہلاک ہو گیا تو اب کیوں لڑ رہے ہو؟ شامیوں نے پہلے اس بات کو حضرت عبد اللہ بن زبیر کے فریب پر محمول کیا۔ لیکن تیسرے دن جب انھیں ثابت بن قیس نخعی نے کوفہ سے آکر یزید کے مرنے کی خبر سنائی تو انھیں یقین ہوا۔ اب ان کے حوصلے پست ہو گئے اور حضرت عبد اللہ بن زبیر کی فوج کے حوصلے بلند ہو گئے وہ شامیوں پر ٹوٹ پڑے اور شامی خائب و خاسر ہو کر بھاگے اس طرح اہل مکہ کو ان کے شر سے نجات ملی۔

یزید پلید نے کل تین برس سات مہینے تک حکومت کی۔ جب وہ قریہ حوارین میں ہلاک ہوا تو اس کی موت پر ابن عروہ نے چند اشعار کہے جن کے معنی یہ ہیں۔ اے بنی امیہ! تمہارے بادشاہ کی لاش حوارین میں پڑی ہے۔ موت نے ایسے وقت میں آکر اس کو مارا جبکہ اس کے تکیہ کے پاس کوزہ اور شراب کا مشکیزہ سر بمہر لبالب بھرا ہوا رکھا تھا اور اس کے نشہ سے مست ہونے والے پر ایک گانے والی سارنگی لئے رو رہی تھی جو کبھی بیٹھ جاتی اور کبھی کھڑی ہو جاتی تھی

یزید کی موت کے بعد

حجاز و یمن اور عراق و خراسان والوں نے یزید کی موت کے بعد حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دست مبارک پر بیعت کی اور شام و مصر کے لوگوں نے یزید کے بیٹے معاویہ کو اس کا جانشین مقرر کیا۔ معاویہ اگرچہ یزید پلید کا بیٹا تھا مگر نیک و صالح تھا اور باپ کے برے کاموں سے نفرت کرتا تھا۔ بیماری کی حالت میں اسے تخت پر بٹھایا گیا جو آخری دم تک بیمار ہی رہا نہ اس نے کسی طرف فوج کشی کی اور نہ کوئی دوسرا اہم کام انجام دیا یہاں تک کہ صرف چالیس روز یا دو تین ماہ کی حکومت کے بعد اکیس سال کی عمر میں انتقال کر گیا۔ آخر وقت میں لوگوں نے اس سے کہا کہ کسی کو خلیفہ نامزد کر دیں۔ معاویہ نے جواب دیا کہ میں نے خلافت میں کوئی حلاوت نہیں پائی تو پھر اس تلخی میں کسی دوسرے کو کیوں مبتلا کروں؟

معاویہ بن یزید کی موت کے بعد شام و مصر کے لوگوں نے بھی حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دست مبارک پر بیعت کر لی۔ کچھ دنوں بعد مروان نے خفیہ سازشوں کے ذریعہ مصر و شام پر قبضہ جما لیا اور جب وہ مرنے لگا تو اپنے بیٹے عبد الملک کو اپنا جانشین بنا دیا جس کے بارے میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرمایا کرتے تھے کہ لوگ بیٹے پیدا کرتے ہیں لیکن مروان نے اپنا باپ پیدا کیا۔

عبد الملک دانشمند، فقیہ اور قرآن و حدیث کا جاننے والا اور تخت نشین ہونے سے پہلے بہت بڑا عابد و زاہد تھا اور مدینہ منورہ کے عبادت گذار لوگوں میں اس کا شمار ہوتا تھا مگر بعد میں وہ بد اعمال ہو گیا۔ یحییٰ غسانی کا بیان ہے کہ عبد الملک اکثر حضرت ام درداء صحابیہ

رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس بیٹھا کرتا تھا۔ ایک دن ام درداء نے فرمایا اے امیر المؤمنین میں نے سنا ہے کہ تم عبادت گذار ہونے کے بعد شراب خوار بن گئے ہو۔ اس نے جواب دیا کہ شراب خوار ہونے کے ساتھ ساتھ میں خونخوار بھی ہو گیا ہوں۔ (۱)

قاتلینِ امامِ حسین کا عبرتناک انجام

عبدالملک کے زمانہ خلافت میں کوفہ پر مختار بن عبید ثقفی کو تسلط حاصل ہوا۔ اس نے کہا میں قاتلین حسین میں سے ایک کو بھی دنیا میں چلتے پھرتے نہیں رہنے دوں گا۔ اگر میں ایسا نہ کروں تو مجھ پر اللہ و رسول کی لعنت ہو۔ پھر اس نے لوگوں سے کہا کہ مجھے ہر اس شخص کا نام و پتہ بتاؤ جو حضرت حسین کے مقابلے میں کربلا گیا تھا۔ لوگوں نے بتانا شروع کیا اور مختار نے ایک ایک کو قتل کرنا اور سولی پر لٹکانا شروع کر دیا۔

ابن سعد کا قتل

مختار نے ایک دن کہا کہ میں کل ایک شخص کو قتل کروں گا کہ اس سے تمام مومنین اور ملائکہ مقربین بھی خوش ہوں گے۔ ہیثم بن اسود نخعی اس وقت مختار کے پاس بیٹھا ہوا تھا وہ سمجھ گیا کہ عمرو بن سعد کل مارا جائے گا۔ مکان پر آکر اس نے اپنے بیٹے کو رات میں ابن سعد کے پاس بھیج کر اطلاع کر دی کہ تم اپنی حفاظت کا انتظام کرو مختار کل تمہیں قتل کرنا چاہتا ہے۔ مگر مختار چونکہ اپنے خروج کے ابتدائی زمانے میں ابن سعد سے نہایت ہی اخلاق کے ساتھ پیش آتا تھا اس لئے اس نے کہا مختار ہمیں نہیں قتل کریگا۔

دوسرے دن صبح کو مختار نے ابن سعد کو بلانے کے لئے آدمی بھیجا اس نے اپنے بیٹے حفص کو بھیج دیا۔ مختار نے اس سے پوچھا تیرا باپ کہاں ہے؟ اس نے کہا وہ خلوت نشین ہو گیا ہے اب گھر سے باہر نہیں نکلتا۔ مختار نے کہا اب وہ رے کی حکومت کہاں ہے جس کے لئے فرزند رسول کا خون بہایا تھا اب کیوں اس سے دست بردار ہو کر گھر میں بیٹھا ہے؟

---

(۱) تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۴۶

حضرت حسین کی شہادت کے دن وہ کیوں خانہ نشین نہیں ہوا تھا؟ پھر مختار نے اپنے کوتوال ابو عمرہ کو بھیجا کہ ابن سعد کا سر کاٹ کر لے آئے۔ وہ ابن سعد کے پاس گیا اور اس کا سر کاٹ کر اپنی قبا کے دامن میں چھپا کے مختار کے پاس لایا اور اس کے سامنے رکھ دیا مختار نے حفص سے پوچھا پہچانتے ہو یہ سر کس کا ہے؟ اس نے اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ پڑھی پھر کہا یہ میرے باپ کا سر ہے اور اب ان کے بعد زندگی میں کوئی مزا نہیں۔ مختار نے کہا تم ٹھیک کہتے ہو اور تم زندہ بھی نہیں رہو گے پھر اسے بھی قتل کرا دیا اور کہا باپ کا سر حسین کا بدلہ ہے اور بیٹے کا سر علی اکبر کا۔ اگرچہ یہ دونوں ان کے برابر نہیں ہو سکتے۔ خدا کی قسم اگر میں قریش کے تین دستے بھی قتل کر ڈالوں تب بھی وہ سب حسین کی انگلیوں کے برابر نہیں ہو سکتے۔ پھر مختار نے دونوں کے سر حضرت محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دیا۔ (۱)

خولی بن یزید کو قتل کے بعد جلا دیا گیا

خولی وہ بدبخت انسان ہے جس نے امام عالی مقام کے سر انور کو جسم اقدس سے جدا کیا تھا۔ مختار نے اپنے کوتوال ابو عمرہ کو چند سپاہیوں کے ساتھ اس کی گرفتاری کے لئے بھیجا۔ ان لوگوں نے آکر خولی کے گھر کو گھیر لیا۔ جب اس بدبخت کو معلوم ہوا تو وہ ایک کوٹھری میں چھپ گیا اور بیوی سے کہہ دیا کہ تم لاعلمی ظاہر کر دینا۔ کوتوال نے اس کے گھر کی تلاشی کا حکم دیا۔ اس کی بیوی باہر نکل آئی۔ اس سے پوچھا گیا کہ تمہارا شوہر کہاں ہے؟ چونکہ جس وقت سے خولی حضرت حسین کا سر لایا تھا وہ اس کی دشمن ہو گئی تھی اس لئے اس نے زبان سے تو کہا مجھے معلوم نہیں وہ کہاں ہے مگر ہاتھ کے اشارہ سے اس کے چھپنے کی جگہ بتا دی۔ سپاہی اس مقام پر پہنچے تو دیکھا کہ سر پر ایک ٹوکرا رکھے ہوئے زمین سے چپکا ہوا ہے۔ اس کو گرفتار کر کے لا رہے تھے کہ مختار کوفہ کی سیر کے لئے نکلا تھا راستہ میں مل گیا اس کے حکم سے خولی کے گھر والوں

---

(۱) طبری صفحہ ۸۳ ج ۲ ح ۲۔

کو بلا کر ان کے سامنے شاہراہ عام پر قتل کیا گیا پھر اسے جلایا گیا اور جب تک اس کی لاش جل کر راکھ نہیں ہو گئی مختار کھڑا رہا۔ (۱)

از مکافات عمل غافل مشو
گندم از گندم بروید جو ز جو

شمر قتل کے بعد کتوں کے حوالے کیا گیا

مسلم بن عبداللہ ضبابی کا بیان ہے کہ جب حضرت حسین کے مقابلے میں کربلا جانے والوں کو پکڑ پکڑ کر مختار قتل کرنے لگا تو ہم اور شمر ذی الجوشن تیز رفتار گھوڑوں پر بیٹھ کر کوفہ سے بھاگ نکلے۔ مختار کے غلام ذربی نے ہمارا پیچھا کیا۔ ہم نے اپنے گھوڑوں کو بہت تیزی سے دوڑایا لیکن ذربی ہمارے قریب آ گیا۔ شمر نے ہم سے کہا تم گھوڑے کو ایڑ دے کر ہم سے دور ہو جاؤ شاید یہ غلام میری تاک میں آ رہا ہے۔ ہم اپنے گھوڑے کو خوب تیزی سے بھگا کر شمر سے الگ ہو گئے۔ غلام نے پہنچتے ہی اس پر حملہ کر دیا۔ پہلے تو شمر اس کے وار سے بچنے کیلئے گھوڑے کو کاوا دیتا رہا اور جب ذربی اپنے ساتھیوں سے دور ہو گیا تو شمر نے ایک ہی وار میں اس کی کمر توڑ دی۔ جب مختار کے سامنے ذربی لایا گیا اور اس کو واقعہ معلوم ہوا تو اس نے کہا اگر یہ مجھ سے مشورہ کرتا تو میں کبھی اسے شمر پر حملہ کرنے کا حکم نہ دیتا۔

ذربی کو قتل کرنے کے بعد شمر کلتانیہ گاؤں میں پہنچا جو دریا کے کنارے واقع تھا۔ اس نے گاؤں کے ایک کسان کو بلا کر مارا پیٹا اور اسے مجبور کیا کہ میرا یہ خط مصعب بن زبیر کے پاس پہنچاؤ۔ اس خط پر یہ پتہ لکھا تھا۔ شمر ذی الجوشن کی طرف سے امیر مصعب بن زبیر کے نام" کسان اس کے خط کو لے کر روانہ ہوا۔ راستہ میں ایک بڑا گاؤں آباد تھا جہاں کوتوال ابو عمرہ چند سپاہیوں کے ہمراہ جنگی چوکی قائم کرنے کے لئے آیا ہوا تھا۔ یہ کسان اس گاؤں کے ایک

---

(۱) طبری ص ۸۱ ج ۲ ح ۲

کسان سے مل کر شمر نے جو اس کے ساتھ زیادتی کی تھی اس کو بیان کر رہا تھا کہ ایک سپاہی ان کے پاس سے گذرا اس نے شمر کے خط اور اس کے پتہ کو دیکھا پوچھا کہ شمر کہاں ہے؟ اس نے بتا دیا۔ معلوم ہوا کہ پندرہ کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے۔ ابو عمرہ فوراً اپنے سپاہیوں کو لئے ہوئے شمر کی طرف چل پڑا۔

مسلم بن عبداللہ کا بیان ہے کہ میں رات میں شمر کے ہمراہ تھا میں نے اس سے کہا بہتر ہے کہ ہم لوگ اس جگہ سے روانہ ہو جائیں اس لئے کہ ہمیں یہاں خطرہ معلوم ہوتا ہے۔ اس نے کہا میں تین دن کے پہلے یہاں سے نہیں جاؤں گا۔ اور تمہیں خوف غالباً مختار کذاب کی وجہ سے ہے تم اس سے مرعوب ہو گئے ہو ہم جہاں ٹھہرے تھے وہاں ریچھ بہت زیادہ تھے ابھی زیادہ رات نہیں گذری تھی اور مجھے برابر نیند نہیں آئی تھی کہ گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز آئی میں نے اپنے دل میں کہا ریچھ ہوں گے مگر جب آواز تیز ہو گئی تو میں اٹھ کر بیٹھ گیا اپنی آنکھوں کو ملنے لگا اور کہا یہ ریچھوں کی آواز ہرگز نہیں ہو سکتی۔ اتنے میں انھوں نے پہنچ کر تکبیر کہی اور ہماری جھونپڑیوں کو گھیرے میں لے لیا۔ ہم اپنے گھوڑے چھوڑ کر پیدل ہی بھاگے وہ لوگ شمر پر ٹوٹ پڑے۔ جو پرانی چادر اوڑھے ہوئے تھا اور اس کے برص کی سفیدی چادر کے اوپر سے نظر آ رہی تھی۔ وہ کپڑے اور زرہ وغیرہ بھی نہیں پہن سکا اسی چادر کو اوڑھے ہوئے نیزے سے ان کا مقابلہ کرنے لگا۔ ابھی ہم تھوڑی ہی دور گئے تھے کہ تکبیر کی آواز کے بعد ہم نے سنا کہ اللہ نے خبیث کو قتل کر دیا۔ پھر ان لوگوں نے اس کے سر کو کاٹ کر لاش کو کتوں کے لئے پھینک دیا۔ (۱)

ہاتھ پاؤں کاٹ کر تڑپنے کے لئے چھوڑ دیا گیا

عبداللہ بن دباس جس نے محمد بن عمار بن یاسر کو قتل کیا تھا اس نے امام عالی مقام کے قاتلین میں سے مختار کو چند آدمیوں کے نام بتا دیئے جن میں عبداللہ بن اسید جہنی۔

---

(۱) طبری ص ۵۳ ج ۲، ج ۲

مالک بن نسیر بدی اور حمل بن مالک محاربی بھی تھے یہ سب اس زمانہ میں قادسیہ میں رہتے تھے۔ مختار نے اپنے سرداروں میں سے ایک سردار مالک بن عمرو نہدی کو ان کی گرفتاری کے لئے چند سپاہیوں کے ساتھ بھیجا اس نے جاکر ان سب کو گرفتار کرلیا اور عشاء کے وقت لے کر مختار کے پاس پہنچا۔ مختار نے ان لوگوں سے کہا اے اللہ و رسول اور آل رسول کے دشمنو! حسین بن علی کہاں ہیں؟ مجھے حسین کی زیارت کراؤ ظالمو! تم نے اس مقدس ذات کو قتل کیا جن پر نمازوں میں تمہیں درود بھیجنے کا حکم دیا گیا ہے۔ انھوں نے کہا اللہ آپ پر رحم کرے ہمیں ان کے مقابلے میں زبردستی بھیجا گیا تھا ہم جانے کے لئے راضی نہیں تھے۔ آپ ہم پر احسان کریں اور چھوڑ دیں۔ مختار نے کہا تم نے نواسۂ رسول پر احسان نہیں کیا، ان پر تمہیں رحم نہیں آیا، تم نے انھیں اور ان کے بچوں کو پیاسا رکھا پانی نہیں پینے دیا اور آج ہم سے احسان طلب کرتے ہو۔ پھر بدی سے کہا تم نے حضرت امام حسین کی ٹوپی اتاری تھی؟ عبداللہ بن کامل نے کہا جی ہاں یہی وہ شخص ہے جس نے ان کی ٹوپی اتاری تھی۔ مختار نے حکم دیا دونوں ہاتھ پاؤں کاٹ کر اس کو چھوڑ دیا جائے تاکہ اسی طرح تڑپ تڑپ کر یہ مرجائے چنانچہ اس کے حکم پر عمل کیا گیا۔ بدی کے ہاتھوں اور پیروں سے خون کا دھارا بہتا رہا یہانتک کہ وہ مرگیا۔ اس کے بعد جہنی اور محاربی کو بھی قتل کرادیا۔ (۱)

حکیم برہنہ کرکے تیروں کا نشانہ بنایا گیا

حکیم بن طفیل طائی وہ بدنصیب انسان ہے کہ جس نے کربلا میں حضرت عباس علمدار کے لباس و اسلحہ پر قبضہ کیا تھا اور حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تیر مارا تھا مختار نے عبداللہ بن کامل کو اس کی گرفتاری کے لئے چند سپاہیوں کے ساتھ بھیجا وہ پکڑ کر اسے مختار کی طرف چلا۔ حکیم کے گھر والے عدی بن حاتم کے پاس فریادی ہوئے کہ آپ مختار

(۱) طبری ص ۷ ج ۲ ح ۲

سے سفارش کر کے اس کو چھڑا دیں۔ مختار عدی کی بہت قدر کیا کرتا تھا وہ سفارش کے لئے مختار کے پاس پہنچ گئے وہ عدی کے ساتھ عزت سے پیش آیا اور انھیں اپنے پاس بٹھایا۔ عدی نے اپنے آنے کی غرض بیان کی۔ مختار نے کہا اے ابو طریف! کیا آپ قاتلین حسین کے لئے بھی سفارش کرتے ہیں؟ انھوں نے کہا حکیم پر جھوٹا الزام لگایا گیا ہے۔ مختار نے کہا اچھا تو ہم اسے چھوڑ دیں گے۔

سپاہیوں کو راستہ میں معلوم ہوا کہ عدی مختار کے پاس حکیم کی سفارش کے لئے گئے ہیں انھوں نے اپنے سردار ابن کامل سے کہا کہ مختار عدی کی سفارش قبول کر لیں گے اور یہ خبیث بچ جائے گا حالانکہ آپ اس کے جرم سے بخوبی واقف ہیں۔ لہٰذا بہتر ہے کہ ہم ہی اس کو قتل کر دیں۔ ابن کامل نے انھیں اجازت دیدی۔ وہ لوگ حکیم کو ایک گھر میں لے گئے اس کی مشکیں بندھی ہوئی تھیں اسے ایک جگہ کھڑا کیا اور کہا تو نے حضرت عباس بن علی کے کپڑے اتارے تھے ہم تیری زندگی ہی میں تیرے سارے لباس اتارتے ہیں۔ چنانچہ ان لوگوں نے اسے بالکل ننگا کر دیا۔ پھر کہا تو نے حضرت حسین کو تیر مارا تھا ہم بھی تجھے تیروں کا نشانہ بناتے ہیں یہ کہہ کر انھوں نے تیروں سے مار مار کر اس کو ہلاک کر دیا۔

ابن کامل نے آکر مختار کو حکیم کے قتل کی اطلاع دی۔ مختار نے کہا میرے پاس لائے بغیر تم نے اسے کیوں قتل کر دیا؟ دیکھو یہ عدی اس کی سفارش کے لئے آئے ہیں۔ اور یہ اس بات کے اہل ہیں کہ ان کی سفارش قبول کی جائے۔ ابن کامل نے کہا آپ کے شیعے میری بات نہیں مانتے تو میں مجبور ہو گیا۔ عدی نے کہا اے دشمن خدا! تو جھوٹ بولتا ہے تو نے جانا کہ مختار میری سفارش قبول کر لیں گے اس لئے تو نے اسے راستہ ہی میں قتل کر دیا اس کے علاوہ اور تجھے کوئی خطرہ نہیں تھا۔ ابن کامل بھی عدی کو جواب میں برا بھلا کہنا چاہتا تھا مگر مختار نے انگلی اپنے منہ پر رکھ کر اسے خاموش رہنے کی ہدایت کی۔ عدی مختار سے خوش اور ابن کامل سے ناراض ہو کر چلے آئے۔ (۱)

۱؎ طبری صفحہ ۶۷ ج ۲ ح ۲

نیزوں سے چھید چھید کر مارا گیا

بنی صدا کا ایک بدبخت جس کا نام عمرو بن صبیح تھا وہ کہا کرتا تھا کہ میں نے حسین کے ساتھیوں کو تیر سے زخمی کیا ہے مگر کسی کو قتل نہیں کیا ہے سب لوگوں کے سو جانے کے بعد مختار نے اس کی گرفتاری کے لئے سپاہیوں کو روانہ کیا۔ جب وہ ابن صبیح کے مکان پر پہنچے تو وہ اپنی چھت پر بے خبر سو رہا تھا اور اس کی تلوار اس کے سرہانے رکھی تھی سپاہیوں نے اسے گرفتار کر لیا اور اس کی تلوار پر قبضہ کر لیا وہ کہنے لگا اللہ اس تلوار کا برا کرے کہ یہ مجھ سے کس قدر قریب تھی اور اب کتنی دور ہو گئی۔ سپاہیوں نے رات ہی میں اسے مختار کے سامنے پیش کیا۔ مختار نے حکم دیا کہ صبح تک اسے قید میں رکھو پھر صبح کو دربار عام کیا جب بہت سے لوگ جمع ہو گئے اور ابن صبیح ان کے سامنے لایا گیا تو نہایت دلیری سے بھرے دربار میں کہنے لگا اے گروہ کفار و فجار! اگر اس وقت میرے ہاتھ میں تلوار ہوتی تو تم کو معلوم ہو جاتا کہ میں بزدل اور کمزور نہیں ہوں اگر میں تمہارے علاوہ کسی اور کے ہاتھ سے قتل کیا جاتا تو یہ بات میرے لئے باعث مسرت ہوتی اس لئے کہ میں تم کو بدترین مخلوق سمجھتا ہوں۔ اے کاش! اس وقت میرے ہاتھ میں تلوار ہوتی تو میں تھوڑی دیر تمہارا مقابلہ کرتا۔ اس کے بعد ابن صبیح نے ابن کامل کی آنکھ پر ایک گھونسا مارا۔ ابن کامل ہنسا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر کہنے لگا کہ یہ شخص کہتا ہے کہ میں نے اہلبیت رسالت کو تیروں سے زخمی کیا ہے۔ تو اب اس کے بارے میں آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں؟ مختار نے کہا میرے نیزے لاؤ اور اسے نیزوں سے چھید چھید کر مار دو۔ چنانچہ نیزوں سے مار مار کر اسے ہلاک کیا گیا۔ (۱)

۱؎ طبری ص۳ ج ۲ ح ۲

قاتل کو زندہ جلادیا گیا

بنی جنب کا ایک شخص جس کا نام زید بن رقاد تھا اس بدبخت نے حضرت عبداللہ بن مسلم بن عقیل کو تیر مارا تھا جو ان کی پیشانی میں لگا تھا۔ انھوں نے پیشانی کو بچانے کے لئے اس پر اپنا ہاتھ رکھ لیا مگر تیر ایسا لگا کہ ہاتھ بھی پیشانی کے ساتھ پیوست ہو گیا اور جب کوشش کے باوجود ان کا ہاتھ پیشانی سے جدا نہیں ہو سکا تو انھوں نے بارگاہ الٰہی میں دعا کی یا اللہ العالمین! ہمارے دشمنوں نے جیسے ہمیں ذلیل کیا ہے تو بھی ان کو ایسے ہی ذلیل کر۔ اور جس طرح انھوں نے ہمیں قتل کیا ہے تو بھی ان کو قتل کر۔ پھر زید بن رقاد نے ان کے پیٹ میں ایک تیر مارا جس سے وہ شہید ہو گئے۔ ابن رقاد کہا کرتا تھا کہ ان کے پیٹ کا تیر تو میں نے آسانی سے نکال لیا مگر جو تیر پیشانی پر لگا کوشش کے باوجود وہ نہیں نکل سکا۔

مختار نے عبداللہ بن کامل کو اس کی گرفتاری کے لئے روانہ کیا۔ ابن کامل سپاہیوں کے ساتھ پہنچ کر اس پر ٹوٹ پڑا وہ بھی ایک بڑا بہادر آدمی تھا تلوار لے کر ان کا مقابلہ کیا۔ ابن کامل نے اپنے سپاہیوں سے کہا اسے نیزہ اور تلوار سے ہلاک نہ کرو بلکہ تیر اور پتھر سے مارو۔ سپاہیوں نے اس قدر تیر اور پتھر مارا کہ وہ گر گیا۔ ابن کامل نے کہا دیکھو اگر جان باقی ہو تو اسے باہر لاؤ۔ چونکہ ابھی جان باقی تھی تو اسے باہر نکالا گیا۔ ابن کامل نے آگ منگا کر اسے زندہ جلا دیا۔ (۱)

ابن زیاد بدنہاد کا عبرتناک انجام

عبیداللہ بن زیاد وہ بدنہاد انسان ہے جو یزید کی طرف سے کوفہ کا گورنر مقرر کیا گیا تھا۔ اسی بدبخت کے حکم سے حضرت امام اور آپ کے اہلبیت کو تمام ایذائیں پہنچائی گئیں یہی

(۱) طبری ص۸۵ ج ۲ ح ۲

ابن زیاد موصل میں تیس ہزار فوج کے ساتھ اترا۔ مختار نے ابراہیم بن مالک اشتر کو اس کے مقابلہ کے لئے ایک فوج کو دے کر بھیجا۔ موصل سے تقریباً پچیس ۲۵ کلو میٹر کے فاصلہ پر دریائے فرات کے کنارے دونوں لشکروں میں مقابلہ ہوا اور صبح سے شام تک خوب جنگ رہی جب دن ختم ہونے والا تھا اور آفتاب قریب غروب تھا اس وقت ابراہیم کی فوج غالب آئی۔ ابن زیاد کو شکست ہوئی اور اس کے ہمراہی بھاگے۔ ابراہیم نے حکم دیا کہ فوج مخالف میں سے جو ہاتھ آئے اس کو زندہ نہ چھوڑا جائے۔ چنانچہ بہت سے ہلاک کئے گئے۔ اسی ہنگامہ میں ابن زیاد بھی فرات کے کنارے محرم کی دسویں تاریخ ۶۷ھ میں مارا گیا اور اس کا سر کاٹ کر ابراہیم کے پاس بھیجا گیا۔ ابراہیم نے مختار کے پاس کوفہ میں بھجوایا۔ مختار نے دارالامارت کوفہ کو آراستہ کیا اور اہل کوفہ کو جمع کر کے ابن زیاد کا سر ناپاک اسی جگہ رکھوایا جس جگہ اس مغرور حکومت و بندۂ دنیا نے حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سر مبارک رکھا تھا مختار نے اہل کوفہ کو خطاب کر کے کہا اے اہل کوفہ! دیکھ لو کہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خون ناحق نے ابن زیاد کو نہ چھوڑا۔ آج اس نامراد کا سر اس ذلت و رسوائی کے ساتھ یہاں رکھا ہوا ہے۔ چھ سال ہوئے ہیں وہی تاریخ ہے وہی جگہ ہے۔ خداوند عالم نے اس مغرور فرعون خصال کو ایسی ذلت و رسوائی کے ساتھ ہلاک کیا۔ اسی کوفہ اور اسی دارالامارت میں اس بے دین کے قتل و ہلاک پر جشن منایا جا رہا ہے۔ (۱)

ترمذی شریف کی حدیث میں ہے کہ جس وقت ابن زیاد اور اس کے سرداروں کے سر مختار کے سامنے لا کر رکھے گئے تو ایک بڑا سانپ نمودار ہوا اس کی ہیبت سے لوگ ڈر گئے وہ تمام سروں میں پھرا جب عبید اللہ بن زیاد کے سر کے پاس پہنچا تو اس کے نتھنے میں گھس گیا اور تھوڑی دیر ٹھہر کر اس کے منھ سے نکلا اس طرح تین بار سانپ اس کے سر کے اندر داخل ہوا اور غائب ہو گیا۔ (۲)

---

(۱) سوانح کربلا ص۱۵۱ (۲) نور الابصار ص۲۲۴

ظلم کی ٹہنی کبھی پھلتی نہیں
ناؤ کاغذ کی کبھی چلتی نہیں

مختار کا دعویٰ نبوت

مختار نے حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قاتلین کے بارے میں بڑا شاندار کارنامہ انجام دیا لیکن آخر میں وہ دعویٰ نبوت کر کے مرتد ہو گیا (العیاذ باللہ تعالیٰ) کہنے لگا کہ میرے پاس جبریل امین آتا ہے اور مجھ پر خدائے تعالیٰ کی طرف سے وحی لاتا ہے میں بطور نبی مبعوث ہوا ہوں۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب اس کے دعویٰ نبوت کی خبر ملی تو آپ نے اس کی سرکوبی کے لئے لشکر روانہ فرمایا جو مختار پر غالب ہوا اور ماہ رمضان ۶۷ھ میں اس بدبخت کو قتل کیا۔ (۱)

قاتلین امام حسین پر طرح طرح کے عذاب

جو لوگ کہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقابلے میں کربلا گئے اور ان کے قتل میں شریک ہوئے ان میں سے تقریباً چھ ہزار کوفی تو مختار کے ہاتھوں ہلاک ہوئے اور دوسرے لوگ طرح طرح کے عذاب میں مبتلا ہوئے۔ علمائے کرام فرماتے ہیں کہ ان میں سے کوئی نہیں بچا کہ جو آخرت کے عذاب سے پہلے اس دنیا میں سزا نہ پائی ہو ان میں سے کچھ تو بری طرح قتل کئے گئے کچھ اندھے اور کوڑھی ہوئے اور کچھ لوگ سخت قسم کی آفتوں میں مبتلا ہو کر ہلاک ہوئے۔

حضرت ابوالشیخ فرماتے ہیں کہ ایک مجلس میں کچھ لوگ بیٹھے ہوئے آپس میں یہ باتیں کر رہے تھے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل میں جس نے بھی کسی طرح کی کوئی مدد کی وہ مرنے سے پہلے کسی نہ کسی عذاب میں ضرور مبتلا ہوا۔ ایک بڈھا جو اسی

---

(۱) تاریخ الخلفاء ص ۱۴۶

مجلس میں تھا اس نے کہا میں نے بھی تو مدد کی تھی مگر میں کسی عذاب میں نہیں بتلا ہوا۔ اتنا کہنے کے بعد وہ چراغ درست کرنے کے لئے کھڑا ہوا تو اس کی آگ نے بڈھے کو پکڑ لیا اس کا پورا بدن جلنے لگا وہ آگ آگ چلاتا رہا یہاں تک کہ دریائے فرات میں کود پڑا مگر آگ بجھی نہیں اور وہ اسی میں جل کر ہلاک ہو گیا ــــ اسی قسم کا ایک واقعہ امام سدی سے بھی منقول ہے انھوں نے فرمایا وَاللّٰہِ اَنَا رَأَیْتُہٗ کَاَنَّہٗ حُمَمَۃٌ خدا کی قسم میں نے اس کو دیکھا وہ اس طرح جل رہا تھا جیسے کوئلہ۔ (۱)

اور امام واقدی سے روایت ہے کہ ایک شخص جو لشکر یزید کے ساتھ تھا مگر اس نے کسی کو قتل نہیں کیا تھا واقعۂ کربلا کے بعد وہ اندھا ہو گیا۔ اس سے اس کا سبب دریافت کیا گیا۔ اس نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ وہ آستین مبارک چڑھائے ہوئے اور ہاتھ میں ننگی تلوار لئے ہوئے کھڑے ہیں۔ حضور کے سامنے ایک چمڑا بچھا ہوا ہے اور دس قاتلین حسین ذبح کئے ہوئے پڑے ہیں جب آپ کی نگاہ مجھ پر پڑی تو بہت لعنت ملامت کی اور خون میں ڈبا کر ایک سلائی میری آنکھوں میں پھیر دی اسی وقت سے میں اندھا ہو گیا۔ (۲)

اور حضرت علامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ یزید کے لشکر کا وہ سپاہی کہ جس نے حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سر مبارک کو اپنے گھوڑے کی گردن میں لٹکایا تھا کچھ دنوں کے بعد لوگوں نے دیکھا کہ اس کا چہرہ بہت زیادہ کالا ہو گیا ہے تو اس سے پوچھا کہ تیرا چہرہ تو بہت زیادہ خوبصورت تھا پھر اتنا زیادہ کالا کیسے ہو گیا؟ اس نے کہا جس روز میں نے حضرت حسین کے سر کو اپنے گھوڑے کی گردن میں لٹکایا اسی روز سے ہر رات کو دو آدمی میرے پاس آتے ہیں اور مجھے پکڑ کر ایسی جگہ پر لے جاتے ہیں کہ جہاں بہت سی آگ ہوتی ہے مجھے منھ کے بل اس آگ میں ڈال کر نکالتے ہیں۔ اس وجہ سے میرا منھ اتنا زیادہ کالا ہو گیا ہے۔ راوی کا بیان ہے کہ وہ شخص بہت بری موت مرا۔ (۳)

---

(۱) صواعق محرقہ ص ۱۲۰ (۲) ایضاً ص ۱۲۰ (۳) ایضاً ص ۱۲

منہ سور جیسا ہوگیا

علامہ بارزی حضرت منصور سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے ملک شام میں ایک ایسے شخص کو دیکھا کہ جس کا منہ سور جیسا تھا انھوں نے اس سے اس کی وجہ دریافت کی تو اس نے بتایا کہ وہ روزانہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ایک ہزار مرتبہ اور جمعہ کے دن چار ہزار مرتبہ ان پر اور ان کی اولاد پر لعنت بھیجا کرتا تھا تو ایک رات اس نے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا اور اس نے لمبا خواب بیان کیا۔ اس میں ایک بات یہ بھی تھی کہ حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے لعنت بھیجنے کی حضور کی خدمت میں شکایت کی تو آپ نے اس پر لعنت فرمائی اور اس کے منہ پر تھوک دیا تو اس کا منہ سور (سریہ) جیسا ہوگیا اور وہ لوگوں کے لئے نصیحت بن گیا۔ (۱)

گر خدا خواہد کہ پردہ کس درد
میلش اندر طعنۂ نیکاں برد

اور علامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نقل فرماتے ہیں کہ ایک بڈھے نے بیان کیا کہ میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ کے سامنے ایک طشت رکھا ہوا ہے جو خون سے بھرا ہے لوگ آپ کے سامنے لائے جا رہے ہیں اور آپ اس خون سے ان کی آنکھوں میں لگا رہے ہیں یہاں تک کہ میں بھی حاضر کیا گیا تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں ان کے مقابلے میں نہیں گیا تھا۔ حضور نے فرمایا تو اس کی تمنا تو رکھتا تھا پھر آپ نے اپنی [illegible] انگلی سے اشارہ فرمایا تو اس وقت سے میں اندھا ہوگیا۔ (۲)

اور مروی ہے وہ بدبخت جس نے کہ حضرت علی اصغر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حلق میں تیر مارا تھا وہ اس مصیبت میں گرفتار ہوا کہ اس کے پیٹ کی طرف ایسی سخت گرمی پیدا ہوئی کہ گویا آگ لگی ہے اور پیٹھ کی طرف ایسی سردی کہ خدا کی پناہ۔ اس حالت میں اس کے پیٹ پر پانی چھڑکتے، برف رکھتے اور پنکھا جھلتے مگر ٹھنڈک پیدا نہ ہوتی اور پیٹھ کی طرف آگ جلا کر گرمی پہنچانے کی کوشش کرتے مگر کچھ فائدہ نہ ہوتا اور وہ پیاس پیاس چلاتا تو اس کے لئے

---

(۱) صواعق محرقہ ص ۱۲۰ (۲) ایضاً ص ۱۲۰

ستو، پانی اور دودھ لایا جاتا لیکن پانچ گھڑا بھی اس کو پلایا جاتا تو وہ پی لیتا اور پھر بھی پیاس پیاس چلاتا ہی رہتا یہاں تک کہ اسی طرح پیتے پیتے اس کا پیٹ پھٹ گیا۔ (۱)

اور حضرت علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ محاضرات و محاورات میں تحریر فرماتے ہیں کہ کوفہ میں چیچک کی بیماری ایک سال ایسی ہوئی کہ جو لوگ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قتل کرنے کے لئے گئے تھے ڈیڑھ ہزار اولاد ان کی چیچک سے اندھی ہوگئی۔ (۲)

• حاکم حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ اَوْحَی اللّٰهُ اِلٰی مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنِّیْ قَتَلْتُ بِیَحْیَ بْنِ زَکَرِیَّا سَبْعِیْنَ اَلْفًا وَ اِنِّیْ قَاتِلٌ بِابْنِ بِنْتِكَ سَبْعِیْنَ اَلْفًا وَ سَبْعِیْنَ اَلْفًا۔ یعنی خدائے تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس وحی بھیجی کہ میں نے یحییٰ بن زکریا کے عوض ستر ہزار کو مارا۔ اور اے محبوب تمہارے نواسے کے عوض ستر ہزار اور ستر ہزار یعنی ایک لاکھ چالیس ہزار کو ماروں گا۔ (۳)

چنانچہ بہت سے لوگوں کو مختار کے ہاتھوں مارا اور بے شمار لوگوں کو طرح طرح کی مصیبتوں اور آفتوں سے ہلاک کیا اور پھر کئی ہزار عباسی سلطنت کے بانی عبد اللہ سفاح کے ہاتھوں مارے گئے اس طرح وعدۂ الٰہی پورا ہوا اور کل ایک لاکھ چالیس ہزار مارے گئے۔

ایک اعتراض اور اس کا جواب

امام عالی مقام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقابلے میں صرف بائیس ہزار کا لشکر میدان کربلا گیا تھا تو ایک لاکھ چالیس ہزار کیوں مارے گئے اتنے لوگوں نے کیا گناہ کیا تھا۔

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ جو لوگ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل میں شریک ہوئے ان کے مجرم ہونے کے ساتھ وہ لوگ بھی مجرم ہوئے جو قتل حسین پر راضی تھے۔ لہٰذا قاتلین حسین کے ساتھ وہ مارے گئے اگرچہ ان کے ہمراہ کربلا نہیں گئے تھے۔

---

(۱) صواعق محرقہ صفحہ ۱۲۱ (۲) نور الابصار صفحہ ۱۲۴ (۳) خصائص کبریٰ صفحہ ۱۲۶ ج ۲ ماثبت بالسنۃ صفحہ ۱۹

ابوداؤد شریف کی حدیث ہے کہ سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اِذَا عُمِلَتِ الْخَطِیْئَۃُ فِی الْاَرْضِ مَنْ شَہِدَھَا فَکَرِھَھَا کَانَ کَمَنْ غَابَ عَنْھَا وَمَنْ غَابَ عَنْھَا فَرَضِیَھَا کَانَ کَمَنْ شَہِدَھَا یعنی جب کسی جگہ کوئی گناہ کیا جائے تو جو شخص وہاں حاضر ہو مگر اسے بُرا سمجھتا ہو تو وہ اس آدمی کے مثل ہے جو وہاں موجود نہیں۔ اور جو شخص وہاں موجود نہ ہو لیکن اس پر راضی ہو تو وہ اس آدمی کے مثل ہے جو وہاں موجود ہو۔(۱)

مجالسِ محرم کے فائدے

مجالس محرم سے کئی فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ اول یہ کہ حدیث شریف میں ہے عِنْدَ ذِکْرِ الصَّالِحِیْنَ تَنَزَّلُ الرَّحْمَۃُ صالحین کے ذکر کے وقت رحمت الٰہی کا نزول ہوتا ہے اور خلفائے راشدین وامامین کریمین حضرات حسن وحسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم تو صالحین کے امام وپیشوا ہیں ان کے ذکر کے وقت تو کثیر رحمتیں نازل ہوں گی جن سے ان مجلسوں میں شرکت کرنے والے خاص طور پر فیضیاب ہوتے ہیں ــــــ اور دوسرا فائدہ یہ ہے کہ ان کے ذکر کو سنکر اللہ کے محبوب سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت اور ان کی اطاعت وفرمانبرداری کا جذبہ پیدا ہوتا ہے ــــــ اور تیسرا فائدہ یہ ہے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تذکرہ دین ومذہب کی حرمت قائم رکھنے کے لئے میدان میں نکلنا اور اعلائے کلمۃ الحق کرنا، طرح طرح کی مصیبتوں کو برداشت کرنا اور صبر وتحمل کا دامن نہ چھوڑنا۔ تین دن کا بھوکا پیاسا رہنا اور چھوٹے چھوٹے بچوں کے رونے بلکنے کے باوجود حق کی حمایت کرنا اور باطل کے سامنے نہ جھکنا۔ عزیزوں کی لاشیں خاک وخون میں تڑپتی ہوئی دیکھ کر بھی حرف شکایت زبان پر نہ لانا۔ ہر حال میں راضی برضائے الٰہی رہنا اور مقام صدق وصفا میں ثابت قائم رہنا۔ ان باتوں کے سننے سے دل میں امام عالی مقام کی عظمت ومحبت پیدا ہوتی ہے اور دین ومذہب کی عزت وحرمت باقی رکھنے کے لئے جان ومال کی قربانی دینے

---

(۱) مشکوٰۃ شریف ص ۴۳۶

کا جذبہ پیدا ہوتا ہے ـــــ اور چوتھا فائدہ یہ ہے کہ دنیا کے لئے کوفیوں کا اپنی عاقبت برباد کرنا، اہل بیت رسالت کی توہین کرنا، ان کو ستانا اور ایذا پہنچانا۔ پھر طرح طرح کی آفتوں اور مصیبتوں میں مبتلا ہونا اور قتل حسین کے عوض ایک لاکھ چالیس ہزار کا مارا جانا۔ ان باتوں کے سننے سے عبرت و نصیحت حاصل ہوتی ہے اور اللہ والوں کی شان میں گستاخی و بے ادبی کرنے سے بچنے کی توفیق ہوتی ہے ـــــ اور پانچواں فائدہ یہ بھی ہے عشرۂ محرم میں امام سے جھوٹی محبت کا دعویٰ رکھنے والوں نے جو طرح طرح کے خرافات اور ناجائز باتیں رائج کر رکھی ہیں مجلسوں کی برکت سے لوگ ان میں شامل ہونے سے بچ جاتے ہیں۔

دعا ہے کہ خدائے عزوجل ہمیں اور آپ کو اسی طرح ہر سال مجالس محرم منعقد کرنے بزرگوں کا ذکر جمیل سننے سنانے اور ان سے عبرت و نصیحت حاصل کرنے کی توفیق رفیق بخشے اور اللہ کے محبوب بندوں کو ستانے اور ان کی شان میں گستاخی و بے ادبی کرنے سے محفوظ رکھے اور قیامت کے دن نبیین، صدیقین، شہدا اور صالحین کے دامن کرم کے سائے میں ہم لوگوں کا حشر فرمائے۔ آمین بحرمۃ النبی الکریم الامین علیہ و علی آلہٖ افضل الصلوات واکمل التسلیم۔

فَضَائِلِ عَاشُورَہ

عاشورہ یعنی محرم کی دسویں تاریخ بڑی عظمت و بزرگی والی اور فضل و شرف والی ہے اس لئے کہ بہت سے اہم واقعات اس تاریخ سے متعلق ہیں حضرت شیخ عبدالرحمٰن صفوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی مشہور کتاب نزہۃ المجالس میں تحریر فرماتے ہیں کہ اسی روز آسمان و زمین اور قلم کی تخلیق ہوئی حضرت آدم و حوا علیٰ نبینا و علیہما الصلوٰۃ والسلام پیدا ہوئے اور آدم علیہ السلام کی توبہ قبول ہوئی حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی جودی پہاڑ پر لگی حضرت ابراہیم علیہ السلام مرتبہ خلت سے سرفراز کئے گئے چالیس سال بعد حضرت یعقوب

علیہ السلام سے حضرت یوسف علیہ السلام ملے حضرت ادریس علیہ السلام آسمان پر اٹھائے گئے حضرت ایوب علیہ السلام صحتیاب ہوئے۔ حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ سے نکلے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی توبہ قبول ہوئی، حضرت سلیمان علیہ السلام کو سلطنت عطا ہوئی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر اٹھائے گئے۔ ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا عقد حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہوا اور اسی روز قیامت بھی قائم ہوگی۔ (۱)

ثابت ہوا کہ محرم کی دسویں تاریخ خدائے تعالیٰ کے نزدیک بڑی عظمت و فضیلت والی ہے اسی لئے اس نے اپنے پیارے حبیب جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے محبوب نواسے کی شہادت کے لئے بھی اسی تاریخ کو منتخب فرمایا۔

عاشورہ کے اعمال

عاشورہ کے دن روزہ رکھنا سنت ہے اور بہت فضیلت رکھتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو یہودیوں کو دیکھا کہ وہ عاشورہ کے دن روزہ رکھتے ہیں آپ نے ان سے فرمایا یہ کیسا دن ہے کہ جس میں تم لوگ روزہ رکھتے ہو؟ انھوں نے کہا یہ وہ عظمت والا دن ہے جس میں اللہ نے موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو نجات دی اور فرعون کو اس کی قوم کے ساتھ ڈبو دیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے شکریہ میں روزہ رکھا۔ ہم بھی رکھتے ہیں۔ تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہم موسیٰ علیہ السلام کے تم سے زیادہ حقدار ہیں۔ تو عاشورہ کا روزہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھی رکھا اور اس روزہ کا حکم بھی فرمایا۔ (۲)

اور حضرت ابو قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ صِيَامُ يَوْمِ عَاشُوْرَاءَ اَحْتَسِبُ عَلَى اللّٰهِ اَنْ يُّكَفِّرَ السَّنَةَ الَّتِيْ قَبْلَهٗ. مجھے اللہ سے امید ہے کہ وہ عاشورہ کے روزہ کو پچھلے سال بھر کے گناہ کا کفارہ بنا دے۔ (۳)

---

(۱) نزہۃ المجالس صفحہ ۱۸۱ ج ۱ (۲) بخاری صفحہ ۲۶۸ ج ۱ مسلم صفحہ ۳۵۹ ج ۱ (۳) مسلم مشکوٰۃ صفحہ ۱۷۹

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عاشورہ کے دن کا روزہ رکھا اور اس کے روزہ کا حکم فرمایا تو صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ وہ دن ہے کہ جس کی یہود اور عیسائی تعظیم کرتے ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ لَئِنْ بَقِيْتُ اِلٰى قَابِلٍ لَاَصُوْمَنَّ التَّاسِعَ۔ اگر میں سال آئندہ دنیا میں باقی رہا تو نویں محرم کا بھی روزہ رکھوں گا (۱) اسی لئے فقہائے کرام فرماتے ہیں سنت یہ ہے کہ محرم کی نویں اور دسویں دونوں تاریخ کو روزہ رکھے۔

اور سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔ مَنْ صَلّٰى يَوْمَ عَاشُوْرَاءَ اَرْبَعَ رَكْعَاتٍ يَقْرَأُ فِيْ كُلِّ رَكْعَةٍ فَاتِحَةَ الْكِتَابِ وَقُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اِحْدٰى عَشَرَةَ مَرَّةً غَفَرَ اللّٰهُ لَهٗ ذُنُوْبَ خَمْسِيْنَ عَامًا وَبُنِيَ لَهٗ مِنْبَرًا مِّنْ نُّوْرٍ۔ یعنی جو شخص عاشورے کے دن چار رکعتیں اس طرح پڑھے کہ ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پوری سورہ گیارہ مرتبہ پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس کے پچاس برس کے گناہ معاف فرمادے گا اور اس کے لئے نور کا منبر بنائے گا۔ (۲)

اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔ مَنْ وَسَّعَ عَلٰى عِيَالِهٖ يَوْمَ عَاشُوْرَاءَ لَمْ يَزَلْ فِيْ سِعَةٍ سَائِرَ سَنَتِهٖ۔ جو شخص عاشورے کے دن اپنے گھر والوں پر کھانے پینے میں کشادگی کرے گا۔ سال بھر تک برابر کشادگی میں رہے گا۔ (۳)

حور اور حلہ بہشتی

حضرت شیخ عبد الرحمٰن صفوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ مصر میں ایک شخص رہتا تھا جس کے پاس صرف ایک کپڑا تھا جو اس کے بدن پر تھا اس نے عاشورے کے دن حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مسجد میں فجر کی نماز پڑھی۔ وہاں کا دستور یہ تھا کہ عورتیں عاشورے کے دن اس مسجد میں دعا کے لئے جایا کرتی تھیں ایک عورت نے اس شخص سے کہا اللہ کے نام پر مجھے کچھ

---

(۱) مسلم۔ مشکوٰۃ ص ۱۷۹ (۲) نزہۃ المجالس ص ۱۸۱ ج ۱ (۳) ماثبت بالسنۃ ص ۱۰

میرے بال بچوں کے لئے دیجئے۔ اس شخص نے کہا اچھا میرے ساتھ چلو۔ گھر پہنچ کر اس نے اپنے بدن سے کپڑا اتارا اور دروازے کی دراز سے اس عورت کو دیدیا۔ عورت نے دعا دی اَلْبَسَكَ اللّٰهُ مِنْ حُلَلِ الْجَنَّةِ خدائے تعالیٰ تمہیں جنت کے حُلے پہنائے۔

اس شخص نے اسی رات ایک نہایت خوبصورت حور دیکھی جس کے ہاتھ میں ایک عمدہ خوشبودار سیب تھا حور نے اس سیب کو توڑا تو اس میں سے ایک حُلہ نکلا اس شخص نے حور سے پوچھا کہ تو کون ہے؟ اس نے کہا میں تیری جنت کی بیوی عاشوزہ ہوں پھر وہ شخص نیند سے بیدار ہوگیا اور سارے گھر کو خوشبو سے مہکتا ہوا پایا۔ وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھی اور بارگاہ الٰہی میں دعا کی۔ اَللّٰهُمَّ اِنْ كَانَتْ زَوْجَتِیْ حَقًّا فِی الْجَنَّةِ فَاقْبِضْنِیْ اِلَیْكَ یا الٰہ العالمین! اگر واقعی وہ جنت میں میری بیوی ہے تو میری روح کو قبض کرلے اور مجھے اس کے پاس پہنچادے۔ خدائے تعالیٰ نے اس کی دعا قبول فرمائی اور وہ اسی وقت مرگیا۔ (۱)

امام عالی مقام کی نذر و نیاز کرنا، سبیل لگانا، ان کے لئے کھچڑا پکانا اور شربت وغیرہ پلانا باعث ثواب و برکت ہے

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ وہ سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! میری ماں کا انتقال ہوگیا ہے تو ان کے لئے کونسا صدقہ افضل ہے؟ قَالَ الْمَاءُ فَحَفَرَ بِئْرًا وَقَالَ هٰذِهٖ لِاُمِّ سَعْدٍ۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا پانی (بہترین صدقہ ہے تو حضور کے ارشاد کے مطابق) حضرت سعد نے کنواں کھدوایا اور (اپنی ماں کی طرف منسوب کرتے ہوئے) کہا یہ کنواں سعد کی ماں کے لئے ہے (یعنی اس کا ثواب ان کی روح کو ملے۔) (۲)

---

(۱) نزہۃ المجالس صفحہ ۱۸۲ ج ۱ (۲) مشکوٰۃ صفحہ ۱۶۹

اس حدیث شریف سے واضح طور پر ثابت ہوا کہ حضرت امام حسین اور دیگر شہدائے کربلا رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو ثواب پہنچانے کی غرض سے سبیل لگانا اور کھچڑا وغیرہ پکانا پھر یہ کہنا کہ یہ کھچڑا اور سبیل امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہے شرعاً کوئی قباحت نہیں جیسا کہ جلیل القدر صحابی حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کنواں کھدوانے کے بعد فرمایا یہ کنواں سعد کی ماں کے لئے ہے۔

اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں۔ جو کھانا کہ حضرات حسنین کریمین کو نیاز کریں۔ اس پر فاتحہ، قل اور درود شریف پڑھنے سے تبرک ہو جاتا ہے اور اس کا کھانا بہت اچھا ہے۔ (۱)

اور ارشاد فرماتے ہیں اگر مالیدہ اور چاولوں کی کھیر کسی بزرگ کے فاتحہ کے لئے ایصال ثواب کی نیت سے پکا کر کھلائے تو کوئی مضائقہ نہیں جائز ہے۔ (۲)

پھر چند سطر بعد فرماتے ہیں۔ اگر فاتحہ کسی بزرگ کے نام کیا گیا تو مالداروں کو بھی اس میں سے کھانا جائز ہے۔ (۲)

البتہ تعزیہ کا چڑھا ہوا کھانا اور مٹھائی وغیرہ نہیں کھانی چاہئے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں۔

حضرت امام کے نام کی نیاز کھانی چاہئے اور تعزیہ کا چڑھا ہوا کھانا نہ چاہئے۔ پھر دو سطر بعد تحریر فرماتے ہیں، تعزیہ پر چڑھانے سے حضرت امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نیاز نہیں ہو جاتی اور اگر نیاز دے کر چڑھائیں یا چڑھا کر نیاز دلائیں تو اس کے کھانے سے احتراز چاہئے۔ (۳)

---

(۱) فتاوی عزیزیہ ص۷۰ ج ۱ (۲) ایضاً ص۷۰ (۳) رسالہ تعزیہ داری ص۷

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی علیہ الرحمۃ والرضوان

تعزیہ داری در عشرۂ محرم و ساختن
ضرائح و صورت وغیرہ درست نیست۔ (۱)

عشرۂ محرم میں تعزیہ داری اور قبر و
صورت وغیرہ بنانا جائز نہیں ہے۔

پھر چند سطر کے بعد تحریر فرماتے ہیں۔

تعزیہ داری کہ ہمچو مبتدعاں می کنند
بدعت ست و ہمچنیں ساختن ضرائح و صورت
قبور و علم وغیرہ ایں ہم بدعت ست و ظاہر
ست کہ بدعت سیئہ است (۲)

تعزیہ داری جیسا کہ بدمذہب کرتے ہیں
بدعت ہے۔ اور ایسے ہی تابوت، قبروں کی
صورت اور علم وغیرہ یہ بھی بدعت ہے اور
ظاہر ہے کہ بدعت سیئہ ہے۔

اور تحریر فرماتے ہیں۔

ایں چوبہا کہ ساختہ اوست قابل
زیارت نیستند بلکہ قابل ازالہ اند چنانچہ در
حدیث شریف آمدہ من رای منکم
منکرا فلیغیرہ بیدہ فان
لم یستطع فبلسانہ فان
لم یستطع فبقلبہ وذالک
اضعف الایمان رواہ مسلم
(۳)

یہ تعزیہ جو کہ بنایا جاتا ہے زیارت کے
قابل نہیں ہے بلکہ اس قابل ہے کہ اسے
نیست و نابود کیا جائے جیسا کہ حدیث شریف
میں آیا ہے کہ تم میں سے جو شخص کوئی بات
خلاف شرع دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ سے ختم
کرے اور اگر ہاتھ سے ختم کرنے کی قدرت نہ
ہو تو زبان سے منع کرے اور اگر زبان سے
بھی منع کرنے کی قدرت نہ ہو تو دل سے برا

(۱) فتاویٰ عزیزیہ ص۷۵ ج ۱ (۲) ایضاً ص۷۵ ج ۱ (۳) ایضاً ص۷۶ ج ۱

جانے اور یہ سب سے کمزور ایمان ہے۔

کسی طرح تعزیہ داری کی مدد کرنا کیسا ہے؟ اس سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں

این ہم جائز نیست چراکہ اعانت — یہ بھی جائز نہیں ہے اس لئے کہ گناہ

برمعصیت می شود و اعانت برمعصیت غیر جائز (۱) — پر مدد ہے اور گناہ پر مدد نا جائز ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان

تعزیہ کی اصل اس قدر تھی کہ روضۂ پرنور حضور شہزادۂ گلگوں قبا حسین شہید ظلم و جفا صلوات اللہ تعالیٰ و سلامہ علیٰ جدہ الکریم وعلیہ کی صحیح نقل بنا کر بنیت تبرک مکان میں رکھنا۔ اس میں شرعاً کوئی حرج نہ تھا کہ تصویر مکانات وغیرہا ہر غیر جاندار کی بنا کر رکھنا سب جائز اور ایسی چیزیں کہ معظمان دین کی طرف منسوب ہو کر عظمت پیدا کریں ان کی تمثال بنیت تبرک پاس رکھنا قطعاً جائز جیسے صدہا سال سے طبقۃً فطبقۃً ائمہ دین و علمائے معتمدین نعلین شریفین حضور سید الکونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نقشے بناتے اور ان کے فوائد جلیلہ و منافع جزیلہ میں مستقل رسالے تصنیف فرماتے ہیں۔ اشتباہ ہو امام علامہ تلمسانی کی فتح المتعال وغیرہ مطالعہ کرے۔ مگر جہال بے خرد نے اس اصل جائز کو بالکل نیست و نابود کر کے صدہا خرافات تراشیں کہ شریعت مطہرہ سے الاماں الاماں کی صدائیں آئیں۔ اول تو نفس تعزیہ میں روضۂ مبارک کی نقل ملحوظ نہ رہی ہر جگہ نئی تراش نئی گڑھت جسے اس نقل سے کچھ علاقہ نہ نسبت۔ پھر کسی میں پریاں کسی میں براق کسی میں اور بیہودہ طمطراق پھر کوچہ بکوچہ و دست بدست اشاعت غم کے لئے ان کا گشت اور ان کے گرد سینہ زنی اور ماتم سازی کی شور افگنی کوئی ان تصویروں کو جھک جھک کر سلام کر رہا ہے۔ کوئی مشغول طواف، کوئی سجدہ میں گرا ہے۔ کوئی ان مایۂ بدعات کو معاذ اللہ جلوہ گاہ حضرت امام علیٰ جدہ وعلیہ الصلوٰۃ والسلام سمجھ کر

(۱) فتاویٰ عزیزیہ ص۷ ج ۱

اس ابرک پنی سے مرادیں مانگنا منتیں ماننا ہے، حاجت روا جانتا ہے۔ پھر باقی تماشے باجے تاشے مردوں، عورتوں کا راتوں کو میل اور طرح طرح کے بیہودہ کھیل ان سب پر طرہ ہیں۔

غرض عشرۂ محرم الحرام کہ اگلی شریعتوں سے اس شریعت پاک تک نہایت بابرکت ومحل عبادت ٹھہرا ہوا تھا ان بیہودہ رسومات نے جاہلانہ اور فاسقانہ میلوں کا زمانہ کر دیا۔ پھر وبال ابتداع کا وہ جوش ہوا کہ خیرات کو بھی بطور خیرات نہ رکھا ریا وتفاخر علانیہ ہوتا ہے پھر وہ بھی یہ نہیں کہ سیدھی طرح محتاجوں کو دیں بلکہ چھتوں پر بیٹھ کر پھینکیں گے۔ روٹیاں زمین پر گر رہی ہیں رزق الٰہی کی بے ادبی ہوتی ہے۔ پیسے ریتے میں گر کر غائب ہوتے ہیں مال کی اضاعت ہو رہی ہے مگر نام تو ہو گیا کہ فلاں صاحب لنگر لٹا رہے ہیں۔

اب بہار عشرہ کے پھول کھلے، تاشے باجے بجتے چلے، طرح طرح کے کھیلوں کی دھوم بازاری عورتوں کا ہر طرف ہجوم، شہوانی میلوں کی پوری رسوم، جشن یہ کچھ اور اس کے ساتھ خیال وہ کچھ کہ گویا یہ ساختہ تصویریں بعینہا حضرات شہداء رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کے جنازے ہیں۔ کچھ نوچ اتار باقی توڑ تاڑ کر دفن کر دئے یہ ہر سال اضاعت مال کے جرم ووبال جداگانہ رہے۔ اللہ تعالیٰ صدقہ حضرات شہدائے کربلا علیہم الرضوان والثناء کا ہمارے بھائیوں کو نیکیوں کی توفیق بخشے اور بری باتوں سے توبہ عطا فرمائے۔ آمین۔

اب کہ تعزیہ داری اس طریقۂ نامرضیہ کا نام ہے قطعاً بدعت وناجائز وحرام ہے ہاں اگر اہل اسلام جائز طور پر حضرات شہدائے کرام علیہم الرضوان کی ارواح طیبہ کو ایصال ثواب کی سعادت پر انحصار کرتے تو کس قدر خوب ومحبوب تھا اور اگر نظر شوق ومحبت میں نقل روضۂ انور کی بھی حاجت تھی تو اسی قدر جائز پر قناعت کرتے کہ صحیح نقل بغرض تبرک وزیارت اپنے مکانوں میں رکھتے اور اشاعت غم وتصنع الم ونوحہ زنی وماتم کنی ودیگر امور شنیعہ وبدعات قطعیہ سے بچتے اس قدر میں بھی کوئی حرج نہ تھا۔ مگر اب اس نقل میں بھی اہل بدعت سے ایک مشابہت اور تعزیہ داری کی تہمت کا خدشہ اور آئندہ اپنی اولاد یا اہل اعتقاد کے لئے ابتلائے

بدعات کا اندیشہ ہے اور حدیث میں آیا اتقوا مواضع التھم اور وارد ہوا من کان یؤمن باللہ والیوم الآخر فلا یقفن مواقف التھم۔

لہٰذا روضۂ اقدس حضور سید الشہداء کی ایسی تصویر بھی نہ بنائے بلکہ صرف کاغذ کے صحیح نقشے پر قناعت کرے اور اسے بقصد تبرک بے آمیزش منہیات اپنے پاس رکھے۔ جس طرح حرمین محترمین سے کعبۂ معظمہ اور روضۂ عالیہ کے نقشے آتے ہیں۔ یا دلائل الخیرات شریف میں قبور پرنور کے نقشے لکھے ہیں۔ والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ۔ واللہ تعالیٰ وسبحانہ اعلم (۱)

اور تحریر فرماتے ہیں۔

تعزیہ ممنوع ہے شرع میں کچھ اصل نہیں اور جو کچھ بدعات ان کے ساتھ کی جاتی ہیں سخت ناجائز ہیں۔ تعزیہ پر جو مٹھائی چڑھائی جاتی ہے اگرچہ حرام نہیں ہو جاتی مگر اس کے کھانے میں جاہلوں کی نظر میں ایک امر ناجائز کی وقعت بڑھانے اور اس کے ترک میں اس سے نفرت دلانی ہے۔ لہٰذا نہ کھائی جائے۔ ڈھول بجانا حرام ہے۔ (۲) تعزیہ کی تعظیم بدعت (۳) تعزیہ بنانا ناجائز ہے۔ (۴)

حضرت صدر الشریعۃ علامہ امجد علی صاحب علیہ الرحمۃ والرضوان

مصنف بہار شریعت

تعزیہ داری کہ واقعات کربلا کے سلسلے میں طرح طرح کے ڈھانچے بناتے اور ان کو حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے روضۂ پاک کی شبیہ کہتے ہیں۔ کہیں تخت بنائے جاتے ہیں کہیں ضریح بنتی ہے اور علم اور شدّے نکالے جاتے ہیں ڈھول تاشے اور

(۱) اعالی الافادۃ فی تعزیۃ الہند وبیان الشہادۃ ص ۳
(۲) فتاویٰ رضویہ ص ۱۸۹ ج ۱۰ (۳) ایضاً ص ۲۵۸ ج ۲ (۴) ایضاً ص ۱۸۶ ج ۶

قسم قسم کے باجے بجائے جاتے ہیں. تعزیوں کا بہت دھوم دھام سے گشت ہوتا ہے۔ آگے پیچھے ہونے میں جاہلیت کے سے جھگڑے ہوتے ہیں کبھی درخت کی شاخیں کاٹی جاتی ہیں کہیں چبوترے کھدوائے جاتے ہیں. تعزیوں سے منتیں مانی جاتی ہیں. سونے چاندی کے علم چڑھائے جاتے ہیں. ہار پھول ناریل چڑھائے جاتے ہیں وہاں جوتے پہن کر جانے کو گناہ جانتے ہیں بلکہ اس شدت سے منع کرتے ہیں کہ گناہ پر بھی ایسی ممانعت نہیں کرتے. چھتری لگانے کو بہت برا جانتے ہیں. تعزیوں کے اندر دو مصنوعی قبریں بناتے ہیں ایک پر سبز غلاف اور دوسری پر سرخ غلاف ڈالتے ہیں. سبز غلاف والی کو حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر اور سرخ غلاف والی کو حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر یا شبیہِ قبر بتاتے ہیں اور وہاں شربت مالیدہ وغیرہ پر فاتحہ دلواتے ہیں یہ تصور کر کے کہ حضرت امام عالی مقام کے روضہ اور مواجہہ اقدس میں فاتحہ دلا رہے ہیں۔

پھر یہ تعزیے دسویں تاریخ کو مصنوعی کربلا میں لے جا کر دفن کرتے ہیں گویا یہ جنازہ تھا جسے دفن کر آئے. پھر تیجہ، دسواں چالیسواں سب کچھ کیا جاتا ہے اور ہر ایک خرافات پر مشتمل ہوتا ہے. حضرت قاسم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مہندی نکالتے ہیں گویا ان کی شادی ہو رہی ہے اور مہندی رچائی جائے گی اور اسی تعزیہ داری کے سلسلے میں کوئی پیک بنتا ہے جس کے کمر سے گھنگرو بندھے ہوتے ہیں گویا یہ حضرت امام عالی مقام کا قاصد اور ہرکارہ ہے جو یہاں سے خط لے کر ابن زیاد یا یزید کے پاس جائے گا اور وہ ہرکاروں کی طرح بھاگا پھرتا ہے. کسی بچہ کو فقیر بنایا جاتا ہے اس کے گلے میں جھولی ڈالتے اور گھر گھر اس سے بھیک منگواتے ہیں کوئی سقہ بنایا جاتا ہے چھوٹی سی مشک اس کے کندھے سے لٹکتی ہے گویا یہ دریائے فرات سے پانی بھر لائے گا کسی علم پر مشک لٹکتی ہے اور اس پر تیر لگا ہوتا ہے گویا کہ یہ حضرت عباس علمدار ہیں کہ فرات سے پانی لا رہے ہیں اور یزیدیوں نے مشک کو تیر سے چھید دیا ہے اسی قسم کی بہت سی باتیں کی جاتی ہیں یہ سب لغو و خرافات ہیں ان سے ہرگز سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ خوش نہیں. یہ تم خود غور کرو کہ انھوں نے احیائے دین و سنت کے لئے یہ زبردست

قربانیاں کیں اور تم نے معاذ اللہ اس کو بدعات کا ذریعہ بنالیا۔

بعض جگہ اسی تعزیہ داری کے سلسلے میں براق بنایا جاتا ہے جو عجب قسم کا مجسمہ ہوتا ہے کہ کچھ حصہ انسانی شکل کا ہوتا ہے اور کچھ حصہ جانور کا سا۔ شاید یہ حضرت امام عالی مقام کی سواری کے لئے ایک جانور ہوگا۔ کہیں دلدل بنتا ہے کہیں بڑی بڑی قبریں بنتی ہیں بعض جگہ آدمی ریچھ بندر لنگور بنتے ہیں اور کودتے پھرتے ہیں جن کو اسلام تو اسلام انسانی تہذیب بھی جائز نہیں رکھتی۔ ایسی بری حرکت اسلام ہرگز جائز نہیں رکھتا۔ افسوس کہ محبت اہل بیت کرام کا دعویٰ اور ایسی بیجا حرکتیں۔ یہ واقعہ تمہارے لئے نصیحت تھا اور تم نے اس کو کھیل تماشا بنالیا۔

اسی سلسلے میں نوحہ و ماتم بھی ہوتا ہے اور سینہ کوبی ہوتی ہے اتنے زور زور سے سینہ کوٹتے ہیں کہ ورم ہو جاتا ہے۔ سینہ سرخ ہو جاتا ہے بلکہ بعض زنجیروں اور چھریوں سے ماتم کرتے ہیں کہ سینے سے خون بہنے لگتا ہے تعزیوں کے پاس مرثیہ پڑھا جاتا ہے اور تعزیہ جب گشت کو نکلتا ہے اس وقت بھی اس کے آگے مرثیہ پڑھا جاتا ہے۔ مرثیہ میں غلط واقعات نظم کئے جاتے ہیں۔ اہلبیت کرام کی بے حرمتی اور بے صبری اور جزع و فزع کا ذکر کیا جاتا ہے اور چونکہ اکثر مرثیہ رافضیوں ہی کے ہیں بعض میں تبرا بھی ہوتا ہے مگر اس رَو میں سنی بھی اسے بے تکلف پڑھ جاتے ہیں اور انھیں اس کا خیال بھی نہیں ہوتا کہ کیا پڑھ رہے ہیں۔ یہ سب ناجائز اور گناہ کے کام ہیں۔ (۱)

ایک فتویٰ مع تصدیقات علمائے اہلسنت (۲)

سوال ۱:۔ (الف) مروجہ تعزیہ داری جائز ہے یا ناجائز؟ (ب) علم اور شدے نکالنا نیز تعزیہ کو شب عاشورہ گلی کوچہ میں گشت کرانا پھر اسے دسویں محرم کو مصنوعی کربلا

---

(۱) بہار شریعت ص ۲۴۷-۲۴۸ ج ۱۶

(۲) یہ فتویٰ مع جملہ تصدیقات ۱۳۸۶ھ میں بشکل پوسٹر شائع ہوچکا ہے۔

میں لے جاکر دفن کرنا پہلی محرم سے ڈھول وتاشہ بجانا پھر عاشورہ کے دن تعزیہ کے آگے آگے باجہ بجاتے ہوئے اسے مصنوعی کربلا تک لے جانا شرعاً کیسا ہے؟ نیز تعزیہ داری علم اور شدے کی اصل کیا ہے؟

سوال ۲: ڈھول، تاشے اور شدے وغیرہ کو مسجد یا فنائے مسجد میں رکھنا شرعاً کیسا ہے؟ نیز مسجد یا فنائے مسجد میں رکھے ہوئے ڈھول، تاشے، علم وشدے کو باہر نکال کر پھینک دینے والا شرعاً مجرم ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

جواب ۱: (الف) تعزیہ داری مروجہ ہند ناجائز و بدعت سیئہ وحرام ہے۔ والتفصیل فی اعالی الافادہ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(ب) یہ سب بھی ناجائز وحرام قاتل اہل اسلام اور جب یہ ناجائز وحرام ہیں تو ان کی اصل کیا ہو سکتی ہے؟ ہاں اگر سائل کی مراد یہ ہو کہ یہ کس کی نقل ہے کہ جس کی نقل ہو اس کی اصل قرار دی جائے تو نظر غائر میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ علم اور شدے جو نیزوں اور جھنڈوں کی شکل میں ہوتے ہیں غالباً یزیدی فوج کے اس فعل کی نقل ہے جو انھوں نے کربلا میں ظلم وجفا کے پہاڑ توڑنے کے بعد امام عالی مقام کا سر مبارک نیزوں پر کوفہ کی گلیوں میں بطور شادیانہ ومبارکبادی گھمایا تھا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

جواب ۲: یہ واہیات وخرافات چیزیں سب ناجائز ہیں تو جہاں بھی رکھیں ناجائز ہی ہیں اور مسجد یا فنائے مسجد میں بدرجۂ اولیٰ ناجائز اور ان چیزوں کو مسجد سے نکال کر پھینکنے والا ثواب پائے گا کیونکہ اس نے ناجائز چیز کو دفع کیا اور حدیث من رای منکم منکرا الخ پر عمل کیا۔ واللہ تعالیٰ ثم رسولہ صلی علیہ وسلم۔

محمد احمد جہانگیر خاں غفرلہ ولابویہ المنان
مفتی مرکز اہلسنت منظر اسلام
بریلی شریف

تصدیقات مظہر اسلام بریلی شریف

۱، الجواب صحیح محمد مصطفیٰ رضا خاں (مفتی اعظم ہند)
۲، لقد اصاب من اجاب قاضی محمد عبد الرحیم بستوی
۳، صح الجواب تحسین رضا غفرلہٗ
۴، الجواب صحیح محمد اعظم
۵، الجواب صحیح منظفر حسین غفرلہٗ

منظر اسلام بریلی شریف

۶، الجواب صحیح مفتی سید محمد افضل حسین غفرلہٗ
۷، صح الجواب محمد احسان علی عفی عنہ منظفر پوری
۸، الجواب صواب غلام مجتبیٰ اشرفی
۹، الجواب ھو الجواب سید محمد عارف رضوی نانپاروی
۱۰، الجواب صحیح والمجیب نجیح خلیل الرحمن رضوی
۱۱، الجواب صحیح محمد فیض احمد عفی عنہ صدیقی
۱۲، الجواب صحیح محمد عمر قادری اوجھاگنجوی بستوی

جبل پور

۱۳، ہندوستان کی مروجہ تعزیہ داری بلاشبہ بدعات وممنوعات کا ایسا مجموعہ ہے کہ اس کی جتنی مذمت کی جائے کم ہے۔ علماء واعظین مقررین مشائخ طریقت اور سجادہ نشین حضرات کو عملی طور پر اپنے اپنے حلقۂ اثر میں ادع الی سبیل ربك بالحكمة والموعظة الحسنة وجادلهم بالتی ھی احسن اور ادفع بالتی ھی احسن السیئة کے طریقہ سے کام لے کر آہستہ آہستہ مروجہ تعزیہ داری کے بدعات وممنوعات ومحرمات شرعیہ کو مٹانے کی کوشش کریں مفتی صاحب کا یہ جواب بالکل حق وصواب اور واجب العمل بلا ارتیاب ہے۔ وہو تعالیٰ اعلم۔ کتبہٗ الفقیر عبد الباقی محمد برہان الحق القادری الرضوی السلامی غفرلہٗ

بمبئی

۱۴، الجواب صحیح وصواب والفاضل المجیب مصیب ومثاب فقیر ابو الحسنین آل مصطفی القادری البرکاتی النوری غفرلہٗ
۱۵، الجواب صحیح۔ السید حامد اشرف الاشرفی الجیلانی (کچھوچھوی)
۱۶، الجواب صحیح معین الدین دانش امین غفرلہٗ ٹونکی
۱۷، الجواب حق۔ خادم محمد سلیم غفرلہٗ رضوی

ملتان۔ پاکستان

(۱۸) الجواب صحیح۔ فقیر محمد حسن علی الرضوی القادری غفرلہ خادم مدرسہ غوثیہ انوار الرضا میلسی ملتان

جاورہ۔ ضلع رتلام

(۱۹) الجواب صحیح وصواب واللہ ورسولہ اعلم جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ فقیر ابو الطاہر محمد طیب علی قادری غفرلہ مفتی شہر جاورہ (رتلام)

مراد آباد

(۲۰) تعزیہ، علم اور شدے کی اصل کے متعلق عدم تحقیق کی بنا پر میں خاموش وساکت ہوں اور واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب کہہ کر گذر جاتا ہوں اس کے علاوہ جواب میں تحریر کردہ امور کے ساتھ مجھے پورا پورا اتفاق ہے جوابات صحیح ہیں۔ العبد المذنب محمد حبیب اللہ غفرلہ النعیمی الاشرفی

(۲۱) الجواب صحیح محمد یونس عفی عنہ (مہتمم جامعہ نعیمیہ)

(۲۲) ما اجاب المجیب فھو الصحیح الفقیر محمد ایوب خاں الحبیبی النعیمی

(۲۳) الجواب صحیح محمد طریق اللہ خادم جامعہ نعیمیہ

(۲۴) الجواب صحیح۔ العبد محمد ہاشم غفرلہ

(۲۵) الجواب صحیح وصواب عبد الحکیم محمدی قادری نعیمی غفرلہ

مالوہ۔ اندور

(۲۶) لقد اصاب من اجاب واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم بالصواب محمد رضوان الرحمن الفاروقی مفتی مالوہ

مظفر پور۔ بہار

(۲۷) الجواب صحیح۔ محمد مطیع الرحمن نوری مدرسہ نور الہدیٰ پوکھریرہ

(۲۸) الجواب صحیح بلا ارتیاب محمد مشتاق احمد غفرلہ باتھوی

(۲۹) الجواب صحیح وصواب۔ محمد اطہر حسین باتھوی

ناگپور

(۳۰) الجواب مصیب محمد عبد الرشید غفرلہ (مفتی جامع)

(۳۱) الجواب صحیح محمد عبد الحفیظ غفرلہ

(۳۲) الجواب صحیح وصواب۔ ابو المجد محمد زین العابدین غفرلہ

(۳۳) الجواب صحیح۔ محمد عبد الحکیم رضوی اشرفی

(۳۴) الجواب صحیح۔ محمد شفیع رضوی غفرلہٗ

مبارک پور ضلع اعظم گڈھ

(۳۵) الجواب صحیح۔ عبدالعزیز عفی عنہ صدر المدرسین اشرفیہ

(۳۶) الجواب صحیح۔ عبدالرؤف غفرلہٗ مدرس اشرفیہ

(۳۷) الجواب صحیح۔ عبدالمنان اعظمی (مفتی اشرفیہ)

(۳۸) صح الجواب۔ محمد یحییٰ غفرلہٗ خادم دارالعلوم اشرفیہ

امروہہ ضلع مراد آباد

(۳۹) الجواب صحیح مع سائر فروعہا والمجیب مصاب فقیر محمد خلیل کاظمی عفی عنہ امروہوی

رائے بریلی

(۴۰) الجواب صحیح۔ عبدالتواب صدیقی پکسراواں رائے بریلی

کچھوچھہ شریف

(۴۱) اہلسنت وجماعت کے نزدیک تعزیہ داری کہہ کر جن مراسم کو مراد لیا جاتا ہے ان کے منکرات امر منکر ہی ہیں مثلاً اضاعت مال مسلم واسباب تعیش وتفریح وبیان مکذوبات واوہام فاسدہ وغیر ذلک اور یہ وہ منکرات ہیں جن کا منکر ہونا منصوص ہے نیز مسجد وفنائے مسجد کو ہر طرح کے تعیش وتفریح کے آلات واشیاء سے پاک رکھنا ضروری ہے واللہ اعلم بالصواب۔
سید محمد مختار اشرف سجادہ نشین کچھوچھہ شریف

(۴۲) الجواب صحیح۔ سید مظفر حسین کچھوچھوی

ٹانڈہ۔ ضلع فیض آباد

(۴۳) الجواب صحیح۔ عبدالعزیز اشرفی عفی عنہ

(۴۴) الجواب صحیح۔ فقیر محمد طیب خاں غفرلہٗ مدرس مدرسہ منظر حق

(۴۵) الجواب صحیح۔ محمد ایوب قادری عفی عنہ

(۴۶) الجواب صحیح وصواب۔ محمد قدرت اللہ عارف الرضوی

التفات گنج۔ ضلع فیض آباد

(۴۷) الجواب صحیح۔ عبدالرؤف اشرفی

(۴۸) الجواب صحیح۔ اصغر عبدالمتین ڈھلوی

(۴۹) الجواب صحیح۔ محمد جمیل احمد الیار علوی شمیم بستوی

(۵۰) الجواب صحیح۔ محمد سمیع قادری الیار علوی

بلرامپور۔ ضلع گونڈہ

(۵۱) الجواب صحیح واللہ تعالیٰ اعلم محمد شریف الحق امجدی جامعہ عربیہ انوار القرآن بلرامپور

امرڈوبھا۔ بسڈیلا ضلع بستی

(۵۲) الجواب صحیح۔ العبد سخاوت علی رضوی عفی عنہ تنویر الاسلام

(۵۳) الجواب صحیح۔ نظام الدین عفی عنہ

(۵۴) الجواب صحیح۔ محمد ابو اللیث عفی عنہ

(۵۵) الجواب صحیح۔ محمد ظہور احمد رضوی عفی عنہ

(۵۶) الجواب صحیح۔ عبد الشکور مدرس تدریس الاسلام بسڈیلہ

(۵۷) الجواب حق۔ محمد اسمٰعیل اظہر بستوی

براؤں شریف ضلع بستی

(۵۸) الجواب صحیح محمد صدیق احمد سجادہ نشین آستانہ عالیہ یار علویہ

(۵۹) الجواب صحیح۔ غلام جیلانی عفی عنہ (شیخ الحدیث فیض الرسول)

(۶۰) الجواب صحیح۔ بدر الدین احمد القادری الرضوی

(۶۱) الجواب صحیح۔ محمد یونس نعیمی اشرفی

(۶۲) قد صح الجواب ابو البرکات العبد محمد نعیم الدین احمد عفی عنہ

(۶۳) لقد اصاب من اجاب جلال الدین احمد امجدی

(۶۴) الجواب حق و صواب محمد صابر القادری نسیم بستوی

(۶۵) الجواب صحیح۔ علی حسن النعیمی الاشرفی

(۶۶) الجواب صحیح۔ محمد حنیف قادری

(۶۷) الجواب صحیح۔ محمد محسن چشتی یار علوی

(۶۸) الجواب صحیح۔ نور محمد قادری ادبھا گنجوی

(۶۹) جواب صحیح ہے۔ محمد نور الحق خادم حضرت شاہ صاحب قبلہ

بھاؤ پور ضلع بستی

(۷۰) الجواب صحیح۔ العبد محمد حلیم قادری یار علوی

(۷۱) الجواب حق۔ محمد سمیع اللہ قادری

(۷۲) الجواب صحیح۔ عبد الجبار قادری

(۷۳) الجواب صحیح۔ عبد الجبار قادری پوکھری

بڑھیا۔ ضلع بستی

(۷۴) الجواب صحیح۔ محمد صدیق قادری (نیپالی)

(۷۵) الجواب صحیح۔ عبد الجبار اشرفی مئوی

خدائے عزوجل مسلمانوں کو حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقصد شہادت کو سمجھنے اور محرم کی جملہ بدعات و خرافات سے بچنے کی توفیق رفیق بخشے۔

آمین۔ وصلی اللہ تعالیٰ وسلم علی النبی الکریم وعلی آلہ واصحابہ وازواجہ واھل بیتہ اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین۔

پیدائش ۱۳۵۲ھ مطابق ۱۹۳۳ء میں ضلع بستی (یوپی) کی مشہور آبادی اوجھاگنج میں میری پیدائش ہوئی جو شہر بستی سے ۴۰؍ کلو میٹر پچھم فیض آباد روڈ پر مہراج گنج سے ۳؍ کلو میٹر دکھن واقع ہے۔

نام و نسب جلال الدین احمد بن جان محمد بن عبدالرحیم بن غلام رسول بن ضیاء الدین ما احمد بن محمد سالک بن محمد صادق بن عبدالقادر بن مراد علی غفر اللہ تعالیٰ لھم ولسائر المسلمین۔

خاندانی حالات آخر الذکر ضلع فیض آباد کچھوچھہ مقدسہ کے قریب بڑھر علاقہ کے مشہور و معروف راجپوت خاندان کے ایک فرد تھے جو مراد سنگھ کے نام سے یاد کئے جاتے تھے وہ اسلام کی خوبیوں سے متاثر ہو کر ایمان کی دولت سے سرفراز ہوئے تو مراد علی کہلائے۔ خاندان والوں نے دباؤ ڈال کر اسلام سے برگشتہ کرنا چاہا تو آبائی وطن چھوڑ کر ضلع فیض آباد اکبر پور کے قریب قصبہ شہزاد پور میں سکونت اختیار کر لی۔ ان کی اولاد میں سے ضیاء الدین مرحوم شہزاد پور چھوڑ کر اوجھاگنج ضلع بستی میں آکر آباد ہو گئے۔

میرے والد جان محمد مرحوم عرصۂ دراز تک اپنے گھر فی سبیل اللہ بچوں کو مذہبی تعلیم دیتے رہے۔ زندگی بھر بلا تنخواہ جامع مسجد میں نماز پنجگانہ اور جمعہ و عیدین کی امامت فرماتے رہے بڑے متقی و پرہیزگار تھے۔ آج بھی آبادی کے لوگ ان کے تقویٰ و پرہیزگاری کو یاد کرتے ہیں اور ان کا تذکرہ بڑے احترام سے کرتے ہیں۔ ۱۰ ذی الحجہ ۱۳۷۰ھ مطابق ۱۹۵۱ء کو میرے عالم ہونے سے ۸ ماہ قبل ان کا انتقال ہو گیا۔

والدہ محترمہ بی بی رحمت النساء ایک دیندار گھرانے کی لڑکی تھیں۔ نماز اور صبح تلاوت

قرآن مجید کی بہت پابند تھیں۔ دعائے گنج العرش ان کو زبانی یاد تھی جسے وہ روزانہ پڑھا کرتی تھیں۔ ۱۴ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۹ھ مطابق ۱۲ اپریل ۱۹۷۹ء کو میں ان کے بھی ظاہری سایہ سے محروم ہو گیا ــــــ خدائے عزوجل ان کی قبروں پر رحمت و انوار کے پھول برسائے۔

ان لوگوں نے میری تعلیم کے بارے میں جو اعلیٰ کردار پیش کیا ہے اس زمانہ میں اس کی مثال ملنی مشکل ہے کہ میں ان لوگوں کے بڑھاپے کا اکلوتا بیٹا تھا مگر پہلی بار جب میں ناگپور گیا تو ڈھائی سال کے بعد آیا اس درمیان میں ان لوگوں نے میرے پاس گھر آنے کے بارے میں خط لکھنا تو بڑی بات ہے سندیسا تک نہ بھیجا تاکہ میری تعلیم کا نقصان نہ ہو۔ فجزاھما اللہ تعالیٰ خیرالجزا۔

اس تصور سے میری آنکھیں اشکبار ہو جاتی ہیں کہ میرے چار بیٹے بقید حیات ہیں مگر ان میں سے کسی کی ڈھائی ماہ تک کی جدائی بھی میرے لئے شاق ہے تو میرے والدین نے بڑھاپے کے اکلوتے بیٹے کی ڈھائی سال تک جدائی کس دل و جگر سے برداشت کی ہوگی۔

تحصیل علم ناظرہ اور حفظ قرآن کی تعلیم اپنے والد کے شاگرد مقامی مولوی محمد زکریا صاحب مرحوم سے حاصل کی۔ سات سال کی عمر میں قرآن مجید ناظرہ ختم کیا اور ۱۳۶۳ھ مطابق ۱۹۴۴ء یعنی ساڑھے دس سال کی عمر میں حفظ مکمل کر لیا۔ فارسی آمدنامہ ضلع فیض آباد الغات گنج کے مولانا عبدالرؤف صاحب سے پڑھی اور فارسی کی چھوٹی بڑی بارہ کتابوں کی تعلیم شعیب الاولیاء حضرت شاہ محمد یار علی صاحب قبلہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پیرزادہ مولانا عبدالباری صاحب مرحوم سے حاصل کی اور عربی کی ابتدائی کتابیں انھیں سے پڑھیں۔

۱۳۶۶ھ مطابق ۱۹۴۷ء ہنگامہ کے فوراً بعد میں تحصیل علم کیلئے ناگپور چلا گیا دن بھر کام کرتا جس سے پچیس تیس روپیہ ماہانہ اپنے والدین کی خدمت کرتا اور اپنے کھانے پینے کا انتظام بھی کرتا اور بعد مغرب اپنے دس ساتھیوں کے ہمراہ تقریباً ۱۲ بجے رات تک حضرت علامہ ارشد القادری صاحب قبلہ دامت برکاتہم العالیہ سے مدرسہ اسلامیہ شمس العلوم بکرا منڈی مومن پورہ میں درس نظامیہ کی تعلیم حاصل کرتا اور بعد نماز فجر و عصر ایک قاری سے قرأت پڑھتا رہا اس طرح ناگپور میں میری تعلیم کا سلسلہ جاری رہا

۲۲ شعبان ۱۳۷۱ھ مطابق ۱۹ مئی ۱۹۵۲ء کو اٹھارہ سال کی عمر میں حضرت علامہ ارشد القادری صاحب قبلہ دامت برکاتہم القدسیہ نے دس ساتھیوں کے ہمراہ مجھے بھی سند فراغت عطا فرمائی۔ اس طرح ادبھا گنج کی تاریخ میں ہم سب سے پہلے قاری اور فارغ التحصیل عالم ہوئے۔

زمانۂ طالب علمی کا ایک اہم واقعہ

فارغ التحصیل ہونے سے دو سال قبل ماہ رمضان المبارک ۱۳۶۹ھ مطابق ۱۹۵۰ء میں ہم ناگپور سے تراویح میں قرآن مجید سنانے کے لئے ڈیسائی گنج وارسا ضلع چاندہ گئے۔ وہاں ایک صاحب جن کا نام اسمٰعیل عمر سپاہی تھا ایک فرم کے ملازم تھے نماز وغیرہ کے پابند تھے اور گلستاں بوستاں تک فارسی پڑھے ہوئے تھے وہ ہماری بڑی قدر کرتے تھے۔ رمضان المبارک بعد وہ اپنے وطن دھوراجی (گجرات) جانے والے تھے۔

چونکہ اس زمانہ میں ناگپور کی کاروباری حالت ٹھیک نہیں تھی۔ دن بھر محنت سے کام کرنے کے باوجود اپنے اخراجات کے ساتھ والدین کی ماہانہ خدمت کرنے میں ہمیں دشواری پیش آرہی تھی میں بہت پریشان تھا اس لئے اسمٰعیل عمر سپاہی کے ساتھ میں احمد آباد جانے کے لئے اس خیال سے تیار ہو گیا کہ میرے یہاں کے بہت سے لوگ وہاں ملوں میں کام کرتے ہیں میں بھی جا کے کسی مل میں کام کروں گا۔

عید ہو گئی ہم احمد آباد کا سفر کرنے کے لئے نکل پڑے ناگپور پہنچ کر ہم نے اپنا تمام سامان اپنے رفیق سفر اسمٰعیل عمر سپاہی کے سپرد کرتے ہوئے کہا کہ آپ اسٹیشن چلیں میں اپنے استاذ گرامی حضرت علامہ ارشد القادری صاحب قبلہ سے ملاقات کر کے آتا ہوں۔

جب میں حضرت علامہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان کو اپنے ارادہ سے آگاہ کیا تو انھوں نے فرمایا کہ احمد آباد مت جاؤ جس طرح بھی ہو سکے یہیں رہو۔ پہلے زمانہ میں لوگوں نے تحصیل علم کے لئے بڑی بڑی مشقتیں جھیلی ہیں اور مصیبتیں برداشت کی ہیں اگر تم مل میں جا کر کام کرو گے تو جو کچھ تم نے اب تک پڑھا ہے سب برباد ہو جائے گا مل مزدور اور صرف حافظ جی ہو کر رہ جاؤ گے۔

یہ واقعہ اس زمانے کا ہے جبکہ احمد آباد میں دار العلوم شاہ عالم قائم نہیں ہوا تھا۔

میں نے حضرت علامہ کی نصیحت مان لی احمد آباد جانے کا ارادہ بالکل دل سے نکال دیا اور اسٹیشن جاکر اسمٰعیل عمر سپاہی سے کہا آپ جائیے میں نہیں جاؤں گا اور پھر اپنا سامان لیکر میں واپس آگیا۔
خداوند قدوس کا میں لاکھ لاکھ شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے میرے دل میں استاذ کا ایسا احترام بخشا کہ میں نے ان کی اجازت کے بغیر احمد آباد کا سفر کرنا مناسب نہ سمجھا اور پھر جو کچھ انھوں نے ارشاد فرمایا اسے تسلیم کرلیا۔ اگر میرے دل میں استاذ کا ایسا احترام نہ ہوتا تو ان سے ملے بغیر چلا جاتا یا اگر ملاقات بھی کرلیتا تو جبکہ میں پورا سامان اسٹیشن پہنچا چکا تھا ان کی نصیحت پر عمل نہ کرتا تو بیشک آج میں مل مزدور ہوتا اس طرح میری زندگی تباہ و برباد ہوجاتی اور وہ حال ہوتا کہ جس کے تصور سے میرے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور میں کانپ جاتا ہوں۔
اور الحمد للہ میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں کہ جب تک استاذ کا محتاج رہے ان کی عزت کرے اور جب کسی قابل ہوجائے تو غداری و بیوفائی پر اتر آئے اور اذیت پہنچائے بلکہ آج بھی میں اپنے اساتذہ کی بہت عزت کرتا ہوں اور استاذی و شاگردی کے رشتہ کو احسن طریقے سے نباہنے کی کوشش کرتا ہوں۔ حضرت علامہ ارشد القادری صاحب قبلہ دامت برکاتہم العالیہ ۱۷، صفر المظفر ۱۴۰۱ھ مطابق ۲۶، دسمبر ۱۹۸۰ء کے ایک مکتوب میں خادم کو مخاطب کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

> کئی سو علما میں صرف تنہا آپ کی ذات ہے جس نے شاگردی اور استاذی کا رشتہ نباہا ہے اور ابتک نباہ رہا ہے ورنہ نئی نسل کی خودسری، سرکشی اور احسان فراموشی سے خدا کی پناہ!

بیعت چونکہ مجھے شروع ہی سے مسائل شرعیہ جاننے کا بڑا شوق تھا اس لئے ابتدا ہی سے بہار شریعت اور اس کے مصنف حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ سے بڑی عقیدت رکھتا تھا پھر جب حضرت علامہ ارشد القادری صاحب قبلہ دامت برکاتہم

القدسیہ سے معلوم ہوا کہ حضرت صدر الشریعہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلیفہ ہیں تو ۲۹ ر جمادی الاولیٰ ۱۳۶۷ھ مطابق ۱۹۴۸ء میں حضرت سے شرف بیعت حاصل کیا اور سلسلہ رضویہ میں داخل ہوگیا۔ البتہ بعض مصالح کے پیش نظر میں نے اب تک کسی سے خلافت نہیں لی ورنہ ساجد علی خاں صاحب کسی مقصد سے حضور مفتیٔ اعظم ہند قبلہ علیہ الرحمۃ والرضوان کی خلافت جب عام طور پر تقسیم کر رہے تھے میں بھی آسانی کے ساتھ ان سے حاصل کر لیتا۔

اعلیٰ حضرت سے عقیدت

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان، اگرچہ بہت سے علوم و فنون کے ماہر تھے لیکن ان میں فقاہت کا وصف سب سے ممتاز ہے اور مجھے فقہ سے زیادہ شغف ہے اس لئے میں آپ سے بہت زیادہ عقیدت رکھتا ہوں اور آپ کے تحقیقی فتاویٰ کے مطالعہ سے روز بروز میری عقیدت بڑھتی ہی جا رہی ہے یہاں تک کہ میں فاضلین فیض الرسول اور دیگر نوجوان علماء کو نصیحت کرتا رہتا ہوں کہ اپنے ایمان و عمل کو سنوارنے اور حقیقت میں عالم دین بننے کیلئے اعلیٰحضرت کی تصنیفات کا زیادہ سے زیادہ مطالعہ کرو۔

بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں جو ان کی عقیدت کا دم بھرتے ہیں لیکن ہندوستان کی مروجہ تعزیہ داری حرام ہونے کے متعلق ان کا فتویٰ نہیں مانتے، کچھ لوگ مزامیر کے ساتھ قوالی حرام ہونے کے بارے میں ان کی تحقیق نہیں تسلیم کرتے اور بعض وہ ہیں جو بات بات پر اعلیٰ حضرت کا نام لیتے ہیں لیکن اوجھڑی ناجائز ہونے کے متعلق ان کا فتویٰ ماننے سے انکار کرتے ہیں مگر الحمدللہ میں ان لوگوں میں سے ہوں کہ ان کی ہر تحقیق کو مانتا ہوں اور ان کے ہر فتویٰ پر سر تسلیم خم کرتا ہوں البتہ میں اس درجہ کا عقیدت مند نہیں ہوں کہ صرف انھیں کی لکھی ہوئی نعت شریف پسند کروں بلکہ میں ہر اس نعت کو پڑھنا اور سننا پسند کرتا ہوں کہ جس میں کوئی شرعی خرابی نہ ہو۔

تدریس

فارغ التحصیل ہونے سے چند ماہ قبل ہم نے دو لولیا بازار میں جو اوجھاگنج سے دکھن پانچ کلومیٹر پر واقع ہے ایک دینی مدرسہ قائم کر دیا تھا دستار بندی کے بعد پھر اسی مدرسہ میں تدریسی خدمات انجام دینے لگا اور جب مجھے وہاں اپنی ترقی کی راہیں مسدود

نظر آئیں تو ذی القعدہ ۱۳۷۳ھ مطابق ۱۹۵۴ء میں مستعفی ہو کر حضرت علامہ ارشد القادری صاحب قبلہ کی طلب پر میں جمشید پور (بہار) چلا گیا مگر چونکہ جامعہ فیض العلوم میں بروقت کسی مدرس کی ضرورت نہ تھی اس لئے مجھے ایک مکتب میں پڑھانے کیلئے مقرر کیا گیا تو میں دل برداشتہ ہو کر تقریباً پانچ ماہ بعد حضرت علامہ کی اجازت سے گھر چلا آیا۔

جمادی الاولیٰ ۱۳۷۴ھ مطابق جنوری ۱۹۵۵ء میں شیعب الاولیا حضرت شاہ محمد یار علی صاحب قبلہ اور شیر بیشۂ سنت حضرت مولانا حشمت علی خانصاحب قبلہ علیہما الرحمۃ والرضوان کی اجازت سے مدرسہ قادریہ رضویہ بھاؤپور ضلع بستی کا مدرس مقرر ہوا مگر ڈیڑھ سال بعد وہاں کے اختلافات سے عاجز ہو کر استعفا دیدیا اسی درمیان میں شیعب الاولیا حضرت شاہ صاحب قبلہ نے مکتب فیض الرسول کو دار العلوم بنا دیا تو میں حضرت کی طلب پر براؤں شریف چلا آیا۔ اور یکم ذی الحجہ ۱۳۷۵ھ مطابق ۱۰ر جولائی ۱۹۵۶ء کو دار العلوم فیض الرسول کا مدرس ہو گیا اور تادم تحریر تقریباً ۳۳ سال ہو گئے اسی ادارہ میں دینی خدمات انجام دے رہا ہوں۔ درمیان میں دور و نزدیک کے بہت سے بڑے بڑے اداروں نے اونچا درجہ اور بہت زیادہ مشاہرہ پیش کیا مگر ہم نے شیعب الاولیا جیسے محسن کا آستانہ چھوڑنا کسی قیمت پر گوارا نہ کیا۔

طریقۂ تدریس

مکتب کے چھوٹے بچوں کے بارے میں ہمارا طریقۂ تدریس یہ رہا کہ قاعدہ پڑھنے والے کو ذ، ز اور ظ کو ج کی آواز سے ہم ہرگز نہیں پڑھنے دیتے تھے شروع ہی میں درست کرا دیتے تھے۔ اردو کے اعتبار سے جب تک حرفوں کی ادائیگی صحیح نہ ہو جاتی آگے نہیں بڑھنے دیتے تھے۔ اس کا فائدہ یہ ہوتا کہ پھر حرفوں کو صحیح آواز سے پڑھنے کیلئے کبھی ٹوکنا نہیں پڑتا تھا۔

مدرسین کا یہ سمجھنا صحیح نہیں کہ آگے چل کر خود بخود ٹھیک ہو جائے گا اس لئے کہ غلط بنیاد پڑ جانے کے بعد پھر اس کی درستگی میں سخت دشواری ہوتی ہے۔ تجربہ شاہد ہے کہ مکاتب سے جو لڑکے ذ، ز اور ظ کو ج کی آواز سے پڑھ کر آتے ہیں بار بار ٹوکے جانے اور پھر مسلسل سزا پانے کے باوجود کئی کئی سال تک درست نہیں کر پاتے اور بعض تو فارغ التحصیل عالم بھی ہو جاتے ہیں مگر ان کے

حروف کی ادائگی صحیح نہیں ہوپاتی اور حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمۃ والرضوان کا یہ شعر ان کے اوپر پورے طور پر صادق آتا ہے۔

خشت اول چوں نہد معمار کج
تا ثریا می رود دیوار کج

اور مدرسین کا یہ عذر بھی غلط ہے کہ چھوٹے بچے ز وغیرہ کی ادائگی پر قادر نہیں ہو پاتے اس لئے کہ میں نے ایک مدرسہ کے چھوٹے بچوں کا امتحان لیا سارے لڑکے ذ، ز اور ظ کو ج ہی کی آواز سے پڑھتے رہے مدرسین نے وہی عذر بیان کیا کہ کوشش کے باوجود ان کو صحیح پڑھنا نہیں آتا۔ ہم نے کہا آپ لوگوں کا یہ عذر وہی لوگ صحیح مان سکتے ہیں جنھوں نے کبھی مکتب نہیں پڑھایا ہے ہم نہیں تسلیم کر سکتے آئندہ سال اگر لڑکوں نے ایسا ہی پڑھا تو ہم سب کو فیل کر دیں گے نتیجہ یہ ہوا کہ دوسرے سال سب صحیح ہو گئے۔

بچوں کو رٹا کر پڑھانا بھی غلط ہے جب تک بچہ حرفوں کو پہچان نہ لے سبق پڑھانے سے پہلے مرکب الفاظ کے ایک ایک حرف کو الگ الگ اس سے پوچھنا چاہئے ہم ایسا ہی کیا کرتے تھے۔ اسکا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ بچوں کا پچھلا بھولتا نہیں اور پڑھے ہوئے کو پھر سے سبقاً سبقاً پڑھنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

اور مکتب کے چھوٹے بچوں کو ہم روزمرہ پیش آنے والے مسائل زبانی بتا دیا کرتے تھے داہنے ہاتھ سے کھانے پینے، بائیں ہاتھ سے ناک صاف کرنے، استنجا کا ڈھیلا سکھانے اور اسی ہاتھ سے آب دست لینے کی تاکید کرتے تھے اور کھڑے ہو کر پانی پینے اور قبلہ کی طرف منہ یا پیٹھ کر کے پاخانہ پیشاب کرنے سے سختی کے ساتھ منع کرتے تھے اور لڑکوں میں اعلان کرتے رہتے تھے کہ اگر کوئی بچہ اس کے خلاف کرے تو ہمیں بتاؤ اس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ لڑکے بچپن ہی سے اسلامی طور وطریقہ کے پابند اور عادی ہو جاتے تھے۔

اے کاش! سارے مدرسین ایسے ہی کرتے تو آج صرف مکتب کا پڑھا ہوا مسلمان بھی داہنے ہاتھ سے استنجا کا ڈھیلا سکھاتا ہوا اور قبلہ کی طرف منہ یا پیٹھ کر کے پاخانہ، پیشاب کرتا ہوا نظر نہ آتا بلکہ

اسلامی طور و طریقہ سے درست و آراستہ ہوتا لیکن آج کل بہت سے مدرسین صرف نوکری کرتے ہیں اسلام کی باتوں کے پھیلانے کا جذبہ نہیں رکھتے یہاں تک کہ اکثر مدرسین جو دینی مدرسہ میں پڑھاتے تو ہیں مگر لڑکوں کو دینیات کی تعلیم نہیں دیتے صرف اردو اور حساب و کتاب وغیرہ پڑھاکر پاس کر دیتے ہیں اور غلط سلط قرآن مجید پڑھاکر بچوں کے گھر والوں سے انعام پاجانے کو بہت بڑی کامیابی سمجھتے ہیں۔

خدائے عزوجل انھیں اسلام کا صحیح جذبہ عطا فرمائے اور اپنی تنخواہوں کو حلال کرنے کی توفیق رفیق بخشے۔ آمین۔

بڑے طلبہ دار العلوم کے طلبہ کو ہمارے پڑھانے کا طریقہ یہ ہے کہ تسہیل المصادر، نحو میر اور میزان بلکہ صرف میں پنج گنج، علم الصیغہ اور فصول اکبری تک کے لڑکوں کا پچھلا سبق سننے کے بعد ہی آگے پڑھاتے ہیں اور جو یاد نہیں کرتا اسے مناسب سزا دیتے ہیں جس کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ دوسرے روز وہ سبق یاد کر کے لاتا ہے۔

ہم چھوٹی کتابیں پڑھنے والے طلبہ کو بھی چالیس پچاس منٹ کی پوری گھنٹی پڑھاتے ہیں صرف چند منٹ نہیں پڑھاتے بلکہ گھنٹی کے ختم ہونے تک پوچھتے رہتے ہیں اور مختلف مصادر سے فعلوں کی گردان کراتے ہیں۔ البتہ نحو میر پڑھنے والے کو کافیہ و شرح جامی کی بحث اور منطق کے ابتدائی بچوں کو قطبی و ملاحسن کی باتیں نہیں بتاتے۔ جس درجہ کا طالب علم ہوتا ہے اسی اعتبار سے اس کے سامنے مسائل پیش کرتے ہیں اپنی معلومات نہیں بلکہ طلبہ کی معلومات کے لحاظ سے ان کے سامنے تقریریں کرتے ہیں۔

متوسط اور منتہی کتابیں پڑھنے والوں کی جماعت میں اکثر ایسے طلبہ ہوتے ہیں جو تعلیم کے نام پر مدرسوں میں کھاتے اور گھومتے ہیں کتابوں کا مطالعہ کرنا تو بڑی بات ہے اسے ہاتھ بھی نہیں لگاتے پھر بظاہر عالم کی لیکن حقیقت میں آٹھ دس سال مدرسہ میں کھانے کی دستار لیتے ہیں اور کام کا نہیں صرف نام کا مولانا ہو کر قوم کیلئے بوجھ بنتے ہیں۔

اس خرابی کو دور کرنے کیلئے ہم نے یہ طریقہ ایجاد کر رکھا تھا کہ پوری جماعت کے ہر طالب علم کو

کم زیادہ تعداد کے اعتبار سے دو دو یا ایک ایک سطر عبارت روزانہ پڑھنی پڑے گی اور اول و آخر یا درمیان میں جہاں جس سے چاہیں گے پڑھوائیں گے اس صورت میں ہر لڑکے کو عبارت پڑھنے کیلئے روزانہ محنت کرنی پڑتی اس لئے کہ جو ایسا نہ کرتا وہ بہت برا بھلا کہا جاتا اور سزا بھی پاتا۔

یہ طریقہ بے انتہا مفید ثابت ہوا لیکن طلبہ نے ہماری سختی کے بہت سے فرضی قصوں کا پرچار کیا اور ہمیں بہت بدنام کیا تو اس طرح عبارت پڑھوانا ہم نے بند کر دیا اب یہ دستور ہے کہ ہر طالب علم سے ایک ایک روز نمبر وار عبارت پڑھواتے ہیں اور درمیان میں ایک دو صرفی نحوی مسئلہ بھی پوچھ لیا کرتے ہیں یہ صورت بھی اوسطاً مفید ہے کہ ہر طالب علم کو کچھ روز بعد عبارت پڑھنی پڑتی ہے۔

صرف چند مخصوص طالب علموں سے ہمیشہ عبارت پڑھوانا دوسروں کو نام کا عالم بنانا اور ان کی زندگی برباد کرنا ہے۔

اور عام طور پر جو یہ دستور ہے کہ عبارت پڑھنے میں اگر لڑکا غلطی کرتا ہے تو فوراً اسے بتا دیا جاتا ہے۔ یہ طریقہ بھی صحیح نہیں میرا دستور یہ ہے کہ بتاتا نہیں ہوں بلکہ صرف آگے پڑھنے سے روک دیتا ہوں پھر اگر وہ درست کر لیتا ہے تو اس کو وجہ بھی بتانی پڑتی ہے کہ ایسا کیوں پڑھا اس لئے کہ بسا اوقات بغیر سمجھے ہوئے صرف اندازہ سے عبارت صحیح کر لیتا ہے یا ضمہ سے روک دیا تو فتحہ پڑھ دیتا ہے اور وہ بھی صحیح نہیں ہوا تو کسرہ پڑھ دیتا ہے اور جب وجہ بتانی پڑتی ہے تو اس کے ذہن کو کام کرنا پڑتا ہے جس سے استعداد بڑھتی ہے اور مسائل حل کرنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ گورنمنٹ کے امتحان میں طلبہ کو جو نقل کرا کے پاس کرایا جاتا ہے اس سبب سے وہ ذی استعداد بننے کی کوشش نہیں کرتے کہ محنت کے بغیر عالم فاضل ہو جاتے ہیں۔

اگرچہ نقل کرانے کا بھی میں سخت مخالف ہوں لیکن طلبہ کے ذی استعداد نہ ہونے کی یہ وجہ صحیح نہیں اس لئے کہ دیوبندی وغیرہ بھی گورنمنٹ کے امتحان میں یہی طریقہ اختیار کرتے ہیں اور ان کے لڑکے ہمارے طلبہ کی بہ نسبت ذی استعداد ہوتے ہیں۔

میرے نزدیک اس خرابی کی اصل وجہ یہ ہے کہ طلبہ پر سختی نہیں کی جاتی اسی لئے سینوں کے وہ مدارس جو الحاق نہیں ہیں اور ان کے طلبہ گورنمنٹ کے امتحان سے عالم فاضل نہیں ہوتے وہ بھی باصلاحیت

نہیں بنتے۔ شہر بستی کے بس اسٹیشن پر ایک دیو بندی طالب علم ملا جو درمیان سال پورے سامان کے ساتھ اپنے گھر جارہا تھا اس نے بتایا کہ ششماہی امتحان میں صرف ایک کتاب کے اندر فیل ہوجانے کے سبب مجھے مدرسہ سے خارج کردیا گیا جبکہ میں خوراکی بھی دیا کرتا تھا۔

اور ہمارے یہاں حال یہ ہے کہ سالانہ امتحان میں فیل ہونے کے باوجود طالب علم کو خارج کردینا تو بہت بڑی بات ہے معمولی سزا بھی نہیں دیجاتی اور نہ ان کو ذی استعداد بنانے کی کماحقہ کوشش کی جاتی ہے۔ عام طور پر صرف تنخواہ بنانے کیلئے نوکری کی جاتی ہے۔

افتاء ۲۴ر صفر المظفر ۱۳۷۷ھ مطابق ۱۹۵۷ء کو ۲۴ر سال کی عمر میں پہلا فتویٰ لکھا پھر ۲۵ر سال تک ملک اور بیرون ملک پاکستان اور ہالینڈ وغیرہ سے آئے ہوئے ہزاروں سوالات کے جوابات بڑی محنت سے لکھے جو فیض الرسول کے علاوہ دوسرے ماہناموں میں بھی عرصۂ دراز تک شائع ہوتے رہے اور قدر کی نگاہوں سے دیکھے گئے۔

یہ ہمارے لئے نہایت مسرت کی بات ہے کہ مدینہ منورہ جو مذہب اسلام کا منبع و مرکز ہے وہاں کے بعض لوگوں نے بھی فتویٰ کیلئے ہماری طرف رجوع کیا جن کا مدلل جواب لکھ کر روانہ کیا۔

ربیع الاول ۱۴۰۳ھ مطابق ۱۹۸۳ء میں دماغی کمزوری کے سبب فتویٰ نویسی سے مستعفی ہو کر اب دارالعلوم فیض الرسول کے صرف شعبۂ تعلیم کی خدمت انجام دے رہا ہوں۔

فتاویٰ فیض الرسول کی ترتیب کا کام جاری ہے کوشش ہے کہ میری زندگی میں چھپ کر منظر عام پر آجائے تاکہ میری دماغی کاوشیں ضائع نہ ہوں اس لئے کہ جو قوم اعلیحضرت پیشوائے اہلسنت امام احمد رضا بریلوی اور صدر الشریعہ حضرت علامہ محمد امجد علی اعظمی علیہما الرحمۃ والرضوان جیسی اہم شخصیتوں کے سارے فتاوے چھپوا کر اب تک منظر عام پر نہ لاسکی اس قوم سے ہم جیسے لوگوں کے فتاویٰ چھپوانے کی امید رکھنا غلط ہے۔

فتویٰ نویسی کی زندگی کے چند واقعات

مفتی کا کام ہے فتویٰ دینا اور تحقیق واقعہ کے بعد فیصلہ کرنا قاضی کا کام ہے لیکن چونکہ آجکل فتویٰ کو عام طور پر فیصلہ سمجھا جاتا ہے اور بہت سے لوگ ازراہ فریب غلط سوال بناکر اپنے مطلب کے موافق فتویٰ لینے کی کوشش کرتے ہیں اس لئے میں حتی الامکان واقعہ کی تحقیق بھی کرلیا کرتا تھا۔

ضلع گونڈہ قصبہ اترولہ کے علاقہ سے ایک شخص آیا اور اس نے بیان دیا کہ لوگ کہتے ہیں کہ تم نے اپنی بیوی کو تین طلاق دی ہے مگر مجھے نہیں معلوم کہ میں نے ایسا کیا ہے اس لئے کہ میں غصہ میں ہوش و حواس کھو بیٹھا تھا تو اس صورت میں میری بیوی پر طلاق پڑی یا نہیں؟ ہم نے کہا قسم کے بغیر تمہارا ایسا حیرت انگیز بیان کہ تم نے طلاق دی اور تمہیں خبر ہی نہیں ہم ہرگز نہیں تسلیم کر سکتے اس لئے کہ ہم بہت سے مکار دیکھ چکے ہیں۔ اس نے بڑی بیباکی سے کہا ایک نہیں سات قرآن شریف اپنے سر پر رکھ کر بھی ہم قسم کھا سکتے ہیں کہ ہمارا بیان صحیح ہے۔

ہم نے جان لیا کہ یہ آدمی قرآن مجید اٹھا کر جھوٹی قسم کھائے گا لیکن کسی بزرگ کے مزار پر ہاتھ رکھ کر اغلب یہ ہے کہ یہ جھوٹی قسم کھانے کی جرأت نہیں کرسکے گا ہم نے کہا شعیب الاولیا حضرت شاہ محمد یار علی صاحب قبلہ علیہ الرحمۃ والرضوان کے مزار پر ہاتھ رکھ کر تو قسم کے ساتھ اپنا یہ بیان دے سکتا ہے۔ اس نے کہا ہاں بالکل دے سکتا ہوں۔

میں نے اس کو وضو کرنے کا حکم دیا۔ وضو کے بعد اسے مزار شریف کے پاس لے جاکر پہلے باہر ہی کھڑا کیا اور کہا سوچ لو اب بھی وقت ہے اگر تم جھوٹی قسم کھائے اور کوڑھی یا اندھے ہو گئے تو زندگی تمہاری تباہ ہو جائے گی۔ اس نے کہا میرا بیان صحیح ہے میں قسم کھانے کے سبب کوڑھی یا اندھا نہیں ہوں گا آپ جس طرح چاہیں مجھ سے قسم کھلا سکتے ہیں۔

اب میں اسے اندر لے گیا اور کہا کہ مزار شریف پر ہاتھ رکھ کر کہو کہ میں قسم کھا کر بیان

دیتا ہوں کہ میں نے ہوش و حواس کی درستگی میں طلاق نہیں دی ہے اگر میرا یہ بیان غلط ہو تو میں کوڑھی اور اندھا ہو جاؤں۔

اب اس کے چہرہ سے گھبراہٹ ظاہر ہوئی یہاں تک کہ وہ کانپنے لگا اور مزار شریف پر ہاتھ رکھ کر جھوٹا بیان دینے کی ہمت نہیں کرسکا دیر تک خاموش کھڑا رہا۔

میں نے کہا تجھے کیا ہو گیا اب مزار شریف پر ہاتھ رکھ کر بیان کیوں نہیں دیتا مگر وہ چپ ہزار چپ۔ آخر جب میں اسے باہر لایا تو اس نے اقرار کر لیا کہ میں نے ہوش و حواس کی درستگی میں طلاق دی ہے۔

ضلع گونڈہ کا ایک شخص جو براؤں شریف کا مرید تھا وہ ہمارے ساتھ بھی بڑا حسن اعتقاد رکھتا تھا جب کبھی میں اس کی آبادی میں جاتا تو وہ ایک خادم کی طرح میرے ساتھ رہتا اور نذرانہ وغیرہ سے ہر ممکن خدمت کرتا۔

تلسی پور کے علاقہ سے وہ ایک عورت بھگا لایا اور مجھ سے کہا کہ اس کا شوہر وہابی مرتد ہے اس کا نکاح آپ میرے ساتھ پڑھ دیجئے۔ میں نے انکار کیا اس نے کہا کسی دوسرے ہی کو پڑھانے کی اجازت دیدیجئے میں نے اجازت دینے سے بھی انکار کیا اور کہا میں کیسے یقین کروں کہ اس کا شوہر وہابی مرتد ہے؟ اس نے کہا آپ آدمی بھیج کر تحقیق کر لیجئے۔

اب دو آدمی جو بظاہر پرہیزگار تھے تحقیق حال کیلئے بھیجے گئے واپس آکر ان لوگوں نے بیان دیا کہ ہم دونوں نے اس کی آبادی کے بہت لوگوں سے معلوم کیا تو یہی تحقیق ہوا کہ اس کا شوہر وہابی مرتد ہے ـــــ مگر میں نے اب بھی نکاح کی اجازت نہ دی اور یہ کہہ کر چلا آیا کہ میں فیض الرسول کے دیگر علماء سے مشورہ کرنے کے بعد ہی کوئی فیصلہ کرسکوں گا۔

اتفاق سے میرے وہاں سے آنے کے چند روز بعد آستانۂ عالیہ علویہ براؤں شریف کے سجادہ نشین اس آبادی میں تشریف لے گئے جس کی بیوی اغوا کی گئی تھی اسے معلوم ہوا کہ جو شخص میری بیوی کو بھگا کر لے گیا ہے اس کے پیر اس کی آبادی میں آئے ہوئے ہیں تو وہ آکر سجادہ نشین سے ملا اور اپنا معاملہ پیش کیا حضرت سجادہ نشین نے شخص مذکور کو بلا کر بہت ڈانٹا پھٹکارا

اور حکم دیا کہ فوراً اس کی بیوی اس کے سپرد کر دو اور علانیہ توبہ واستغفار کرو۔
شخص مذکور نے کہا کہ یہ وہابی مرتد ہے اس کے ساتھ اس عورت کا نکاح منعقد ہی نہیں ہوا۔ اس نے کہا میں الحمدللہ اہلسنت وجماعت سے ہوں، وہابی مرتد نہیں ہوں۔ تمام ضروریات اہلسنت کو مانتا ہوں۔ جس بات کے متعلق آپ چاہیں مجھ سے اقرار لے سکتے ہیں مگر میں اب اس عورت کو نہیں لے جاؤں گا اور پھر وہ طلاق دیکر چلا گیا۔

ہماری آبادی اوجھا گنج کے قریب ایک گاؤں ہے وہاں کا ایک شخص کانپور سے ایک شادی شدہ عورت بھگا کر لایا۔ عید اضحیٰ کے موقع پر جب اوجھا گنج کے لوگوں کو معلوم ہوا تو اس کا بائیکاٹ کیا گیا وہ اپنی ذلت مٹانے کیلئے کانپور گیا اور بھگائی ہوئی عورت کے شوہر وگواہان کے دستخط کے ساتھ طلاق نامہ لاکر پیش کیا۔ میرے دل نے فیصلہ کیا کہ یہ طلاق نامہ فرضی ہے۔ شخص مذکور کے بھائی جو مولوی کہے جاتے ہیں انھوں نے کہا آپ اس تحریر کو صحیح کیوں نہیں مانتے؟ ہم نے کہا جو آدمی دوسرے کی عورت بھگا سکتا ہے وہ فرضی طلاق نامہ بھی بنا سکتا ہے۔ ہم ایسے شخص کی لائی ہوئی تحریر بلا تحقیق نہیں مان سکتے۔

چند روز بعد مولانا محمد علاء الدین اوجھا گنجوی کانپور جانے لگے تو ہم نے ان سے طلاق نامہ کی تحقیق کیلئے کہا۔ انھوں نے مذکورہ عورت کے شوہر سے ملاقات کی اس نے بتایا کہ میں نے طلاق نامہ لکھا ہے نہ کسی سے لکھوایا ہے اور نہ مجھے اس کا کچھ علم ہے البتہ ایک شخص نے مجھ سے سادہ کاغذ پر یہ کہہ کر دستخط لیا ہے کہ تم کو مِل میں ملازمت دلوائی جائے گی ہو سکتا ہے کہ اسی کاغذ کو طلاق نامہ بنا لیا گیا ہو۔

ضلع بستی تحصیل ڈومریا گنج کا ایک شخص آیا اور کمرہ میں داخل ہوتے ہی مصافحہ کے ساتھ پانچ روپیہ نذرانہ پیش کیا ہم نے کہا آج یہ نذرانہ کیسا؟ اس نے کہا بس ایسے ہی دل میں آیا کہ آج آپ کو نذرانہ پیش کروں۔ خیر ہم نے قبول کر لیا۔

پھر جب وہ کھانا وغیرہ سے فارغ ہوا تو ایک سوال پر بھاؤپور ضلع بستی اور تلسی پور ضلع گونڈہ کے مفتیوں کا فتویٰ دکھایا۔ سوال یہ تھا کہ حالت جنون میں زید نے طلاق

دی تو واقع ہوئی یا نہیں ؟ جوابات کا خلاصہ یہ تھا کہ جب جنون کی حالت میں طلاق دی ہے تو نہیں واقع ہوئی کہ حالت جنون کے کسی فعل پر شرعی حکم نہیں لگتا۔ یہاں تک کہ اس حالت کے کلمات کفر پر بھی آدمی کافر نہیں ہوتا۔

شخص مذکور نے بتایا کہ یہ معاملہ ہمارا ہی ہے درمیان میں ہم پاگل ہو گئے تھے پھر اس نے اپنے پاگل ہونے کے بارے میں گورکھپور کے ایک مشہور ڈاکٹر کا سرٹیفکٹ بھی دکھلایا۔

ہم نے کہا دو جگہ کے مفتیوں کا فتویٰ تو آپ کو مل گیا پھر یہاں آنے کی تکلیف آپ نے کیوں اٹھائی ؟ کہا میری بیوی کہتی ہے کہ جب تک براؤں شریف کا فتویٰ نہیں لاؤ گے ہم نہیں مانیں گے ہم نے کہا اگر یہ بات ہے تو ہم بھی فتویٰ لکھ دیں گے۔

پھر ہم نے اس طرح لکھنا شروع کیا کہ اگر زید نے حالت جنون میں طلاق دی ہے تو نہیں واقع ہوئی اور اگر ہوش وحواس کی درستگی میں دی ہے تو واقع ہو گئی۔

اس نے کہا جبکہ میں آپ کو اپنے پاگل ہونے کے بارے میں دماغ کے ایک مشہور ڈاکٹر کا سرٹیفکٹ دکھا رہا ہوں تو آپ کو یوں لکھنا چاہئے کہ جب زید نے حالت جنون میں طلاق دی ہے تو نہیں واقع ہوئی۔ ہم نے کہا اس طرح وہ لوگ لکھیں گے کہ جنکو فتویٰ نویسی کا تجربہ نہیں ہے ہم ایسا ہرگز نہیں لکھ سکتے۔ رہی پاگل ہونے کے بارے میں سرٹیفکٹ کی بات تو آپ اپنے پاگل ہونے کے متعلق ایک ڈاکٹر کا سرٹیفکٹ دکھا رہے ہیں آپ جس کے بارے میں کہیں میں اس کے متعلق دس ڈاکٹروں کے سرٹیفکٹ منگوا کر دکھلا سکتا ہوں۔

جب اس نے دیکھا کہ پانچ روپیہ نذرانہ کے نام پر رشوت دینے کے باوجود کام نہیں بنا تو اس کا تین گنا وصول کرنے کیلئے ہم سے پندرہ روپئے کی کتابیں ادھار لے گیا اور بار بار تقاضا کے باوجود کئی برس تک نہیں دیا یہاں تک کہ اس کے لڑکے نے عاجز ہو کر اپنی طرف سے ادا کیا۔

جو لوگ کہ ظاہری پرہیزگاری کے فریب میں آجاتے ہیں۔ عورتوں کو اغوا کرنے والوں کی باتوں کو مان لیتے ہیں اور ان کے لائے ہوئے طلاق نامہ وغیرہ بلا چون وچرا صحیح تسلیم کر لیتے

ہیں وہ ان واقعات سے عبرت حاصل کریں اور خوب یاد رکھیں کہ دنیا بہت مکار ہو گئی ہے۔
ان کی باتوں میں نہ آئیں حتی الامکان معاملہ کی تحقیق کر لیں اور تحریر میں حلال وحرام، جائز و ناجائز اور طلاق کے وقوع و عدم وقوع دونوں پہلوؤں کو واضح طور پر لکھیں۔

تصنیف و تالیف

درس و تدریس اور فتویٰ نویسی کی مصروفیات کے باوجود ہم نے شروع ہی سے تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ سب سے پہلے گلدستہ مثنوی یعنی مولانا روم علیہ الرحمہ کی مثنوی شریف کا انتخاب مع ترجمہ و مختصر تشریح لکھی۔ پھر دیگر کتابیں معارف القرآن، انوار شریعت عرف اچھی نماز، حج و زیارت محققانہ فیصلہ، باغ فدک اور حدیث قرطاس، ضروری مسائل، بچوں کے لئے دینی تعلیم کا سنیت افروز سلسلہ نورانی تعلیم چہار حصے، انوار الحدیث اور الغاز الفقہ عرف فقہی پہیلیاں لکھیں پھر اس کے بعد زیر نظر کتاب خطبات محرم مرتب کی ان تمام تصنیفات میں انوار الحدیث اور الغاز الفقہ سب سے زیادہ اہم سمجھی جاتی ہیں۔

اور ہندوستان میں چونکہ اردو داں طبقہ روز بروز کم ہوتا جارہا ہے اسی لئے دوسروں نے اپنی مذہبی کتابیں بہت پہلے ہندی میں چھپوا کر پورے ملک میں پھیلا دیں جس سے اسلام و سنیت کو زبردست نقصان پہنچ رہا ہے کہ ان کی کتابیں پڑھ کر لوگ گمراہ ہوتے جارہے ہیں مگر ہماری جماعت کے لوگوں نے اس طرف توجہ نہ کی۔

خدائے تعالیٰ کا شکر ہے اس نے ہم کو توفیق عطا فرمائی کہ اہلسنت و جماعت میں سب سے پہلے ہم نے ۱۴۰۰ھ مطابق ۱۹۸۰ء میں انوار شریعت عرف اچھی نماز کو ہندی میں چھپوایا جو بے انتہا مقبول ہوئی اس کے بعد لوگوں کی توجہ اس طرف ہوئی اور بہار شریعت حصہ اول وغیرہ بہت سی کتابیں ہندی میں چھپکر منظر عام پر آگئیں۔ اور ہم نے انوار شریعت کے بعد محققانہ فیصلہ پھر انوار الحدیث کو بھی ہندی میں کر دیا جس سے اہلسنت و جماعت کے ہندی داں طبقہ کو بہت فائدہ پہنچ رہا ہے۔ فالحمد للہ علیٰ ذلک۔

دوسروں کی بہ نسبت ہماری جماعت میں تصنیف و تالیف کا کام بہت کم ہو رہا ہے۔

اس لئے کہ جو لوگ اس کام کی صلاحیت رکھتے ہیں وہ اگر شروع میں کچھ کام کرتے بھی ہیں تو بعد میں اسے چھوڑ کر وظیفہ، پیری مریدی اور تعویذ نویسی میں لگ جاتے ہیں مگر میں نے دین کی تقویت اور اسلام و سنیت کی تبلیغ کیلئے کتابوں کی تصنیف اور اس کی نشر و اشاعت کو سب سے زیادہ اہم سمجھا اس لئے کہ کتابیں ہر صوبہ اور ہر شہر کے مسلمانوں کو آسانی سے پہنچ جائیں گی جن سے وہ اپنے ایمان و عمل کو سنواریں گے۔ اور پیری مریدی سے چاہے ہم کیسے دنیادار ہو جائیں لیکن مرید لوگ ہمیں ولی ضرور بنا دیں گے جس سے عرس بھی ہوگا مگر اس سے ہم کو اور ہماری اولاد کو فائدہ پہنچے گا اور تصنیف و تالیف سے پوری قوم مستفید ہو سکے گی۔

اعلیٰ حضرت امام اہلسنت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ والرضوان دین کی اشاعت اور بدمذہبیت کی روک تھام کیلئے دن رات قلم چلاتے رہے آج بھی وہابیت اور دیوبندیت ہر طرح سے مضبوط ہو رہی ہے اور پڑھا لکھا طبقہ ان سے متاثر ہوتا چلا جا رہا ہے اس لئے ہر سنی عالم دین پر لازم ہے کہ وہ اپنی صلاحیت کے مطابق بدمذہبیت کی روک تھام کیلئے قلم چلائے اور صرف پیری مریدی کو اس کیلئے کافی نہ سمجھے کہ اعلیٰ حضرت کے زمانے میں بھی پیروں کی کمی نہیں تھی مگر سنیت کا بول بالا ان کے قلم چلانے ہی سے ہوا۔

ہم نے مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ کے مقامات مقدسہ پر یہ دعا کی الٰہ العالمین ہم کو اور ہماری اولاد کو خلوص کے ساتھ دین متین کی بیش از بیش خدمت کی توفیق رفیق عطا فرما اور آج بھی مبارک موقعوں پر یہ دعا کرتے رہتے ہیں۔

خدائے تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے ہمارے حق میں یہ دعا قبول فرمائی کہ ہم خدمت دین ہی کے جذبہ سے کتابیں لکھتے اور اس کی نشر و اشاعت کرتے ہیں اور جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم حصول زر کیلئے ایسا کر رہے ہیں وہ بدگمانی کے گناہ کبیرہ میں مبتلا ہیں اگر مقصد روپیہ کمانا ہوتا تو ہماری تصنیف کردہ کتابوں کا یہ مزاج نہ ہوتا کہ بدمذہب اسے ہاتھ نہیں لگاتا ہے۔ اور غلطی سے اگر خرید لیتا ہے تو پڑھنے کے بعد افسوس کرتا ہے اور کبھی فحش گالیوں سے بھرا ہوا خط بھی لکھتا ہے۔

کتب خانہ امجدیہ

کتابوں کے ذریعہ مذہب کی اشاعت بہت ٹھوس اور مستحکم ہوتی ہے اسی لئے بدمذہب اپنی بدمذہبی پھیلانے کیلئے تقریباً ہر شہر میں کتب خانہ قائم کئے ہوئے ہیں اور اس کے ذریعہ ہر گھر میں اپنی کتابیں پہنچا کر لوگوں کو گمراہ کر رہے ہیں مگر اہلسنت وجماعت کے لوگوں کی توجہ اس طرف نہیں اسی لئے پورے ملک میں سنیوں کا کوئی ایسا کتب خانہ نہیں جو قابل ذکر ہو صرف چند مقامات پر چھوٹے چھوٹے کتبخانے ہیں۔ جو اپنی بساط کے مطابق کام کر رہے ہیں۔ بمبئی میں بھنڈی بازار جیسی مین جگہ اور دہلی میں جامع مسجد کا اریا سنی کتب خانوں سے خالی ہے جس سے سنیت کو بہت نقصان پہنچ رہا ہے مگر سنیوں کی آنکھ نہیں کھلتی اور انھیں نظر نہیں آتا۔

بمبئی کے ایک رضوی عالم جو بہت سے تاجروں کو بطور مضاربت بڑی بڑی رقمیں دیتے ہیں میں نے ان سے کہا کہ بھنڈی بازار جہاں ہزاروں مسلمان روزانہ کتابیں خریدنے کیلئے آتے ہیں وہاں اہلسنت وجماعت کا کوئی کتب خانہ نہیں ہے جس کی اشد ضرورت ہے۔ سنی مسلمان ترجمہ قرآن مجید لینا چاہتا ہے اور بدمذہب اپنے لوگوں کا ترجمہ اسے پکڑا دیتا ہے بلکہ بعض لوگ جو اعلیٰ حضرت کا ترجمہ صراحۃً طلب کرتے ہیں مگر پڑھے ہوئے نہیں ہوتے ہیں تو انھیں بھی اپنے مولوی کا ترجمہ دیدیتے ہیں اس لئے بھنڈی بازار میں آپ ایک کتب خانہ قائم کر دیجئے۔

میری ان باتوں نے ان کے اوپر ایسا اثر کیا جیسے کسی زخمی شیر کو چھیڑ دیا جائے انکے چہرہ کا رنگ بدل گیا اور وہ غصہ سے بھرے ہوئے بولنے لگے کہ اس زمانہ میں جب کہ ہزار بہت وقعت رکھتا تھا انہی ہاتھوں سے میں نے فلاں مولوی کو ستر ہزار روپیہ پریس اور کتب خانہ قائم کرنے کیلئے دیا اتنا روپیہ کتنی پریشانیوں سے اکٹھا ہوا وہ میں ہی جانتا ہوں مگر قوم کا پیسہ لیکر وہ کھا گئے اور کچھ نہ کیا۔

میں نے کہا میں آپ سے کچھ مانگتا نہیں ہوں بلکہ مذہب کی اشاعت اور سنیت کو نقصان پہنچنے سے بچانے کیلئے چاہتا ہوں کہ آپ خود بھنڈی بازار میں ایک سنی کتب خانہ قائم کر دیں مگر آج تک انھوں نے اس کی طرف کوئی توجہ نہیں کی۔

اور بھی ہم نے کئی لوگوں سے کتب خانہ قائم کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا کہ آپ لوگ ہر طرح کا روزگار کرتے ہیں کتب خانہ کیوں نہیں چلاتے کہ اس سے دین کا کام بھی ہوگا اور آپ کی ضروریات کیلئے روپیہ پیسہ ملتا بھی رہے گا اور آپ خدمت دین کی نیت سے ایسا کریں گے تو ثواب بھی ملے گا۔ مگر دنیا دار تو دنیا دار کسی دیندار کی سمجھ میں بھی نہیں آیا۔

ہندوستان کے ایک مشہور مقرر جن کی تقریریں اکثر بمبئی میں ہوتی رہتی ہیں اور کثیر مجمع ہوتا ہے ہم نے ان سے کہا کہ بھنڈی بازار بمبئی میں ایک سنی کتب خانہ قائم کروانے کے لئے ہم نے بہت کوشش کی مگر کامیاب نہیں ہوئے انھوں نے کہا اگر ہم کہہ دیں تو ہو جائے گا۔ ہم نے کہا اسی لئے تو آپ سے ذکر کیا ہے آپ کہہ دیں گے تو یقیناً وہاں ایک بڑا کتبخانہ ہو جائے گا جس کی اشد ضرورت ہے مگر نہ معلوم ان کے پیش نظر کیا مصلحت ہے کہ آج تک انھوں نے اس سلسلے میں ہونٹ ہلانا گوارا نہ کیا۔

ہندوستان کے بہت سے شہروں میں اور خود بمبئی میں ایسے ایسے بڑے بڑے ادارے ہیں جو لاکھوں روپیہ بینکوں میں رکھنے کو بہت بڑی کامیابی سمجھتے ہیں اور اس پر فخر کرتے ہیں کہ فلاں کی صدارت و نظامت کے زمانہ میں صرف اتنا بینک بیلنس رہا اور ہمارے وقت میں اتنا زیادہ ہوگیا۔

یعنی اسلام کے نام پر روپیہ وصول کرنے کے بعد بینک کو نفع پہنچایا جاتا ہے اور اسلام کی باتوں کو عام کرنے کیلئے مسلمانوں کا پیسہ استعمال نہیں کیا جاتا نہ انکے ایمان و عمل کو سنوارنے کیلئے کام میں لایا جاتا ہے۔ البتہ بعض مدرسہ والے آمدنی کیلئے مارکیٹ اور ہوٹل وغیرہ بنواتے ہیں پریس و کتب خانہ نہیں قائم کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ بدمذہبوں کی اہم کتابیں ہندوستان کی پندرہ زبانوں میں شائع ہو رہی ہیں اور اہلسنت و جماعت کی بہار شریعت جیسی اہم کتاب ابھی تک صرف اردو میں بھی صحیح نہیں مل پا رہی تھی۔ خدائے تعالیٰ قادری بکڈپو نو محلہ مسجد بریلی شریف کا بھلا کرے کہ اس کی کوششوں سے اب صحیح بہار شریعت اردو میں ملنے لگی۔

بدمذہب مولویوں کے پاس جب پیسہ ہوتا ہے تو وہ پریس و کتب خانہ قائم کرکے اپنا مذہب پھیلاتا ہے اور سنی مولوی جب خوش حال ہوتا ہے اور اس کے پاس رقم پسماندہ ہوتی ہے تو وہ سمجھانے کے باوجود اس طرف توجہ نہیں کرتا بلکہ بینک میں جمع کر کے اس کو فائدہ پہنچاتا ہے، کسی دوسری چیز کی دوکانداری کرتا ہے، بس اور ٹیکسی چلواتا ہے یا مرغی اور مچھلی پالتا ہے اور اس طرح کے کاموں میں ترقی کر جانے کو اپنے لئے بہت بڑی کامیابی سمجھتا ہے۔ حالانکہ عالم کی کامیابی حقیقت میں یہ ہے کہ وہ دین کے کاموں میں ترقی کرے اس لئے کہ گائے کا دودھ دیکھا جاتا ہے اس کی چال نہیں دیکھی جاتی۔ گائے کی چال کتنی ہی اچھی ہو مگر دودھ نہ دے تو بیکار ہے اور گھوڑی کی چال دیکھی جاتی ہے نہ کہ اس کا دودھ مطلب یہ ہے کہ جو چیز جس کام کیلئے ہوتی ہے اسی میں ترقی اس کی کامیابی ہوتی ہے تو عالم دین جو دینی کاموں کیلئے ہوا کرتا ہے اس کی بجائے دنیوی کاموں میں ترقی کرے تو وہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی گائے دودھ کے بجائے اچھی چال والی ہو۔

خدائے تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے اگر ہم کو کچھ پیسہ عطا فرمایا تو اپنے دین کی تقویت اور اس کی نشر و اشاعت کیلئے ہمیں کتب خانہ امجدیہ قائم کرنے کی توفیق عطا فرمائی جو اپنی بساط کے مطابق دین کی ہر ممکن خدمت کر رہا ہے کہ ملک اور بیرون ملک کے بیشمار لوگ اس کی شائع کردہ کتابوں سے فائدہ اٹھا رہے ہیں اور اپنے ایمان و عمل کو سنوار رہے ہیں۔

اللہ رب العزت سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدقہ و طفیل میں ہماری اس دینی خدمت کو بھی قبول فرمائے۔

ایک اور اہم خدمت دین

قرآن مجید کے ابتدائے نزول سے آج تک اس کی کتابت و طباعت کی صحت کا ہر عہد میں بہت اہتمام کیا گیا ہے اور اس کو غلط چھپنے سے بچانے کیلئے ہمیشہ ہر ممکن کوشش کی گئی ہے لیکن اس زمانہ کے چند دنیادار ناشرین زیادہ سے زیادہ نفع خوری کیلئے نہایت غیر ذمہ داری ولاپروائی سے کثیر غلطیوں کے ساتھ قرآن مجید چھاپ کر شائع کر رہے تھے اور ملک و بیرون

ملک جہاں تک قرآن مجید پھیلایا جا رہا تھا ہر جگہ بے شمار علما و حفاظ موجود رہے مگر کسی نے اس پر کوئی توجہ نہیں کی۔

اور یہ عجیب بات ہے کہ غلطیاں ترجمہ رضویہ ہی کے متن میں پائی گئیں غالباً اس لئے کہ اہلسنت و جماعت کو ہندوستان میں اس ترجمہ والا قرآن مجید نہیں مل پا رہا تھا اور پوری قوم اس کے لئے بہت بے چین تھی تو ناشرین نے سوچا کہ چاہے جیسے چھپوا دیا جائے گا سنی عوام و خواص سب لے لیں گے اور تھوڑے ہی خرچ میں زیادہ نفع حاصل ہو جائے گا۔

سب سے پہلے ایک کتب خانہ کے مطبوع قرآن مجید کے متن میں ہمیں پچاس غلطیاں ملیں۔ پھر اسی کتب خانہ کے چھپوائے ہوئے دوسرے نسخہ میں ۱۴۵ غلطیاں ظاہر ہوئیں۔ اس کے بعد دوسری کمپنی کے مطبوع قرآن میں ۴۰ غلطیاں پائی گئیں۔ پھر تیسرے بکڈپو کے چھپوائے ہوئے میں ۵۶ غلطیاں ملیں اس کے بعد چوتھے کتب خانہ کے مطبوع میں ۷۵ غلطیاں ظاہر ہوئیں پھر پانچویں کمپنی کے شائع کردہ قرآن میں ۴۳ غلطیاں پائی گئیں اور پھر میری تصحیح کے باوجود اسکے دوسرے اڈیشن کے نسخہ میں ۲۳ غلطیاں ملیں اس کے بعد چھٹے ادارہ کے مطبوع میں ۶۸ غلطیاں ظاہر ہوئیں جن کی تصحیح تفصیل کے ساتھ ماہنامہ پاسبان الہ آباد، ماہنامہ اعلیٰ حضرت بریلی شریف اور ماہنامہ فیض الرسول براؤں شریف کے مختلف شماروں میں شائع کی گئی۔ ساتھ ہی ہم نے ثبوت کے ساتھ یہ بھی اعلان کیا کہ ترجمہ رضویہ مع تفسیر صدر الافاضل کے ساتھ قرآن مجید کے مضامین کی جو فہرست شائع کی جا رہی ہے وہ کھلا ہوا فریب ہے۔ ناشرین کو ایسی فہرست کے ساتھ قرآن مجید چھپوانے سے منع کیا جائے اور نہ مانیں تو ان کا بائیکاٹ کیا جائے۔ لیکن آج تک ہمارے اس اعلان پر کسی نے کوئی دھیان نہیں دیا اور کتب خانہ والے برابر اسی جھوٹی فہرست کو شائع کر رہے ہیں جو مفید ہونے کی بجائے سنیوں کیلئے بے انتہا مضر ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حاضر و ناظر ہونے، غیر اللہ سے مدد مانگنے اور ان کے علاوہ دیگر مختلف فیہ مسائل کے متعلق فہرست میں جو آیات مبارکہ لکھی گئی ہیں مخالفین کے سامنے جب سنی عوام ان کو پیش کریں گے اور قرآن مجید کے ترجمہ و تفسیر میں فہرست کے مطابق ان کا ذکر نہیں پائیں گے تو اس کے بعد جو ان کا حال ہوگا وہ

ظاہر ہے کہ سنی علما سے وہ بدظن ہو جائیں گے ان کو فریب کار و مکار ٹھہرائیں گے اور مخالفین آسانی کے ساتھ ان کو اپنی جماعت میں شامل کر لیں گے۔

یہ غلطی سب سے پہلے بریلی شریف کی قرآن کمپنی کی ہے جیسا کہ اس کے ایک ذمہ دار ممبر نے مجھ سے خود بیان کیا کہ ہم لوگوں نے مزید افادیت کیلئے قرآن مجید کے ساتھ اس کے مضامین کی فہرست بھی شائع کی ہے اور دوسرا ثبوت یہ ہے کہ تفسیر صدر الافاضل کے ساتھ فہرست ہونے کا اعلان سب سے پہلے اسی کمپنی نے کیا۔ دیکھئے ماہنامہ نوری کرن بریلی شریف شمارہ نومبر ۱۹۶۲ء۔

اصل واقعہ یہ ہے کہ وہ تفسیر نور العرفان کی فہرست ہے۔ جو تفسیر خزائن العرفان کیساتھ ضم کر دی گئی ہے اس لئے مضامین اس کے مطابق نہیں۔

میں نے کتب خانہ اشاعت الاسلام دہلی پر فہرست کی فریب کاری دکھانے کے بعد بہت دباؤ ڈالا کہ وہ قرآن مجید بلا فہرست چھاپے۔ اس نے ایک اڈیشن ایسا ہی طبع کیا لیکن دنیا دار کتب فروشوں نے سنی عوام کو بیوقوف بنانے کیلئے پھر اس کتب خانہ کو اسی فہرست کے ساتھ قرآن مجید چھپوانے پر مجبور کر دیا۔

طباعت قرآن مجید کے اغلاط کی تصحیح رسالوں میں چھپوانے کے سبب اکثر ناشرین سے ہمارے تعلقات خراب ہو گئے اسی لئے ہم نے اس مضمون کے شروع میں ان کو دنیا دار لکھا اس لئے کہ اگر وہ دیندار ہوتے اور قرآن کی غلط طباعت کے سبب انھیں کچھ بھی اپنی عاقبت کے خراب ہونے کا اندیشہ ہوتا تو شکر گذار ہونے کی بجائے ہم سے ناراض نہ ہوتے بلکہ وہ خود ہماری تصحیح کو کثیر الاشاعت ماہناموں میں بار بار شائع کرتے یہاں تک کہ جتنے لوگوں کے پاس انکے شائع کردہ نسخے ہیں وہ سب آگاہ ہو جاتے اور قرآن کی غلط خوانی سے بچ جاتے مگر انھوں نے ایسا اس لئے نہیں کیا کہ ان کو اپنی نفع خوری میں کمی کا اندیشہ تھا۔

دنیوی صلہ

اس تصحیح کا ہمیں دنیوی صلہ یہ دیا گیا کہ جب کتب خانہ اشاعت الاسلام دہلی نے ہماری تصحیح کے مطابق قرآن مجید چھپوایا تو ساتھ ہی اس نے یہ اعلان بھی شائع کیا کہ مفتی جلال الدین احمد امجدی کی تصحیح کے مطابق اسے طبع کروایا گیا ہے۔

مگر پھر بھی اس میں املا کی بعض غلطیاں رہ گئی تھیں جس پر لندن سے ایک صاحب نے محاسبہ کرتے ہوئے گستاخیوں سے بھرا ہوا خط لکھا کہ جب آپ کی نگرانی میں قرآن مجید طبع ہوا تو یہ غلطیاں کیسے رہ گئیں؟ حالانکہ میری نگرانی میں نہیں چھپا تھا بلکہ جو غلطیاں ہمیں نظر آئیں صرف انکی تصحیح ہم نے ماہناموں میں شائع کر دی تھی۔

اور کتب خانہ اشاعت الاسلام کے اسی اعلان پر کشمیر کے بعض لوگوں کو یہ غلط فہمی ہو گئی کہ تفسیر خزائن العرفان کے ساتھ جو فہرست شائع کی جارہی ہے وہ ہم نے مرتب کی ہے جس سے سنیت کو نقصان پہونچ رہا ہے تو ایک گستاخ نے بلا تحقیق بد تمیزیوں سے بھرا ہوا خط لکھا حالانکہ ہم خود اس فہرست کے غلط ہونے کا اعلان ماہناموں میں کر چکے تھے۔

اور ہندوستان کے ایک مشہور مفتی نے کہا کہ آپ بلا وجہ ناشرین قرآن کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں یہ ساری غلطیاں تو اسی نسخہ میں پائی جاتی ہیں جو حضرت صدر الافاضل نے چھپوایا تھا۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ جب حضرت صدر الافاضل کے شائع کردہ نسخہ میں یہ ساری غلطیاں پائی جارہی ہیں تو اس کی تصحیح نہ کی جائے بلکہ قیامت تک اسے باقی رہنے دیا جائے۔

بریں عقل و دانش بباید گریست

اور فقہ حنفی کی عظیم کتاب بہار شریعت میں گمراہ کن تحریف کی مذموم حرکت کی گئی کہ اسکے مثبت مسائل کو منفی اور منفی کو مثبت بنا کر چھاپا گیا لیکن اس کے متعلق کسی نے قلم نہیں اٹھایا اور نہ کچھ لکھا ہم نے چند غلطیاں بطور ثبوت پیش کرتے ہوئے اس کے خلاف مضامین لکھے جو ماہنامہ پاسبان الہ آباد شمارہ مارچ ۱۹۷۹ء اور ماہنامہ فیض الرسول براؤں شریف شمارہ اپریل ۱۹۷۹ء میں شائع ہوئے اگر ایسا نہ کیا گیا ہوتا تو کچھ دنوں بعد مخالفین اس کے مصنف فقیہ اعظم ہند حضرت صدر الشریعہ علامہ حکیم ابو العلا محمد امجد علی صاحب قبلہ علیہ الرحمۃ والرضوان کی ذات ستودہ صفات پر کیچڑ اچھالتے اور انھیں بدنام کرنے کی ناپاک کوشش کرتے ـــــ خداوند قدوس اس خدمت کو بھی قبول فرمائے اور ہمیں اجر جزیل وجزائے جلیل عطا فرمائے۔ آمین۔

عام حالات

حق گوئی وبیباکی

آئین جواں مرداں حق گوئی وبیباکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

علمائے دین کا حق گو اور بے باک ہونا ضروری ہے، ان پر لازم ہے کہ باطل سے نہ ڈریں اور بلا خوف لومۃ لائم حق کو بیان کریں۔ جس کے اندر یہ جوہر نہیں ہے وہ حقیقت میں وارث انبیاء کہلانے کا مستحق نہیں ہے۔

الحمد للہ ہم نے بڑی بڑی طاقت رکھنے والوں، بڑے بڑے پیروں اور بڑے بڑے دولت مندوں کی پرواکئے بغیر بہت سے موقعوں پر حق گوئی کی ہے جن میں سے چند اہم واقعات یہ ہیں۔

دہریوں کے مقابلہ میں حق گوئی

بحمدہ تعالیٰ ہمارا وطن اوجھا گنج وہابیوں، دیوبندیوں اور رافضیوں وغیرہ سے پاک ہے لیکن کچھ لوگ کمیونزم سے متاثر ہو کر دہریہ ہو گئے۔ اللہ ورسول جل جلالہٗ وصلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کیا ان کی شان میں گستاخیاں اور بے ادبیاں کیں۔ اور یہ وہ لوگ تھے کہ جنکے باپ پہلے زمیندار تھے اور ہماری ہریا تحصیل کے سب سے بڑے حکیم اور ڈاکٹر تھے اس لئے وہ لوگ روپئے پیسے سے بہت مضبوط تھے اور باپ کی سابقہ زمینداری و موجودہ ڈاکٹری کے سبب پورے علاقہ میں بڑا اثر رکھتے تھے۔

جب ان گستاخیوں کی آواز ہمارے کانوں میں آئی تو اگرچہ ہماری علمی ومالی پوزیشن اس

زمانہ میں کمزور تھی اور ہمارے مخلصین بھی بہت کم تھے مگر ہم ان کے خلاف کھلم کھلا تقریریں کرنی شروع کر دیئے اور ہر جمعہ، ہر محفل میلاد اور محرم شریف کی ہر مجلس میں برابر ان کا رد کرنے لگے۔

ایک بار دہریوں کے بڑے باپ آئے انھوں نے کہا ہمارے گھر والے تو بہت خراب ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ ہمارا فلاں بھتیجہ کہتا ہے کہ قرآن پرانا ہوگیا اب وہ عمل کے قابل نہیں رہ گیا۔

(معاذ اللہ رب العالمین)

قرآن مجید کی حقانیت بیان کرنے کیلئے انھوں نے میلاد شریف کی محفل کا انعقاد کیا ہم نے اس میں حاضر ہو کر قرآن مجید کے منزل من اللہ ہونے اور ہمیشہ کیلئے اس کے مشعل ہدایت ہونے پر عقلی و نقلی دلائل کے انبار لگا دیئے اور دہریوں کے دروازہ ہی پر ان کا بہت سخت رد کیا۔

ہماری تقریروں کے جواب میں انھوں نے اور ان کے گھر والوں نے مولویوں کی برائی کرنی شروع کی کہ فلاں مولوی نے یہ غلط کام کیا اور فلاں مولوی نے یہ برائی کی۔ آبادی کے لوگوں نے ان کو یہ جواب دیا کہ مگر ہمارے یہاں کے مولانا صاحب میں تو اس قسم کا کوئی عیب نہیں ہے کسی جگہ کے کسی مولوی نے اگر کوئی برائی کی ہوگی تو اس کا ذمہ دار وہی ہوگا۔

جب اس طرح ان کو کامیابی نظر نہ آئی تو انھوں نے دھمکی دینی شروع کی۔ کہ ہم تھانیدار سے کہہ کر پریشان کرائیں گے اور طرح طرح کے مقدموں میں پھنسا کر حالت خراب کر دیں گے۔ ہم نے کہا اگر وہ ایسا کریں گے تو ہم ہر جمعہ کو ایک ایک مسلم آبادی میں جا کر ان کے خلاف تقریریں کریں گے اور ان کے تمام عیوب بیان کر کے طشت از بام کریں گے اور اس طرح ہم ان کو ذلیل کریں گے کہ علاقہ میں منہ دکھانے کے قابل نہ رہیں گے۔

ضلع بستی چھاؤنی کے رئیس جناب ریاست علی خاں صاحب مرحوم (خدائے تعالیٰ انکی قبر پر رحمتوں کے پھول برسائے) وہ شعیب الاولیا حضرت شاہ محمد یار علی صاحب قبلہ علیہ الرحمۃ والرضوان کے مخصوص مرید تھے اور میرے مخلصین میں سے تھے میں نے ان سے دہریوں کی دھمکی کا ذکر کیا کہ وہ لوگ مجھے مقدمات میں پریشان کرنے کو کہتے ہیں۔ انھوں نے کہا آپ ان سے دبیئے گا نہیں اگر ضرورت پڑے گی تو ہم چھاؤنی سے لیکر بستی تک روپئے بچھا دیں گے۔ مگر دہریوں کو ایسا کرنے کی

جرأت نہ ہوئی یہاں تک کہ وہ اوجھا گنج سے منتقل ہو کر دوسرے مقامات پر چلے گئے اور دہریت کا فتنہ بالکل ختم ہو گیا۔

ہمارا خاندان جو اوجھا گنج میں سب سے زیادہ پھیلا ہوا ہے اور طرح طرح کے لوگوں پر مشتمل ہے دہریے بھی اسی خاندان کے افراد ہیں مگر ساری قرابت اور تمام رشتوں پر اسلام کا رشتہ بالا ہے جب وہ مسلمان نہیں رہ گئے اور دہریہ ہو کر مرتد ہو گئے جو کافروں کی بدترین قسم ہے تو ہم نے تقریباً ۲۵ برس سے مکمل ان کا بائیکاٹ کر رکھا ہے۔ نہ ان کی شادی وغیرہ میں ہمارے گھر کا کوئی فرد شریک ہوتا ہے اور نہ ہم اپنے گھر کی کسی تقریب میں ان کو مدعو کرتے ہیں۔

اپنے عزیز وہ ہیں جنھیں وہ عزیز ہیں

ہم کو ہیں وہ پسند جنھیں آئیں وہ پسند ۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

مگر افسوس کہ اوجھا گنج کے بعض مولوی ان دہریوں سے شیر و شکر کی طرح ملتے ہیں اور ان کی شادی و غمی میں شریک ہو کر ہمارے کئے ہوئے پر پانی پھیرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ خدائے عزوجل انھیں حکم شریعت کے مطابق دہریوں سے دور رہنے کی توفیق رفیق بخشے۔ آمین۔

اوجھا گنج کے ڈاکٹر ضمیر الحسن مرحوم جو پرانے زمانے کے زمیندار تھے۔ یونانی، ایلوپیتھک ہومیوپیتھک اور آیورویدک وغیرہ ہر طرح سے لوگوں کا علاج کرتے تھے جن کی ڈاکٹری اور طبابت کی پورے علاقہ میں دھوم مچی ہوئی تھی اور قرب و جوار کے بڑے بڑے برہمن اور ٹھاکر حاضر ہو کر انکو سلام کیا کرتے تھے۔ انھوں نے بعض اہم عقائد اسلامی کی تضحیک کی اور مذاق اڑایا تو اگرچہ وہ ہمارے خاندانی چچا تھے اور بڑے اثرات رکھتے تھے مگر اس بنیاد پر ہم نے ان کا بائیکاٹ کر دیا۔ شادی وغیرہ کے موقع پر وہ برابر ہمارے گھر دعوت دیتے اور مٹھائی وغیرہ بھجواتے لیکن ہم انکی دعوت کو رد کر دیتے اور مٹھائی کو واپس کر دیتے۔

اسی طرح تقریباً دس سال تک وہ اپنی ساری تقریبات میں بلاتے رہے اور ہم جانے سے انکار کرتے رہے یہاں تک کہ وہ مرض الموت میں مبتلا ہو گئے تو ہمیں اکثر یاد کرنے لگے لوگوں نے ہم سے کہا وہ آپ کو بہت یاد کرتے ہیں۔ ہم نے کہا یاد کرنے دو وہ مر جائیں گے مگر ہم انکے قریب

نہ جائیں گے۔

جب ان کی صحت بہت زیادہ خراب ہوئی تو لوگوں نے کہا وہ آپ کا ذکر بہت کرتے ہیں اور آپ سے ملنا چاہتے ہیں مگر آنے سے معذور ہیں۔ میں نے کہا میں ان سے مل سکتا ہوں۔ بشرطیکہ وہ توبہ کرنے کیلئے تیار ہوں۔

ایک شخص ان کے گھر گیا اور آکر بتایا کہ وہ توبہ کرنے کیلئے تیار ہیں میں فوراً انکے پاس گیا انھوں نے بخوشی توبہ اور تجدید ایمان کیا۔ میں نے ان سے کہا کہ آپ اپنی اولاد کو تاکید کر دیجئے کہ وہ اسلام کے خلاف کچھ نہ بولیں اور عقیدہ صحیح رکھیں کہ بدعملی تو کسی حد تک برداشت کی جاسکتی ہے مگر بداعتقادی نہیں برداشت کی جاسکتی تو انھوں نے میری موجودگی ہی میں اپنے لڑکوں کو اسلامی عقائد پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہنے کی وصیت فرمائی۔

ان کے گھر کے بعض لوگوں کو ان کا توبہ اور تجدید ایمان برا معلوم ہوا جس کے خلاف ان سے کچھ کہلوانا چاہا مگر انھوں نے کچھ نہ کہا اور اپنے توبہ پر قائم رہے یہاں تک کہ اس واقعہ کے تقریباً ایک ماہ بعد رمضان شریف کے مبارک مہینہ میں انتقال کر گئے۔

خدائے عزوجل انھیں اپنی مغفرت سے نوازے اور قیامت کے دن سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دامن کرم کا سایہ نصیب فرمائے۔ آمین۔

بمبئی میں حق گوئی

ایک سال ماہ محرم میں بمبئی والوں کی دعوت پر میں قریش نگر کرلا میں وعظ کہہ رہا تھا۔ دوران تقریر مجھے خبر دی گئی کہ فوجدار سیٹھ کا انتقال ہوگیا۔ شخص مذکور بستی ضلع کا رہنے والا تھا میرا بڑا مخلص تھا اور محرم کمیٹی قریش نگر کرلا کے ایک خاص ممبر کا چچا تھا۔ جنازہ غسل وکفن کے بعد کرلا محلہ کی ایک مسجد میں رکھا گیا اور مجھے جنازہ کی نماز پڑھانے کے لئے لے جایا گیا جب مجھ سے مسجد کی طرف مڑنے کے لئے کہا گیا تو میں نے کہا ادھر کہاں؟ لوگوں نے کہا جنازہ اسی مسجد میں پڑھنا ہے۔ ہم نے کہا جنازہ مسجد میں پڑھنا جائز نہیں ہم وہاں نہیں پڑھ سکتے جنازہ باہر لائیے لوگوں نے کہا بمبئی میں سب مولانا مسجد میں نماز جنازہ پڑھاتے ہیں اس لئے کہ شہر میں مسجد کے

باہر جنازہ پڑھانے کے لئے جگہ نہیں ہے۔

ہم نے کہا ہاں بمبئی میں جلسہ و قوالی کے لئے جگہ ہے یہاں تک کہ سینما و سرکس اور قسم قسم کے لہو و لعب کیلئے بھی جگہ ہے مگر نماز جنازہ کے لئے جگہ نہیں ہے۔ ہم مسجد میں نہیں پڑھا سکتے۔ جو لوگ پڑھاتے ہیں وہ ناجائز کرتے ہیں۔

کچھ لوگوں نے کہا کہ حضور مفتئ اعظم ہند قبلہ، سید العلماء حضرت مولانا سید آل مصطفیٰ صاحب قبلہ اور محبوب العلماء حضرت مولانا مفتی محبوب علی خاں صاحب قبلہ (علیہم الرحمۃ والرضوان) مسجد میں نماز جنازہ پڑھاتے رہے ہیں اور آپ ناجائز کہتے ہیں ہم نے کہا آپ لوگ بڑی بڑی شخصیتوں کا نام لے کر ہم کو دبانے کی کوشش مت کیجئے ہم کہاں تحقیق کرنے جائیں کہ یہ حضرات پڑھاتے تھے یا نہیں۔ آپ لوگ دو باتوں میں سے ایک بات کیجئے یا تو مجھ سے فقہ کی معتبر کتابوں میں ناجائز دیکھ لیجئے اور یا تو آپ لوگ جائز دکھا دیجئے باقی ہم کوئی تیسری بات سننے کے لئے تیار نہیں۔

کچھ لوگ ضلع بستی کے ایک بہت بڑے سیٹھ کو لائے جو دارالعلوم فیض الرسول کو بطور امداد ہر سال بڑی رقم دیا کرتے تھے کہ شاید ان کے دباؤ سے مسجد میں نماز جنازہ پڑھا دیں۔ انھوں نے کہا کہ چلئے پڑھا دیجئے ــــــ بمبئی میں سب پڑھاتے ہیں۔ ہم نے کہا جس بمبئی میں پلے ہاؤس کے سوناپور (قبرستان) کو دوکان بنا لیا گیا اور مسلمان مُردوں کے سینوں پر روزانہ گھن گرایا جاتا ہے مگر کسی مسلمان کے کان پر جوں نہیں رینگتی آپ اس بمبئی کا نام لیتے ہیں اور ہم کتاب کی بات کرتے ہیں۔ میرے اس جواب پر وہ خاموشی کے ساتھ چلے گئے اور ہماری حق گوئی سے وہ اس قدر متاثر ہوئے کہ اس کے بعد جب بھی ملے پہلے سے زیادہ عزت کے ساتھ پیش آئے۔

غرضکہ ہم کسی طرح نماز جنازہ مسجد میں پڑھانے کے لئے تیار نہ ہوئے اور برابر کہتے رہے کہ ہمیں جانے دیجئے آپ لوگ کسی اور سے پڑھوا لیجئے۔ مگر ہماری اس بات کے جواب میں فوجدار مرحوم کا بھتیجہ یہی کہتا رہا کہ ہم کسی اور سے نہیں پڑھوائیں گے چچا صاحب آپکو بہت مانتے تھے اس لئے ان کی نماز جنازہ آپ ہی کو پڑھانی ہے اور جب ہم کہتے جنازہ مسجد کے

باہر نکالئے تو وہ دوڑ کر مسجد میں جاتا مگر جنازہ نکالتے میں کامیاب نہ ہوتا۔ معلوم ہوا کہ مسجد کے مصلیان یہ کہتے ہیں کہ اگر نماز جنازہ مسجد میں نہ پڑھی گئی تو نہ ہم جنازہ کی نماز پڑھیں گے اور نہ مٹی دیں گے اور وہ لوگ ایسا اس لئے کہہ رہے تھے کہ ان کے امام صاحب ۲۲ رسال سے مسجد میں نماز جنازہ پڑھ رہے تھے آج جنازہ مسجد میں آکر بغیر نماز ہوئے اس کے نکل جانے میں امام صاحب کی توہین ہو رہی تھی۔

جب مرحوم کے بھتیجہ نے دیکھا کہ دونوں طرف سے بہت سختی پیدا ہو گئی ہے تو اس نے لوگوں سے ہاتھ جوڑ کر روتے ہوئے کہا کہ پنچو صاحبو! ہم تو جاہل آدمی ہیں کچھ جانتے نہیں البتہ ہم یہ جانتے ہیں کہ ہمارے چچا صاحب حضرت مفتی صاحب قبلہ کو بہت مانتے تھے اگر وہ براؤں شریف میں ہوتے تو ہم اس موقع پر ان کو بلانے نہیں جاتے اور جبکہ وہ یہاں موجود ہیں اگر وہ جنازہ نہیں پڑھائیں گے تو چچا مرحوم کو تکلیف ہوگی۔ اس بات پر مصلیان مسجد نرم پڑ گئے اور جنازہ مسجد کے باہر نکالا گیا تو ہم نے نماز پڑھائی۔

ایک بڑے بابا

بمبئی وہ شہر ہے کہ جس کی ہر گلی میں دادا اور بابا پائے جاتے ہیں۔ انہی میں سے ایک بابا ایسے ہیں جن کو بمبئی کے بعض لوگ بڑا بابا مانتے ہیں جنازہ میں وہ بھی شریک تھے۔ نماز جنازہ مسجد میں جائز اور ناجائز ہونے کی بات جب ہو رہی تھی تو اس وقت وہ کچھ نہیں بولے لیکن صبح سویرے ہماری مخالفت کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے ہم پر فتنہ انگیزی کا الزام لگایا اور ہمارے خلاف فتویٰ لینے کی کوشش کی مگر جب علمائے اہل سنت نے بھرپور ہماری تائید فرمائی اور یہ ان سے مایوس ہوئے تو پھر قریش نگر کرلا کی محرم کمیٹی کے ذریعہ ہم کو اسٹیج سے ہٹانے کی کوشش کی اور جب اس میں بھی کامیاب نہ ہوئے تو فوجدار مرحوم کے نیجہ کی مجلس میں ہمیں فتنہ انگیز کہہ کر اپنے مخلصین کے سامنے سخت برہمی ظاہر کی یعنی جو حکم شرع کے خلاف کر رہے ہیں وہ صلح پسند ہیں اور ہم نے شریعت کے حکم پر عمل کیا تو ہم فتنہ انگیز اور قابل ملامت ہو گئے۔

خلاصہ یہ کہ نام نہاد بابا نے حکم شرع کی مخالفت کی اور اعلیٰ حضرت امام اہلسنت فاضل بریلوی

علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں کہ سچے مجذوب کی پہچان یہ ہے کہ وہ شریعت مطہرہ کا مقابلہ نہیں کرے گا (الملفوظ حصہ دوم ص۸) اور جب مجذوب کی یہ پہچان ہے تو غیر مجذوب ولی کی بدرجۂ اولیٰ یہی پہچان ہے کہ وہ کبھی حکم شرع کی مخالفت نہیں کر سکتا۔

بڑے بابا قلب بمبئی میں رہتے ہیں داڑھی روز منڈاتے ہیں اور دوسروں کو منڈانے کا حکم بھی دیتے ہیں۔ شعیب الاولیا علیہ الرحمۃ والرضوان کے ایک خاص مرید جو بابا کے معتقدین میں سے ہیں انھوں نے بیان کیا کہ ایک ڈاکٹر جو حضور مفتی اعظم ہند قبلہ علیہ الرحمۃ والرضوان کے مرید ہیں انھوں نے بابا کے اشارہ پر داڑھی منڈالی اور برابر منڈا رہے ہیں۔ مجھ سے بھی بابا نے کہا کہ داڑھی منڈالو۔ تو میں نے جواب دیا کہ آپ اپنے ہاتھ سے استرہ اٹھا کر مونڈنے والے کو دیجئے اور حکم کیجئے کہ وہ میری داڑھی مونڈے تو میں اس صورت میں داڑھی منڈالوں گا۔ تم کلامہ۔

سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بار بار داڑھی بڑھانے کا حکم فرمایا اسی لئے کوئی محبت والا داڑھی منڈانا گوارا نہیں کرتا کہ جب استاذ اور ماں باپ کے حکم پر عمل نہ کرنے سے ان کو تکلیف ہوتی ہے تو محبوب کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم پر عمل نہ کرنے سے ان کو بھی یقیناً تکلیف ہوگی۔

اسی لئے فقہاء کرام نے داڑھی منڈانے کو حرام قرار دیا۔ درمختار مع شامی جلد پنجم ص۲۶۱ میں ہے۔ یحرم علی الرجل قطع لحیتہ اور اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں کہ داڑھی منڈانا حرام ہے (فتاویٰ رضویہ ص۱۶۸ ج ۹) اور حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں کہ داڑھی بڑھانا سنن انبیائے سابقین سے ہے منڈانا یا ایک مشت سے کم کرنا حرام ہے (بہار شریعت ص۱۹۷ ج ۱۶)

مگر شخص مذکور جو علانیہ فعل حرام کا ارتکاب کرتا ہے اور دوسروں کو حرام پر عمل کرنے کا حکم بھی دیتا ہے اس کو نذرانہ وصول کرنے والے مولوی اور تجارت کے لئے روپیہ پانے والے سیٹھوں نے بمبئی کا قطب مشہور کر رکھا ہے حالانکہ ارشاد خداوی ہے۔ اِنْ اَوْلِیَآءُہٗۤ اِلَّا

الْمُتَّقُوْنَ یعنی اللہ کے ولی صرف متقی لوگ ہیں (پ ۹ ع ۱۸) اور فعل حرام کا مرتکب متقی نہیں ہو سکتا تو ایسا شخص اللہ کا ولی بھی نہیں ہو سکتا۔

یہاں تک کہ شعیب الاولیاء قبلہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جو اکثر فرمایا کرتے تھے کہ اگر کوئی ہوا میں اڑتا جا رہا ہو اور بزرگی کا دعویٰ رکھتا ہو مگر شریعت کا پابند نہ ہو تو میں اسے کچھ نہیں سمجھتا۔ بلکہ یہاں تک فرماتے تھے کہ میرے نزدیک وہ استنجا کے ڈھیلے کے برابر بھی وقعت نہیں رکھتا۔ مگر ان کے بعض مریدین بھی اپنے پیر کی باتوں کو پس پشت ڈال کر اس فاسق معلن کو بہت بڑا ولی قرار دیتے ہیں اور دلیل میں یہ پیش کرتے ہیں کہ حضرت مجاہد ملت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب قبلہ علیہ الرحمۃ والرضوان بابا کی تعظیم کیا کرتے تھے۔

لیکن ہمیں اس بیان کا صحیح ہونا تسلیم نہیں اس لئے کہ بہت سے لوگ جب کوئی غلط کام کرتے ہیں تو اعتراض کرنے والوں کا منہ بند کرنے کے لئے جھوٹا بیان دیدیتے ہیں کہ فلاں بزرگ نے ایسا کیا ہے۔

ماہ رمضان ۱۳۶۸ھ مطابق ۱۹۴۹ء زمانۂ طالب علمی میں ہم ناگ بھیڑ ضلع چاندہ (مہاراشٹر) میں تراویح پڑھانے کے لئے گئے جو ناگپور سے ساٹھ میل یعنی ۹۶ کلومیٹر پر واقع ہے پھر درمیان سال کسی تعطیل کے موقع پر ہم اپنے ایک ساتھی کو لے کر بطور تفریح ناگ بھیڑ گئے مغرب کی نماز پڑھانے کے لئے ہم نے اسی کو کھڑا کیا اس نے قصر پڑھائی یعنی شرعی مسافر ہونے کے سبب مغرب کی نماز تین رکعت کی بجائے دو ہی رکعت پڑھائی۔ جب شور ہوا کہ مغرب کی نماز میں قصر نہیں ہے تو اس نے کہا بہار شریعت کے مصنف حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ساتھ میں بہت رہا ہوں انھوں نے ہمیشہ سفر میں مغرب کی نماز دو ہی رکعت پڑھائی ہے اس جواب کو سنکر سب لوگ خاموش ہو گئے۔

ایک مولانا جو ضلع گونڈہ کے رہنے والے ہیں اور ایک بڑے مدرسہ کے صدر مدرس بھی ہیں وہ ایک غلطی میں مبتلا تھے بمبئی کرلا غفور خاں اسٹیٹ کی غوثیہ مسجد میں جب لوگوں نے ان پر اعتراض کیا تو انھوں نے کہا کہ سید العلماء حضرت مولانا آل مصطفیٰ صاحب قبلہ اس کو جائز

قرار دیتے ہیں۔ اس زمانہ میں حضرت سید العلماء قبلہ علیہ الرحمۃ والرضوان باحیات تھے میں نے فوراً انکی قیام گاہ مسجد کھڑک پر جاکر ان سے ملاقات کی اور پوچھا کہ حضرت فلاں چیز کو جائز قرار دیتے ہیں؟ انھوں نے فرمایا۔ معاذ اللہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ بھلا میں ایسی چیز کو جائز قرار دے سکتا ہوں۔

یہاں بھی ایسا ہی معاملہ ہے کہ اپنی غلطی پر پردہ ڈالنے کے لئے لوگ مجاہد ملت قبلہ کا نام لیتے ہیں اور اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ انھوں نے اس فاسق معلن کی تعظیم کی ہے جس سے اس کا بزرگ ہونا ثابت ہوتا ہے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ تو رہا ان کا عمل مگر اس کے بارے میں انکا قول کیا ہے؟ اس لئے کہ قول کے مقابلہ میں عمل مرجوح ہوتا ہے جیسا کہ اصول حدیث کا قاعدہ ہے۔ اور اگر اس کے متعلق حضرت کا کوئی قول نہیں ہے تو جو شریعت کا قول ہے وہی ان کا بھی قول ماننا پڑے گا۔ اس لئے کہ شریعت کے خلاف وہ قول کر ہی نہیں سکتے۔

اور شریعت کا فرمان یہ ہے کہ ایسے شخص کی تعظیم نہیں کی جائے گی بلکہ برائی بیان کی جائے گی تاکہ لوگ اس کے فریب سے بچیں۔ جیسا کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں کہ حدیث میں ہے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

اَتَرْعَوُوْنَ عَنْ ذِکْرِ الْفَاجِرِ مَتٰی	کیا فاجر کو برا کہنے سے پرہیز کرتے ہو
یَعْرِفُہُ النَّاسُ۔ اُذْکُرُوا الْفَاجِرَ	لوگ اسے کب پہچانیں گے فاجر کی برائیاں
بِمَا فِیْہِ یَحْذَرْہُ النَّاسُ۔	بیان کرو کہ لوگ اس سے بچیں۔

(فتاوی رضویہ جلد سوم ص ۲۵۱)

اور اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان ردالمحتار سے نقل فرماتے ہیں۔ اما الفاسق فقد عللوا کراھۃ تقدیمہ فانہ لایھتم لامر دینہ وبان فی تقدیمہ للامامۃ تعظیمہ وقد وجب علیھم اھانتہ شرعا (فتاوی رضویہ جلد سوم ص ۱۳۵)

طبقۂ ملامتیہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ بابا طبقۂ ملامتیہ کے بزرگ ہیں یعنی داڑھی اس لئے منڈاتے ہیں تاکہ لوگ ان کی ملامت کریں اور ان کو برا سمجھیں۔

ہم کہتے ہیں کہ ملامت کی تین قسمیں ہیں جیساکہ شیخ المشائخ سلطان العارفین حضرت داتا گنج بخش علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں کہ ایک یہ کہ وہ سیدھا چلے۔ دوسرے یہ کہ وہ قصد کرے۔ تیسرے یہ کہ وہ ترک کرے۔

پہلی قسم کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص کام کرتا ہے اور امور دینیہ میں کامل احتیاط برتتا ہے اور معاملات میں مراعات سے کام لیتا ہے مگر خلق پھر بھی اس پر ملامت کرتی ہے کیونکہ یہ لوگوں کی عام عادت ہے مگر وہ شخص کسی کی پروانہیں کرتا۔

دوسرے یہ کہ کوئی شخص لوگوں میں صاحب عزت وشرف ہونے کے ساتھ ان میں مشہور بھی ہو اور اس کا دل عزت کی طرف مائل بھی ہو اس کے باوجود وہ یہ چاہے کہ ان سے جدا ہو کر یاد الٰہی میں محو ہو جائے اور قصداً ایسی راہ اختیار کرے جس سے مخلوق اس پر ملامت کرے اور ایسے عمل سے شریعت میں بھی خلل نہ واقع ہو مگر لوگ اس سے نفرت کرنے لگیں اور اس سے متنفر ہو کر جدا ہو جائیں۔

اور تیسری قسم یہ ہے کہ دل میں تو کفر وضلالت سے طبعی نفرت بھری ہو بظاہر شریعت کی متابعت نہ کرے اور خیال کرے کہ ملامتی طریقہ پر ایسا کرتا ہوں اور یہ ملامت کا طریقہ اس کی عادت بن جائے اس کے باوجود وہ دین میں مضبوط اور راست رو ہو۔ لیکن ظاہر طور پر بغرض ملامت نفاق وریا کے طور وطریق پر دین کی خلاف ورزی کرے اور مخلوق کی ملامت سے بے خوف ہو وہ ہر حال میں اپنے کام سے کام رکھے خواہ لوگ اسے جس نام سے چاہیں پکاریں۔ (کشف المحجوب اردو ص۹۴)

حضرت داتا کے ان جملوں کو پھر پڑھئے کہ قصداً ایسی راہ اختیار کرے جس سے مخلوق اس پر ملامت کرے اور ایسے عمل سے شریعت میں بھی خلل نہ واقع ہو ـــــــ بظاہر شریعت کی متابعت نہ کرے ـــــــ ظاہر طور پر بغرض ملامت نفاق وریا کے طور وطریق پر دین کی خلاف ورزی کرے۔

یعنی طبقۂ ملامتیہ کا بزرگ قصداً ایسی راہ اختیار کرتا ہے کہ جس سے مخلوق اس پر ملامت کرے مگر اس کے عمل سے شریعت میں خلل نہیں واقع ہوتا۔ بظاہر شریعت کی متابعت نہیں کرتا صرف

لوگوں کے دیکھنے میں دین کی خلاف ورزی کرتا ہے لیکن حقیقت میں اس کا عمل شریعت کے خلاف نہیں ہوتا۔

حضرت بایزید بسطامی

مشہور بزرگ حضرت بایزید بسطامی علیہ الرحمۃ والرضوان رمضان شریف کے مہینہ میں سفر کر رہے تھے۔ جب ایک شہر کے قریب پہنچے تو وہاں بڑا شہرہ ہوا کہ حضرت بایزید تشریف لا رہے ہیں۔ شہر کے بہت سے لوگ استقبال کے لئے نکل پڑے اور بڑی تعظیم و تکریم کے ساتھ اپنے شہر میں لائے حضرت نے جب لوگوں کی خاطر و مدارات کو ملاحظہ فرمایا تو ان کا دل بھی مشغول ہو گیا اور وہ یاد الٰہی سے باز رہنے کے سبب پریشان خاطر ہو گئے۔ جب بازار میں آئے تو روٹی نکال کر وہیں کھانے لگے۔ یہ دیکھ کر سب لوگ ان سے برگشتہ ہو گئے اور انہیں تنہا چھوڑ کر چلے گئے کہ یہ کیسے بزرگ ہو سکتے ہیں جو روزہ بھی نہیں رکھتے۔ (کشف المحجوب اردو ص ۹۶)

مگر چونکہ حضرت مسافر تھے اور مسافر کو روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے اس لئے آپ کا روٹی کھانا حقیقت میں شریعت کے خلاف نہیں تھا صرف ظاہر میں خلاف تھا جس کے سبب لوگ آپ سے برگشتہ ہو گئے اور آپ کا جو مقصد تھا پورا ہو گیا۔

حضرت داتا گنج بخش علیہ الرحمۃ والرضوان اس واقعہ کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ اس زمانہ میں ملامت کی روش اختیار کرنے کے لئے کوئی غلط کام کرنے کی ضرورت ہوتی تھی اور ایسی بات ظاہر کرنی پڑتی تھی جو عوام کے منشا و مزاج کے خلاف ہو۔ لیکن آج اگر کوئی چاہے کہ اسے ملامت کی جائے تو دو رکعت نفل شروع کر کے اسے خوب طول دیدے یا پورے دین کی مکمل پیروی شروع کر دے تاکہ تمام لوگ اسے ریاکار اور منافق کہنے لگیں۔

اور تحریر فرماتے ہیں کہ جو شخص ترک کے طریقہ پر ملامت اختیار کرے اور کوئی کام خلاف شریعت کر کے یہ کہے کہ یہ عمل میں نے حصول ملامت کے لئے کیا ہے تو یہ کھلی ہوئی ضلالت و گمراہی ہے اور ظاہری آفت و سچی ہوا پرستی ہے۔

(کشف المحجوب اردو ص ۹۶)

خلاصہ حضرت داتا گنج بخش علیہ الرحمۃ والرضوان کی تحریروں کا خلاصہ یہ ہوا کہ طبقۂ ملامتیہ کا دعویدار اگر کوئی کام خلاف شریعت کرے اور یہ کہے کہ میں نے یہ کام حصول ملامت کے لئے کیا ہے تو یہ کھلی ہوئی ضلالت وگمراہی اور سچی نفس پرستی ہے البتہ ان میں سے بعض بزرگ ظاہر میں کچھ عمل شریعت کے خلاف کرتے ہیں لیکن حقیقت میں وہ خلاف نہیں ہوتا۔

اور حضرت داتا گنج بخش ایسے بزرگ ہیں کہ جب آپ لاہور میں مسجد تعمیر کروا رہے تھے تو لوگوں نے کہا اس کا قبلہ غلط ہے مگر آپ خاموش رہے۔ پھر جب مسجد مکمل ہوگئی تو آپ نے لوگوں کو بلایا اور خود نماز پڑھائی اس کے بعد فرمایا دیکھو کعبہ کس طرف ہے تو لاہور ہی کی زمین سے سب کو کعبہ نظر آگیا۔ (حدائق الحنفیہ ص۱۹۸)

یعنی حضرت داتا صاحب علیہ الرحمۃ والرضوان وہ بزرگ ہیں کہ لاہور سے کعبہ شریف کو دیکھ رہے تھے اور جب ضرورت پڑی تو دوسروں کو بھی دکھا دیا۔ تو ہمیں ایسے بزرگ کا فرمان کافی ہے کہ طبقہ ملامتیہ کا کوئی بزرگ حقیقت میں خلاف شریعت کام نہیں کرتا صرف ظاہر میں خلاف نظر آتا ہے۔

حضرت مخدوم سمنانی ہندوستان کے مشہور بزرگ حضرت مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی کچھوچھوی علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں کہ ایک گروہ ملامتیہ بزرگوں کا ہے جو فرائض اور واجبات وسنن تو بجائے خود اہم ہیں مگر وہ مستحبات بلکہ نوافل تک کی پابندی بیحد ضروری جانتے ہیں اور ان کو بھی کبھی قضا نہیں کرتے لیکن اس کے باوجود وہ اپنی عبادتوں کو اس طرح چھپاتے ہیں جیسے برا آدمی اپنی بدکرداری کو۔ ان کی کوشش رہتی ہے کہ ان کے حسن عمل سے کوئی بھی باخبر نہ ہونے پائے۔ (محبوب یزدانی ص۱۰۶)

اس سلسلے میں حضرت مخدوم صاحب نے ایک واقعہ بیان فرمایا کہ میں سبزوار جارہا تھا راستہ میں مجھے ایک نہایت حسین باغ ملا وسط میں شاندار خیمہ نصب تھا جس میں ایک خوبصورت نوجوان اور حسین عورت پہلو بہ پہلو بیٹھے تھے۔ سامنے گلابی (شراب کی صراحی) رکھی تھی اور حسینہ جام بکف اس نوجوان سے خوش مذاق کر رہی تھی میں نے جب ان کو دیکھا تو بیک نظر خیال ہوا کہ

یہ لوگ نفس کے غلام بنکر کس طرح اپنے کو تباہ کر رہے ہیں لیکن جب میری اور ان کی نگاہیں چار ہوئیں تو ان کا حال روشن ہوا کہ وہ عورت ان کی منکوحہ بیوی ہے اور صراحی میں شراب کی بجائے شربت ہے اور خود بدولت ملامتی گروہ کے بلند مرتبہ بزرگ ہیں۔ (محبوب یزدانی صہ۱۰)

حضرت مخدوم صاحب علیہ الرحمۃ والرضوان کے فرمان سے بھی اچھی طرح واضح ہوگیا کہ طبقۂ ملامتیہ کا بزرگ فرائض و واجبات تو بڑی چیزیں ہیں وہ سنن و مستحبات بلکہ نوافل کا بھی سخت پابند ہوتا ہے البتہ اپنی عبادت کو چھپاتا ہے اور کبھی ظاہر ہیں اس کا فعل اگرچہ شریعت کے خلاف معلوم ہوتا ہے لیکن حقیقت میں وہ متبع شریعت ہوتا ہے۔

آج ایک داڑھی منڈانے والے کو گروہ ملامتیہ کا بزرگ تسلیم کیا جارہا ہے اور اس کی بزرگی کا ڈھنڈورہ پیٹا جارہا ہے تو وہ دن دور نہیں جبکہ بے نمازی یہاں تک کہ طوائف کے کوٹھوں پر گھومنے والا بھی طبقہ ملامتیہ کے بزرگ ہونے کا دعویٰ کرے گا اور کہے گا کہ میں بھی اللہ کے ولیوں میں سے ایک ولی ہوں۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔

خطرناک غلطی یاد رکھنا چاہئے کہ ہر غلط طریقہ کی ابتدا بہت معمولی ہوتی ہے مگر ایک نسل سے دوسری نسل اور دوسری سے تیسری تک پہنچتے پہنچتے وہی چھوٹی سی ابتدا ایک خطرناک غلطی بن جاتی ہے۔

سرچشمہ شاید گرفتن بہ بیل
چوں پر شد نشاید گزشتن بہ پیل

یہ ایک بہت بڑا فتنہ ہے کہ بڑے بڑے حق گوئی کا دعویٰ رکھنے والے کسی مصلحت سے خاموش ہیں صرف ملاقات نہ کرنے اور سلام نہ کہلوانے کو کافی سمجھتے ہیں، اس کے خلاف نہ کچھ بولتے ہیں اور نہ کچھ لکھتے ہیں بلکہ اس کی تعریف کرتے ہیں حالانکہ حدیث شریف میں ہے۔

اِذَا ظَهَرَتِ الْفِتَنُ اَوْ قَالَ الْبِدَعُ وَلَمْ يُظْهِرِ الْعَالِمُ عِلْمَهٗ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ

جب فتنے ظاہر ہوں اور ہر طرف بے دینی پھیلنے لگے اور ایسے موقع پر عالم دین اپنا علم ظاہر نہ کرے اور اپنی کسی مصلحت یا مفاد کی لالچ میں

اَجْمَعِیْنَ۔ لَا یَقْبَلُ اللّٰہُ مِنْہُ صَرْفًا وَّلَا عَدْلًا۔ (صواعق محرقہ ص۲ الملفوظ حصہ چہارم ص۴۲)

خاموش رہے اس پر اللہ کی اور تمام فرشتوں کی اور سارے انسانوں کی لعنت ہے اللہ نہ اس کا فرض قبول کرے گا اور نہ اسکی نفل۔

اور سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِذَا مُدِحَ الْفَاسِقُ غَضِبَ الرَّبُّ وَاھْتَزَّ لَہُ الْعَرْشُ۔ (بیہقی۔ انوار الحدیث ص۴۱۹)

جب فاسق کی تعریف کی جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ غضب فرماتا ہے اور عرش الٰہی کانپنے لگتا ہے۔

اور جبکہ یہ پرچار کیا جارہا ہے کہ بڑے بڑے متقی پرہیزگار اور حق گو علماء بابا کے خلاف کچھ نہیں بولتے بلکہ ان سے خصوصی تعلقات رکھتے ہیں تو بابا یقیناً پہنچے ہوئے بزرگ ہیں اگر وہ غلط ہوتے تو ایسے ایسے علما خاموش نہ رہتے ــــــ اس صورت میں شخص مذکور کے متعلق عالموں کا حکم شرع کے ظاہر نہ کرنے اور اس سے خصوصی تعلقات رکھنے کا گناہ اور بھی شدید ہو جاتا ہے۔

اور اگر بابا واقعی بزرگ ہیں تو نذرانہ وصول کرنے والے مولوی اسے شریعت کی روشنی میں واضح کریں تاکہ ہم جیسے لوگ جو غلط فہمی میں مبتلا ہیں وہ بھی بابا سے کچھ فائدہ حاصل کر سکیں۔

مدعا پورا کیا بابا کو ہمارے اس بیان سے چیں بجبیں نہیں ہونا چاہئے اس لئے کہ جب وہ گروہ ملامتیہ کے بزرگ ہیں جیسا کہ ان کے ہواخواہوں کا بیان ہے تو میں نے ان کا مدعا پورا کیا اس لئے کہ اس طبقہ کے بزرگوں کا مقصد ہی یہ ہوتا ہے کہ لوگ انکو برا بھلا کہیں اور ان کی ملامت کریں۔

اور معتقدین کو بھی ناراض نہیں ہونا چاہئے کہ میں ان کے ملامتی بابا کی عین تمنا کسی حد تک پوری کر رہا ہوں اور اپنے اس مضمون کو حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اس شعر پر ختم کر رہا ہوں۔

خلاف پیمبر کسے رہ گزید
کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

عیب جوئی اور غیبت

جب کسی کے شرعی عیب کی گرفت کی جاتی ہے اور اس کے خلاف کچھ کہا جاتا ہے تو وہ عیب جوئی اور غیبت کا الزام لگاتا ہے۔ حالانکہ داڑھی منڈانا، نماز نہ پڑھنا، ترک جماعت کا عادی ہونا، وہابیوں۔ دیوبندیوں یا دہریوں سے دوستی رکھنا اور ان سے شادی بیاہ کرنا وغیرہ ان باتوں کے خلاف بولنا اور لکھنا عیب جوئی نہیں ہے اس لئے کہ پوشیدہ عیبوں کو تلاش کرنا عیب جوئی ہے اور جو برائی علانیہ کی جاتی ہے اس کی مخالفت کرنا حق گوئی ہے عیب جوئی نہیں ـــــــ ان میں بعض مدعی علم بھی ہوتے ہیں جو حق گوئی اور عیب جوئی کا فرق نہیں سمجھتے اور یا تو سمجھتے ہیں مگر ازراہ فریب برائی روکنے والے ہی کو گنہگار ثابت کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہیں۔

اور فاسق معلن کی برائی بیان کرنا گناہ نہیں اور جو برائی وہ علانیہ کرتا ہے اس کا ذکر کرنا غیبت نہیں۔ فقیہ اعظم ہند حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں۔

"فاسق معلن یا بد مذہب کی برائی کرنا جائز ہے بلکہ اگر لوگوں کو اس کے شر سے بچانا مقصود ہو تو ثواب ملنے کی امید ہے۔ (بہار شریعت حصہ ۱۶ بیان غیبت۔ بحوالہ رد المحتار)

اور تحریر فرماتے ہیں۔

جو شخص علانیہ برا کام کرتا ہو اور اس کو اس بات کی کوئی پرواہ نہیں کہ لوگ اسے کیا کہیں گے تو اس شخص کی اس بری حرکت کا بیان کرنا غیبت نہیں مگر اس کی دوسری باتیں جو ظاہر نہیں ہیں ان کو ذکر کرنا غیبت ہے۔ حدیث میں ہے کہ جس نے حیا کا حجاب اپنے چہرہ سے ہٹا دیا اس کی غیبت نہیں۔ (بہار شریعت بحوالہ رد المحتار)

دیوبندی گھر میں حق گوئی

بستی ضلع میں فیض آباد روڈ پر ایک آبادی بکرم جوت ہے وہاں پر ایک سخت قسم کا دیوبندی بابا نے نام کا رہتا تھا جو بہت بڑا دولتمند تھا اور کسی زمانہ میں وہ دیوبندی مولویوں کو اکٹھا کر کے سینوں سے

مناظرہ کرا چکا تھا جس میں سنیوں کی طرف سے مناظرہ کے ذمہ دار بانی فیض الرسول حضرت شاہ محمد یار علی صاحب قبلہ علیہ الرحمۃ والرضوان تھے۔

بالے دو بولیا بازار کے حاجی رمضان علی سیٹھ کے یہاں لڑکی کا رشتہ کرنا چاہتا تھا یہ اس زمانہ کی بات ہے جبکہ میں دو بولیا بازار میں تھا اور اس وقت بھی میں دیوبندیوں کے یہاں شادی کرنے سے لوگوں کو سختی کے ساتھ منع کیا کرتا تھا۔

بالے کو معلوم ہوا کہ دیوبندی ہونے کے سبب رمضان سیٹھ ہمارے یہاں رشتہ نہیں کریں گے تو اس نے اپنے کو سنی ثابت کرنے کے لئے ہمیں میلاد شریف پڑھنے کی دعوت دی میں وقت مقررہ پر بکرم جوت پہنچ گیا وہاں کے حاجی عبدالستار جو براؤں شریف کے مرید تھے انھوں نے بتایا کہ بالے سخت قسم کا دیوبندی ہے۔ ہم نے انھیں تاکید کی کہ جتنے سنی ہیں سب کو لے کر میلاد شریف میں اول وقت پہنچ جائیے تاخیر ہرگز نہ کیجئے۔

ایک بڑے ہال میں میلاد شریف کا انتظام ہوا۔ حاجی عبدالستار سارے سنیوں کو لے کر سب سے پہلے پہنچ گئے۔ ہم نے سامعین سے دریافت کیا کہ آپ لوگ ایمان کے بارے میں تقریر سننا چاہتے ہیں یا عمل کے؟ سارے سنیوں نے بیک زبان کہا کہ ہم ایمان کے بارے میں تقریر سننا چاہتے ہیں اور دیوبندیوں نے کہا عمل کے متعلق بیان کریں۔

ہم نے سورۂ عصر کو موضوع سخن بنایا۔ لفظ اٰمَنُوْا پر تقریر کرتے ہوئے دیوبندیوں کے کفریات بیان کئے اور ان کا سخت رد کیا پھر آخر میں وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کے متعلق بھی روشنی ڈالی اور صلاۃ وسلام پر میلاد شریف کا اختتام ہوا۔

اس واقعہ کی خبر حاجی عبدالستار نے حضرت شعیب الاولیا علیہ الرحمۃ والرضوان کو پہنچائی جس سے آپ بہت خوش ہوئے اور ملاقات ہونے پر بڑی عزت افزائی فرمائی یہاں تک کہ یہی حق گوئی تین چار سال بعد فیض الرسول میں آنے کا سبب بنی۔

شہزاد پور میں حق گوئی

ضلع فیض آباد کی مشہور آبادی اکبر پور کے متصل شہزاد پور ہے۔ وہاں کا ایک پیر زندگی بھر مریدوں

سے اپنا سجدہ کراتا رہا اور موت کے بعد وہ سب قبر کا سجدہ کرتے ہیں بلکہ کعبہ شریف کی طرح ہر چہار جانب سے قبر کی طرف منہ کرکے نماز بھی پڑھتے ہیں۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔

یہ باتیں عام طور پر مشہور ہیں لیکن وقت کے بڑے بڑے شیخ الحدیث اور بلند پایہ مفتی شخص مذکور کے عرس میں شریک ہوتے رہے اور رسمی تقریریں کرکے نذرانے وصول کرتے رہے۔

اتفاق سے ۱۳۹۱ھ میں مجھے بھی عرس کے تقریری پروگرام میں شرکت کی دعوت دی گئی۔ میں وہاں پہنچا تو معلوم ہوا کہ غازی پور کے ایک مشہور عالم، فیض آباد کے ایک بڑے خطیب اور لکھاہی ضلع گونڈہ کے ایک مولانا بھی بحیثیت مقرر آئے ہوئے ہیں۔ ساتھ ہی وہاں کی خرافات کا بھی علم ہوا۔

تینوں مقررین نے پہلے تقریریں کرلیں اور آخر میں ہمیں تنہا اسٹیج پر چھوڑ کر چلے آئے۔ اس موقع پر ہماری حق گوئی کا سخت امتحان تھا مگر ہم نے طے کرلیا تھا کہ حق ظاہر کئے بغیر نہیں رہیں گے چاہے جو کچھ ہو جائے بہت کریں گے نذرانہ نہیں دیں گے، گستاخی کریں گے یا ماریں گے بلکہ قتل بھی کر دیں گے تو کوئی پروا نہیں کہ خدائے تعالیٰ کے نزدیک اس سے ہمارا درجہ اور بلند ہو جائے گا۔ ہم نے تعظیم نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو موضوع سخن بنایا۔ اسی ضمن میں غیر اللہ کے لئے سجدۂ تعبدی کا کفر ہونا اور تعظیمی سجدہ کا سخت حرام و ناجائز ہونا واضح لفظوں میں بیان کیا۔

مجمع جس میں اکثر مریدین ہی تھے اس میں انتشار پیدا ہوا۔ میں وعظ بند کرکے قیام گاہ کی طرف چلا۔ میرے پیچھے بہت سے مریدین آئے اور گستاخی کے ساتھ اس بات پر مجبور کرنے لگے کہ آپ سجدۂ تعظیمی کے جائز ہونے کا اعلان کریں۔ ہم نے کہا یہ ہرگز نہیں ہوسکتا جو چیز ناجائز و حرام ہے میں اس کے جائز ہونے کا اعلان کبھی نہیں کرسکتا۔ کہنے لگے پھر ناجائز ہونے ہی کو آپ ثابت کر دیجئے۔ ہم نے کہا کہ یہاں کتابیں لے کر ہم نہیں آئے ہیں لکھکر بھیج دیں گے۔ کہا فلاں عالم نے بھی وعدہ کیا تھا مگر برسوں گذر گئے انھوں نے کچھ نہیں

لکھ کر بھیجا۔ ہم نے کہا میں فلاں عالم نہیں ہوں آپ لوگوں نے ان کو دیکھا اب ہم کو بھی دیکھ لیجئے گا۔ بہرحال ان لوگوں نے گستاخیوں اور دھمکیوں ہی پر اکتفا کیا آگے نہیں بڑھے اور پھر چلے گئے۔

صبح ہم کو صرف واپسی کرایہ بھر کا نذرانہ دیا گیا مگر ہم اعلان حق کر دیئے پیشہ ور مقرروں کا طریقہ نہیں اختیار کئے اور نذرانہ پانے کی لالچ میں یا مریدین کے خوف سے کتمان حق نہیں کئے اس پر خدا تعالیٰ کا شکر بجا لائے۔

غازیپوری اور گونڈوی مولوی ختم جلسہ سے پہلے ہی یہ کہہ کر چلے گئے تھے کہ براؤں شریف کا مفتی خاموش نہیں رہے گا ان کے خلاف ضرور بولے گا جس سے فتنہ ہوگا مگر فیض آباد کے خطیب اکبر پور سے فیض آباد تک ہمارے ساتھ رہے جو بار بار کہتے رہے کہ آپ کی وجہ سے اس سال نذرانہ آدھا ہو گیا ورنہ ہر سال اتنا ملتا رہا۔

خدائے عزوجل ایسے پیشہ ور مقرروں کو ہدایت نصیب فرمائے، نذرانہ کی ایسی لالچ دلوں سے نکال دے اور بلا خوف اعلان حق کی توفیق رفیق بخشے۔ آمین۔

براؤں شریف پہنچ کر ہم نے فوراً حرمت سجدہ پر ۱۷ صفحات کا ایک رسالہ بنام "سجدۂ تعظیم" لکھا جو اعلیٰ حضرت امام اہلسنت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے رسالۂ مبارکہ "الزبدۃ الزکیۃ فی حرمۃ سجود التحیۃ" سے ماخوذ رہا۔ پھر اسے جلد ہی چھپوا کر پانچ سو کی تعداد میں لے جا کر اکبر پور چوراہے پر مفت تقسیم کر دیا اور شہزاد پور کے گدی نشین کو رجسٹری کر دیا۔ جو آج بھی چند فتاویٰ کے ساتھ ضروری مسائل میں شائع ہو رہا ہے۔

تقریر اور اس کا نذرانہ

تقریر کرنے کے لئے تو ہم ملک کے طول و عرض بہار، بنگال، اڑیسہ، مدھیہ پردیش، آندھرا پردیش گجرات، راجستھان، مہاراشٹرا اور یوپی کے مختلف مقامات و ریاست نیپال میں گئے مگر مقصد نذرانہ نہیں رہا بلکہ مسلمانوں کے عقیدے اور ان کے اعمال کی اصلاح مطلوب رہی اسی لئے ہم نے کبھی کسی سے نذرانہ طے نہیں کیا بلکہ جو بھی دیا گیا ہم نے اسے خاموشی سے رکھ لیا۔

یہاں تک کہ بعض مقامات پر اتنا کم نذرانہ دیا گیا کہ جس کا کبھی تصور نہیں کیا جا سکتا تھا مگر ہم نے پھر بھی بلا اعتراض قبول کیا۔

ضلع بستی بانسی کے پورب ایک موضع کھریا ہے جو براؤں شریف سے تقریباً ۲۵ کلومیٹر پر واقع ہے وہاں ایک حاجی صاحب کا انتقال ہوا چونکہ ان کا لڑکا اس آبادی کا بہت بڑا سیٹھ تھا اس لئے جنازہ میں کئی وہابی اور دیوبندی مولوی بھی شریک ہوئے۔ بعد دفن سیٹھ نے اعلان کیا کہ جتنے لوگ جنازہ میں شریک ہیں فلاں دن سب لوگوں کو کھانے کی دعوت ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سے لوگوں کو شادی بیاہ کی طرح مدعو کیا گیا۔

کھریا کے سب لوگ اپنے کو سنی ہی کہتے تھے مگر بدمذہبوں کا ان پر پورا تسلط تھا۔ ان میں ایک صاحب سنیت کا درد رکھتے تھے جن کو عبداللہ میاں کہا جاتا تھا انھوں نے سیٹھ کو اس بات پر راضی کر لیا کہ دعوت کے موقع پر براؤں شریف کے کسی عالم کی تقریر ہو جائے۔ اس کے لئے مجھے انھوں نے دعوت دی۔

یہ اس زمانہ کی بات ہے جبکہ براؤں شریف سے بانسی جانے کے لئے بس وغیرہ کی سہولت نہیں تھی۔ ہم نے ایک طالب علم کو کرایہ کی سائیکل لانے کے لئے بانسی بھیجا۔ وہ پندرہ کلومیٹر پیدل جاکر سائیکل لایا ہم اسی سے کھریا گئے۔ شادی کی طرح میت کی دعوت جو واقعی بدعت سیئہ ہے ایسی دعوت کھانے کے لئے بات بات پر بدعت کی رٹ لگانے والے وہابی اور دیوبندی سات مولوی پہلے سے موجود تھے۔

جب میں پہنچا تو قرآن خوانی ہو رہی تھی ہم نے شیرینی منگا کر اس کے ساتھ تلاوت قرآن کا ایصال ثواب کیا تو ان میں کے دو مولوی یہ کہہ کر چلے گئے کہ براؤں کے عالم آئے ہیں اب یہاں نیاز فاتحہ ہوگا اور تین مولوی کھانے کے بعد گئے۔ باقی بچے دو مولوی۔ انھوں نے ہمارے پاس خبر بھجوائی کہ ہم بھی تقریر کریں گے اور ہم لوگوں کا بیان بعد میں ہوگا۔ ہم نے کہلوایا آپ لوگوں کو کھانے کی دعوت تھی جب کھا چکے تو اپنے اپنے گھر جائیے تقریر کے لئے تو صرف ہم بلائے گئے ہیں۔ مگر وہ نہیں گئے اور آخر میں تقریر کرنے پر بضد رہے بڑی گفت وشنید

کے بعد ابتداہی میں بیان کرنے پر راضی ہوئے۔

میلاد شریف کا پروگرام زمین پر رہا میں سامنے کی ایک چھت پر ان لوگوں کی تقریر سننے کے لئے چلا گیا اور ان کے خاص خاص جملے نوٹ کرتا رہا۔ دونوں نے اہلسنت وجماعت کے معتقدات کا سخت رد کیا اور سنی کہلانے والے سب لوگ خاموشی سے سنتے رہے ان میں کا ایک مولوی اپنی تقریر ختم کر کے فوراً چلا گیا اور دوسرے نے اپنے بیان کو بہت طویل کیا۔ غالباً اس لئے تاکہ مجمع تھک کر چلا جائے اور براؤں شریف کے عالم کی تقریر ہی نہ ہو سکے وہ ذلت ورسوائی کے ساتھ یہاں سے واپس ہو جائیں۔

عبداللہ میاں بار بار سیٹھ سے کہتے تھے کہ ان کی تقریر بند کروایئے اور جن کو آپ نے وعظ ہی کے لئے بلایا ہے اب ان کا بیان کروایئے مگر وہ ایسا نہ کر سکا۔ یہاں تک کہ رات کے بارہ ۱۲ بج گئے مگر میری تقریر نہیں شروع ہو سکی اور مجمع اٹھتا چلا جا رہا تھا اس لئے اب بیان ہونے کی امید بھی نہیں رہ گئی تھی جس کے صدمہ سے میری حالت عجیب وغریب ہو گئی تھی۔

آخر اس مولوی نے ۱۲ بجکر ۱۰ منٹ پر اپنی تقریر ختم کی اور کرسی چھوڑ کر بیچ کی بچھی ہوئی چارپائی پر بچوں کی طرح پاؤں پھیلا کر بد تہذیبی سے بیٹھا میں نیچے اتر کر کرسی پر آیا اور حمد و صلاۃ کے بعد خلاف عادت بلند آواز سے ان دونوں کی تقریروں کا رد کرنا شروع کیا۔ وہ درمیان میں بول پڑا اور اپنی تائید میں قرآن مجید کی ایک آیت کریمہ تلاوت کی مگر غلط پڑھی میں نے ڈانٹ کر کہا ٹھیک سے پڑھو تم نے غلط پڑھا۔ تم مجھ کو صرف مولوی مت سمجھنا میں ۳۰ پارہ کا حافظ بھی ہوں جتنی آیتیں تم نے تقریر میں پڑھی ہیں سب غلط پڑھی ہیں پھر سے پڑھو۔ مگر وہ دوبارہ پڑھ نہ سکا اور بہت ذلیل ورسوا ہوا۔ اور اس واقعہ کا وہاں کے سارے مسلمانوں پر بہت اچھا اثر پڑا کہ جب تک براؤں شریف کے مولانا نہیں تھے تمام آیتیں پڑھ کر سنا رہے تھے اور ان کے سامنے ایک آیت بھی صحیح نہیں پڑھ سکے۔

اتنا سب کچھ ہونے کے باوجود جب ہم صبح چلنے لگے تو سیٹھ نے ہمیں ایک روپیہ

نذرانہ پیش کیا جو سائیکل کے کرایہ کو بھی کافی نہ تھا مگر ہم نے بلا اعتراض لے لیا اور پھر اس کے بعد بھی جب بلایا ہم اسلام وسنیت کی خاطر برابر گئے، وہابیوں، دیوبندیوں کے یہاں شادی بیاہ کرنے اور ان کے پیچھے عید وغیرہ کی نماز پڑھنے سے روک دیا۔ کئی لڑکوں کو تعلیم کے لئے فیض الرسول براؤں شریف میں داخلہ کروایا۔ یہاں تک الحمدللہ اب گھر یا میں کئی سنی عالم ہو گئے جس سے وہاں کی سنیت محفوظ ہوگئی اور ایک اچھا دینی مذہبی قائم ہوگیا جس میں قرب و جوار اور آبادی کے سارے مسلمان بچے اسلام وسنیت کی تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔

سنڈیلہ کا واقعہ

ضلع ہردوئی کا سنڈیلہ ایک مشہور قصبہ ہے۔ وہاں کے جناب ارشاد حسین صاحب صدیقی اسلام وسنیت کی خدمت کا بہت اچھا جذبہ رکھتے ہیں۔ لکھنؤ کی ایک اتفاقی ملاقات میں ان پر ظاہر ہوا کہ میں سنی عالم ہوں۔ انھوں نے کہا میں ایک جلسہ کرنا چاہتا ہوں کیا آپ اس میں تقریر کے لئے آسکتے ہیں؟ میں نے جواب دیا کہ آجاؤں گا۔ انھوں نے پوچھا کہ نذرانہ کیا لیں گے؟ میں نے کہا جو بھی آپ دیں گے مجھے اس پر کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ مگر شاید کسی پیشہ ور مقرر سے کبھی ان کو پالا پڑا تھا۔ انھوں نے معاملہ کی صفائی کے لئے کہا کہ ہم کرایہ وغیرہ کچھ نہیں دیں گے جب آپ تشریف لائیں گے تو سو روپے پیش کریں گے۔ ہم نے کہا آپ بالکل مطمئن رہیے ہمیں کوئی اعتراض نہ ہوگا آپ جو کچھ پیش کریں گے ہم بخوشی قبول کرلیں گے۔

جلسہ میں ہمارے علاوہ اور کوئی دوسرا عالم نہیں مدعو کیا گیا۔ اسی طرح وہ سال میں تین چار جلسے کرتے ہیں جس میں صرف ایک عالم کو دعوت دیتے رہیں۔ یہ طریقہ بہت عمدہ ہے کہ تھوڑے خرچ میں جلسہ ہو جاتا ہے اور سال میں کئی بار اسلام وسنیت کی تبلیغ ہو جاتی ہے۔ اے کاش! چھوٹی جگہوں کے دوسرے لوگ بھی یہی طریقہ اختیار کرتے۔

میں تاریخ معینہ پر سنڈیلہ پہنچ گیا اور عقائد واعمال پر تقریباً دو گھنٹے تقریر کی واپسی کے وقت وعدہ کے مطابق انھوں نے سو روپئے پیش کئے۔ وضع تنخواہ اور براؤں شریف سے سنڈیلہ تک آمد و رفت کرایہ میں پوری رقم صرف ہوگئی اور ہم یہ پہلے ہی سے جانتے تھے۔

لیکن اسلام وسنیت کی تبلیغ کے جذبہ سے ہم نے دعوت قبول کی تھی۔

اسی طرح انھوں نے ہمیں کئی بار دعوت دی اور ہم برابر جاتے رہے اور وہ اسی طرح نذرانے پیش کرتے رہے اور ہم بخوشی قبول کرتے رہے یہاں تک کہ وہ ہمارے حسن اخلاق سے بہت متاثر ہوئے اور انھوں نے اپنے مدرسہ کے لئے جو بہت کمزور حالت میں چل رہا تھا۔ ہم سے ایک عالم طلب کیا۔ ہم نے فیض الرسول کے ایک ہونہار فاضل کو وہاں پہنچا دیا جن کی کوششوں نے صدیقی صاحب کے حوصلہ کو اور بلند کر دیا۔ تھوڑے ہی عرصہ میں مدرسہ بہت ترقی کر گیا اور جب میرے ایثار کا ان کو احساس ہوا تو مدرسہ کا پرانا نام بدل کر میری خوشی کے لئے مرشدی صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان کے نام پر اس کا نام دار العلوم امجدیہ رکھا۔ اب محلہ کسان ٹولہ میں اس کی شاندار عمارت ہوگئی۔ کئی عالم وحافظ اور کثیر طلبہ تعلیم وتعلم میں مصروف ہیں اور اسلام وسنیت کی خوب اشاعت ہو رہی ہے۔

فالحمد للہ علی ذلک

****

ہماری جائے پیدائش اوجھا گنج میں غیر مسلموں کی آبادی زیادہ ہے اور مسلمانوں کے تقریباً ۵۰ گھر ہیں۔ دائمی بازار ہے جہاں ہر وقت ضرورت کی چیزیں مل جاتی ہیں۔ دو مسجدیں ہیں اور ایک مدرسہ بھی اچھی حالت میں چل رہا ہے۔ بروقت پوری آبادی میں کل دس فارغ التحصیل مولوی ہیں جہاں سب سے پہلے میں سند یافتہ عالم ہوا باقی میرے شاگرد یا شاگرد کے شاگرد ہیں۔

اوجھا گنج کی پہلی تعلیمی حالت

اوجھا گنج میں مولوی محمد زکریا صاحب مرحوم اپنے گھر ایک مکتب قائم کئے ہوئے تھے اور خالصاً لوجہ اللہ بڑی توجہ سے پڑھاتے تھے۔ قرآن مجید ناظرہ اور کچھ اردو کی تعلیم دیتے تھے مگر لکھنا نہیں سکھاتے تھے اس لئے کہ وہ خود لکھنا نہیں جانتے تھے۔ تین لڑکوں نے ان سے قرآن مجید کا حفظ بھی کیا جن میں سے ایک میں بھی ہوں۔

اردو میں نور نامہ، عہد نامہ، شان رحمت، شان قدرت اور دلہن نامہ پڑھائی جاتی تھیں فقہ میں دیوبندیوں کی کتابیں راہ نجات اور مفتاح الجنہ داخل درس تھیں کچھ لوگ شرع محمدی منظوم بھی پڑھ لیتے تھے۔ بعض گھروں میں میلاد شریف کی کچھ کتابیں قصص الانبیاء اور محرم کی مجالس میں پڑھنے کے لئے عناصر الشہادتین اور اسی قسم کی دوسری چند کتابیں پائی جاتی تھیں میرے عالم ہونے تک فقہ کی عظیم کتاب بہار شریعت کا ایک حصہ بھی آبادی میں داخل نہیں

ہوا تھا. غالباً لوگوں کو اس کا علم ہی نہیں تھا۔

قرب و جوار میں بلکہ ہریا کے پورب تحصیل میں سب سے زیادہ پڑھے لکھے اوجھا گنج ہی کے لوگ مانے جاتے تھے۔ اسی لئے مختلف مقامات پر یہاں کے آدمی عیدین اور جمعہ کی نماز پڑھانے کے لئے جایا کرتے تھے مگر فقہ کی اصطلاح میں سب اُمی تھے یعنی کوئی ان میں ما یجوز بہ الصلاۃ قرآن مجید پڑھنے والا نہیں تھا یہاں تک کہ کسی کو ش س، ق ک اور ف پھ کی تمیز نہیں تھی۔ ایسے ہی ہم کو بھی پڑھایا گیا تھا جس کی اصلاح التفات گنج کے اساتذہ نے بھی نہیں کی جب حضرت علامہ ارشد القادری صاحب قبلہ دامت برکاتہم القدسیہ کی درسگاہ میں داخل ہوا تو انھوں نے اس طرف توجہ دلائی۔ غلط بولنے پر بار بار تنبیہ کرتے رہے اور درستگی پر زور دیتے رہے ایک بار پرانی عادت کے مطابق فقہا کی بجائے میری زبان سے پھکہا نکلا تو اس قدر ناراض ہوئے کہ میں رونے لگا یہاں تک کہ قرأت سیکھ کر ہم نے صحیح کیا پھر اپنے استاد مولوی محمد زکریا صاحب کے حروف کو درست کرایا اور اب تو الحمد للہ ہماری کوششوں سے اوجھا گنج میں کئی قاری بھی ہو گئے۔

اوجھا گنج میں شادی کی رسمیں

اوجھا گنج میں جب کسی کے یہاں شادی ہوتی تھی تو ایک مہینہ پہلے اس کے گھر دفالی کے یہاں سے ڈھول آجاتی تھی اور آبادی بھر کی مسلم عورتیں جمع ہو کر ۱۲ بارہ بجے رات تک گاتی بجاتی تھیں اور بعض گھروں میں عورتیں ناچتی بھی تھیں۔ یہاں تک کہ ہمارا گھر بھی گانے بجانے سے پاک نہیں تھا۔ ہماری شادی کے وقت جب ڈھول لانے کی بات آئی تو ہم نے نہایت سختی سے منع کیا اور کہا کہ ڈھول آئے گی تو ہم اسے چاقو سے پھاڑ دیں گے جو لائے گا وہی اس کا ذمہ دار ہوگا۔ پھر ڈھول نہیں آئی اور اوجھا گنج کی تاریخ میں یہ پہلی شادی ہوئی جس میں گانا بجانا نہیں ہوا پھر ہم دوسروں کو بھی سختی سے منع کرتے رہے یہاں تک کہ پوری مسلم آبادی سے یہ خرابی دور ہو گئی۔ صرف چند آدمی جو نیچ قسم کے ہیں ان کے یہاں رہ گئی ہے امید کہ آہستہ آہستہ ان کے گھر سے بھی ختم ہو جائے گی۔

باراتوں میں بھی طرح طرح کے باجے لے جاتے تھے اور دوسروں سے بھی منگائے جاتے

تھے۔ یہاں تک کہ آبادی کے مسلمانوں نے انگریزی باجہ کی ایک غول بنا رکھی تھی جو اوجھا گنج میں اور دوسری جگہوں پر پیسہ لے کر بجانے کے لئے جایا کرتی تھی۔ الحمد للہ ہماری فہمائش سے یہ خرابیاں بھی دور ہوگئیں اور اب یہ مزاج بن گیا ہے کہ بمبئی کا ایک سیٹھ جو اسی علاقہ کا رہنے والا ہے۔ وہ زبردستی بارات میں باجہ لانا چاہتا تھا تو ہم نے مسلمانوں کو اس کے خلاف اتنا ابھارا کہ وہ مارنے کے لئے تیار ہوگئے۔ یہاں تک کہ اس کو اوجھا گنج میں باجہ لانے کی ہمت نہیں ہوئی۔

بارات والے دلھن کے لئے جو کپڑا وغیرہ لاتے تھے اسے گھر کے اندر پہنچانے کے لئے باراتیوں کا نائی یا دوسرا کوئی نامحرم جاتا تھا۔ عورتیں پہلے سے کالک وغیرہ تیار کر کے رکھتی تھیں۔ سامان اتارتے ہی اس کو لگانے کے لئے ٹوٹ پڑتی تھیں جس کے جواب میں بسا اوقات وہ بھی عورتوں پر ہاتھ چلا دیا کرتا تھا۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔

دولھا باراتیوں کے ساتھ دلھن کے دروازہ پر سلام کرنے کے لئے جایا کرتا تھا جس میں دلھا اور گھر کی عورتوں کے درمیان درختوں کی ٹہنیوں سے باقاعدہ مار ہوتی تھی اور بعض عورتیں چنا، مٹر یا کانٹے دار پھل بھی دلھا کے چہرہ پر مارتی تھیں یہ بیہودہ رسمیں بھی ختم ہوئیں۔

اوجھا گنج کے لوگ پن پلائی اور بھت پکائی کے نام پر باراتیوں کو پانی پلانے اور ان کو کھانا کھلانے کی مزدوری دلھا کے گھر والوں سے وصول کیا کرتے تھے ہم نے بہت غیرت دلائی اور کہا کہ اسے بند کرو۔ اور اگر اس میں پنچ کا نقصان ہے تو ہر بارات کی پن پلائی اور بھت پکائی جب تک ہم زندہ ہیں ہم سے وصول کیا کرو۔ الحمد للہ یہ غلط طریقہ بھی ختم ہوا۔

اور اوجھا گنج کے لوگ دعوت ولیمہ جانتے ہی نہیں تھے۔ البتہ بارات کی روانگی سے پہلے مسلم آبادی کے سارے مردوں کو اور خاندان کے پورے افراد کو کھانا کھلانا ضروری تھا۔ اسے پنچ کا کھانا کہا جاتا تھا۔ اور جو شخص اتنے لوگوں کو کھلانے کی استطاعت نہیں رکھتا تھا اسے پنچ کو جمع کر کے معافی مانگنی پڑتی تھی۔ ہم نے شب زفاف کے بعد دعوت ولیمہ کرنے کو بتایا تو پنچ کا کھانا بند ہوگیا اور سب لوگوں کو کھلانے کی استطاعت نہ ہونے کی صورت میں معافی مانگنا بھی ختم ہوگیا اور اب بفضلہ تعالیٰ اوجھا گنج میں شادی وغیرہ کی ساری تقریبات اسلامی طور و طریقہ سے ہونے لگیں۔

اور ہماری ساری کوششیں بارآور ہوگئیں۔

بدمذہبوں سے رشتہ

وہابی اور دیوبندی جو اللہ و رسول جل جلالہ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور اولیائے کرام و بزرگان دین کی شان میں گستاخی و بے ادبی کرتے ہیں وہ اہلسنت و جماعت کے یہاں شادی بیاہ کرنے کی زیادہ کوشش کرتے ہیں اس لئے کہ اس طرح وہ اپنے رشتہ دار کے گھر بدمذہبی پھیلانے میں آسانی کے ساتھ کامیاب ہوجاتے ہیں اور وہ سنی جو اللہ و رسول اور انبیائے کرام و اولیائے عظام سے جھوٹی محبت کا دعویٰ رکھتے ہیں ان کی ظاہری نرمی کو دیکھ کر رشتہ قائم کرنے کے لئے تیار ہوجاتے ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ سانپ اوپر سے نرم ہوتا ہے لیکن اس کے اندر زہر قاتل ہوتا ہے بلکہ بدمذہب سے تعلق سانپ سے زیادہ نقصان دہ ہے اس لئے کہ وہ جان لیتا ہے اور یہ ایمان پر ڈاکہ زنی کرتا ہے۔ اسی لئے سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِنْ مَرِضُوْا فَلَا تَعُوْدُوْهُمْ وَاِنْ مَاتُوْا فَلَا تَشْهَدُوْهُمْ وَ اِنْ لَقِيْتُمُوْهُمْ فَلَا تُسَلِّمُوْا عَلَيْهِمْ وَلَا تُجَالِسُوْهُمْ وَلَا تُشَارِبُوْهُمْ وَلَا تُوَاكِلُوْهُمْ وَلَا تُنَاكِحُوْهُمْ وَلَا تُصَلُّوْا عَلَيْهِمْ وَلَا تُصَلُّوْا مَعَهُمْ۔

اگر بدمذہب بیمار پڑیں تو ان کی عیادت نہ کرو اگر مرجائیں تو ان کے جنازہ میں شریک نہ ہو، ان سے ملاقات ہو تو انھیں سلام نہ کرو، ان کے پاس نہ بیٹھو، ان کے ساتھ پانی نہ پیو، ان کے ساتھ کھانا نہ کھاؤ، ان کے ساتھ شادی بیاہ نہ کرو ان کے جنازہ کی نماز نہ پڑھو اور نہ ان کے ساتھ نماز پڑھو۔

(مسلم شریف بحوالہ انوار الحدیث صـ۱۰۳م)

جو لوگ حقیقت میں اللہ و رسول اور انبیا و اولیا کو دوست رکھتے ہیں وہ ان کے دشمنوں کو دشمن ہی سمجھتے ہیں اور ان سے سخت نفرت کرتے ہیں اس لئے کہ دوست کا دشمن دشمن ہی ہوتا ہے ـــــ اپنے اور اپنے باپ دادا کے دشمن سے شادی بیاہ نہ کرنا اور اللہ و رسول کے دشمنوں سے رشتہ قائم کرنا ایمان والا کبھی گوارا ہی نہیں کرسکتا۔

جو لوگ دنیا کمانے کے لئے مولوی گیری اور پیری مریدی کرتے ہیں اور پیسے کی فکر میں

رہتے ہیں سنیت کی پرواہ نہیں کرتے وہ صرف ڈرامائی اور رسمی تقریریں کرتے ہیں مگر ایمان کے ڈاکو جس راستہ سے سنیوں کے گھروں میں گھس کر ان کے ایمان پر ڈاکہ زنی کر رہے ہیں اور سنیت کو بہت زبردست نقصان پہنچا رہے ہیں اس راستہ کو بند نہیں کرتے، بدمذہبوں سے نفرت نہیں دلاتے۔ اور نہ ان کے یہاں شادی بیاہ کرنے سے روکتے ہیں بلکہ بعض سنی کہلانے والے مولوی اور پیر اس میں خود ہی مبتلا ہو جاتے ہیں جسے سنی عوام سند بناتے ہیں اور ان کے یہاں رشتہ کر کے گمراہ و بدمذہب ہو جاتے ہیں۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔

اوجھاگنج کے بعض مسلمان بھی وہابیوں اور دیوبندیوں کے یہاں شادی کر رہے تھے۔ میں نے ہوش سنبھالتے ہی ان کو منع کیا اور پھر کچھ دنوں بعد اعلان کر دیا کہ خبردار! اب کوئی ان کے یہاں رشتہ نہ کرے۔ اگر کرے گا تو اس پر سختی کی جائے گی اور ہر طرح سے اس کا اسلامی بائیکاٹ کیا جائے گا۔

اس اعلان کو عرصہ گذر گیا مگر الحمد للہ اس وقت سے اب تک اوجھاگنج کے مسلمانوں کی کوئی شادی کسی بدمذہب کے یہاں نہیں ہوئی جس سے اس آبادی کی سنیت روز بروز نکھرتی ہی چلی گئی۔ البتہ اب کچھ ناعاقبت اندیش جن کے لئے ہماری دعا ہے کہ انھیں دین کی سمجھ حاصل ہو وہ اپنی بیوقوفی سے اوجھاگنج میں ایک ایسے پیر کو لانا چاہتے ہیں جس نے اپنے لڑکا اور لڑکی دونوں کی شادی بدمذہب کے یہاں کی ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ بہت سے مسلمان اس معاملہ میں اس پیر کی اتباع کر کے اپنے گھروں میں بدمذہبی کا بیج بو رہے ہیں۔ اگر اوجھاگنج کے لوگ بھی ان سے بیعت ہوئے اور اپنے پیر کے نقش قدم پر چلتے ہوئے بدمذہبوں سے رشتہ قائم کئے تو میری زندگی بھر کا کمایا ہوا دینی مزاج ملیامیٹ ہو جائے گا اور آہستہ آہستہ اوجھاگنج سے سنیت کا جنازہ نکل جائے گا۔

اس پیر کے بعض ہوا خواہ کہتے ہیں کہ انھوں نے اپنے رشتہ داروں کو سنی بنا لیا ہے۔ تو انھوں نے اپنے ہی جیسا سنی بنایا ہے کہ جو بدمذہبوں کے یہاں شادی بیاہ کرنے پر راضی ہو گئے یا اس سے کم؟ یہ تو خدائے تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ مگر یہ مشہور کرنا کہ انھوں نے سنی بنا لیا

ہے۔ سنیت کے لئے اور زیادہ نقصان دہ ہے اس لئے کہ پہلے ان کے مرید مولویوں کو بدمذہبوں کے یہاں رشتہ کرنے سے بآسانی روکا جا سکتا تھا اور اب تو وہ یہ کہیں گے کہ جیسے ہمارے پیر صاحب نے سنی بنا لیا ہے ہم بھی بنا لیں گے اور پھر عوام اس مولوی کے عمل کو سند بنا کر بدمذہبوں کے یہاں رشتہ کریں گے اور اپنے گھر کی سنیت کو تباہ کر دیں گے ۔۔۔ عقلمندوں نے کہا ہے جس چیز کا نتیجہ دیر میں ظاہر ہو اس سے غفلت برتنا جہالت کی نشانیوں میں سے ہے۔

اوجھا گنج کی تعزیہ داری

اوجھا گنج میں بھی مروجہ تعزیہ داری بڑی دھوم دھام سے ہوتی تھی۔ کئی لوگ اپنے ذاتی خرچ سے تنہا تعزیہ بناتے تھے اور دونوں مسجدوں کے دروازوں پر بھی محلہ والوں کے پنچایتی تعزیے رکھے جاتے تھے۔ جن میں ہمارے والد قبلہ مرحوم کے علاوہ سارے مسلمان چندہ دیا کرتے تھے۔ تعزیوں کو امام صاحب کا روضہ کہا جاتا تھا حالانکہ ان میں کوئی آپ کے روضہ مبارکہ کی نقل نہیں ہوتا تھا بلکہ غیر مسلموں کی مندروں کی طرح ہوا کرتا تھا۔

تعزیوں کو ایک ماہ پہلے سے بنانا شروع کرتے تھے اور باجہ کے ساتھ نہایت ہی شان سے چوک پر رکھتے تھے۔ دسویں رات کو باجا گاجا اور مردوں عورتوں کے مخلوط مجمع کے ساتھ بازار میں گشت کراتے تھے پھر ۱۰ محرم کو تعزیہ اٹھنے پر بہت بڑا میلہ ہو جاتا تھا۔ دوسرے مواضعات کے بھی تعزیے آتے تھے اور ہر بڑا آدمی یہ چاہتا تھا کہ ہمارا تعزیہ سورج کے مقابل ہو تاکہ اس میں چمک زیادہ ہو اور اس کے لئے ایام جاہلیت جیسے جھگڑے کرتے تھے یہاں تک دسویں محرم کو جب دفن کرنے کے لئے تعزیہ اٹھتا تھا تو بعض عورتیں چوک پر پانی ڈال کر اس کی گیلی مٹی اپنے ماتھے پر لگاتی تھیں اور پھر ہاتھوں کی چوڑیاں توڑ کر دیر تک بیٹھ کے روتی رہتی تھیں۔

ان خرافات کو دیکھ کر بھلا میں کب خاموش رہ سکتا تھا۔ میں نے انھیں بتایا کہ اس طرح کی تعزیہ داری ناجائز حرام اور بدعت سیئہ ہے۔ جن لوگوں کو تعزیہ کے معاملے میں اس قدر غلو تھا بھلا وہ میرے اس بیان کو کیسے برداشت کر سکتے تھے۔ سب میرے خلاف ہو گئے اور مجھکو

وہابی کہنے لگے اور بہت سے فرضی قصے بیان ہونے لگے کہ فلاں جگہ ایک آدمی نے تعزیہ رکھنا بند کر دیا تو اس کا جوان بیٹا مر گیا اور فلاں جگہ تعزیہ نہ رکھنے پر ایسا ایسا واقعہ ہوا۔

مگر میں ان لوگوں کے خوف دلانے سے بالکل نہیں ڈرا ہر سال تعزیہ داری کے خلاف برابر تقریریں کرتا رہا اور ان کے فرضی قصوں کا جواب یوں دیتا رہا کہ اگر تعزیہ داری بند کر دینے پر جوان بیٹا کے مرنے اور بڑے بڑے نقصانات ہونے کا واقعہ صحیح ہوتا تو میں جبکہ اس کا سخت مخالف ہوں اور اسے بند کرواتا ہوں مجھے میرے بیٹوں کے ساتھ زمین میں زندہ دفن جانا چاہئے حالانکہ میں ہر لحاظ سے روز بروز ترقی ہی کر رہا ہوں اور تعزیہ دار دن بدن پستی ہی میں جا رہے ہیں بلکہ کئی ایک ان میں نربنس (منقطع النسل) ہو کر مٹ گئے اور باقی لوگوں کی حالت روز بروز خراب ہوتی چلی جا رہی ہے۔

تعزیہ، علم اور شدہ یہاں تک کہ ڈھول کا بھی اتنا احترام تھا کہ انکو مسجدوں میں رکھا جاتا تھا۔ ایک بار چھوٹی مسجد کے رکھے ہوئے علم و شدے میں اس کے چراغ سے نہ معلوم کیسے آگ لگ گئی کہ جس سے مسجد بھی جل گئی کہ اس زمانہ میں وہ کھپریل (سفالہ پوش) تھی۔ مگر آگ بجھانے کے بعد ما بقی علم و شدے پھر اسی مسجد میں رکھ دئے گئے۔ میں کہیں باہر تھا۔ آنے کے بعد جب اس واقعہ کی خبر ہوئی تو علم و شدے مسجد کے باہر کیچڑ میں پھنکوا دیا اور ڈھول نکلوا کر پیروں کی ٹھوکروں سے بہت دور کروا دیا۔

اس واقعہ سے پوری آبادی کے مسلمانوں میں آگ لگ گئی مگر کوئی میرے قریب نہیں آیا۔ البتہ امام عالی مقام کے جھنڈے کی توہین کا مجھ پر الزام لگایا گیا۔ مولانا نور محمد نے میرے مشورہ پر بریلی شریف سے فتویٰ منگایا۔ مفتی نے جھنڈا پھنکوانے والے کو گنہگار ٹھہرانے کی بجائے ثواب پانے والا قرار دیا۔ میں نے اس فتویٰ پر اہلسنت کے ۵۰ علما اور مشائخ وغیرہ سے دستخط لے کر ۱۳۸۸ھ میں پوسٹر کی شکل میں شائع کر دیا۔ جس کی نقل اس کتاب میں بھی حالات مصنف سے پہلے شامل کی جا رہی ہے۔

اوجھا گنج میں تعزیہ داری اگرچہ اب بھی جاری ہے مگر پہلے والی باتیں اب نہیں رہ

گئیں بہت سی جہالتیں دور ہو گئیں اور زور ٹوٹ چکا ہے۔ امید کہ آہستہ آہستہ بالکل ختم ہو جائے گی۔

خواجہ خضر کا تہوار

اودھا گنج میں خواجہ خضر کا تہوار اس طرح ہوتا تھا کہ دفالی ڈھول اور دبانہ لے کر مسلم آبادی میں آتے اور ایک ایک دروازہ پر گاتے بجاتے۔ پھر جب عورتیں گیہوں کا میٹھا دلیا پکانے کے بعد بن سنور کر تیار ہو جاتیں تو دفالی ہر گھر سے عورتوں کو دلیا سر پر رکھوا کر گاتے بجاتے ہوئے مسجدوں کے دروازے تک پہنچاتے پھر جب پوری مسلم آبادی کا دلیا اکٹھا ہو جاتا تو نوجوان بہو بیٹیاں بے پردہ اپنے سروں پر دلیا لئے ہوئے بازار سے گذرتیں۔ دفالی قدم قدم پر ٹھہرتے اور خوب گاتے بجاتے اور ہاتھ سر سے اوپر اٹھا اٹھا کر عورتیں دفالی کو پیسہ دیتیں۔ جبکہ پردہ ہی کے لئے نماز کی تکبیر تحریمہ کے وقت کان تک بھی ہاتھ اٹھانے سے ان کو منع کیا گیا ہے۔

یہ ساری بے حیائیاں بیچ بازار میں ہوتی تھیں اور غیر مسلم دو رویہ کھڑے ہو کر تماشا دیکھتے تھے مگر مسلم ذمہ داران جو ساتھ میں ہوتے تھے عورتوں کی یہ حالت دیکھ کر اتنا بھی نہیں کہہ سکتے تھے کہ یہ میلہ بازار کی بجائے باہری راستہ سے ندی تک جائے۔ ہمارے والد صاحب قبلہ مرحوم صرف اتنا کرتے تھے کہ اپنے گھر کی عورتوں کو نہیں جانے دیتے تھے اس لئے ہمارے گھر یہ تہوار بھی نہیں ہوتا تھا۔ البتہ کبھی وہ اور اکثر مولوی محمد زکریا صاحب مرحوم سال میں ایک بار اسی تہوار کے روز دریا کے قریب شہید بابا کے مزار کے نام پر شیرینی کے لئے چندہ کرتے اور ظہر کی نماز پڑھ کر میلہ کے بعد دریا پر جاتے۔ مگر وہاں سب کو مزار کا ہونا تسلیم نہیں تھا۔

جب میں نے ہوش سنبھالا تو لوگوں کو بتایا کہ اگر واقعی وہاں مزار ہو اور ہم زیارت کے لئے نہ جائیں تو گنہگار نہیں ہوں گے کہ مزار کی زیارت ہم پر فرض و واجب نہیں۔ اور اگر مزار نہ ہو تو حدیث شریف لعن اللہ من زار بلا مزار کے مطابق زیارت کرنے کے سبب ہم اللہ کی لعنت کے مستحق ہوں گے۔ لہٰذا بھلائی کی صورت زیارت نہ کرنے ہی میں ہے ـــــ میرے اس بیان پر اس کی زیارت ختم ہو گئی۔

فارغ التحصیل ہونے کے بعد اپنے ابتدائی دور میں ایک سال اس تہوار کے دن میں گھر ہی پر تھا اور نماز جمعہ کے بعد میلہ نکلنے والا تھا۔ میں نے اس کے خلاف نماز کے پہلے سخت تقریر کی اور لوگوں کو غیرت دلائی کہ آپ کی بہو بیٹیاں بے پردگی اور بے حیائی کے ساتھ بیچ بازار سے گذرتی ہیں مگر آپ لوگوں کو شرم نہیں آتی بڑے افسوس کی بات ہے۔ خواجہ خضر کی نیاز اپنے گھر دلوائیے اور اگر دریا کے کنارے دلوانا چاہیں تو مرد لے کر جائیں عورتیں ہرگز نہ جائیں۔

میرے اس بیان کو لوگوں نے مان لیا اور اپنے اپنے گھر جا کر عورتوں کو سختی سے منع کر دیا مگر پشتہا پشت کی رسم یکایک بند ہوتی دیکھ کر لیڈر قسم کی عورتیں بہت پریشان ہوئیں اور ہماری بات کو رد کرنے کے لئے بڑی کوششیں کیں لیکن الحمدللہ وہ کامیاب نہ ہوئیں اور یہ حیا سوز طریقہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا۔

ماں باپ کا کھانا

ماں باپ کے مرنے پر اودھا گنج میں ان کا کھانا شادی بیاہ کی طرح بڑی دھوم دھام سے کیا جاتا تھا جس میں تمام عزیز و اقارب اور سارے رشتہ داروں کو جمع کیا جاتا تھا۔ کچھ خاندانی فقیروں کو اور خاص طور سے برادری کو کھانا کھلایا جاتا تھا۔ موت ہی کے دن سے لوگ اس کھانے کا انتظار شروع کر دیتے۔ اگر کسی کی جانب سے کھلانے میں تاخیر ہوتی تو وہ کہیں بولنے کا حق نہیں رکھتا تھا۔ لوگ اسے فوراً طعنہ دیتے کہ تو کیا بات کرتا ہے تیرا باپ مر گیا اور تو ابھی تک برادری کو کھانا نہیں کھلا سکا۔

اگر کوئی شخص کھلانے کی استطاعت نہیں رکھتا تو برادری کے دباؤ اور ان کی طعنہ زنی سے بچنے کے لئے مجبوراً اسے قرض لے کر کھانا کرنا پڑتا۔ اور اگر قرض لے کر بھی کوئی آدمی کھلانے کی طاقت نہیں رکھتا تو مسلمانوں کی بھری پنچایت میں کھڑے ہو کر وہ پنچ سے معافی مانگتا جس پر یہ کہا جاتا کہ معافی نہیں ملے گی۔ لوگوں کے یہاں تم نے کھایا ہے تو تمہیں بھی سب کو کھلانا پڑیگا۔ جب بہت دیر تک ہاتھ جوڑ کر وہ پنچ سے عاجزی منتی کرتا اور اپنی مجبوریاں بیان کرتا تو بادلِ ناخواستہ اسے معاف کر دیا جاتا مگر وہ پوری آبادی میں نہایت ذلیل و رسوا ہو جاتا۔

چونکہ اس طرح میت کے گھروالوں سے کھانا وصول کرنا حرام وناجائز ہے اس لئے میں نے اسکی سخت مخالفت کی مگر طعنہ زنی کے خوف سے لوگ چھوڑنے کی ہمت نہیں کرپارہے تھے۔ لیکن جب میرے والدین کا انتقال ہوا تو میں نے کھانا نہیں کیا بلکہ ایصال ثواب کے لئے بڑی مسجد میں الیکٹرک لگوائی۔ اس طرح لوگوں کو برادری کے ظلم سے نجات مل گئی۔ اس نے اپنا حق ختم کردیا معافی مانگنے کا سوال نہیں رہ گیا خوداختیاری ہوگیا اور نہ کھلانے کی صورت میں طعنہ زنی کرنے اور عیب نکالنے کی بات بالکل ختم ہوگئی۔

اب اوجھاگنج کے لوگ اکثریہ کھانا نہیں کرتے اور جو کرتے ہیں وہ ریاو تفاخر اور نام و نمود کے لئے کرتے ہیں اس لئے کہ اگر ثواب مقصود ہوتا تو جس میں زیادہ ثواب ہے وہ کام کرتے پیٹ بھروں کو کھانا نہ کھلاتے بلکہ کسی غریب ولاچار بیوہ کی امداد کرتے، صدقہ جاریہ میں خرچ کرتے، تعمیر مسجد میں لگاتے یا طالب علم دین کو دیتے کہ ایک کے بدلے کم سے کم سات سو کا ثواب ہے۔ دیکھئے فتاوی رضویہ جلد چہارم ص۵۰۰

لہذا اوجھاگنج اور گجرات وبمبئی وغیرہ کے وہ تمام لوگ جو زیادہ ثواب کا کام چھوڑکر ہزاروں روپیہ کھلانے پر خرچ کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ہم ثواب ہی کی نیت سے ایسا کرتے ہیں وہ جھوٹ بولتے ہیں اس لئے کہ اگر ان کا مقصد صرف ثواب ہوتا تو وہ پیٹ بھروں کو کھانا نہ کھلاتے بلکہ جس میں زیادہ ثواب ہے وہ کام کرتے۔

اُوجھاگنج کی کچھ اور اصلاحیں

اس آبادی میں پہلے قربانی کا گوشت، عام طور پر کافروں کو بھی دیا جاتا تھا جس میں نائی دھوبی اور چمار بھی شامل ہوتے تھے اور اوجھاگنج کے پرانے زمیندار برہمن جو اب بھی آبادی میں بااثر ہیں ان کو خاص طور سے دیا جاتا تھا اس لئے اس کے خلاف کچھ بولنا بڑا مشکل کام تھا مگر اللہ ورسول جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بھروسے پر ہم نے حکم شرع سنا ہی دیا کہ کافروں کو قربانی کا گوشت دینا جائز نہیں۔ اس رکاوٹ سے غیرمسلموں میں بڑی کھلبلی پیدا ہوئی اور جب ہم سے پوچھا گیا کہ آپ نے روکا ہے تو ہم نے جواب دیا کہ ہم نہیں روکتے بلکہ ہمارا مذہب

روکتا ہے اور جیسے آپ کا دھرم جتنی اجازت دیتا ہے اتنا ہی برتاؤ آپ ہمارے ساتھ کرتے ہیں ویسے ہی ہمارا مذہب جتنی باتیں جائز ٹھہراتا ہے اس سے زیادہ ہم آپ کے ساتھ کرنے سے مجبور ہیں۔ الحمد للہ او جھا گنج سے یہ ناجائز طریقہ دور ہو گیا۔

اور بعض لوگ جو کہتے ہیں کہ کافروں کو قربانی کا گوشت دینا جائز ہے۔ فتاوی عالمگیری میں لکھا ہے تو یہ ان کی غلط فہمی ہے اُس کتاب میں صرف ذمی کافروں کو دینا جائز لکھا ہے اور یہاں کے کافر ذمی نہیں حربی ہیں جیسا کہ رئیس الفقہا حضرت ملا جیون رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے زمانۂ مغلیہ میں تفسیرات احمدیہ صفحہ ۳۰۰ پر تحریر فرمایا۔ ان ھم الا حربی وما یعقلھا الا العالمون۔ اور فتاوی عالمگیری کی اصل عبارت یہ ہے یھب منھا ماشاء للغنی والفقیر والمسلم والذمی کذا فی الغیاثیۃ۔

جامع مسجد کے امام ہونے کی حیثیت سے قربانی کا جانور صرف ہمارے والد صاحب ذبح کرتے تھے اور اس کا سر و پایہ ان کا حق مانا جاتا تھا چونکہ ابتدا ہی سے میرے اندر اصلاح کا جذبہ پایا جاتا تھا تو فارغ التحصیل ہونے سے بہت پہلے ہم نے اعلان کر دیا کہ بہتر ہے اپنی قربانی کا جانور اپنے ہاتھ سے آپ لوگ خود ذبح کریں اور خود نہ کر سکیں تو جس سے چاہیں کروا سکتے ہیں امام کا ذبح کرنا ضروری نہیں اور قربانی کا سر و پایہ ذبح کرنے والے کا حق نہیں آپ جسے چاہیں دے سکتے ہیں اور اپنے کام میں بھی لا سکتے ہیں۔

اس اعلان کے بعد اب قربانی کا جانور جس سے چاہتے ہیں لوگ ذبح کرواتے ہیں اور اس کے سر و پایہ کا حقدار ذبح کرنے والے کو نہیں ٹھہراتے۔

پوری آبادی کے مسلمان اوجھڑی اور آنتیں بلا تکلف کھاتے تھے ہم اس کے ناجائز ہونے کا اعلان کئے اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان و دیگر علمائے اہلسنت کے فتوے ثبوت میں پیش کئے تو جو لوگ حکم شرع کے پیرو ہیں انھوں نے کھانا چھوڑ دیا اور قربانی کے جانور کی اوجھڑی اور آنتیں زمین میں دفن کر دیتے ہیں اور کوئی بھنگی لے جانا چاہتا ہے تو اسے منع نہیں کرتے جیسا کہ فتاوی رضویہ جلد ششم صفحہ ۱۶۷ پر ہے مگر جو لوگ کہ شرع

کی بجائے اپنے باپ دادا کے پیرو ہیں وہ اب بھی پوشیدہ طور پر کھاتے رہتے ہیں۔

شب قدر میں عشا کی نماز کے لئے سات اذان کی جاتی تھی اور عیدین کی بھی اذان ہوتی تھی جس میں نہیں معلوم کیا کیا الفاظ کہے جاتے تھے۔ ہم نے شب قدر کی عشا کی بھی ایک اذان جاری کی اور عیدین کی انوکھی اذان کو بند کروا کے صرف دو بار اَلصَّلٰوۃُ جَامِعَۃٌ کہنے کی اجازت دی۔

سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے زمانہ مبارکہ میں خطبہ کی اذان مسجد کے باہر دروازہ ہی پر ہوا کرتی تھی جیسا کہ حدیث کی معتبر و مشہور کتاب ابوداؤد شریف جلد اول صفحہ ۱۶۲ پر حدیث موجود ہے۔ لیکن کچھ زمانہ کے بعد یہ اذان مسجد کے اندر منبر کے پاس ہونے لگی۔ پھر اسے حدیث شریف کے مطابق مسجد کے باہر لانے میں جگہ جگہ فتنے و فساد ہوئے مگر ہم نے اوجھاگنج میں ایسی ترکیب اختیار کی جس سے بغیر کسی اعتراض و فساد کے نہایت آسانی کے ساتھ یہ اذان بھی مسجد کے باہر ہونے لگی۔

آج سے ۲۵۔۳۰ سال پہلے ہم نے جہاں بھی پوچھا کہ مردہ کو لنگی کہاں سے کہاں تک دی جاتی ہے تو معلوم ہوا کہ ناف سے پیر تک یہاں تک کہ یہی حال براؤں شریف میں بھی تھا۔ اور جب ہم نے فقہ کی معتبر کتابوں کے حوالے سے بتایا کہ مردہ کی لنگی سر کی چوٹی سے پیر تک ہونی چاہیئے تو لوگ سن کر حیرت زدہ ہوگئے اور پھر ہم نے انوار الحدیث میں کفن کی عام غلطیوں پر انتباہ لکھا جس سے بہت لوگوں نے اصلاح کی۔

اوجھاگنج میں بھی مردہ کو لنگی ناف ہی سے دی جاتی تھی اور میت کے دونوں ہاتھ کروٹوں میں رکھنے کی بجائے کافروں کی طرح سینہ پر رکھے جاتے تھے۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سی غلطیاں کفن و دفن کے بارے میں رائج تھیں جن کو ہم نے درست کیا۔ چھوٹے بچہ کی قبر میں تختہ کی جگہ پر پکا ہوا کھپڑا رکھا جاتا تھا ہم نے اسے منع کیا کہ پکی اینٹ کی طرح اس میں بھی آگ کا اثر پایا جاتا ہے۔ اور بعد دفن قبر کے سرہانے اذان کہنا جاری کیا۔

اوجھاگنج میں عام طور پر لوگوں کا وضو اور سجدہ صحیح نہیں تھا کہ دھوئے جانے والے

اعضا کا کچھ حصہ دھوتے تھے اور کچھ صرف بھگا کر چھوڑ دیتے تھے اس پر پانی نہیں بہاتے تھے۔
اور سجدہ میں دونوں پاؤں کی انگلیوں میں سے کسی کا پیٹ زمین پر نہیں لگتا تھا جبکہ ایک انگلی کا پیٹ لگنا فرض اور دونوں پاؤں کی تین تین انگلیوں کا پیٹ لگنا واجب ہے۔ ہم نے ان خرابیوں سے لوگوں کو آگاہ کیا اور صحیح طریقے سے وضو کرنے و نماز پڑھنے کا ڈھنگ بتایا۔ اسی لئے ہمارے حفظ و ناظرہ کے استاذ مولوی محمد زکریا مرحوم اکثر کہا کرتے تھے کہ ہم آپ کے استاذ نہیں ہیں بلکہ آپ ہمارے استاذ ہیں کہ وضو اور نماز وغیرہ کا صحیح طریقہ ہم نے آپ ہی سے سیکھا ہے۔

ملک کے بہت سے بڑے بڑے شہر کہ جہاں سال میں کئی شاندار جلسے ہوتے ہیں اور بےشمار علما کی تقریریں ہوتی ہیں وہاں کی عورتیں اس مسئلہ سے بے خبر تھیں کہ مردوں کی طرح ان کو بھی بلا عذر ساری نمازیں بیٹھ کر پڑھنا جائز نہیں ہے۔ وہ ہر حال میں فرض و واجب تمام نمازیں بیٹھ ہی کر پڑھتی تھیں اور سخت گنہگار ہوتی تھیں۔ ہم نے جگہ جگہ اپنی تقریروں میں اس مسئلہ کو بیان کیا جس سے دیندار طبقہ بہت ممنون ہوا۔ اور پھر انوار الحدیث و انوار شریعت میں اس مسئلہ کو وضاحت کے ساتھ لکھا جس سے اللہ کی بہت سی نیک بندیوں نے اپنی فرض نمازوں کو برباد ہونے سے بچایا۔ دیگر مقامات کی طرح اوجھا گنج میں بھی یہ خرابی پائی جاتی تھی الحمد للہ اس کی بھی درستگی ہوئی۔

اوجھا گنج کا مذہبی معیار بلند کرنے کے لئے جو کام ہم کئے ہیں ان میں سے دونوں مساجد کی پختہ تعمیر بھی ہے۔ چھوٹی مسجد علم و شدہ کی آگ سے جل جانے کے بعد ۱۳۸۵ھ مطابق ۱۹۶۵ء میں تعمیر ہوئی جس میں زیادہ سے زیادہ اپنی طرف سے رقم لگانے اور خالصاً لوجہ اللہ احمد آباد اور بمبئی و بھیونڈی وغیرہ سے چندہ فراہم کرنے کی ذمہ داری ہم نے لی اور حساب و کتاب، مٹیریل کی فراہمی اور مزدوروں کی نگرانی وغیرہ کا کام ملا محمد حسین اور محمد لیٰسین نے انجام دیا۔

بڑی مسجد جو ابھی تک کھپڑیل (سفالہ پوش) تھی وہ بھی بہت بوسیدہ ہو گئی تھی اس کو شہید کرنے سے چار پانچ سال قبل آبادی میں چندہ کا آغاز کیا اور ہم نے تکمیل تک ہر سال

ایک ماہ کی تنخواہ دینے کا وعدہ کیا جو الحمد للہ اب تک پورا کیا۔ بمبئی کے کچھ اہل خیر حضرات نے بھی امداد حاصل کی اور آبادی کے لوگوں نے بھی کافی دلچسپی لی۔ چھت لگنے تک کا انتظام عرفان احمد اور ان کے باپ رمضان علی نے کیا۔ پھر صفائی کروانے اور خوبصورت بینارہ و عمدہ فرش بنوانے کا کام مولوی صلاح الدین نے انجام دیا۔ اور عزیز گرامی حضرت مولانا سید محمد انور چشتی زید مجدہم صاحبزادہ سجادہ نشین آستانۂ عالیہ پھپھوند شریف ضلع اٹاوہ نے تعمیر جدید کے تاریخی مادے یہ استخراج کیے۔

قَالَ اِمَامُ الْاُمَمِ مَنْ بَنٰی لِلّٰہِ مَسْجِدًا بَنَی اللّٰہُ لَہٗ بَیْتًا فِی الْجَنَّۃِ

۵ ـــــــ ھجری ـــــــــــــــــــــــ ۱۴

جامع مسجد اوجھا گنج بسعی و کوشش مفتی جلال الدین احمد صاحب امجدی

۸۵ ـــــــــ ۶ ــــــــــــــــــــ ۱۹

پرانی رسمیں

باپ دادا سے پرانی رسمیں جو چلی آتی ہیں جاہل عوام کو ان سے باز رکھنا اور انھیں بند کروانا بڑا مشکل کام ہے۔ اس لئے اوجھا گنج کی بہت ساری غلط رسموں کی اصلاح میں ہمیں بڑی بڑی مشکلات کا مقابلہ کرنا پڑا۔ طرح طرح کی اذیتیں اٹھانی پڑیں اور قسم قسم کے دل خراش جملے سننے پڑے۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ میں جب بھی اوجھا گنج میں کسی غلط بات سے منع کرتا تو پیٹھ پیچھے یہ کہا جاتا کہ نئے نئے مولوی اور نیا نیا مسئلہ۔ پہلے میرے پاس اس بات کا کوئی جواب نہیں تھا۔ میں سننے کے بعد پیچ و تاب کھا کے رہ جاتا۔ آخر میں نے اس کا جواب تلاش کر لیا اور تقریروں میں بیان کیا کہ نئے نئے مولوی نیا نیا مسئلہ۔ پیٹھ پیچھے یہ کہنا عورتوں کا کام ہے۔ اگر آپ واقعی مرد ہیں تو ٹانڈہ یہاں سے قریب ہے وہاں چلے جائیں اور جس بات کو میں ناجائز کہتا ہوں اس کو کسی مولوی سے جائز لکھوا لائیں یا بریلی شریف سے فتویٰ منگا لیں اور گھر میں بیٹھ کر عورتوں کی طرح بات کرنا چھوڑ دیں۔

میرے اس بیان کے بعد پھر اس قسم کی باتیں سننے میں نہیں آئیں۔ مگر عوام جو

پشتہا پشت سے غلطیوں میں مبتلا تھے انھیں ان باتوں کا چھوڑنا بہت شاق گذرا۔ اس لئے ان کے دلوں میں ہماری طرف سے تکلیف پیدا ہوگئی اور مسلم آبادی کے ذمہ داران ہماری اصلاح سے اپنی توہین محسوس کئے اور پھر ہر طرح کی ترقی دیکھ کر ہمارے حسد میں مبتلا ہو گئے۔

حسد کسی کی نعمت دیکھ کر جلنا اور یہ چاہنا کہ اس کی بجائے یہ بات مجھے حاصل ہو اسے حسد کہتے ہیں۔ حدیث شریف کے مطابق حسد ایسا گناہ ہے جو حاسد کی نیکیوں کو اس طرح جلاتا ہے جیسے آگ لکڑی کو۔ اَلْحَسَدُ يَأْكُلُ الْحَسَنَاتِ كَمَا تَأْكُلُ النَّارُ الْحَطَبَ (ابو داؤد شریف ص ۳۱۶ ج ۲)

اللہ تعالیٰ کا مجھ پر کچھ ایسا فضل عظیم ہوا کہ دور و نزدیک کے بہت سے لوگ میرے حسد میں مبتلا ہوئے یہاں تک کہ تقویٰ و پرہیزگاری کا دعویٰ رکھنے والے بھی اس میں گرفتار ہو گئے اور طرح طرح کی اذیتیں پہنچائے لیکن ان میں اوجھا گنج والوں کو سب سے زیادہ حسد ہوا۔ جن میں بدلو نام کا ایک شریف آدمی پیش پیش رہا۔ ان لوگوں نے میرے ایک پڑوسی کو (جس سے اس کے گھر والے بھی پریشان رہتے ہیں) ابھار دیا تو اس نے ہمیں خوب ستایا۔

اور ہمارے مکان کے بالکل متصل ایک خالی پڑی ہوئی زمین تھی جسے غیر مملوکہ سمجھ کر ہم نے قبضہ کر لیا اور دیوار کھڑی کر کے اپنے گھیرے میں لے لیا۔ پھر جب بعد میں ظاہر ہوا کہ یہ زمین اوجھا گنج کے مشہور خاندان دھاکڑ کی ہے تو ہم نے اپنا قبضہ ہٹانا چاہا ان لوگوں نے کہا یہ ہمارے کوئی خاص کام کی نہیں ہے جب دیوار کھڑی ہو گئی تو اس کو نہ گرایئے ہم زمین کی مناسب قیمت لے لیں گے۔

یہ اس زمانہ کی بات ہے جبکہ زمین کی زیادہ قدر نہیں تھی اور اوجھا گنج میں پانچسو روپیہ بیگھہ میں مزروعہ زمین فروخت ہوتی تھی۔ یہ بھی مزروعہ زمین کا چھوٹا ہوا حصہ تھا ہم نے کہا آپ لوگ ہزار روپیہ بیگھہ کے حساب سے پیسہ لے لیجئے گا۔ اس لئے کہ کل ایک ہی بسوہ زمین تھی۔ ان لوگوں نے کہا ٹھیک ہے لے لیا جائے گا۔

پھر جب ہم نے قیمت لینے کے لئے بار بار تقاضا کرنا شروع کیا تو اس خاندان

کے لوگوں نے یہ جواب دیا کہ اچھا ہو جائے گا آپ پریشان نہ ہوں۔ آخر میں ان کو ایک شخص نے یہ سمجھا دیا کہ زمین کی قیمت مت لو اس لئے کہ تم گیارہ بارہ حصے دار ہو تھوڑا تھوڑا پیسہ پاؤ گے۔ اس سے بہتر یہی ہے کہ عالم دین ہیں بغیر قیمت ایسے ہی بطور نذر دیدو۔ ان لوگوں نے یہی کیا اور ہم نے ان کی نذر قبول کرلی لیکن لکھایا نہیں اور یہ بھول ہم سے اس بنیاد پر ہوئی کہ ان لوگوں کے مورث اعلیٰ دھاکڑ ہمارے والد صاحب اور دوسرے پڑھے لکھے لوگوں کی بڑی عزت کرتے تھے اور ان کے ساتھ بڑا حسن اعتقاد رکھتے تھے یہاں تک کہ انھوں نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی تھی کہ میں بہت گنہگار آدمی ہوں مجھے قبرستان میں راستہ پر دفن کرنا مجھ کو یقین ہے کہ کوئی اللہ کا متقی پرہیزگار بندہ میرے اوپر سے کبھی گذر جائے گا تو میری بخشش ہو جائے گی۔ مگر یہ عجیب اتفاق ہے کہ ان کی قبر کے نشانات ملنے سے پہلے جس راستہ پر وہ دفن کئے گئے وہ راستہ ہی بند ہوگیا۔

مجھے یقین تھا کہ بغیر قیمت زمین دیدینے کے بعد اس خاندان کا کوئی فرد اس کے بارے میں پھر کوئی بات نہیں کرے گا۔ میں نے آیت کریمہ هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ (احسان کا بدلہ احسان ہی ہے) کے مطابق ان لوگوں کے ساتھ ہر ممکن طریقہ سے بھلائی کرنی شروع کی اور بہت دنوں تک ہمارے اور ان کے درمیان تعلقات خوشگوار رہے۔ لیکن جب ہم نے اپنا مکان پختہ بنالیا تو کچھ شریفوں کے تن بدن میں حسد کی آگ بھڑک اٹھی اور انھوں نے اپنا کلیجہ ٹھنڈا کرنے کے لئے دھاکڑ خاندان کو بہکا دیا تو وہ لوگ جو کہ ان میں غلط ہیں انھوں نے یہ کہنا شروع کردیا کہ ہماری زمین پر زبردستی قبضہ کرلیا۔ ہم نے ان سے کہا کہ جب تم اپنی کہی ہوئی بات سے پھر گئے تو اب زمین کی قیمت موجودہ بھاؤ سے لے لو مگر حاسدین نے انھیں لینے نہیں دیا اور بنے ہوئے پختہ مکان کے ڈھانے میں ہمارا بہت نقصان تھا اس لئے یہ معاملہ ایسا ہی پڑا رہ گیا۔

لوگوں کے حسد کی ہمارے پاس کوئی دوا نہیں ہے اس کا علاج صرف وہی ہے جو حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تجویز فرمایا ہے کہ۔

بمیر تا برہی اے حسود کیں رنجیست
کہ از مشقت او جز بمرگ نتواں رست

یعنی اے حسد کرنے والے تو مرجا اس لئے کہ حسد ایسی بیماری ہے کہ اس کی تکلیف سے موت کے بغیر تم چھٹکارا نہیں پا سکتے۔ (گلستاں)

مزاج میں شدت

میرے بارے میں عام طور پر کہا جاتا ہے کہ مزاج میں شدت ہے۔ غالباً اس لئے کہ میں طلبہ پر سختی کرتا ہوں عذر معقول کے بغیر مکان پر زیادہ روز ٹھہرنے والوں کو مناسب سزا دیتا ہوں۔ ہر طالب علم کو اپنی باری پر عبارت پڑھنے کے لئے مجبور کرتا ہوں اور محنت نہ کرنے والوں کو بہت سخت و سست کہتا ہوں۔ قبلہ کی سمت پیشاب کرنے والے، داہنے ہاتھ سے استنجا کا ڈھیلا سکھانے والے، لوگوں کے سامنے پاجامہ کا پائچہ اٹھا کر پیشاب کرنے والے، کھڑے ہو کر پانی پینے والے، بائیں ہاتھ سے کھانے پینے والے یا داہنے ہاتھ سے ناک صاف کرنے والے کسی طالب علم کو دور سے بھی دیکھ لیتا ہوں تو اسے بلا کر تنبیہ کرتا ہوں اور اگر جھوٹ بولتا ہے کہ میں نے ایسا نہیں کیا تو کچھ نہ کچھ اسے ضرور سزا دیتا ہوں۔ ناسمجھ طلبہ کی نظر میں محبوب بننے کے لئے ان کی غلطیوں سے صرف نظر نہیں کرتا ہوں بلکہ پہلے نرمی سے انھیں سمجھاتا ہوں اور نہیں مانتے تو پھر سختی کرتا ہوں مگر اتنی نرمی نہیں اختیار کرتا کہ جو سستی سے تعبیر ہو اور نہ اتنی سختی کرتا ہوں کہ جسے ظلم کہا جائے اسی لئے فیض الرسول کی ۳۲ سالہ تدریسی زندگی میں کبھی طلبہ نے میرے خلاف محاذ نہیں بنایا اور نہ کبھی اسٹرائک کی جبکہ بعض دوسرے لوگ کہ جن کے مزاج کی شدت نہیں مشہور ہے ان کے خلاف کئی بار طلبہ کی اسٹرائک ہو چکی ہے۔

میری سختی سے بہت سے لوگوں کو فائدہ پہنچا کہ اچھی تعلیم اور عمدہ تربیت سے آراستہ ہو کر کامیاب زندگی گذار رہے ہیں۔ اگر میرے اندر زیادہ نرمی ہوتی تو ہمارے لڑکے بھی برباد ہو جاتے۔ نہ باصلاحیت عالم بنتے اور نہ کسی درسگاہ میں پڑھانے کے قابل ہوتے صرف نام کے مولانا بنتے۔

اور میرے مزاج کی سختی ہی کا نتیجہ ہے جو ادجھا گنج کے مسلمانوں کی اصلاح ہوئی دہریت کا خاتمہ ہوا اور بدمذہبیت سے محفوظ رہا ورنہ اس آبادی میں بھی اب تک وہابیت گھس گئی ہوتی

کچھ اور باتیں

ملکی سیاست بلکہ ادجھا گنج کی سیاست سے بھی میرا کوئی تعلق نہیں ہے یہاں تک کہ ایم۔ ایل۔ اے، ایم۔ پی اور پردھان وغیرہ کسی کو ہوش سنبھالنے کے بعد سے اب تک میں نے کبھی ووٹ نہیں دیا اور نہ اپنے گھر والوں کو دینے دیتا ہوں کہ ان کے غلط کاموں کی ذمہ داری ہمارے اوپر بھی آجائے گی۔

ریڈیو خریدنا میرے نزدیک ناجائز نہیں ہے اس کا غلط استعمال ناجائز ہے اور صحیح استعمال بہت کم لوگ کر پاتے ہیں اس لئے آج تک میں نے اسے اپنے گھر میں نہیں داخل ہونے دیا۔ نہ خود خریدا اور نہ شادی بیاہ میں لڑکی والے کو دینے دیا۔ بلکہ ٹیپ رکارڈ بھی نہیں لیا اس خوف سے کہ میں ٹیپ رکارڈ خریدوں گا تو میرے لڑکے ریڈیو لاکر گانا سنیں گے اور میں ریڈیو خریدوں گا تو میرے لڑکے ٹیلی ویژن اور وی۔ ڈی۔ او لاکر امجدی منزل کو سینما گھر بنا دیں گے۔

میں نے خوش حالی کے باوجود اپنے کسی لڑکے کو انگریزی نہیں پڑھائی اور نہ ان شاء اللہ تعالیٰ کسی کو پڑھاؤں گا۔ بلکہ ہر ایک کو نائب رسول ہی بنانے کی کوشش کروں گا۔ اور ان لوگوں کی راہ کبھی نہیں اختیار کروں گا کہ جو دس سال تک زکوٰۃ وخیرات کھاکر علم دین حاصل کئے اور پورے زمانۂ طالب علمی میں ایک ایک پیسے کے محتاج رہے۔ پھر عالم ہونے کے بعد جب کسی مسجد یا مدرسہ کے ملازم ہو کر خوشحال ہو گئے تو اپنے گھر والوں کو انگریزی پڑھاکر کافروں کی وضع قطع کا دلدادہ بنایا۔ انھیں فاسقوں کا لباس پہنایا اور اپنے گھر سے اسلامی طور وطریقہ نکال کر اسے مغربی تہذیب کا گہوارہ بنا دیا۔

اگر کوئی اسلام وسنیت کی تبلیغ واشاعت اور مذہبی کتابوں کا ترجمہ کرنے کی نیت سے انگریزی زبان پڑھے تو ہم اس کے مخالف نہیں ہیں کہ حدیث شریف اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ کے مطابق اس نیت سے کسی بھی زبان کو حاصل کرے گا تو ثواب پائے گا۔

ہم موجودہ انگریزی کورس کے مخالف ہیں جس سے عموماً پڑھنے والوں کا ذہن خراب ہو جاتا ہے۔ مذہبی آزادی پیدا ہو جاتی ہے۔ ماحول بدل جاتا ہے اور بسا اوقات نوبت یہاں تک پہنچتی ہے کہ ایک دو پشت کے بعد گھر میں دہریت کی بنیاد پڑ جاتی ہے ——— جس راہ پر چلنے والے اکثر ہلاک ہو جائیں ایسا راستہ بتانے والے اور اس پر چلنے والے دونوں بیوقوف ہیں۔

صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے زمانۂ مبارکہ میں رومی اور ایرانی وغیرہ کئی سنہ رائج تھے مگر انھوں نے ان میں سے کسی کو نہیں اختیار کیا بلکہ اسلام اور مسلمانوں کی بھلائی کے لئے سنہ ہجری کو جاری کیا جسے آج کا مسلمان مٹانے پر تلا ہوا ہے اور اس کو دنیا سے نیست و نابود کر دینا چاہتا ہے کہ عوام تو عوام اکثر علماء و مشائخ بھی انگریزی ہی تاریخ و سنہ لکھتے و بولتے ہیں اور صرف گورنمنٹ کے کاغذات میں نہیں بلکہ اپنے نجی معاملات شادی بیاہ اور مخصوص خطوط میں بھی اسلامی تاریخ و سنہ کو چھوڑ کر صرف انگریزی پر اکتفا کرتے ہیں میں اسے سخت ناپسند کرتا ہوں۔

اور مسلمانوں کے وہ خطوط کہ جن کے پتے اردو سے بالکل خالی ہوتے ہیں اور وہ بیجک کہ جن میں انگریزی گنتیاں استعمال کی جاتی ہیں انھیں بھی دیکھ کر مجھ کو تکلیف ہوتی ہے۔ اسی لئے کتب خانہ امجدیہ براؤں شریف اور مدرسہ امجدیہ ارشد العلوم اوجھا گنج کا سارا حساب و کتاب اسلامی تاریخ و سنہ اور اردو کی گنتیوں کے ساتھ لکھا جاتا ہے۔

خدائے عزوجل سارے مسلمانوں کو توفیق عطا فرمائے کہ وہ تمام باتیں جو اسلام و مسلمان کی انفرادیت کو باقی رکھنے والی ہیں انھیں ہمیشہ جاری رکھیں اور اپنی غفلت و لاپروائی سے ان کو مٹانے کی کوشش نہ کریں۔ آمین

فیض الرسول سے مجھے بہت محبت ہے اسی لئے میں اکثر براؤں شریف میں ہی رہتا ہوں بقدر ضرورت اپنے مکان پر جاتا ہوں اور گھر کا انتظام دیکھ کر فوراً واپس آجاتا ہوں۔ ہر پندرہ دن پر جمعرات کو تدریس سے فرصت پا کر جاتا ہوں اور جمعہ کو صبح ۹-۱۰ بجے براؤں شریف

کے لئے روانہ ہو جاتا ہوں جبکہ میرے تمام اہل و عیال وطن ہی میں رہتے ہیں اور ۳۲ برس میں کبھی ایک دن کیلئے بھی براؤں شریف نہیں آئے۔ اور اوجھا گنج سے براؤں شریف کے لئے ۵ سواریوں سے ۹۴ کلو میٹر کا سفر کرنا پڑتا ہے۔

موسلا دھار بارش، لو کے تھپیڑے اور سخت سے سخت سردی بھی نہیں اب تک اپنے پروگرام کے مطابق سفر کرنے سے نہیں روک سکی۔ میں اپنے ارادہ پر بہت سختی سے عمل کرتا ہوں۔ یہاں تک کہ میری اہلیہ بیمار تھیں اور حالت بہت زیادہ نازک تھی مگر میں اپنے پروگرام کے مطابق وطن سے چل پڑا اور ابھی راستہ ہی میں تھا۔ براؤں شریف نہیں پہنچا تھا کہ انتقال ہو گیا۔ اور میری والدہ سخت علیل تھیں ان کے دم ٹوٹنے کا انتظار کیا جا رہا تھا مگر میں اپنے ارادہ کے مطابق گھر سے نکل پڑا اور ابھی ایک گھنٹہ بھی نہیں گذرا تھا کہ وہ دنیا سے رخصت ہو گئیں۔

اور ربیع الآخر ۱۴۰۷ھ میں ہمارا سب سے چھوٹا لڑکا جو میرے اوجھا گنج پہنچنے کے دن تھوڑی دیر پر گھر سے نکل کر میرا راستہ دیکھتا ہے وہ چیچک کے بخار میں بتلا تھا اور بے ہوشی جیسی کیفیت طاری تھی کہ میرا گھر پر پہنچنا بھی وہ نہیں جان سکا مگر میں اپنے ارادہ کے مطابق دوسرے دن گھر والوں کو یہ تسلی دے کر چلا آیا کہ گھبرانے کی ضرورت نہیں اچھا ہو جائے گا اور جب براؤں شریف پہنچ کر سخت الجھن ہوئی تو ایک طالب علم کو اوجھا گنج بھیج کر خیریت معلوم کی۔

اسی ارادہ کی پختگی کے سبب زندگی بھر میں کبھی مجھ سے وعدہ خلافی نہیں ہوئی۔ میں نے جب بھی کسی سے وعدہ کیا تو وقت پر کسی نہ کسی طرح ضرور پہنچ گیا اور براؤں شریف ہمیشہ تعطیل و رخصت کے مطابق ہی حاضر ہوا۔ ۳۲ برس میں کبھی ایک دن کی تاخیر سے نہیں پہنچا۔ بہت سے لوگ تعطیل کلاں میں دو ماہ اپنے وطن میں رہنے کے باوجود وقت پر براؤں شریف نہیں پہنچ پاتے اور میں پورے ماہ رمضان میں بمبئی تراویح پڑھا کر دار العلوم کھلنے سے ایک روز پہلے ہی براؤں شریف حاضر ہو جایا کرتا تھا ایک بار بمبئی سے ریزرو ٹکٹ

ملنے میں دشواری ہوئی تو ختم تعطیل کے دن اوجھا گنج پہنچا اور ایک گھنٹہ مکان پر رہ کر شام تک براؤں شریف آگیا۔

اراکین فیض الرسول کا حال یہ ہے کہ جو لوگ ایک ہفتہ کی رخصت لے کر جاتے ہیں اگر وہ دو تین ہفتہ پر آتے ہیں تو ان سے بھی احتراماً یہ مطالبہ نہیں کرتے کہ آپ اتنی تاخیر سے کیوں آئے؟ تو میں اراکین کے دباؤ سے وقت پر نہیں حاضر ہوتا ہوں بلکہ نگاہ میں وقت کی قدر اور اس کی پابندی ہے اس لئے ایسا کرتا ہوں۔

کبھی جھوٹے بیمار بن کر رخصت علالت نہیں لی اسی لئے دار العلوم کے قانون کے مطابق ۳۲ سالہ خدمات کی تقریباً چودہ ماہ کی رخصت علالت محفوظ ہے بعض لوگوں نے بارہا سمجھایا کہ ہر سال کی پوری رخصت علالت لے کر ختم کر دیا کرو۔ لیکن ہم کبھی اس کی جرأت نہیں کر سکے اور ہمیشہ خدائے تعالیٰ سے ڈرتے رہے کہ جھوٹا بیمار بننے سے کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ حقیقت میں بیمار کر دے اور عاقبت خراب ہونے کا خوف الگ سے دامن گیر رہا۔ حدیث شریف میں ہے۔

لَا تَمَارَضُوْا فَتَمْرَضُوْا فَتَمُوْتُوْا فَتَدْخُلُوا النَّارَ۔ جھوٹے بیمار مت بنو کہ حقیقت میں بیمار ہو جاؤ گے اور مر جاؤ گے تو جہنم میں جاؤ گے۔

(الملفوظ حصہ چہارم ص۳۵)

البتہ ساڑھے دس سال کی عمر سے پہلے حفظ کرنے کے زمانہ میں ایک مرتبہ ہم بھی بیمار بنے تھے۔ اس لئے کہ ہمارے بعض ساتھی اکثر درد سر کا بہانہ بنا کر گھر بیٹھ رہتے اور پھر کھیلتے رہتے تو انھیں دیکھ کر ہم بھی ایک دن مکتب میں نہیں گئے اور درد سر کا بہانہ بنا کر بیٹھ رہے مگر پھر ایسی الجھن پیدا ہوئی کہ گھر ہی پڑھنا شروع کر دیا اور جب تک والد صاحب کو سنا کر سبق نہیں لے لیا چین نہیں آیا۔

نماز کے لئے غیبی تائیدیں

میں دیندار گھر میں پیدا ہوا اور میرے والدین نماز کے سخت پابند تھے اس لئے میں بہت

بچپن ہی سے نماز پڑھنے لگا تھا اور شعیب الاولیا حضرت شاہ محمد یار علی صاحب قبلہ علیہ الرحمۃ والرضوان جن کی نماز تو نماز، جماعت تو جماعت سفر و حضر میں ۴۰ سال تک تکبیر اولیٰ بھی نہیں فوت ہوئی۔ ان کی چودہ سالہ صحبت نے مجھ کو اور نماز کا پابند بنا دیا۔ پھر ۱۳۹۶ھ میں حج بیت اللہ اور سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے آستانہ مبارکہ کی حاضری کے بعد نماز کا مزید اہتمام ہو گیا۔ کہ احتیاطاً سفر میں اول وقت نماز پڑھنے کی کوشش کرتا ہوں۔ لوٹا مصلیٰ اور قطب نما ہمیشہ ساتھ رکھتا ہوں۔ حتی المقدور نماز کے وقت میں سفر کرنے سے پرہیز کرتا ہوں۔ اگر بحالت سفر نماز پڑھنے میں زیادہ پریشانی کا خوف ہوتا ہے تو اسے کئی ٹکڑے کر دیتا ہوں۔ کئی موقعوں پر نماز پڑھنے کا امکان نہ رہا تو فضل خداوندی سے غیبی تائیدیں ہوئیں اور ہم نے وقت پر نمازیں پڑھ لیں۔

فیروز آباد ضلع آگرہ ہم تقریر کے لئے گئے اور وعظ سے فارغ ہو کر رات ہی میں واپس ہو گئے۔ جلسہ والوں نے ہمیں ایسی ٹرین میں بیٹھا دیا کہ جس میں رش بہت زیادہ تھا۔ فجر کا وقت ہو گیا۔ اٹاوہ اسٹیشن پر ٹرین کھڑی ہوئی مگر اس کے اندر کوئی صورت نماز پڑھنے کی نہیں تھی اور نہ گیٹ سے نکل کر کسی طرح باہر پڑھنا ممکن تھا میں بہت پریشان تھا کہ اب کیا کروں۔ خدائے تعالیٰ سے دعا کی کہ نماز کے لئے کوئی صورت پیدا ہو جائے کہ ٹرین کا انجن خراب ہو گیا اور دیر تک گاڑی اسٹیشن پر کھڑی رہی۔ بہت سے لوگ نیچے اتر پڑے گیٹ خالی ہو گیا ہم نے وضو کر کے جب آرام سے نماز پڑھ لی تب انجن درست ہوا اور ٹرین وہاں سے روانہ ہوئی۔

میں ایک مرتبہ اپنے وطن جانے کے لئے براؤں شریف سے روانہ ہو کر بانسی پہنچا۔ سردی کا زمانہ تھا میں نے اول وقت ۱۲½ بجے ظہر کی نماز پڑھ لی مگر بس بہت تاخیر سے آئی جس کے سبب رش بہت زیادہ ہوا۔ ۳½ بجے وہ بانسی سے روانہ ہوئی اور جب رودھولی پہنچی تو عصر کا وقت آدھا گذر چکا تھا اور بھیڑ کے سبب بس سے نکل کر نماز پڑھنا ممکن نہ تھا میں سوچنے لگا کہ کیا کروں یہیں بس چھوڑ دوں یا کہیں آگے جا کر اتر جاؤں۔ ابھی کوئی فیصلہ نہیں کر پایا تھا کہ بس وہاں سے روانہ ہو گئی مگر آبادی سے نکل کر پنچر ہو گئی۔ ہم نے خدا کا شکر ادا کیا سارے

پسنجر اتر گئے ہم نے وضو کر کے نماز پڑھی پھر دوسری بس ملی جس سے بستی پہنچ کر مغرب کی نماز ادا کی۔

گرمیوں کا زمانہ تھا ہمیں لکھنؤ سے بس کے ذریعہ فیض آباد پہنچ کر ٹانڈہ جانا تھا ہم نے وقت سے پہلے وضو کر لیا کہ بھٹریا میں بس کھڑی ہوگی تو ہم نماز پڑھ لیں گے۔ مگر وہ بھٹریا میں کھڑی نہیں ہوئی اور ڈرائیور و کنڈکٹر دونوں سادھوؤں کی شکل میں بڑی بڑی جٹا رکھائے ہوئے ٹیکہ دھاری تھے ان سے یہ قطعی امید نہیں تھی کہ وہ کہنے پر نماز پڑھنے کے لئے بس روک دیں گے۔

میں نے فیصلہ کر لیا کہ اگر فیض آباد پہنچنے سے پہلے سورج کے غروب ہونے کا اندیشہ ہوا تو میں بس چھوڑ دوں گا پھر نماز پڑھ کر ٹیکسی سے چلا جاؤں گا بس چلتی رہی یہاں تک کہ عصر کا وقت بالکل آخر ہو گیا مگر فیض آباد دور رہا اور اب میں ڈرائیور سے کہنے ہی والا تھا کہ بس روک دو میں اتر دوں گا کہ اتنے میں اے۔ جی۔ ایم کی کار نے بس کے سامنے آکر اسے روک دیا میرے دل کی مراد بر آئی۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا فوراً اتر کر عصر کی نماز پڑھی بس دیر تک کھڑی رہی پھر جب مغرب کی نماز بھی ہم نے پڑھ لی تو اس کے بعد وہ چل کر فیض آباد پہنچی۔

ایک مرتبہ ہمیں الہ آباد سے صبح ۴ بجے والی پسنجر ٹرین کے ذریعہ فیض آباد آنا تھا۔ اور ٹرین کی بوگیوں میں پانی نہیں تھا۔ سردی کا زمانہ تھا۔ ہم نے وقت سے پہلے ۴ بجے اسٹیشن ہی پر وضو کر لیا۔ ٹرین روانہ ہوئی ہم اوپر کی برتھ پر لیٹ گئے آنکھ لگ گئی اور پھر اس وقت بیدار ہوئے جبکہ ٹرین ایک بہت معمولی اسٹیشن پر کراسنگ کے سبب کھڑی تھی اور فجر کا وقت آخر ہو رہا تھا۔ معلوم ہوا کہ اسٹیشن پر پانی کا انتظام نہیں ہے ضرورت پر کچھ دور سے آتا ہے۔ میں بہت پریشان ہوا کہ اگر میں پانی کے پاس وضو کرنے کے لئے جاؤں تو ہو سکتا ہے ٹرین چل پڑے اور یہ بھی ممکن ہے کہ کھڑی رہے تو اب میں کیا کروں۔

اللہ کا فضل ہوا کہ سامنے کی برتھ پر لیٹے ہوئے مسافر نے پوچھا کہ آپ پریشان کیوں نظر آرہے ہیں؟ میں نے اس کو صورت حال سے آگاہ کیا۔ اس نے کہا آپ گھبرائیے نہیں میں انجن سے پانی لا کر دیتا ہوں۔ اس نے ایسا ہی کیا اور ہم نے سورج نکلنے سے

پہلے بڑے آرام سے وضو کر کے نماز پڑھ لی پھر ٹرین روانہ ہوئی۔

بمبئی کے ایک سفر میں ہم گارڈ کی بوگی کے قریب تھے۔ ٹرین سے اتر کر جیسے ہی ہم نے نماز کی نیت باندھی اس نے سیٹی لگادی اور پھر وہ بار بار سیٹی بجاتا اور جھنڈی ہلاتا رہا مگر ٹرین چلی نہیں حالانکہ ڈرائیور ہمیں دیکھتا بھی نہیں رہا اس لئے کہ اسٹیشن کی بھیڑ کے بعد ہم ٹرین کے آخری حصہ کے سامنے تھے۔ جب ہم نماز سے فارغ ہو کر ٹرین پر آگئے تب وہ روانہ ہوئی۔

شعیب الاولیا حضرت شاہ محمد یار علی صاحب قبلہ علیہ الرحمۃ والرضوان فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص نماز سے محبت رکھتا ہے اور پابندی سے اس کو پڑھنا چاہتا ہے تو خدائے تعالیٰ غیب سے اس کی مدد فرماتا ہے ـــــ حضرت کی اس بات کا مجھے زندگی میں بارہا تجربہ ہوا جن میں سے یہ چند واقعہ ان لوگوں کی نصیحت کے لئے لکھ دیا گیا جو سفر میں نماز پڑھنے کے لئے موقع نہ ملنے کا بہانہ کرتے ہیں۔ خدائے تعالیٰ انھیں ہدایت نصیب فرمائے۔
آمین

شاگردوں کو وصیت

① خلوص کے ساتھ خدمت دین کو اپنی زندگی کا مقصد قرار دو۔ حصول زر کو مقصد زندگی نہ بناؤ۔

② مسجد یا مدرسہ کی ملازمت کے معنی میں عالم نہ رہو نائب رسول کے معنی میں عالم ہو کر رسول کی طرح ہر وقت اسلام و سنیت کی تبلیغ و اشاعت کی فکر رکھو اور ہر ممکن طریقے سے اس کے لئے کوشش کرتے رہو۔

③ قرآن مجید اور حدیث شریف پڑھنے کے ساتھ فقہ کا زیادہ مطالعہ کرو کہ اللہ و رسول کے نزدیک سب سے بڑا عالم وہی ہوتا ہے جو فقہ میں زیادہ ہوتا ہے اگرچہ دوسرا

حدیث و تفسیر سے زیادہ اشتغال رکھتا ہو۔ (فتاویٰ رضویہ چہارم ص ۵۴۲)

(۴) صحیح معنیٰ میں عالم دین بننے کے لئے علمائے اہلسنت خصوصاً اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کی تصنیفات کا زیادہ سے زیادہ مطالعہ کرو۔

(۵) عالم کی سند مل جانے کو کافی نہ سمجھو بلکہ زندگی بھر تحصیل علم میں لگے رہو اور یقین کرو کہ زمانۂ طالب علمی میں صرف علم حاصل کرنے کی صلاحیت پیدا کی جاتی ہے اور حقیقت میں علم حاصل کرنے کا زمانہ فراغت کے بعد ہی ہے۔

(۶) خود بھی باعمل رہو اور دوسروں کو بھی باعمل بنانے کی کوشش میں دن رات لگے رہو۔

(۷) بدمذہب اور دنیادار مولوی سے دور بھاگو جیسے شیر سے بلکہ اس سے بھی زیادہ کہ وہ جان لیتا ہے اور یہ ایمان برباد کرتا ہے۔

(۸) الحاق کہ جس سے اکثر دینی مدارس دنیادار ہو گئے اور ان کی تعلیم برباد ہو گئی۔ اس سے بچو اور مکر و فریب سے گورنمنٹ کا بھی پیسہ نہ حاصل کرو کہ غدر و بدعہدی مطلقاً سب سے حرام ہے۔

(۹) دین میں کبھی مداہنت نہ اختیار کرو، حق گوئی و بیباکی اپنی زندگی کا شعار بناؤ۔

(۱۰) اپنے روپئے کو بینک میں رکھنے اور دوسرے کاروبار میں لگانے کی بجائے دینی کام میں لگاؤ۔ کتابیں تصنیف کرو اور انھیں چھپوا کر اسلام و سنیت کی زیادہ سے زیادہ نشر و اشاعت کرو اور یقین رکھو کہ جو لوگ دین کا کام نہیں کرتے بلکہ جو اللہ و رسول کی مخالفت کرتے ہیں جب انھیں بھی کھلاتے کو ملتا ہے تو کبھی تم بھوکے نہ رہو گے۔

(۱۱) اساتذہ کے حقوق کو تمام مسلمانوں کے حقوق سے مقدم رکھو اور کسی طرح کی ایذا ان کو نہ پہنچاؤ ورنہ علم کی برکت سے محروم ہو جاؤ گے۔

دعا ہے کہ خدائے عز و جل ہمارے شاگردوں کو ان وصیتوں پر عمل کرنے کی توفیق رفیق بخشے، ہماری دینی خدمات کو قبول فرمائے، ایمان پر خاتمہ ہو اور قیامت کے دن حضور پرنور شافع یوم النشور جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی

شفاعت نصیب ہو۔ آمین۔

وصلی اللہ تبارک و تعالیٰ وسلم علی سیدنا محمد النبی الکریم

وعلی آلہ واصحابہ افضل الصلوات واکمل التسلیم۔

جلال الدین احمد امجدی

خادم دار العلوم فیض الرسول براؤں شریف ضلع بستی

۱۱؍ جمادی الاخریٰ ۱۴۰۸ھ

۳۱؍ جنوری ۱۹۸۸ء

کتاب ملنے کے پتے